پاکستان، جرنیل اور سیاست
افواجِ پاکستان کے چیدہ
جرنیلوں سے مکالمہ
علی حسن

بسم اللہ الرحمن الرحیم
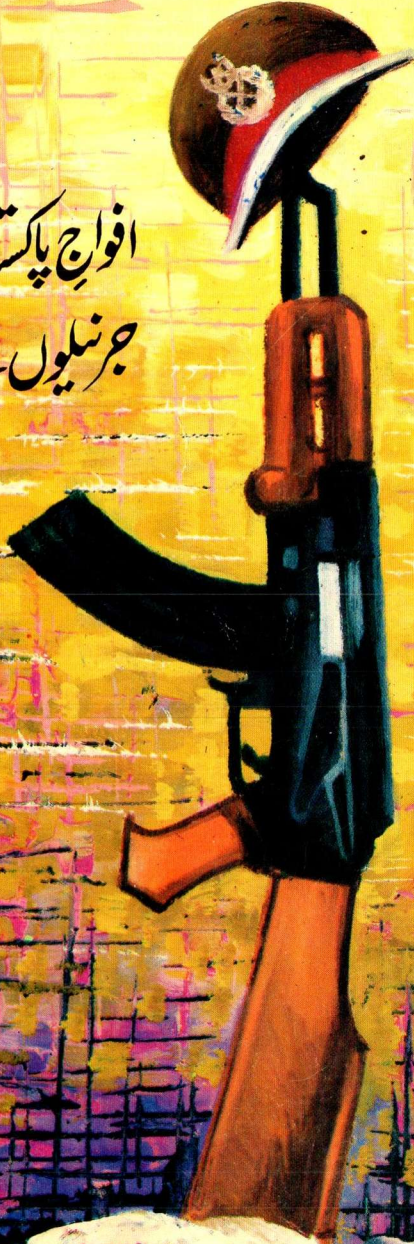
اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان اور رحم والا ہے۔

چیدہ جرنلوں سے علی حسن کا مکالمہ

پاکستان

جرنیل اور سیاست

پہلی اشاعت 1991ء

اردو کمپوزنگ: با اہتمام احمد جمال اعجازی۔ بیلا پرنٹنگ اینڈ پیکیجنگ کارپوریش۔ کراچی

پرنٹر: انتخاب جدید پریس 8۔ ایبٹ روڈ لاہور

ٹائٹل: اشرف کمال

ناشر: وین گارڈ بکس (پرائیوٹ) لمیٹڈ۔
45۔ دی مال۔ لاہور۔ پاکستان
فون 311064، 57783۔ (042)

ISBN : 969-402-050-6 HB

ترتیب

مرحوم و مغفور ابا
حوالدار محبوب حسن (ریٹائرڈ) تمغۂ پاکستان،
کے نام

ابتدائیہ

"پاکستان میں بار بار مارشل لاء کیوں نافذ ہوتا ہے؟ یہ وہ سوال ہے جس نے مجھے پاکستان میں فوج اور سیاست کے موضوع پر کام کرنے کی ترغیب دی۔ اس موضوع پر انگریزی زبان میں متعدد کتابیں موجود ہیں۔ اسی انداز میں اردو زبان میں بھی ایک کتاب کا اضافہ کیا جا سکتا تھا لیکن میں نے موضوع پر رہتے ہوئے مروجہ طریقہ سے ہٹ کر کام کیا ہے۔ اس سلسلہ میں، میں نے ان تمام جرنلوں سے ملاقاتیں کیں ہیں جو کسی نہ کسی طرح مارشل لاء کے نفاذ میں یا مارشل لاء ڈیوٹی میں شریک رہے اور ان سے ان وجوہات پر گفتگو کی جن کے ذریعے اور باعث مارشل لاء کے بار بار نفاذ کی وجہ سمجھ میں آسکے۔

"مارشل لاء کیا ہوتا ہے؟" کے جواب میں ہر جرنل نے مارشل لاء کو لعنت قرار دیا لیکن ساتھ ہی ساتھ سیاست دانوں پر بھی تنقید کی۔ آف دی ریکارڈ گفتگو میں بڑے بڑے نام والے سیاست دانوں کو بہت پستہ قد دکھانے کی کوشش کی۔ جرنلوں نے ایسی ایسی مثالیں پیش کیں جو صرف ذاتی اغراض کے حصول سے تعلق رکھتی ہیں۔ ذاتی مفادات کے حصول کے کھیل میں سب ہی ننگے نظر آئے لیکن پورے معاشرے میں وہ بچہ نظر نہیں آیا جو برملا اور بغیر مصلحت یہ کہہ سکے کہ بادشاہ ننگا ہے۔ کوئی اتفاق کرے یا نہ کرے اس حقیقت سے انکار ممکن ہی نہیں کہ مارشل لاء نافذ کرنے کی ذمہ داری تو فوجی سربراہ پر عائد ہوتی ہے لیکن مارشل لاء کے نفاذ کے حالات پیدا کرنے اور راستہ ہموار کرنے سے سیاست دانوں کو بھی بری الذمہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹرز جرنل ایوب خاں، جرنل یحییٰ خاں، جرنل ضیاء الحق کی پہلی کابیناؤں میں سیاست دانوں کی تعداد دیکھ کر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مارشل لاء کے نفاذ اور عنان اقتدار سنبھالنے کی خواہش صرف جرنلوں میں ہی نہیں ہوتی۔ سیاسی عمل اور انتخابات کے ذریعے اقتدار حاصل کرنا جن سیاست دانوں کو مشکل عمل نظر آتا ہے وہ شارٹ کٹ اختیار کرتے ہوئے مارشل لاء کابینہ میں شمولیت کا راستہ تلاش کر لیتے ہیں۔

روزمرہ کی صورتحال میں فوج کی بار بار کی مداخلت مارشل لاء کو دعوت دینے کے مترادف ہوتی ہے اور اس کے اپنے مضمرات ہوتے ہیں۔ ایک بھارتی سیاست دان کے الفاظ میں "فوج پر اس سیاسی انحصار کا ایک اوسط درجے کے فوجی افسر پر کیا نفسیاتی اثر پڑتا ہے؟ سینئر فوجی افسر حکومت کی خامیوں کے متعلق آپس میں بات کرتے ہیں۔ وزراء کی نااہلی کا رونا روتے ہیں اور ان کی خامیوں کا موازنہ اس "جنت" سے کرتے ہیں جو حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد وہ "تخلیق" کریں گے۔"

پاکستان میں ۱۹۵۸ء میں سیاست دانوں کی ناکامی (کیا سیاست دان واقعی ناکام ہو چکے تھے؟) کے بعد فوج کو ملکی اقتدار پر قبضہ کر لینے کی جو عادت پڑ گئی ہے اس کی متعدد وجوہ ہو سکتی ہیں۔ بنیادی ذمہ داری سیاست دانوں اور سیاسی جماعتوں پر عائد ہوتی ہے۔ اجتماعی طور پر سیاست دانوں نے مارشل لاء کے بار بار کے نفاذ کو ختم کرنے کی عملی کوشش ہی نہیں کی ہے کیا ذمہ دار صرف فوج ہے؟ کیا صرف سیاست دان ذمہ دار ہیں؟ کیا سیاست دانوں کی نااہلی جرنلوں کو موقع فراہم کرتی ہے؟ یا جرنل موقع کی تلاش میں رہتے ہیں؟ یا وہ خود ہی موقع پیدا کرتے ہیں؟ کیا یہ مواقع خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں؟ ان سوالوں کا جواب ہر طبقہ اپنے نقطہ نظر سے دیتا ہے۔

ذوالفقار علی بھٹو نے جنرلوں کی عوام میں تضحیک تو اڑائی، کبھی بونا پارٹ ازم کے حوالے سے اور کبھی راسپوتین قرار دیکر طنز تو کیئے گئے محمد خاں جونیجو نے انہیں سوزکی میں پورا کرنے اور بڑی کاریں واپس لینے کی بات تو قومی اسمبلی کے ایوان میں کی لیکن کیا سیاست دانوں نے مجموعی طور پر کبھی سنجیدگی سے کوئی حکمت عملی اختیار کی تاکہ جنرل یا فوج اقتدار پر قبضہ نہ کر سکیں اور ملکی معاملات میں مداخلت کے لئے قدم نہ اٹھائیں۔

"ایسا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے؟" اس سوال کا جواب بھی بعض جنرلوں نے اپنے اپنے انٹرویو میں دیا ہے۔ لیکن اس سوال کا عملی جواب سیاست دانوں کو ہی پیش کرنا ہوگا۔ معاشرے میں موجود اقتصادی عدم مساوات، نفسیاتی، سماجی مسائل کے ساتھ ساتھ انہیں سیاسی اختلافات کو سیاسی طریقوں اور آئینی دائرے میں رہتے ہوئے حل کرنا ہوں گے۔ "سیاست دانوں کو ملک میں مستحکم جمہوریت کے قیام کے لئے سیاسی جماعتوں کی تعداد کو بہت کم کرنے کے لئے قانونی اور آئینی پہلوؤں کا جائزہ لینا ہوگا۔ ذاتی اختلافات، لیڈر شپ کے مسائل کے نتیجے میں پارٹی تبدیل کر دینے، وفاداری بدل لینے، پارٹی میں گروپ کی بجائے علیحدہ پارٹی تشکیل دے دینے جیسے اہم معاملات کا بھی ٹھنڈے ذہن سے جائزہ لینا ہوگا۔ ان نام نہاد سیاست دانوں کے لئے دروازے بند رکھنے کی تراکیب پر غور کرنا اور عمل کرنا ہوگا جو سیاست کو اپنا کاروبار چمکانے کے لئے تجارت کا ذریعہ بناتے ہیں یا جن کا مقصد سیاست کے ذریعے اپنے آپ کو یا اپنے خاندان صرف اور صرف با اثر بنا کر اپنے اپنے علاقوں میں اپنے نام کا سکہ چلانا ہوتا ہے۔

پاکستان کو مجموعی طور پر مارشل لاء کے بار بار کے نفاذ سے جس قدر شدید نقصان پہنچا ہے وہ اس لئے ناقابل تلافی ہونے کے ساتھ ساتھ قابل ذکر ہے کہ سیاسی اختلافات اور غلط حکمت عملی کے نتیجے میں آدھا ملک علیحدہ ہو چکا ہے۔ جنرل یحییٰ خاں کی کوتاہیاں اپنی جگہ لیکن سیاسی رہنماؤں کی حکمت علمی بھی سقوط ڈھاکہ کا باعث بنی تھیں۔ سندھ کی بگڑتی ہوئی صورتحال میں سیاست رہنماؤں کا کردار قابل مواخذہ ہے کہ انہوں نے جنرل ضیاء الحق کے طویل مارشل لاء کو اس کا ذمہ دار ٹھہرا کر اپنے آپ کو بری الذمہ تصور کر لیا ہے اور عملی سعی سے گریز کیا۔ طویل مارشل لاء ایک وجہ تو ہو سکتی ہے لیکن واحد وجہ یقیناً نہیں ہے۔ سیاسی جماعتوں اور سیاسی رہنماؤں کا کردار بھی اس کی ایک وجہ ہے۔ سیاست دانوں کی شدید بے عملی اور حقائق سے نمٹنے سے گریز اس ملک کو تیزی سے اس طرف لے جا رہی ہے، جہاں تباہی مقدر نظر آتی ہے۔

اس کتاب میں مختلف مارشل لاؤں میں شریک جنرلوں، ایئر مارشل اور ایئر چیف مارشل کے انٹرویو ہیں۔ ان کا نقطہ نظر ان کی زبان میں بیان کیا گیا ہے۔ ہم نے کسی موضوع پر ان کے خیالات پر بحث نہیں کی ہے۔ یہ ذمہ داری، میرے خیال میں، سیاست دانوں کی ہے کہ وہ ان الزامات کی وضاحت کریں۔ اسی کے پیش نظر آئندہ کتاب سیاست دانوں کے انٹرویوز پر مشتمل ہوگی۔

"پاکستان۔ جرنیل اور سیاست" کی تیاری و تدوین میں رہنمائی و معاونت کے لئے جناب ادریس بختیار، جناب عبدالعزیز خان، جناب اسلم قاضی، جناب شیخ محمد مبین، جناب عزیز اللہ ملک کا انتہائی مشکور ہوں۔ ان دوستوں نے نہ صرف اپنی گوناں گوں مصروفیات سے وقت نکال کر رہنمائی کی بلکہ عبدالعزیز خان نے تو قدم قدم پر مشاورت کی۔ میں شبلی بیلی کیشنز لمیٹڈ کے جناب جاوید احمد صدیقی کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے کتاب کے موضوع پر اپنی دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے اسے شائع کرانے کی ذمہ داری قبول کی جو آج کے دور میں بہرحال گراں ذمہ داری ہے۔

علی حسن

۱۰۸۔ بی، یونٹ ۱۰،
لطیف آباد حیدر آباد سندھ۔

”جب تک یہ انتشار ہے ملک میں مارشل لاء لگنے کا خطرہ موجود رہے گا۔ کیوں کہ ہم اس انتشار کو اتنا دور تک لے جاتے ہیں کہ ایک دوسرے کی جان کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ مارشل لاء کے نفاذ کا خطرہ اس وقت ختم ہو گا جبکہ آپ کے سیاسی اختلافات کم ہو سکیں۔“

جہانزیب ارباب

لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) ، مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر زون سندھ (۱۹۷۷ء) ، گورنر سندھ (ضیاء دور) ، سابق سفیر متعین متحدہ عرب امارات۔

”آپ ہماری موجودگی میں ہمارے سربراہ کے ساتھ سخت رویہ اختیار نہیں کر سکتے“ گرجدار آواز میں یہ تنبیہہ جنرل جہانزیب ارباب نے ایوان وزیر اعظم میں اس وقت کے وزیر اعظم کو ایک اجلاس میں دی۔ اجلاس میں موجود ہر شخص پریشان تھا کہ جنرلوں کا موڈ آف ہو گیا تھا۔ اور جنرل کچھ اور سوچنے لگے تھے۔ جنرل جہانزیب ارباب ۱۹۷۷ء کے مارشل لاء میں سندھ کے پہلے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر ہوئے تھے۔ ۱۹۷۷ء میں مارشل لاء نافذ کرنے والے جنرلوں میں سب سے پہلے ریٹائر ہونے والوں میں جنرل ارباب تھے۔ ۱۲ دسمبر ۱۹۲۶ء کو پشاور کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہونے والے جہانزیب نے ۱۹۴۵ء میں فوج میں کمیشن حاصل کیا۔ صوبہ سرحد کا ارباب خاندان فوجی ملازمت کے ساتھ ساتھ صوبائی سیاست میں بھی سرگرم ہے۔ صوبہ سرحد کے سابق وزیر اعلیٰ ارباب جہانگیر اور ان کے بڑے بھائی ارباب نیاز محمد مرحوم جنرل صاحب کے ماموں ہیں۔ ارباب نیاز محمد راولپنڈی سازش کیس میں مبینہ طور پر ملوث بتائے گئے تھے۔ وہ فوج میں کرنل تھے۔ ارباب جہانزیب کے چھوٹے بھائی ارباب اورنگزیب نیشنل پیپلز پارٹی صوبہ سرحد

کور کمانڈر کی حیثیت سے جنرل ارباب اپنی سپاہ سے خطاب کر رہے ہیں۔

کے نائب صدر ہیں۔ کھری کھری باتیں کرنا اور الفاظ چبائے بغیر اپنا نقطۂ نظر بیان کرنا ارباب جہانزیب کی خصوصیت ہے۔

”ہم نے مسٹر بھٹو کو تین ماہ کا وقت دیا تھا کہ ملک میں انتخابات کرادیں۔ یہ ۳۰ر جون (۱۹۷۷ء) کا ذکر ہے کہ فوج کے چیف، تمام کور کمانڈرز، چیف آف جنرل اسٹاف، وغیرہ کو ایوان وزیراعظم میں طلب کیا گیا تھا جہاں اندر کابینہ موجود تھی۔ سندھ کے وزیراعلیٰ اور سرحد کے وزیراعلیٰ بھی موجود تھے۔ دوران گفتگو مسٹر بھٹو نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا ”جنرل ارباب۔ کراچی میں صورتحال بہتر نہیں ہے“۔ میں نے انہیں جواب دیا ”ہم کوشش کررہے لیکن حالات بہت خراب ہورہے ہیں“ آپ فیصلہ کریں اور تصفیہ کرلیں“ ابھی گفتگو ہو رہی تھی کہ جنرل ٹکا خان نے کہا کہ ملک کی خاطر اگر تیس چالیس ہزار آدمی مار دیئے جائیں تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس پر میں نے کہا جنرل ٹکا خان۔ تم خاموش رہو۔ تمہارا فوج سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تم ہم کو مشورہ دینے والے کون ہو۔ تم بھٹو کے مشیر ہو۔ فوج کے نہیں۔ لیکن شیخ رشید کہنے لگے کہ چین میں ثقافتی انقلاب کے دوران دس لاکھ آدمیوں کو مار دیا گیا تھا اور پھر سب ٹھیک ہو گیا۔ آج آپ پر فرض عائد ہوتا ہے یہ آپ کا تاریخی کارنامہ ہوگا ملک ترقی کرے گا۔ ان کا اتنا کہنا تھا کہ جنرل اقبال کے گرج کر کہا۔

you bloody go and kill, we will not kill people.

اس کے بعد پورا اجلاس ہنگامے کی نذر ہو گیا۔ لیکن مسٹر بھٹو نے کہا کہ مجھے ایک سال کا وقت دے دو۔ میں ایک سال بعد الیکشن کرا دوں گا ورنہ پوری دنیا میں میری پوزیشن خراب ہو جائے گی۔ لیکن جنرلوں نے کہا کہ ہم ارباب کی تجویز کی تائید کرتے ہیں کہ صرف تین ماہ میں الیکشن کرادیں۔ پھر مسٹر بھٹو نے کہا گیارہ ماہ اور اس طرح ایک ایک مہینہ گھٹاتے رہے اور ہم اپنی بات پر ڈٹے رہے بالآخر انہوں نے حامی بھرلی۔ جب ہم وہاں سے چلنے لگے تو مسٹر بھٹو نے کہا کہ آپ لوگ رات کا کھانا میرے ساتھ کھائیں۔ رات کو جب ہم جمع ہوئے اور کھانا کھا چکے تو بیٹھے سے قبل مسٹر بھٹو نے ٹیبل پر چمچہ مار کر سب کو متوجہ کیا اور کہا کہ میں تاریخی فیصلہ کرنے جارہا ہوں۔ عین اسی وقت انہوں نے کہا کہ پتہ نہیں تھا کہ جنرل ضیاء کو ہر کام کرنے سے قبل اپنے کور کمانڈروں سے اجازت لینی پڑتی ہے۔ یہ ایک طنز تھا جس پر میں بپھر گیا اور میں نے سختی سے مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ مسٹر بھٹو۔ آپ ہمارے چیف کی اس طرح بے عزتی نہیں کرسکتے۔ ہمیں ان پر اعتماد ہے اور انہیں ہم پر اعتماد ہے۔ ہم ایک کشتی کے سوار ہیں اور ساتھی ہیں اور بات تلخ سے تلخ تر ہوتی چلی گئی۔ اسی اثناء میں جنرل عبداللہ ملک نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا ”باب سہ آپ لوگ ٹروپس کو جو حکم دیں گے وہ ہی ہوگا“

جس پر میں نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا کہ "تم سے کس نے مشورہ طلب کیا ہے۔ پہلے تو تم یہ بتاؤ کہ تم یہاں موجود کیوں ہو اور اگر موجود ہو تو خاموش رہو" پھر ہم سب لوگ اٹھ گئے۔ جب ہم چلنے لگے تو مسٹر بھٹو ہمیں دروازے تک چھوڑنے آئے تھے۔ آگے چیف (جنرل ضیاء) تھے بعد میں 'اقبال اور ان کے پیچھے میں تھا۔ میں نے اس جگہ اعلان کیا کہ تمام صاحبان یہاں سے سیدھے چیف کے گھر چلیں۔ ہمیں وہاں ملاقات کرنی ہے۔ مسٹر بھٹو کارنگ سفید ہو گیا تھا اور ہم وہاں سے نکل کر سیدھے چیف کے گھر آ گئے۔ ساڑھے گیارہ بجے کا وقت تھا اور ہم نے صبح ۵ بجے تک اجلاس کیا۔ وہاں بحث و مباحثہ ہوتا رہا۔ آپ یقین کریں گے کہ اس سے قبل ہمارے ذہنوں میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ ہم حکومت "ٹیک اوور" کر لیں گے لیکن وہاں دوران گفتگو میں نے کہا کہ دوستوں اگر ہم نے کوئی فیصلہ نہیں کیا تو تم دیکھو گے کہ دس بارہ افراد کی گردنیں اڑا دی جائیں گی۔ کوئی بھی فیصلہ کرنے کو تیار نہیں تھا۔ بڑی بحث ہوتی رہی۔ بالاخر لوگ راضی ہوتے گئے اور صبح کے وقت ہم نے آپریشن کا نام "فیئر پلے" طے کر لیا اور فیصلہ کر لیا کہ اگر انہوں نے مذاکرات کر کے معاہدہ نہیں کیا تو "ٹیک اوور" کر لیا جائے گا اور اس مقصد کے لئے ہم نے ان کے درمیان اپنے آدمی چھوڑ دیئے تھے۔ اس ملک میں کوئی شخص ایسا نہیں جو بولنا نہیں چاہتا ہو۔ ہر شخص بولنا چاہتا ہے۔

میں دوسرے دن کراچی آ گیا تو مسٹر بھٹو نے دن میں تین دفعہ فون کئے۔ پھر پیپلز پارٹی کے معتبر افراد آئے اور منانے لگے اور یہاں تک کہا گیا کہ آپ کو کمانڈر انچیف بنا دیتے ہیں۔ میں نے منع کر دیا کہ نہیں ایسا نہیں ہو گا۔ پھر ارباب جہانگیر (صوبہ سرحد کے سابق وزیر اعلیٰ جو جنرل صاحب کے ماموں ہیں) سمیت بعض افراد سے پریشر ڈلوایا گیا کہ میں مسٹر بھٹو کی حمایت کروں لیکن میں نے انکار کر دیا حالانکہ مسٹر بھٹو کے ساتھ میرے قریبی مراسم بن چکے تھے۔ میں نے اسی وقت (جنرل) ضیاء کو فون کر کے مطلع کیا کہ مجھے پیشکش کی گئی ہے لیکن مجھے منظور نہیں ہے۔ ۳ر جولائی (۱۹۷۷ء) کو پھر مسٹر بھٹو نے فون کیا اور ان کا مقصد یہی تھا کہ میں ان کے عزائم پورے کروں۔ ہم نے طے کر لیا تھا اسی لئے ۳ر جولائی سے ٹروپس کو متعین کرنا شروع کر دیا تھا۔ جو ۴ر جولائی کی صبح تک متعین ہو چکے تھے۔ طے ہوا تھا کہ اگر مارشل لاء نہیں لگانا ہو گا تو مطلع کر دیا جائے گا۔

۲۸ر جولائی کو جب مسٹر بھٹو رہا ہو کر مری سے یہاں (کراچی) آئے تو میں انہیں ایئرپورٹ پر ملا اور پھر ان کے مکان ۷۰۔ کلفٹن پر ایک گھنٹے کی ملاقات کی۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ الیکشن میں حصہ لیں اور یقیناً ان کی پارٹی ہی باون ترپن فیصد نشستیں حاصل کرے گی۔ میں نے انہیں یہ بھی گزارش کی کہ وہ فوج کے لئے کوئی صورتحال پیدا نہ کریں۔ جب وہ لاڑکانہ جانے لگے تو انہوں نے ریل سے جانے کا فیصلہ کیا تھا میں نے ہی انہیں فون پر کہا تھا کہ ایسا نہ کریں۔ جس پر انہوں نے

جواب دیا تھا کہ وہ پروگرام طے کر چکے ہیں تو میں نے ان سے کہا کہ ہم ان پر پابندی عائد کر دیتے ہیں ان کی بات رہ جائے گی اور ساری بات ہم پر آئے گی۔ میں نے ایک مارشل لاء آرڈر جاری کیا تھا کہ سیاست دان ایک شہر سے دوسرے شہر ریل گاڑی کے ذریعے نہیں جا سکتے۔ اس پر انہوں نے میرا شکریہ بھی ادا کیا تھا۔ لاڑکانہ سے واپسی پر میری ان سے پھر ملاقات ہوئی تھی لیکن میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ مسئلہ پیدا کر رہے ہیں اور میں نے اوپر والوں سے کہہ دیا تھا کہ بھٹو مشکلات کا سبب بن رہے ہیں اور ان کو گرفتار کر لیا جائے۔ پھر ہم نے ان کو گرفتار کر کے لاہور بھیج دیا تھا اس کے بعد میری ان سے کبھی کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔

☆☆☆..................☆☆☆..................☆☆☆

علی حسن ۔ جنرل جہاں زیب صاحب، آپ اس اعتبار سے سندھ کے منفرد گورنر رہے ہیں کہ آپ سول گورنمنٹ یعنی بھٹو کے زمانے میں نافذ ہونے والے مارشل لاء اور پھر جنرل ضیاء الحق کی سربراہی میں پورے ملک میں نافذ ہونے والا مارشل لاء کے پہلے گورنر، مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر اور کور کمانڈر تھے آپ بتانا پسند فرمائیں گے کہ وہ کیا حالات تھے جن کے تحت مارشل لاء کا نفاذ ضروری ہو گیا؟۔

جنرل جہاں زیب ارباب ۔ ۱۹۷۷ء میں جب الیکشن کے لئے تیاری ہو رہی تھی تو حیدر آباد اور کراچی میں ایسے حالات پیدا ہو گئے اور سول گورنمنٹ کی درخواست پر کراچی اور حیدر آباد میں مارشل لاء لگانا پڑ گیا۔ اس کی ذمہ داری میرے ذمہ تھی۔ لیکن ہم کسی وقت بھی مارشل لاء لاگو کرنے کے لئے تیار تھے۔ بہر صورت جب الیکشن ہوئے اس وقت امن وامان کی صورتحال ایسی تھی کہ سول حکومت نے سمجھا کہ کراچی اور حیدر آباد میں مارشل لاء نافذ کرنا چاہئے۔

سوال ۔ لیکن جناب آپ نے جس طرح کہا کہ آپ تیار تھے مارشل لاء لگانے کے لئے؟۔

جواب ۔ نہیں، مارشل لاء لگانے کے لئے یعنی مارشل لاء کو چلانے کے لئے، سول حکومت نے ہم سے درخواست کی تھی۔ مسٹر بھٹو کی حکومت نے فیصلہ کیا تھا کہ پاکستان کے تین شہروں میں یعنی لاہور، کراچی اور حیدر آباد میں مارشل لاء لگا دیا جائے۔ لاہور میں پھر بھی حالت اتنی بگڑی ہوئی نہیں تھی جتنی کراچی اور حیدر آباد میں۔

سوال ۔ جس میٹنگ میں ان تین شہروں میں مارشل لاء لگانے کا فیصلہ کیا گیا اس میں آپ موجود تھے؟۔

جواب ۔ میں بالکل اس میں موجود تھا۔ جب انہوں نے فیصلہ کیا کہ ان شہروں میں امن وامان کی صورت حال اس قدر خراب ہو گئی ہے کہ سول انتظامیہ اس کو کنٹرول نہیں کر سکتی اور آپ کو پتہ ہو گا کہ جب سول انتظامیہ امن وامان کی صورت حال قابو میں نہ کر سکے تو ایسا ہو جاتا ہے ان

شہروں میں جلوس نکل رہے تھے اور انتخابی مہم جاری تھی جس میں ایک دوسرے کے خلاف ہر قسم کی الزام تراشی کی جا رہی تھی۔ مخالفین نے ایک دوسرے کے مکانات کو آگ لگانا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ مارشل لاء نافذ کر دیا گیا کیونکہ حالات کو قابو میں کرنا ان کے بس سے باہر تھا۔

سوال (قطع کلامی ہوتی ہے) جنرل صاحب۔ مارشل لاء تو الیکشن کے بعد نافذ کیا گیا جب انتخابات کے بعد ہنگامے بڑھے اور حالات کنٹرول سے باہر ہو گئے؟۔

جواب:۔ اگر آپ کو یاد ہو کہ جب قومی اسمبلی کے الیکشن ہو گئے تو اس کے فوری بعد ان تین شہروں میں مارشل لاء لگایا گیا جب صوبائی اسمبلی کے انتخابات ہوئے مارشل لاء ان شہروں میں پہلے سے لاگو تھا اور خاص طور پر صوبائی اسمبلی کے انتخابات ہو گئے۔ ہم جانتے تھے کہ انتخابات کی ذمہ داری ہماری نہیں تھی لیکن امن و امان کی صورت حال کی ذمہ داری ہماری تھی۔ یہ ذمہ داری ہم پر عائد کی گئی تھی اور صوبائی اسمبلی کے انتخابات کے دوران جتنے بھی پولنگ اسٹیشن تھے۔ ان کے قریب ہمارے لوگ موجود تھے کہ خدانخواستہ کوئی ہنگامہ ہو جائے تو ہم حالات کو کنٹرول میں کر سکیں۔ اس کے بعد جب لوگوں کو پتہ چلا کہ الیکشن میں گڑبڑ ہوئی ہے تو انہوں نے اس کے خلاف احتجاج شروع کر دیا۔ اس وقت ہماری پوزیشن بہت زیادہ نازک ہو گئی کیونکہ اب ہم جو کہ سول گورنمنٹ کا ایک حصہ ہیں۔ مارشل لاء اس وقت سول گورنمنٹ کا ایک حصہ تھا ہم گورنمنٹ کی پارٹی یا گورنمنٹ اور اپوزیشن کے درمیان جو اختلافات تھے اس میں ہم بھی فریق بن گئے تھے۔ جلوسوں کو کنٹرول کرنا، کوشش کرنا کہ جلاؤ اور توڑ پھوڑ نہ ہو۔ اس میں ہم لوگ مصروف ہو گئے ان دنوں جتنے بھی جلوس نکلتے تھے یا احتجاج ہو رہا تھا وہ صرف انتخابات میں دھاندلی کے خلاف تھے جتنے بھی جلوس نکلے اس میں کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ وہ کوئی نیا نظام نافذ کرنا چاہتے ہیں یا ہم تبدیلی کرنا چاہتے ہیں۔ نہیں! احتجاج تو صرف اور صرف انتخابات میں دھاندلی کے خلاف تھا۔ وہ صرف اور صرف یہ کہتے تھے کہ الیکشن میں گڑبڑ ہوئی ہے۔ جبکہ حکومت ماننے کے لئے تیار نہیں تھی کہ الیکشن میں کوئی دھاندلی ہوئی ہے۔ لیکن ہم چونکہ غیر جانبدار تھے۔ ہم نے باہر سے دیکھ لیا تھا لیکن ہماری ذمہ داری یہ نہیں تھی کہ ہم فوراً الیکشن کرا دیں۔ ہماری ذمہ داری تو امن و امان قائم رکھنا تھا۔ البتہ ہم محسوس کر رہے تھے کہ کچھ پرابلم ہیں جن کی وجہ سے لوگ سڑکوں پر نکل آئے ہیں اور مسائل پیدا کر رہے ہیں۔ اس وقت ہم نے کوشش کی کہ یہ پرابلم زیادہ نازک نہ ہو جائے۔ سول گورنمنٹ قائم تھی۔ ہمیں آڈر ملا کہ مارشل لاء کو سختی سے نافذ کر دیا جائے۔ سول گورنمنٹ کا ہم ایک حصہ ہیں۔ اس کے بعد کوشش کی گئی کہ دونوں پارٹیوں کا آپس میں ٹکراؤ نہ ہو جائے۔ ہم کوشش کرتے تھے کہ جلوس خواہ اپوزیشن کے تھے یا گورنمنٹ پارٹی کے، ان کو کنٹرول کریں۔ اور تحفظ فراہم کریں۔ کافی پرابلم ہو گئے خاص طور پر گنجان آبادی علاقوں میں مثلاً لیاقت آباد، چاکیواڑہ وغیرہ میں ہم نے کرفیو لگانا شروع کر دیا۔ کیونکہ گڑبڑ

مزید پھیلنا شروع ہو گئی تھی، توڑ پھوڑ شروع ہو گئی۔ اس کے بعد پوزیشن یہاں تک پہنچی کہ ہم نے محسوس کیا اور دیکھا کہ ہم درمیان میں کھڑے ہیں۔ ہمارا فوجی بھی اس علاقے سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی آبادی سے تعلق رکھتا ہے جہاں کے باقی لوگ ہیں۔ تو ایسی صورت میں کچھ نہ کچھ تو اثر ہونا تھا تو ہم سب نے سوچا کہ یہ فوجی ایک دفعہ ادھر مل جائے یا ادھر مل جائے تو نتیجہ سول وار (خانہ جنگی) کے سوا کچھ نہیں ہو گا۔ یعنی اگر آپ درمیان میں ہیں اور آپ کے سپاہی ادھر بھی ہیں ادھر بھی تو ضروری نہیں کہ اثر قبول نہ کریں۔ حالانکہ اللہ کا شکر ہے کہ پاکستان کی فوج میں ڈسپلن ہمیشہ سے بڑا سخت رہا ہے اور ابھی تک قائم ہے۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ اگر خدانخواستہ دونوں مخالف گروپوں کے ساتھ ہمارے لوگ مل جائیں تو بہت بری بات ہو گی۔ ایک دوسرے پر حملہ شروع کر دیں گے۔

سوال ۔ یہ صرف آپ نے سوچا یا تمام فوجی کمانڈرز نے بھی یہ بات سوچی؟۔
جواب ۔ سب نے سوچا فوج کی "ہیرارچی" کی سوچ تھی۔ لیکن ہم صورتحال کے ذمہ دار تھے خاص طور پر کراچی اور حیدر آباد میں جو حالات تھے آپ کو پتہ ہے کتنی جانیں ضائع ہوئیں۔ کافی لوگ مرے، باقی مقامات پر ایسی صورتحال نہیں تھی۔ لاہور میں تین چار آدمی مرے تھے لیکن یہاں پر کافی نقصان ہوا تھا کیونکہ یہاں حالات اس نہج پر آ گئے تھے کہ مخالف سیاسی گروپ ایک دوسرے کے ساتھ تصادم کرنے پر آمادہ نظر آتے تھے۔
سوال ۔ جب فوجی کمان نے یہ سوچا پھر کیا ہوا؟۔
جواب ۔ ہم نے ان سے (حکومت) کہا کہ "خدا کے لئے اب وقت آ گیا ہے کوئی سیاسی حل تلاش کر لیں"۔ ہم نے ان سے بار بار کہا کہ آپ اس کا سیاسی و آئینی حل تلاش کریں تاکہ معاملہ کسی ایک طرف ہو جائے۔
سوال ۔ آپ کی اس سلسلے میں کسی سے بات ہوئی؟۔
جواب ۔ کئی دفعہ ہوئی۔ اعلیٰ سطح پر ہوئی۔ پوری کابینہ کی موجودگی میں ہوئی۔ ہم نے ان سے کہا کہ اب ہم ایسی پوزیشن پر پہنچ گئے ہیں کہ ہم پر درمیان میں دونوں طرف سے ضرب پڑ رہی ہے اور ہو سکتا ہے کہ ہمارے پاؤں پھسل جائیں۔ اگر ہمارے پاؤں پھسل گئے تو پھر اس کو کنٹرول کون کرے گا۔ خدارا آپ لوگ بھی سمجھوتہ کر لیں اور فیصلہ کر لیں اور اس کا کوئی سیاسی حل تلاش کر لیں ہم نے ان سے کہا تھا کہ لوگ بھی اعتراض کر رہے ہیں کہ دھاندلی ہوئی ہے جو کہ گورنمنٹ پارٹی نہیں مان رہی تھی لیکن چونکہ اس طرف مخالفت بڑھ رہی تھی اور ہماری پوزیشن بھی خراب ہو رہی تھی۔ ہم نے کہا کہ اگر الیکشن میں دھاندلی نہیں بھی ہوئی ہے تو قومی مفاد میں دوبارہ الیکشن کرا دیئے جائیں اور اس کا فیصلہ ہو گیا تھا کہ الیکشن دوبارہ ہوں گے۔ آپ کو یاد ہے کہ گورنمنٹ ان لائن پر سوچ بھی رہی تھی اور گورنمنٹ نے اس سلسلے میں ایک پروگرام بھی مرتب کیا تھا۔ ہم

نے ان کو کہا کہ جتنی جلدی ہو سکے یہ الیکشن ہو جائیں ہم نے انہیں تین ماہ کی مدت میں الیکشن کرانے پر زور دیا۔

سوال ۔ یہ مشورہ آپ نے انہیں کب دیا؟۔

جواب ۔ یہ جون ۱۹۷۷ء کے آخر میں۔ پھر فیصلہ ہو گیا کہ جی ٹھیک ہے۔ ہم تین مہینے کے اندر اندر الیکشن دوبارہ کرا دیں گے۔

سوال ۔ بھٹو صاحب تین ماہ کی مدت میں دوبارہ الیکشن کرانے پر رضامند ہو گئے؟۔

جواب ۔ ہاں جی۔ ایک دم تیار تھے۔ پھر اس کے بعد ہم بھی خوش وہ بھی خوش۔ ہم نے اپنے لوگوں سے کہا کہ کوشش کریں کہ کہیں گولی نہ چلے افسران کو خاص طور پر کہا کہ جتنے بھی افسر ہیں۔ سینئر بھی ہیں کہ حالات پر کنٹرول رکھیں اور خود صورتحال کو دیکھیں۔ نقصان کم سے کم ہو۔ اگر گولی چلانے کی نوبت آجائے تو گولی لگے تو نیچے لگے۔ کسی کی جان تلف نہ ہو۔ ساتھ ہی ہمیں پتہ تھا کہ یہ کیا کرتے ہیں۔ مشورے اور مذاکرات شروع ہو گئے تھے اور امید تھی کام ہو جائے گا۔ لیکن بدقسمتی سے صورتحال نے ایسی صورت اختیار کر لی کہ گورنمنٹ اور حزب اختلاف کے درمیان مذاکرات میں کچھ مسائل پیدا ہو گئے چونکہ مارشل لاء تو جزوی طور پر لگا ہی ہوا تھا احتجاج ٹھنڈے بھی ہو رہے تھے۔ لیکن ہمیں خطرہ تھا کہ دونوں طرف کے لوگوں کے پاس کافی اسلحہ ہے ہمیں پتہ تھا کہ ایک دفعہ اسلحہ کا استعمال شروع ہو جائے تو کنٹرول کرنا مشکل ہو جائے گا۔ کیونکہ آپ اس صورت میں کس کو پکڑیں گے اور کس کو ماریں گے۔ آپ کو بھی یہ ماریں گے کیونکہ جب ان کے پاس ہتھیار ہوں آپ کے پاس ہتھیار ہوتے ہیں تو تصادم ہونا لازمی ہوتا ہے۔

سوال ۔ آپ کے خیال میں اسلحہ دونوں گروپوں کے پاس تھا۔ ؟

جواب ۔ بالکل۔ ہتھیار دونوں طرف کے لوگوں کے پاس تھے لیکن ایک گروہ کے پاس زیادہ منظم طریقے سے تھے دوسرے کے پاس غیر منظم طریقے سے تھے۔ جہاں سے مل سکے لے لیا۔ احتجاجی جلوس جو نکل رہے تھے ان کی نوعیت یہ تھی کہ جب مخالف گروہ کے علاقے سے گزرتے تو آگ لگاتے اور توڑ پھوڑ کرتے۔ بہر صورت ہمیں امید تھی کہ فیصلہ ہو جائے گا۔ اس فیصلے تک ہم نے مارشل لاء نافذ کرنے کا کوئی پروگرام نہیں بنایا تھا لیکن جب ان کے مذاکرات ناکام ہو گئے اب ہمیں پتہ چلا کہ یہ کسی فیصلہ پر متفق نہیں ہو رہے ہیں اور پھر مذاکرات ناکام ہو گئے ہیں ہمیں خیال تھا اور صورتحال کا پتہ تھا کہ یہ چیز پھر یہاں تک بڑھے گی اور بڑے پیمانے پر بڑھے گی صرف دو یا تین شہروں تک محدود نہیں رہے گی بلکہ سارے ملک میں پھیل جائے گی۔ اس وقت ہماری پلاننگ کے مطابق ہم نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر مذاکرات فیل ہو جائیں تو پھر ہمیں کارروائی کرنی چاہئے۔ وہی بات چار جولائی کو ہوئی۔

سوال ۔ آپ لوگوں کو کب پتہ چلا کہ مذاکرات فیل ہو گئے۔ ؟

جواب ۔ مجھے خود ۳؍ جولائی کو شام پانچ بجے کے بعد پتہ چلا کہ کچھ پرابلم باقی ہیں شاید یہ لوگ آپس میں فیصلہ نہ کر سکیں۔ ۳؍ جولائی کو جب پتہ چلا کہ پرابلم ہیں اور مذاکرات فیل ہو چکے ہیں۔ تو اس وقت ہم نے تیاری شروع کر دی کیونکہ مارشل لاء لگانا کوئی معمولی بات نہیں ہوتی جبکہ خاص طور پر اپوزیشن آپس میں ایک دوسرے کو مارنے پر تیار ہوں۔ پھر کچھ سرکاری ایجنسی ہو سکتا تھا کہ گورنمنٹ کی پارٹی کو سپورٹ کریں۔

سوال ۔ مثلاً کون سی ایجنسی؟

جواب ۔ ساری جتنی آرگنائزیشن ہیں مثلاً ایف ایس ایف آسکتی ہے وغیرہ وغیرہ اگر ان پر دباؤ ڈالا جائے اور وہ گورنمنٹ کی پارٹی کے حق میں ایکشن لیں تو اس سے تو بات اور بھی بڑھے گی۔ چونکہ ہمیں سندھ کی صورتحال کا تجربہ تھا یہاں پر کافی پرابلم تھے اس وجہ سے ہم کارروائی کرنے میں دیر کرنا نہیں چاہتے تھے اور رات بارہ بجے تک ہم نے پوری کارروائی کر لی تھی۔ آپ کو یاد ہو گا ان دنوں بارشیں بھی تھیں اور ہماری فوج موجود تھی ہم نے اس سے پہلے فوج کو واپس بیرک میں بھیج دیا تھا۔ لیکن جب یہ فیصلہ ہوا تو بارش میں مدد کے لئے سب کو ری کال کیا اور شہر کے حساس علاقوں میں دوبارہ متعین کر دیا اور صبح مارشل لاء نافذ ہو گیا۔

سوال ۔ جناب یہ تو چار تاریخ کو ہوا جبکہ بقول آپ کے آپ کو تین تاریخ کو پانچ بجے یہ معلوم ہوا کہ مذاکرات فیل ہو رہے ہیں۔ مذاکرات نہیں ہو رہے۔ پھر چیف نے آپ کو مطلع کیا ہو گا۔ چیف نے آپ کو کب بتایا کہ ہم مارشل لاء لگا رہے ہیں۔ آپ اسلام آباد میں تھے یا اپنے ہیڈ کوارٹر میں تھے۔ ؟

جواب ۔ میں اپنے ہیڈ کوارٹر میں تھا یہ بات تین تاریخ کو ہوئی تھی۔ فیصلہ ہوا تھا' اگر نہیں لگانا ہو گا تو پھر ہم مطلع کریں گے۔ بارہ بجے رات اور صبح پانچ بجے تک ہمارے فوجی "ڈپلائے" ہوتے رہے۔ اور چار تاریخ کو مارشل لاء لگ گیا اور اللہ کا کرم تھا' فضل تھا کہ کوئی پریشانی نہیں ہوئی تھی۔ اس کے بعد نہ کوئی شدید تصادم ہوا نہ کوئی ایسی صورتحال ہوئی جس میں ہمیں طاقت کا استعمال کرنا پڑا ہو۔ اس کے بعد جب تک میں یہاں رہا خدا کا فضل تھا۔ سول گورنمنٹ بھی چل رہی تھی۔ اب چونکہ اختیار ہمارا تھا یعنی فوج کا۔ ہمیں ہدایت وفاقی گورنمنٹ سے آتی تھی اسی کے مطابق ہم کام چلاتے تھے۔

سوال ۔ آپ کو کب پتا چلا کہ مارشل لاء لگانے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ ؟

جواب میں نے آپ کو بتایا کہ ۳؍ جولائی کو شام پانچ بجے

سوال ۔ ۳؍ جولائی کو فیصلہ کر لیا تھا کہ مارشل لاء لگانا ہے۔ ؟

جواب ۔ مارشل لاء لگانا ہے اگر اس میں کوئی رکاوٹ ہو گی تو آپ کو اطلاع مل جائے گی۔

سوال ۔ جب فوج کو سول حکومت کی مدد کرنے کے لئے بلایا گیا تھا اس وقت جو سیاست دان

حکومت میں شامل تھے' ان کا ردعمل کیا تھا۔ اس لئے کہ آئین میں تو مارشل لاء لگانے کی کوئی گنجائش نہیں۔ ؟

جواب ۔ آئین میں مارشل لاء نہیں بلکہ سول حکومت کی مدد کی بات تو موجود ہے۔ یہ اس طرح ہوتا ہے کہ کسی خاص قسم کا پرابلم ہو جائے تو وہاں پر آپ فوج بھیج دیں اور کنٹرول کر کے واپس چلے جائیں۔ ختم۔ لیکن یہ جو چیز تھی سول گورنمنٹ کی طرف سے تھی۔ سول گورنمنٹ کو اختیار تھا کہ ہمیں کہیں کہ پورا کنٹرول لے لیں۔ مجھے یاد ہے کہ سانگھڑ میں ان دنوں پرابلم تھی۔ وہاں پر ایک قسم کا تھوڑا سا revolt ہو گیا تھا۔ سول انتظامیہ تقریباً دب گئی تھی۔ اپوزیشن نے کافی مسائل پیدا کر دیئے تھے۔ وہاں پر کافی پرابلم پیدا کئے گئے تھے۔ انتظامیہ غیر موثر ہو گئی تھی تو ہمیں کہا گیا کہ وہاں پر پورا کنٹرول کریں۔ ہم نے کہا کہ جی۔ یا تو آپ ہمیں لکھ کر دے دیجئے یا دوسرے دو شہروں کی طرح اس کو بھی مارشل لاء میں لے آئیں تب جا کر ہم اپنی قوت کو استعمال کریں اور اس طرح وہاں پر ہم نے اپنی قوت استعمال ہی نہیں کیں۔ جب تک مارشل لاء نافذ نہیں ہو گیا۔

سوال ۔ جب آپ نے کہا کہ ہم کو تحریری طور پر قوت استعمال کرنے کے لئے کہیں تو اس صورت میں تو فوج وہاں سول انتظامیہ کی مدد کے لئے جاتی؟

جواب ۔ ہاں اگر ہمیں وہ حکم دیتے۔

سوال ۔ لیکن انہوں نے کیوں منع کیا کہ ہم لکھ کر نہیں دیں گے؟

جواب ۔ سیاست دانوں سے پوچھئے یا انتظامیہ کے افسران سے پوچھئے۔ جو ان دنوں وہاں تعینات تھے۔ انہوں نے ہم سے یہ نہیں کہا کہ آپ سول انتظامیہ کی مدد کے لئے آجائیں۔ اس کے لئے requisition ہوتی ہے باقاعدہ تحریری طور پر کہا جاتا ہے کہ کتنے عرصہ کے لئے مدد چاہئے' باقاعدہ مقصد بتایا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ پوری مشینری ہوتی ہے۔ مجسٹریٹ وغیرہ لیکن ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ میں مثال کے طور یہ کہہ رہا ہوں کہ ہم اس وقت تک گورنمنٹ کی ہدایت کے مطابق کام کرنے کے لئے تیار تھے۔ جب تک مارشل لاء پورا نہیں لگا۔ محدود مارشل لاء جو لگا تھا اُس کا اختیار ہمارے ہاتھ میں تھا۔ یعنی یہ کہ کراچی اور حیدر آباد کی ایڈمنسٹریشن وغیرہ سب کچھ ہمارے زیر انتظام آچکا تھا پھر بھی ہم نے سول گورنمنٹ کے ساتھ بہت تعاون کیا۔ ان کے ساتھ اللہ کے کرم سے تعلقات بھی بہت اچھے تھے اور ذہنی ہم آہنگی بھی تھی۔ اس محدود مارشل لاء میں ہمیں کوئی مسئلہ درپیش نہیں آیا۔ گورنمنٹ نے ہمارے محدود مارشل لاء کو خوشی سے قبول کر لیا تھا۔

سوال ۔ آپ نے یہ جو ساری صورتحال بیان کی ہے اس میں ایسی صورت نہیں ہو سکتی تھی کہ مسلح افواج اس طرح آتیں کہ سول گورنمنٹ کے روزمرہ کے امور میں مداخلت نہ کریں۔ ؟

جواب ۔ مسلح افواج مداخلت نہ کرتیں؟ کیا مطلب۔ ؟
سوال ۔ میرا مطلب یہ ہے کہ مسلح افواج حکومت کا مکمل کنٹرول نہ سنبھالتیں۔ اور خود کو صرف امن وامان کی صورتحال بہتر بنانے تک محدود رکھتیں۔ ؟
جواب ۔ حکومت تو پورے ملک پر تھی لیکن ہمارا کنٹرول تو صرف دو ڈویژن پر تھا یعنی حیدر آباد اور کراچی۔ تو یہاں کیونکہ زیادہ پرابلم تھے یعنی یہ کہ اختلافات اور آبادی کے درمیان مزاحمت اور تصادم وغیرہ تو ہمارے لئے باہر کے لئے وہی پرابلم تھی۔ مارشل لاء لگانے کے لئے ہمیں باہر تک پہنچنا تھا ہم تو یہاں پر کراچی میں بیٹھے ہوئے تھے جب فیصلہ ہوا کہ اگر حالات اور خراب ہو جائیں تو مارشل لاء نافذ کر دیا جائے۔
سوال ۔ آپ ۵ر جولائی والے مارشل لاء کی بات کر رہے ہیں۔ ؟
جواب ۔ جی ہاں۔ تو اس کے لئے وقت در کار تھا پھر ہم نے پانچ بجے کے بعد یعنی رات کی تاریکی میں ہر جگہ اپنے ٹروپس بھجوائے' دادو بھجوائے میرپور خاص بھجوائے سب جگہ اپنا کنٹرول مسلط کرنے کے لئے ہم نے اپنے ٹروپس بھجوائے تھے اور پھر جب "ٹیک اوور" ہو گیا تو "ٹیک اوور" کا مطلب یہ ہے کہ سول گورنمنٹ ختم۔ لیکن سول ایڈمنسٹریشن تو زمین پر ہر وقت رہتی ہے۔ خواہ مارشل لاء ہو یا نہ ہو صرف یہ ہے کہ ان کے اوپر جو کنٹرول ہوتا ہے یعنی سول گورنمنٹ کا' وہ ختم ہو جاتا ہے اور ملٹری حکام کے احکامات پر انہیں عمل کرنا پڑتا ہے۔
سوال ۔ میں یہی بات دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ فوج ملٹری رول نافذ کرنے کا کیوں سوچتی ہے۔ ؟
جواب ۔ یہ تو میں نے آپ کو بتا دیا کہ جب حالات ایسی صورت اختیار کر لیں' جب لوگ ایک دوسرے کی جان لینے تک پر آمادہ ہو جائیں اور ہمارے لوگوں کے بھی اس میں شاید شامل ہونے کا اندیشہ پیدا ہو جائے تو اس پر قابو پانے کے لئے' اس رجحان کو روکنے اور دونوں پارٹیوں کو الگ کرنے کے لئے مارشل لاء درمیان میں آجاتا ہے اور پوری مشینری کو اپنے کنٹرول میں لیتا ہے تاکہ defusion میں ان کی مدد کرے۔
سوال ۔ مگر کیا اس میں یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ کسی طرح مسٹر بھٹو کو مذاکرات کرنے پر مجبور کرا دیتے اور تین ماہ کی الیکشن کی جو بات ہوئی تھی اس پر عمل درآمد کراتے۔ ؟
جواب ۔ بات یہ ہے کہ ہمارے پاس کوئی ایسا آلہ نہیں ہے۔ کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے کہ ہم سول گورنمنٹ کو مجبور کریں' ہم سول گورنمنٹ کو ہٹا تو سکتے ہیں۔ لیکن سول گورنمنٹ کو کسی اقدام پر مجبور نہیں کر سکتے صرف یہ ہو سکتا ہے کہ اگر آپ یہ نہیں کرتے تو.......... ! یعنی ان کو تو معلوم ہو گیا کہ آپ الیکشن کروا دیجئے۔ آپ مذاکرات کرا دیجئے۔ تاکہ ہماری مداخلت کرنے کے امکانات ختم ہو جائیں۔ مارشل لاء نافذ ہونے کے امکانات ختم ہو جائیں۔ صرف اس وجہ

سے فورس درمیان میں آتی ہے کہ اس وقت حالات ایسا رخ اختیار کر لیتے ہیں۔ اگر فورس درمیان میں نہ آئے جائے تو خانہ جنگی، ملک کو نقصان اور مسلح افواج کی اپنی involvement ہوتی ہے۔ یعنی وہ اس طرف بھی جا سکتی ہے اس طرف بھی جا سکتی ہے۔ اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ مارشل لاء عوام کے مطالبہ پر نافذ کیا گیا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ زیادہ لوگ یہ کہتے تھے کہ جی انتخابات میں دھاندلی ہوئی ہے اگر مذاکرات میں یہ لوگ فیصلہ کرتے جس کا کہ ہمیں یقین تھا کہ یہ کریں گے کہ حزب اختلاف کو کچھ نشستیں دلوا دیں دس پندرہ یا بیس جتنی بھی، تو اس بات تک نوبت ہی نہیں پہنچتی کہ ہم اس میں کود پڑتے۔

سوال ۔ میں وہی بات پوچھنا چاہتا ہوں کہ کود پڑنے کی نوبت سے اجتناب تو برتا جا سکتا ہے یا avoid کرنے کا کوئی موقع تھا ہی نہیں۔ ؟

جواب ۔ avoid اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ اگر سیاسی حکومت حقیقتاً جو سیاسی مسئلہ پیدا ہو گیا تھا اسے ختم کرتی۔ سیاسی حکومت کو درپیش مسائل میں اہم ترین امن و امان کی صورت حال عوام کی بے چینی، بے اعتمادی اور ملک کی اکثریت کا دوبارہ انتخابات کرانے کا مطالبہ تھا اور ایسی صورت حال کی وجہ سے احتجاجات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا اس وقت یہ احتجاجی جلوس صرف انتخابی نتائج کو قبول نہ کرنے کی بناء پر نکل رہے تھے۔

سوال ۔ جناب والا! یہ تو ۱۹۷۷ء کے مارشل لاء کے بارے میں آپ کا ذاتی مشاہدہ ہے، ۱۹۵۸ء اور ۱۹۶۹ء کے مارشل لاء جن حالات میں نافذ ہوئے وہ حالات ۱۹۷۷ء سے بالکل مختلف نظر آتے ہیں۔ ؟

جواب ۔ میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں۔ میرے خیال میں وہ حالات یقیناً مختلف تھے۔ ۱۹۵۸ء کا مارشل لاء اسکندر مرزا صاحب کی دعوت اور ایماء پر نافذ کیا گیا تھا۔ اسکندر مرزا نے ایوب خان سے کہا کہ مارشل لاء لگائیں کیونکہ وہ سیاسی صورت حال کا مقابلہ نہیں کر پا رہے تھے۔ ان کے لئے اتنے سیاسی اور انتظامی مسائل پیدا ہو گئے تھے۔ تو انہوں نے ایوب خان سے درخواست کی کہ مارشل لاء نافذ کریں اب ایوب خان نے سوچا کہ اگر ملک میں مارشل لاء اسکندر مرزا کے لئے لگاتا ہوں اور مجھ سے یہ کام جو اپنے لئے کروانا چاہتا ہے وہ کام میں خود اپنے لئے کیوں نہ کروں۔

سوال ۔ آپ کا اس زمانے میں کیا رینک تھا۔ ؟

جواب ۔ میں ۱۹۵۸ء میں میجر تھا۔ ۱۹۵۸ء کا مارشل لاء تھوڑے دن کے لئے نافذ رہا یعنی یہ کہ فوج تھوڑے عرصہ کے لئے آئی تھی اور اس کے بعد مسلح افواج اپنے پیشہ ورانہ کاموں میں لگ گئی اور فیلڈ مارشل صاحب نے حکومت خود اپنے ہاتھوں میں لی اور انہوں نے حکومت کو چلایا۔ امور حکومت میں مسلح افواج کی مداخلت محدود تھی۔ اور ۱۹۵۸ء سے قبل جو مارشل لاء تھا وہ محدود

تھا اور محدود مقصد ہی کے لئے لگایا گیا تھا۔

سوال ۔ آپ کی مراد لاہور کے ۱۹۵۳ء کے مارشل لاء سے ہے۔ ؟

جواب ۔ بالکل۔ جس طرح کراچی والا مارشل لاء تھا۔ فرق صاف نظر آتا ہے کہ ۱۹۷۷ء میں پوزیشن اس قدر پیچیدہ (confused) ہو چکی تھی کہ نظر آرہا تھا کہ خواہ کوئی بھی سیاسی حکومت آجائے وہ حالات کو کنٹرول نہیں کر سکے گی۔ یہ میرا اپنا ایمان ہے۔

سوال ۔ اچھا اب ۱۹۶۹ء کی صورتحال کو دیکھیں۔ ؟

جواب ۔ ۱۹۷۷ء اور ۱۹۶۹ء کی صورتحال میں خاصا فرق ہے۔ جس طرح میں نے کہا ہے کہ مارشل لاء جو لگایا گیا ۱۹۶۹ء میں وہ اسکندر مرزا............

سوال ۔ نہیں صاحب وہ تو ۱۹۵۸ء میں تھے۔ ؟

جواب ۔ اوہ۔ بات ۱۹۶۹ء کے مارشل لاء کی ہو رہی ہے ۱۹۶۹ء میں بھی وہی حالات پیدا ہو گئے۔ مشرقی پاکستان کے حالات۔ میں ڈھاکہ میں تھا۔ اور ڈھاکہ ڈویژن میں ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں نے اپنی نگرانی میں کروائے تھے۔

سوال ۔ میں پوچھ رہا تھا کہ ۱۹۶۹ء کا مارشل لاء کن حالات میں لگایا گیا تھا۔ ؟

جواب ۔ ۱۹۶۹ء کا جو مارشل لاء تھا وہ بدقسمتی سے فیلڈ مارشل نے جو کچھ بھی کام کیا ان کے آخری زمانے میں سیاسی جماعتوں نے اور سیاسی سطح پر ان کے مذاکرات شروع ہوئے آپ کو یاد ہے کہ وہ مذاکرات ناکام ہو گئے تھے۔ جب مذاکرات ناکام ہو گئے تو فیلڈ مارشل نے کوشش کی کہ اپنا ذاتی کنٹرول original control قائم رکھ سکیں۔ لیکن انہوں نے مارشل لاء ختم کر دیا تھا اور بنیادی جمہوریت کا نظام لے آئے تھے۔ جس کے تحت سیاسی آزادی مل گئی تھی وغیرہ وغیرہ۔ ان کے پاس ایسے حالات نہیں تھے کہ اپنا اقتدار قائم رکھ سکیں۔ کمانڈر انچیف کی حیثیت میں یحییٰ خان درمیان میں کھڑے تھے۔ جبکہ ایوب خان صدر تھے۔ ایوب خان نے کمانڈر انچیف سے کہا کہ آپ مارشل لاء نافذ کریں۔ سو اس وقت وہی صورت حال دوبارہ سامنے آئی جس سے ۱۹۵۸ء میں اسکندر مرزا دوچار ہوا تھا۔ یعنی یہ کہ یحییٰ خان نے سوچا کہ ایوب خان پھر سیاسی مذاکرات کریں گے، جو فیل ہو جائیں گے تو میں خود کیوں نہ مارشل لاء لگا دوں۔ پھر انہوں نے فیلڈ مارشل ایوب خان کو سمجھ لیجئے کہ برخاست کر دیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ۱۹۶۹ء اور ۱۹۷۷ء میں صورتحال ایک دوسرے کے مطابق نہیں تھی جتنی ۱۹۵۸ء اور ۱۹۶۹ء کی صورتحال میں مشابہت ملتی ہے۔

سوال ۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ہر چیف کے ذہن میں خود مارشل لاء لگا کر حکومت کرنے کا خیال کیوں آتا ہے۔ ؟

جواب ۔ وہ یہی سمجھتے ہیں کہ جب سول گورنمنٹ ان سے کہتی ہے کہ آپ مارشل لاء

لگائیں۔

سوال ۔ جزوی مارشل لاء۔ ؟

جواب ۔ یہاں جو بھی بر سر اقتدار ہوتا ہے سمجھتا ہے کہ کنٹرول اب میرے ہاتھ سے نکل رہا ہے۔ سول انتظامیہ کے ہاتھ سے جب بات نکل رہی ہوتی ہے تو وہ پھر چاہتے ہیں کہ فوج سے وہ کام کرائیں، فوج اس وقت کہتی ہے کہ بھائی ہم ان کے لئے وہی کام کیوں کریں جبکہ وہی کام ہم بھی کر سکتے ہیں۔ تو اس لئے وہ درمیان میں آجاتی ہے یہی ہوا ہے تینوں دفعہ یہی ہوا ہے۔

سوال ۔ آپ تو صوبہ سندھ کے گورنر بھی رہے ہیں۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ آج لوگ جس نتیجہ پر پہنچے ہیں یا جو سیاست دان کہتے ہیں وہ یہ کہ ملک میں مارشل لاء کے بار بار نفاذ کی وجہ سے صورتحال خوفناک حد تک خراب ہوئی ہے یعنی صوبائی عصبیت، لسانی گروہ بندیاں اور عام آدمی عدم تحفظ کا شکار ہوا ہے۔ اس سلسلے میں آپ کیا سمجھتے ہیں کہ کیا واقعی ایسا ہوا ہے۔ مارشل لاء سے ہم کو نقصان ہی ہوا ہے فائدہ تو کوئی نہیں ہوا نا۔ ؟

جواب ۔ آپ کہتے ہیں کہ نقصانات ہوئے ہیں۔ لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ بین الاقوامی سطح پر، معاشی سطح پر اور داخلی سطح پر، جو پاکستان کی پوزیشن فیلڈ مارشل کے مارشل لاء میں تھی اس سطح پر شاید ہم کبھی نہ پہنچ سکیں۔ پاکستان کافی ترقی کر چکا تھا۔ خواہ مارشل لاء کسی غرض کے لئے بھی لگایا گیا ہو۔ خود غرضی کی وجہ سے لگا ہو تو ہو سکتا ہے کہ اس سے ملک کو نقصان پہنچا ہو۔ لیکن اس سے پہلے بھی تو گورنمنٹ نے وہی کام کیا تھا جو مارشل لاء گورنمنٹ نے کئے۔ بھٹو صاحب کے دن یاد ہیں یا اسکندر مرزا صاحب کے دن یاد ہیں وہی کام ہوتا رہا۔ انہوں نے ملک کے مفاد کو ترجیح نہیں دی بلکہ پارٹی اور ذاتی مفاد کو زیادہ فوقیت دی۔ بس یہی وجہ تھی کہ ملک کو نقصان پہنچا۔ مجھے بتائیں کہ ملک کو نقصان، میں سمجھتا ہوں کہ شاید سیاسی طور پہنچا ہے کیونکہ یہ لوگ سات آٹھ سال تک کرسیوں سے باہر (حکومت) رہے ہیں۔ لیکن اگر آج بھی اس کو دیکھا جائے معاشی طور پر، بین الاقوامی سیاست کے تناظر میں، دیکھا جائے تو پاکستان کی صورت حال کوئی اتنی خراب نہیں ہے۔

سوال ۔ لیکن جناب والا مارشل لاء ہی کی وجہ سے ملک کے اندر انتشار تو پیدا ہوا ہے۔ ملک کمزور تو ہوا ہے۔ ؟

جواب ۔ میں اس کا جواب اس طرح دیتا ہوں کہ بھٹو صاحب کے دنوں میں بھی جب بھٹو صاحب دوسری مدت کے لئے انتخابات کرا رہے تھے تو ملک میں کتنا انتشار پیدا ہو گیا تھا ہر جگہ اختلافات تھے۔ ہر جگہ حادثات ہو رہے تھے۔

سوال ۔ لیکن یہ تو سیاسی عمل کا حصہ ہوتا ہے۔ ؟

جواب ۔ لیکن ہم لوگ سیاسی عمل کو زیادہ ہی آگے لے جاتے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ سیاسی حکومتوں کے دور میں کیا کیا زیادتیاں نہیں ہوئی ہیں۔ وائٹ پیپر بھی لکھے گئے ہیں لیکن اس میں بھی کئی چیزیں شامل نہیں ہیں۔ میں اب بھی محسوس کرتا ہوں کہ مارشل لاء نے ملک کو اتنا

زیادہ نقصان نہیں پہنچایا۔ میں مانتا ہوں کہ سیاست دان حکومت سے باہر رہے۔ انہوں نے سمجھا کہ فوج جو ہے اپنی غرض کے لئے' اپنے مطلب کے لئے' حکومت چلاتی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ خواہ سویلین ہوں یا فوجی ہوں۔ حکومت تو بیورو کریسی چلاتی ہے۔ بیورو کریسی کا ایک اپنا سسٹم ہے بیورو کریسی کی اپنی ایک تربیت ہے۔ اپنے اصول ہیں جن کے مطابق وہ حکومت کو چلاتی ہے۔ جب سویلین ان کے اوپر مسلط ہو جاتے ہیں تو وہ کام کسی اور طریقے سے چلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی حالت فوجیوں کی بھی ہے کہ جب وہ بیورو کریسی پر مسلط ہوتے ہیں تو وہ اپنے طریقوں سے کام چلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن eventually آپ دیکھتے ہیں کہ آخر میں بیورو کریسی مارشل لاء کو بھی اپنی راہ پر لے آتی ہے۔ اسی طرح سول گورنمنٹ کو بھی اپنی راہ پر لگاتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ملک میں بار بار مارشل لاء لگنے کی ذمہ دار بیورو کریسی ہے۔ بیورو کریسی ایسی صورت حال پیدا کر دیتی ہے کہ مارشل لاء تک نوبت آ جاتی ہے۔ اگر وہ ایک طرز pattern پر کام چلائے' ایڈ منسٹریشن چلائے' ملک کی معیشت بحال کرے' ترقیاتی کام جاری رکھے تو میں سمجھتا ہوں کہ فوج کبھی بھی ایسی سچویشن میں نہ آتی۔ اگر یہ سب چیزیں ٹھیک جا رہی ہوں تو لوگ خوش ہوں گے' ان کی معاشی حالت اچھی ہوگی۔ وہ کیوں سڑکوں پر آئیں' مظاہرے کریں' ہڑتالیں کریں جلوس نکالیں' اگر وہ نہیں نکالیں گے تو فوجیوں کو موقع ہی نہیں ملے گا کہ وہ اپنی قوت استعمال کر کے ان پر مسلط ہو جائیں۔

سوال ۔ آپ مارشل لاء نافذ کرانے کا ذمہ دار' بیوور کریسی کو ٹھہراتے ہیں جبکہ بیورو کریسی سویلین حکومت کے تابع ہوتی ہے اور سویلین حکومت پارلیمینٹ کو جوابدہ ہوتی ہے۔ جبکہ مارشل لاء حکومت' فرد واحد کے اقتدار کا دوسرا نام ہے۔ چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر مطلق العنان ہوتا ہے اس کا حکم قانون سے بالاتر اور حد تو یہ ہے کہ اعلیٰ عدالتوں کے دائرہ اختیار سے بھی باہر ہوتا ہے۔ چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر' پارلیمینٹ کا نعم البدل کیسے ہو سکتا ہے۔ ؟

جواب ۔ نہیں ہو سکتا۔ آپ کا خیال بالکل درست ہے کہ سی۔ ایم۔ ایل۔ اے پارلیمینٹ کا نعم البدل نہیں ہو سکتا۔ لیکن سی۔ ایم۔ ایل۔ اے کے ماتحت بھی تو لوگ ہوتے ہیں جو کہ ان سے اختلاف بھی کر سکتے ہیں جو ان کے ساتھ بحث مباحثہ بھی کر سکتے ہیں۔ سی۔ ایم۔ ایل۔ اے پالیسی بناتے ہیں جس کے تحت حکومت چلتی ہے۔ پارلیمینٹ بھی گورنمنٹ چلانے سے مداخلت نہیں کرتی۔

سوال ۔ آپ کو یاد پڑتا ہے کہ کبھی آپ نے صوبہ سندھ کے مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کی حیثیت سے سی۔ ایم۔ ایل۔ اے سے اختلاف کیا ہو۔ ؟

جواب ۔ بہت دفعہ۔ ایک دفعہ نہیں کئی دفعہ۔

سوال ۔ مثال کے لئے کوئی واقعہ۔ ؟

جواب ۔ (ہنستے ہوئے) وہ تو میں نہیں بتاؤں گا لیکن یہ حقیقت ہے ہمیں اختیار تھا۔ کیوں کہ صوبوں کو خود مختاری حاصل ہے۔ سب کچھ پہلے سے دیا ہوا ہے جبکہ اس مارشل لاء میں آئین منسوخ نہیں کیا گیا۔ صرف اس کی چند دفعات معطل کر دی گئی تھیں۔ باقی صوبائی اور وفاقی حکومت کا جو طریقہ کار تھا ہم نے اسی کے مطابق کام چلایا۔

سوال ۔ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ۱۹۷۳ء کے آئین کی دفعہ ۶ جس میں طے کیا گیا ہے کہ اگر بزور طاقت آئین کو معطل یا منسوخ کیا جائے تو وہ فعل بغاوت تصور کیا جائے گا اب جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ آئین معطل کیا گیا نہ کہ منسوخ۔ لیکن یہ جو آئین معطل ہوا وہ طاقت کے زور پر ہوا۔ ؟

جواب ۔ طاقت کے زور پر۔ ؟ سچویشن کو دیکھئے' کیونکہ سچویشن ایسی بن گئی تھی اگر آئین کو معطل نہ کرتے تو ملک میں خانہ جنگی شروع ہو جاتی۔ اور اس سے باہر کے لوگ فائدہ اٹھاتے۔

سوال ۔ پاکستان ہمیشہ مارشل لاء سے دور رہے۔ اس کے لئے آپ کی کیا تجویز ہے۔ ؟

جواب ۔ پاکستان کو مارشل لاء سے دور رکھنے کے لئے سیاسی استحکام بہت ضروری ہے۔ اور سیاسی شعور' جمہوریت کا ایک ضروری حصہ ہے۔ بدقسمتی سے سیاست میں غیر ذمہ داری بہت ہے۔ ہماری سیاست میں اگر مقصدیت objectively جنم لیتی ہے اور جس کا منطقی نتیجہ مارشل لاء کا قیام ہوتا ہے۔ مارشل لا کا راستہ روکنے کے لئے سیاسی جماعتوں کی کثرت کو ختم کرنا بہت ضروری ہے۔ کم پارٹیوں میں جب لوگ سیاسی طور پر تقسیم ہوں گے تو ایک حکمراں پارٹی ہو گی اور ایک حزب اختلاف کی پارٹی۔

سوال ۔ یہ آپ دو جماعتی نظام کی بات کر رہے ہیں۔ ؟

جواب ۔ میں بالکل دو جماعتی نظام کی بات کر رہا ہوں۔ لیکن یہ ضروری نہیں۔ تین' چار اور پانچ سیاسی جماعتیں بھی ہو سکتی ہیں۔

سوال ۔ جناب والا' سیاسی جماعتوں کی کثرت کو ختم کرانے کا بھی ایک سیاسی طریقہ ہوتا ہے۔ اور یہ کہ آپ عام انتخابات میں تسلسل برقرار رکھیں۔ سیاسی جماعتیں جب انتخابات میں حصہ لیں گی تو عوام ہی کی طاقت ان کو منتخب بھی کرے گی اور مسترد بھی' اس طرح عوام میں غیر مقبول سیاسی جماعتیں خود بخود اپنی موت مر جائیں گی لیکن یہ اسی وقت ہو گا جب سیاسی عمل میں تسلسل قائم رہے۔ لیکن یہاں تو مسئلہ یہ ہے کہ اس عمل کو بھی بار بار سبوتاژ کر دیا جاتا ہے؟

جواب ۔ وہ تو سچویشن ہوتی ہے۔ بعض مخصوص حالات ہوتے ہیں۔ جس سے کہ سیاسی عمل متاثر ہو جاتا ہے۔ امید ہے کہ اب جس طریقے سے سیاسی عمل شروع ہوا ہے اس میں تسلسل قائم رہے گا۔ میں خود اس کا قائل ہوں کہ جتنے زیادہ الیکشن آپ کریں گے اتنا ہی ملک میں سیاسی استحکام پیدا ہو گا۔ بہرصورت ہم جو اتنی قوت اور رقم سیاسی سرگرمیوں پر خرچ کرتے ہیں۔ دنیا میں کہیں ایسا نہیں ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ کنونشن منعقد کر لیتے ہیں۔ امریکہ میں یا دوسرے ترقی یافتہ

ممالک میں جب کوئی وزیر جاتا ہے آپ نے دیکھا ہو گا کہ زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس افراد کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہم جو ہیں سارا سال 'یعنی چار سال پانچ سال تک سیاسی سرگرمیاں جاری رکھتے ہیں۔ جس میں لوگوں کا وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور انرجی بھی ضائع ہوتی ہے۔ اس کے نتیجے میں ملک میں انتشار بڑھتا جاتا ہے۔ اگر ہر ایک آدمی سیاسی ذمہ داری سمجھے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ انتشار ختم ہو گا۔ جب تک یہ انتشار ہے ملک میں مارشل لاء لگنے کا خطرہ موجود رہے گا۔ کیوں کہ ہم اس انتشار کو اتنا دور تک لے جاتے ہیں کہ ایک دوسرے کی جان کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ بات نہیں ہو گی' امن و امان کی صورت حال ایسی پیدا ہو جائے گی کہ اس وقت ضرور فوج کو مداخلت کرنا ہو گی۔ کیوں کہ ابھی تک ہم نے ایسا ادارہ تیار نہیں کیا ہے جو بغیر فوج کے امن و امان کی صورت حال کو قابو میں رکھ سکے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ مارشل لاء کے نفاذ کا خطرہ اس وقت ختم ہو گا جبکہ آپ کے سیاسی اختلافات جو ہیں وہ کم ہو سکیں۔ آپ ایک پلیٹ فارم پر آجائیں۔

سوال ۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ ہم نے کوئی ایسا ادارہ تیار نہیں کیا ہے جو امن و امان بغیر فوج کے کنٹرول کر سکے۔ جنرل صاحب اپنی اس رائے کی مزید وضاحت فرمائیں گے؟۔

جواب ۔ وہ یہ تھا کہ ہمارے جو ساتھی ہیں یا یہ کہ سول آرم فورسز سیاسی حکومت کے اتنے زیادہ کنٹرول میں آجاتے ہیں کہ اپنا کام ٹھیک طور پر نہیں چلا پاتے ہیں۔ وہ غیر جانبدار نہیں رہتے جس کی وجہ سے جب سچویشن پیدا ہو جاتی وہ جو دو پارٹیاں ہیں یعنی حزب اقتدار اور حزب اختلاف' ان کے درمیان وہ کھڑے نہیں ہو سکتے۔ قدرتی بات ہے کہ وہ ایک کی حمایت کرتے ہیں دوسرے کی مخالفت۔ یہ ہی وجہ ہے کہ آپ دیکھتے ہیں کہ جب ناظم آباد میں گڑبڑ ہوتی ہے تو سب لوگ کہتے ہیں کہ پولیس گورنمنٹ کے ساتھ ہے۔ وہ کون ہے جو گورنمنٹ کے ساتھ نہیں چلے گا؟ وہ فوج ہے۔ فوج جب آتی ہے تو وہ یہ نہیں سوچتی کہ یہ جماعت اسلامی کا ہے یا یہ جمعیت العلماء پاکستان کا ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ جو بھی غلط کام کرے اس کو سزا ملنی چاہئے۔

سوال ۔ تو ایسا ادارہ کس طرح بن سکتا ہے؟ کیا فوج کے متوازی ایسا ادارہ قائم کیا جائے؟۔

جواب ۔ متوازی نہیں۔ آپ ان سول اداروں کو زیادہ خود مختار بنا دیں' ان پر زیادہ اعتماد کریں۔ وہ لوگ کسی بھی قسم کی صورتحال سے نمٹنے کے لئے تیار ہوں۔ ہندوستان میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہندوستان میں تو فوج خاصا دور رہتی ہے۔ ہندوستان میں یہ ہی سول پولیس ہے اس کے بعد سول آرمڈ فورسز اور پھر آخر میں جا کر مسلح افواج کا نمبر آتا ہے۔ ہمارے ہاں لوگوں کا اعتبار ان اداروں پر اتنا نہیں ہے۔ اس لئے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ جانبدار ہیں۔ غیر جانبدار نہیں ہیں اس وجہ سے فوج کی ضرورت پڑتی ہے۔

سوال ۔ آپ نے ہندوستان کے اداروں کا ذکر کیا ہے وہاں پاکستان سے زیادہ پیچیدہ سیاسی صورت حال پیدا ہوئی ہیں۔ لیکن وہاں مسلح افواج نے کبھی مارشل لاء لگانے کے بارے میں نہیں

سوچا۔ حالانکہ وہ ہمارے پڑوسی ہیں۔ اور دونوں ایک ہی جغرافیائی خطے سے تعلق رکھتے ہیں؟۔
جواب ۔ ٹھیک ہے، میں اس کو تسلیم کرتا ہوں، ان کا سیاسی عمل ہی اس طرح سے شروع ہوا ہے کہ ان کے پہلے دس پندرہ سال smooth گزرے (اور ان کے سیاسی اداروں کو استحکام ملا۔ سیاسی عمل جاری رہنے سے ان کو سیاسی استحکام ملا۔ ہمارے سیاسی ادارے تو شروع میں تھے ہی نہیں۔ جب ابھی سیاسی ادارے جنم لے رہے تھے تو ان میں رکاوٹیں پیدا ہونی شروع ہو گئی۔ اس وجہ سے ان اداروں کی نشوونما ہو سکی۔ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ اس پانچ سال کے عرصے میں امید ہے کہ سیاسی اداروں کو استحکام ملے گا۔ اور مستقبل میں سیاسی اداروں کا یہ استحکام سیاسی عمل کو جاری و ساری رکھنے کا باعث بنے گا۔
سوال ۔ گزشتہ پانچ سال کے عرصے کے دوران جو ہنگامے ہو رہے ہیں اور عوام کے درمیان اختلافات کی خلیج بڑھ رہی ہے۔ اس کے باوجود آپ ملک میں سیاسی استحکام کے بارے میں پرامید ہیں؟۔
جواب ۔ ہاں بالکل۔ میں پھر بھی امید رکھتا ہوں کہ لوگ یہ احساس کریں گے کہ جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ ملک کی بقاء اور اس کے استحکام کے خلاف جاسکتا ہے۔ اور اس میں پاکستان کا نقصان بہت زیادہ ہو سکتا ہے۔ یہ جو اختلافات نظر آ رہے ہیں کوئی ایسے خاص اختلافات نہیں ہیں جن کا تعلق سیاست سے ہو یہ اختلافات پیدا کئے گئے ہیں۔ معمولی سی بات ہے آپ دیکھیں کہ ایک ٹیکسی جا رہی ہے اس سے چاکیواڑے میں ایک حادثہ ہو جاتا ہے۔ حادثہ تو ہو گا۔ خواہ آپ ولایت میں ہوں یا چاند پر جا رہے ہوں۔ حادثے تو ہوتے ہیں۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ حادثے کی ذمہ داری زیادہ تر حادثے میں زخمی ہونے والے یا جاں بحق ہونے والے فرد کی ہوتی ہے۔ خدا بخشے میرے ایک چچا تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ ڈرائیونگ کرتے وقت آپ سمجھ لیجئے کہ جو چلنے والے ہیں وہ بہت ہی بے وقوف گنوار اور stupid لوگ ہیں۔ تب آپ کہیں جا کر حادثہ سے بچ سکتے ہیں۔ میں خود جو ایک ذمہ دار شخص ہوں جب میں سڑک پار کرتا ہوں تو میری نگاہ اس طرف ہوتی ہے جدھر سے ٹریفک آ رہی ہوتی ہے۔ آپ سڑک پر جا کر کھڑے ہو جائیے اور آپ دیکھئے کہ لوگ کس طرح سڑک کراس کرتے ہیں اور اسی طرح حادثے ہو جاتے ہیں۔ کوئی جان بوجھ کر حادثہ نہیں کرتا۔ حادثہ ہو گیا تو چلو بھئی ٹھیک ہے۔ ایک سسٹم موجود ہے۔ ادارے موجود ہیں۔ وہ اس کا انتظام کر لیں بندوبست کر لیں گے۔ لیکن آپ قانون اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔ اور چاکیواڑے میں تو ایکسیڈینٹ ہوا لیکن ناظم آباد میں جتنے بھی رکشہ ہوتے ہیں ٹیکسیاں ہوتی ہیں۔ ان کو جلانا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ تو احساس ذمہ داری ہے لوگوں میں کس مقصد کے لئے یہ کر رہے ہیں؟ اس سے فائدہ کس کو پہنچ رہا ہے۔ اس سے تو انتشار پھیلانے والی قوتوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ جو اپوزیشن ہے نہ تو وہ اس سے متاثر ہو گی اور نہ ہی گورنمنٹ۔ میں سمجھتا ہوں کہ جتنا آج کل انتشار

ہو رہا ہے یا یہ حادثات و واقعات ہوئے ہیں یہ کوئی خاص سیاست کی وجہ سے رونما نہیں ہو رہے۔ لوگوں کے سیاسی اختلافات کی وجہ سے نہیں ہو رہے ہیں۔ سندھ میں جو مسائل پیدا ہو گئے تھے وہ آپ کو معلوم ہے کہ کیوں ہو گئے تھے۔ ؟ یہ چیزیں صوبہ سرحد میں کیوں نہیں ہوتی ہیں۔ پنجاب میں کیوں نہیں ہوتی ہیں؟ آخر پنجاب میں بھی تو یہی لوگ ہیں' اسی ملک کے باشندے ہیں' وہاں یہ واقعات کیوں نہیں ہوتے؟ سیاست کو صحیح سمت میں اور قومی مفاد میں استعمال کیا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ سارے افسوسناک واقعات اور خون ریزی نہ ہو۔

سوال ۔ جس طرح آپ نے کہا کہ یہ سچویشن پنجاب یا صوبہ سرحد میں نہیں تو آپ کے خیال میں صوبہ سندھ میں اس کے وقوع پذیر ہونے کے اسباب کیا ہیں؟۔

جواب ۔ یہاں پر کچھ قوتیں ہیں جو کہ لوگوں کو اکسا رہے ہیں لوگوں کو بہکا رہے ہیں اور جس کی وجہ سے ملک کے اوپر بین الاقوامی اور داخلی دباؤ بڑھ رہا ہے۔ وہ کون سی قوتیں ہیں؟ وہ عناصر۔ وہ قوتیں۔ ہمارے ملک سے بھی تعلق رکھتی ہیں اور غیر ملکی دشمنوں کے آلہ کار بھی۔ کیوں کہ جب آپ کے ملک میں استحکام نہیں ہو گا تو ہو سکتا ہے کہ آپ کے پڑوسی ملک اس سے فائدہ اٹھائیں جب آپ کے ملک میں استحکام ہو گا' معاشی طور پر آپ ترقی کریں گے' تو ضروری بات ہے کہ ملک دشمن قوتیں اس کو برداشت نہیں کریں گی۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں پڑوسی ملک کی سازش ہو۔ اور دوسرے لوگ بھی ہوں' کیونکہ پاکستان جو ہے عالم اسلام میں ایک ابھرتا ہوا ملک ہے۔ اللہ نے سب کچھ یہاں دیا ہے۔ آپ جا کر دیکھئے ناان کے پاس تیل بھی ہے اور دوسری چیزیں بھی ہیں لیکن جو چیزیں ہمارے پاس ہیں وہ اور کسی ملک میں نہیں ہیں۔ ہر ایک چیز یہاں پر موجود ہے اسی وجہ سے ان کو یہ چیز کھٹکتی ہے کہ اگر ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو یہ ملک اتنا آگے بڑھ جائے گا کہ اس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ اس بات کے پیش نظر سارے وطن دشمن عناصر ملک کے لئے مسائل پیدا کر رہے ہوں۔ اب اتنے ہی باشعور لوگ لاہور میں بیٹھے ہیں پشاور میں بھی ہیں اور دیگر بڑے بڑے شہروں میں بھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ باہر سے آئے ہوئے ہیں ان کے لئے اتنے اختلافات نہیں ہوتے جتنے یہاں پر' اس کو اگر' آپ خاص کر پریس اور صحافی اس پہلو سے مطالعہ کریں پھر خاص کر ہمارے دانشور بتائیں کہ یہ کیوں ہو رہا ہے؟ آخر وجہ کیا ہے؟۔ آبادی میں اضافہ کی ایک وجہ ضرور ہے اس میں کوئی شک نہیں لیکن جتنی چیزیں یہاں کراچی میں موجود ہیں وہ تو لاہور یا پشاور میں ہیں ہی نہیں یعنی انڈسٹری ہے روزگار کے مواقع ہیں سب کچھ ہے دولت ہے۔ اس کے باوجود اگر یہاں کے حالات میں استحکام نہیں ہے تو ضرور کوئی نہ کوئی وجہ ہے۔

سوال ۔ مستقبل میں ملک میں مارشل لاء کی راہ روکنے کی بات کر رہے ہیں تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ملک میں سیاسی استحکام ہی مارشل لاء کو روک سکتا ہے یا کچھ اور عوامل بھی اس سلسلے میں مددگار

ثابت ہو سکتے ہیں؟۔

جواب ۔ نہیں جی، سیاسی استحکام سب سے پہلے اور پھر اس کے بعد سیاسی شعور اور عوام میں قومی ذمہ داریوں کا احساس۔ یہ سب چیزیں معاشی ترقی میں مہمیز کا کام کریں گی ۔ اور پھر ہر فرد مطمئن، خوش حال اور ایک سو نظر آئے گا۔ جبکہ ہم سیاسی اختلافات کو اتنا آگے لے جاتے ہیں کہ فیملی بالکل دب کر رہ جاتی ہے۔ ہمیں اگر سیاست کو سمجھنا ہے تو ہمیں چاہئے کہ گھر سے سبق لے لیں۔ ایک ہی خاندان میں باپ بیٹی میں اختلافات رائے ہوتا ہے لیکن پھر بھی ایک ہی چھت کے نیچے زندگی بسر کرتے ہیں۔ جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ سیاسی وابستگی کے حوالے سے ہم اس قدر رجعت پسند ہو جاتے ہیں کہ مخالفت سیاسی جماعت کو ملک دشمن قرار دے دے کر ان کو اسلام سے بھی خارج کر دیتے ہیں۔ سیاست میں در گزر کرنا ضروری ہے۔ آپ برطانیہ کے سیاسی اداروں کو دیکھئے ٹھیک ہے اوپر جو لوگ ہوتے ہیں وہ تجربہ کار ہوتے ہیں لیکن نیچے سے نئے لوگ آتے جاتے ہیں۔ ہم لوگوں نے سیاست کو چند مخصوص لوگوں یا خاندانوں کی میراث بنا دیا ہے۔ سیاست کسی کی میراث نہیں ہوتی ہمارے ہاں ایسا نہیں ہوتا کہ ہم سیاست دانوں کو کسی معیار پر پرکھ سکیں۔ یعنی یہ کہ ان کی لیاقت، دیانت، وطن سے محبت اور ذاتی ترجیحات کیا ہیں؟ ملک کی سیاست کو سیاسی وڈیروں کے چنگل سے آزاد کرانا بہت ضروری ہے، اس طرح ممکن ہے ہمارے ہاں قومی سطح کے اختلافات ختم ہو جائیں۔ کیوں کہ آپ عام حالات میں دیکھیں گے کہ ہمارے سیاست دان کے خیالات رجحانات اس وقت تبدیل ہوتے ہیں جب وہ رائے عامہ کے دباؤ کے زیر اثر آتا ہے فطرتاً وہ ایسا نہیں کرتا۔ البتہ ضرورتاً ایسا کرتا ہے۔ وہ ایسا کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ فیصلہ بہت ضروری ہے کہ سیاست میں سے اجارہ داری ختم کر دی جائے اور یہ اسی وقت ضروری ہے کہ انتخابات کا عمل جاری رہے۔ اور اس طرح انتخابات کے ذریعے مارشل لاء کی راہ روکی جا سکتی ہے۔

سوال ۔ پھر وہی بات ہے کہ سیاست میں نیا خون شامل کیا جائے؟ مخصوص گروہوں اور خاندانوں کی اجاری داری ختم کرنے اور نئی قیادت کو ابھارنے کے لئے الیکشن ہوتے رہنا بہت ضروری ہے۔ تاکہ انتخابی عمل کے ذریعے لوگوں کو حق رائے دہی سے خود غرض سیاسی اجارہ داروں سے نجات ملے۔ نئی اور توانا قیادت ابھر کر قومی معاملات کو اپنے ہاتھوں میں لے۔

جواب ۔ بالکل یہ یہی ہو گا۔ اس کے لئے الیکشن بہت ضروری ہیں۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ اس کے لئے ایسے اقدامات بہت ضروری ہیں جس کے نتیجے میں انتخابی عمل میں دھونس، دھاندلی نہ چلے، اور صرف وہی امیدوار کامیاب ہو کر ایوان میں نمائندگی کریں جن کو لوگ پسند کریں۔ ایمانداری اور دیانتداری اسلام کا ایک بڑا اصول ہے لیکن ہم نے اسے ہمیشہ در گزر کیا ہے۔

سوال ۔ مسلح افواج کے ادارہ کے ڈھانچے میں آپ کسی قسم کی تبدیلی لانے کی تجویز سے اتفاق

کریں گے اور اگر نہیں تو اس کی وجہ ؟۔
جواب ۔ یہ ابھی تک ایک بہترین ادارہ ہے اس میں کوئی تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے تاہم یہ قومی خدمت کی ایک اسکیم تھی۔ لیکن یہ اس وقت کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے جب ہمارے قومی سطح کے اختلافات ختم ہو جائیں۔ ترکی وغیرہ اور دیگر ممالک میں بھی یہ ہے۔ ہمارے ہاں جو بھرتی کی بنیاد ہے وہ رضا کارانہ ہے۔ جو بھی آرمی میں آنا چاہتا ہے آسکتا ہے۔ اس میں یہ نہیں ہوتا کہ یہ نہیں آسکتا اور وہ آسکتا ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ ہماری آرمی کا جو سسٹم ہے اس میں کسی کا کوئی مسئلہ درپیش نہیں ہے۔ اس لئے یہ اب تک کامیابی سے چل رہا ہے۔ میں نے بہت قریب سے مشاہدہ کیا ہے۔
سوال ۔ ایک صوبے کی آبادی چونکہ زیادہ ہے اس لئے مسلح افواج میں ان کی نمائندگی زیادہ ہے ؟۔
جواب ۔ یہ تو ہونا ہی ہے۔
سوال ۔ تو کیا بڑے صوبے کی فوج میں domination نہ ہوئی ؟۔
جواب ۔ عددی برتری کی بات نہیں ہے میں جب تک مسلح افواج میں رہا ہوں میں نے اپنے ریجن کے لوگوں کے ساتھ نوکری نہیں کی ہے بلکہ دوسروں کے ساتھ ملازمت کی ہے۔ میں نے جس رجمنٹ میں ملازمت کی ہے وہ میرے ریجن کی نہیں تھی۔
سوال ۔ آپ کس رجمنٹ سے منسلک رہے ہیں۔
جواب ۔ میں پنجاب رجمنٹ میں رہا ہوں۔ میں نے پنجابی سیکھی ہے۔ میں نے ساری عمر اُن کے ساتھ گزاری ہے۔ لڑائی میں امن میں ان میں جو اچھی باتیں ہیں وہ سب میں موجود ہیں۔ ان کی اچھی باتوں کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔ آرمی کی لیڈر شپ ایک طریقے سے ابھرتی ہے۔ ابھر رہی ہے اور ابھرتی رہے گی۔ انشا اللہ میں سمجھتا ہوں کہ آرمی کی تنظیم میں تبدیلی لانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ صرف یہ ہے کہ modrenise کیا جائے۔ تا کہ ملک کو جو نئی صورتحال پیش ہے اس کا مقابلہ کیا جاسکے۔
سوال ۔ قومی فوج تشکیل دینے کی اسکیم کیا ہے ؟۔
جواب ۔ اسکیم یہ ہے کہ ایک سال ' یا کسی مقررہ مدت کے لئے ہر ایک جوان آدمی فوج میں ملازمت کرے لیکن اس میں مسئلہ یہ ہے کہ efficiency قائم نہیں رہتی۔ ایک آدمی مقررہ مدت کے لئے آتا ہے اور تربیت لے کر چلا جاتا ہے اس مدت میں وہ اتنا کچھ نہیں سیکھ پاتا ہے جتنا ایک professional سیکھتا ہے۔ جو ایک سپاہی کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ فوجی دفاع کی ضرورت کے وقت اس اسکیم کے تحت تربیت یافتہ فرد اس معیار پر پورا نہیں اترتا جو جدید دفاعی تقاضے چاہتے ہیں۔ دیکھئے فوج خواہ وہ انفنٹری ہو یا

آرمڈ کور ہو اتنی ٹیکنیکل ہو گئی ہے کہ اس میں جب تک ایسے لوگوں کو شامل نہ کریں جن میں وہ aptitude ہو جن میں وہ شوق ہو۔ جن میں وہ مادہ ہو تب تک وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ میرے خیال میں مدتوں سے برصغیر کی یہ روایت چلی آ رہی ہے کہ یہاں کی فوج نے ہر میدان میں رضا کارانہ طور پر کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں ہو سکتا ہے کہ مستقبل میں جب آپ قومی سطح پر مکمل integrate ہو جائیں۔ آپ میں کسی قسم کے کوئی اختلافات نہ ہوں اور ہو سکتا ہے کہ اس وقت مسلح افواج کی تنظیم کے ڈھانچے میں کوئی تبدیلی آئے۔ فی الحال میں سمجھتا ہوں کہ ابھی ہم اس سطح پر نہیں پہنچے جہاں مسلح افواج کے ادارے کے بنیادی ڈھانچے میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی آ جائے یا اس ضمن میں کوئی تجربہ کیا جائے۔

سوال ۔ آپ نے کور کمانڈر کی حیثیت سے ذمہ داری کب سنبھالی اور کب تک اس عہدے پر فائز رہے۔

جواب ۔ میں سندھ میں ۱۹۷۶ء میں آیا تھا اور مئی ۱۹۷۸ء تک رہا۔

سوال ۔ یہ کون سی کور تھی۔

جواب ۔ ففتھ کور تھی۔

سوال ۔ ۱۹۷۷ء میں آپ کو لیفٹیننٹ جنرل بنا دیا گیا اور اس کے ساتھ کور کمانڈر کا عہدہ بھی رہا۔

جواب ۔ میں مئی ۱۹۷۸ء میں ترکی چلا گیا۔ سینٹو میں پاکستان کے نمائندے کی حیثیت سے۔

سوال ۔ ریٹائرمنٹ کب ملا۔

جواب ۔ وہاں سے جب سینٹو ختم ہو گیا اور میں واپس آیا تو ۳۰ر اپریل ۱۹۸۶ء میں ریٹائرمنٹ لیا۔ کور کمانڈر کی مُدت ملازمت چار سال ہے۔ یعنی ترقی پانے کے بعد چار سال کی مدت ہوتی ہے۔ اس میں یا ترقی پا جاتا ہے اور اگر ترقی نہیں پاتا تو وہ ریٹائر ہو جاتا ہے۔

سوال ۔ یہ پابندی ہر لیفٹیننٹ جنرل کے لئے ہے۔

جواب ۔ جی ہاں۔ ہر لیفٹیننٹ جنرل پر یہ قانون لاگو ہوتا ہے۔

سوال ۔ لیفٹیننٹ جنرل کے عہدے پر مدت ملازمت میں کوئی توسیع نہ ہو گی؟۔

جواب ۔ میرے خیال میں ملتا تو ہے۔ لیکن ملنا نہیں چاہیے۔ کیوں کہ چار سال کافی ہوتے ہیں۔ کیوں کہ سارا سسٹم ایسا ہے کہ نئے افسر آتے رہتے ہیں اگر آپ مدت ملازمت میں توسیع لیتے ہیں تو پیچھے سے پورا بلاک ہو جاتا ہے۔ تو یہ معمول ہوتا ہے اور یہ ہوتا ہے کہ پہلے چار سال میں کوئی جنرل یعنی کمانڈر انچیف منتخب ہو جاتا ہے تو اگر یہ انتخاب لیفٹیننٹ جنرل کے عہدے سے ہوا ہے۔ تو ان سے سینئر افسر روایت کے مطابق خود بخود ریٹائر ہو جاتے ہیں۔ یہ روایت ایک سسٹم کی شکل اختیار کر گئی ہے۔

سوال ۔ ذرا وضاحت فرمائیں یعنی جیسے ۱۹۷۶ء میں کور کمانڈر بنائے گئے میری مراد یہ ہے کہ کیا

سارے لیفٹیننٹ جنرل کور کمانڈر ہوتے ہیں۔
جواب ۔ تقریباً تمام لیفٹیننٹ جنرل کمانڈر ہوتے ہیں۔ ہمارے جتنے لیفٹیننٹ جنرل ہوتے ہیں۔ ان کے لئے پروموشن کی مدت چار سال ہوتی ہے۔ چاہے وہ کور کمانڈر ہو یا نہ ہو۔

سوال ۔ گویا لیفٹیننٹ جنرل بننے کے چار سال بعد تو فل جنرل پروموٹ ہو جاتا ہے یا ریٹائر ہو جاتا ہے؟۔
جواب ۔ جی ہاں ' جیسے ہی ان کے چار سال ہوتے ہیں وہ دوسروں کی طرح ریٹائر ہو جاتے ہیں۔
سوال ۔ آپ نے کہا کہ مدت ملازمت میں توسیع نہیں ہونی چاہئے۔ ؟
جواب ۔ میں نے کہا نا! کہ چار سال کی مدت مقرر ہے اس میں اوپر والوں کی مرضی پر منحصر ہے۔ جس کو وہ چاہیں توسیع دیں اور جس کو چاہیں توسیع نہ دیں۔
سوال ۔ چیف آف اسٹاف کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ جس طرح ایوب خان ' یحیٰ خان extension لی اور اب ضیاءالحق صاحب بھی extension پر چل رہے ہیں۔ ؟
جواب ۔ وہ تو ان کی گورنمنٹ یا ان کی اپنی شخصیت ہے۔ چیف آف آرمی اسٹاف کے لئے بھی تین سال ' جنرل ہو یا ایڈمرل ہو ' ایئر چیف مارشل ہو سب کے لئے تین سال ہی کی مدت ہے۔
سوال ۔ آپ نے گورنر سندھ کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دی ہیں۔ آپ نے سویلین دور سے مارشل لاء دور میں آنے والا پریڈ دیکھا بلکہ آپ اس کے ایک کردار بھی رہے۔ آپ اپنے دور اور موجودہ دور کے سندھ کے مسائل پر روشنی ڈالیں گے۔ ان مسائل کا سرا ہم کہاں سے پکڑیں؟۔

جواب ۔ ایک تو یہ کہ اللہ کی مدد ہوتی ہے۔ ان دنوں عوام کو اندیشہ تھا کہ مسائل بہت ہوں گے۔ اس وقت دو گروپ تھے۔ ایک اپوزیشن تھی اور دوسری گورنمنٹ پارٹی۔ ان کے درمیان بہت زیادہ اختلافات تھے۔ لیکن اللہ کا فضل تھا کہ لوگوں نے ہماری ہدایات ہمارے احکامات کو قبول کیا۔ اور جو مسائل تھے ان میں زیادہ اضافہ نہیں ہوا۔ دوسری بات یہ کہ ابتدائی مرحلے پر مارشل لاء کا خوف بھی بہت زیادہ ہوتا ہے۔ کہ مارشل لاء گورنمنٹ یہ کرے گی وہ کرے گی۔ تو مارشل لاء کے نفاذ کا ایک خوف بھی لوگوں کے دلوں میں اور خاص کر جب صورتحال اتنی خراب ہو گئی تھی کہ جب ہم آ گئے تو لوگوں نے محسوس کیا کہ اب فوج کارروائی کرے گی اور یہ ہو گا وہ ہو گا۔ مارشل لاء کا خوف بھی تھا۔ دوسری بات میرے خیال میں ہماری سرحدوں کی حالت! دیکھو کیا پرابلم ہیں؟۔ ہمارے سامنے ہندوستان ہے ' ایران ہے ' ہر جگہ مسائل ہی مسائل ہیں۔ ہم بھی

اسی میں بہتے چلے جا رہے ہیں۔ تو یہ حالات اس وقت نہیں تھے۔ ہمارے اختلافات کچھ پڑوسی ممالک کے ساتھ تھے تو ضرور لیکن اس قدر زیادہ نہ تھے۔ ہمارے ابتدائی دور میں پڑوسی ممالک کے ساتھ اختلافات کچھ دب کر رہے۔ دوسری بات یہ کہ ۱۹۷۱ء کی جنگ کے بعد سیاسی طور پر حالات نے ایک نیا رخ اختیار کر لیا تھا۔ پاکستان دولخت ہو گیا۔ ۱۹۷۱ء کے ابتدائی دور میں یہ امید تھی کہ مشرقی پاکستان مغربی پاکستان سے الگ ہو گیا اب تو مغربی پاکستان والے اکٹھے رہیں گے۔ ان سب چیزوں کو دیکھتے ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ جو حالات ۱۹۷۷ء کے ابتدائی دور میں تھے۔ آج صورت حال اس سے قطعی مختلف ہے۔ آج ہمارے ہاں داخلی طور پر بھی اس قدر اختلافات ابھر کر سامنے آئے ہیں جو اس وقت اتنے نمایاں نہ تھے۔ ۱۹۷۷ء کے مارشل لاء کے بعد کراچی میں صرف ایک واقعہ شیعہ سنی فساد رونما ہوا تھا۔ لیکن اس میں بھی وہ تشدد نہ تھا۔ جو آج دیکھنے میں نظر آتا ہے۔ ایک بات اور یہ کہ مسٹر بھٹو کے جانے کے بعد ان کے جانے کا بھی اثر ہے۔ یعنی ان کے نہ ہونے کا بھی اثر ہے۔ خاص کر سندھ کے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم کو ہمارے حقوق نہیں ملیں گے اور صرف مسٹر بھٹو ہی ان کے حقوق کے پاسدار تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان سب چیزوں کو ملا کر اب جو سچویشن سامنے آتی ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔

سوال ۔ جب مسٹر بھٹو کو پھانسی دینے کا فیصلہ ہوا۔ آپ سے اس سلسلے میں کوئی مشورہ لیا گیا تھا؟۔

جواب ۔ میں اس زمانے میں ملک سے باہر تھا۔ میں سینٹو میں تھا اور نہ مجھے اس کی کوئی پیشگی اطلاع تھی۔ یہ داخلی معاملہ تھا اور جو لوگ یہاں موجود تھے۔ انہوں نے فیصلہ کیا ہو گا۔

سوال ۔ آپ کا کہنا ہے کہ ۱۹۷۷ء کے مقابلے میں آج سندھ کے حالات زیادہ خراب ہیں اس کی ذمہ دار بہت سے خارجی اور داخلی وجوہات ہیں' ان وجوہات میں سے ایک داخلی وجہ' مسلح افواج میں اکثریتی صوبے پنجاب کی عددی برتری ہے اس سلسلے میں آپ کیا کہنا چاہیں گے؟۔

جواب ۔ سندھیوں کو فوج میں آنے سے کسی نے نہیں روکا۔ میں خود یہاں رہا ہوں۔ میں نے کوشش کہ آئیں اور مسلح افواج میں خدمات انجام دیں۔ ان کے لئے رجمنٹ قائم کی تاکہ وہ اس میں بھرتی ہو کر قومی فوج کا ایک حصہ بن جائیں۔ لیکن آپ کو پتہ ہے کہ فوج میں سندھ سے بہت کم لوگ پہنچے۔

سوال ۔ لیکن لوگ یہ تو کہتے ہیں کہ ان کے ساتھ وہاں امتیازی سلوک برتا جاتا ہے؟۔

جواب ۔ کسی قسم کا کوئی امتیازی سلوک نہیں ہوتا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا۔

سوال ۔ سلیکشن میں ایسا طریقہ کیا جاتا ہے کہ انہیں reject کر دیا جاتا ہے۔

جواب ۔ میں نے آپ کو کہا کہ ایک ہی سروس (ادارہ) ہے جس میں یہ چیز نہیں ہو سکتی۔ مسلح افواج کا اپنا ایک طریقہ ہے' ایک طے شدہ نظام ہے خواہ وہ افسر کے انتخاب کے لئے ہو یا جونیئر

کے ' یا سپاہی کے لئے۔ ایک set system ہے ہم ڈسپلن پر بہت زیادہ زور دیتے ہیں۔ اور جب تک ڈسپلن پر زور نہیں دیں گے آپ کس طرح آرمی کو تیار کریں گے کہ اگر ان سے کہا جائے کہ سامنے موت نظر آرہی ہے اس پر چڑھیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی ہمارے ڈسپلن کے لئے تیار نہیں ہے تو ہم کیوں اس کو اس سسٹم میں شامل کریں تاکہ پورا سسٹم ہی خراب ہو جائے۔ سندھ کا پولیس سسٹم ' میں خود دیکھ چکا ہوں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سندھی یا غیر پنجابی اچھے پولیس مین نہیں بن سکتے۔ بالکل بن سکتے ہیں لیکن ایک سسٹم ہوتا ہے جب تک ان کو سیٹ نہ کریں آپ ان کے ایریا میں جائیں ' میرے بہت سے سندھی دوست ہیں میں اکثر ان سے ملتا ہوں۔ آپ جا کر دیکھئے ' کہ وہ لوگ کس طرح رہتے ہیں معاشرتی سطح پر ان سے نیچے درجے کے لوگ کس طرح رہتے ہیں۔ میں جب اپنے گھر میں اب بھی جاتا ہوں ' میرے نوکر میرے ساتھ جب ملتے ہیں تو وہ لوگ خواہ غریب ہوں یا امیر ہوں برابری سے ملتے ہیں۔ میرے اپنے گاؤں کے اتنے افسر بن گئے ہیں جن کی ایک بھی مرلہ زمین نہیں تھی۔ لیکن وہ اس سسٹم سے نکلے ہیں جہاں پر ان کا سسٹم ہی دوسرا ہے۔ جب تک ان کا سسٹم تبدیل نہیں ہو گا۔ یہاں کے لوگ ایسے کاموں میں آگے نہیں آئیں گے۔ ہم نے یہاں حیدر آباد سے قریب سینٹر بنا دیا ہے۔ امید ہے کہ سندھی لوگ اس میں آئیں گے۔ اور فوج میں شامل ہوں گے۔

جنرل صاحب ۔ آپ ان تمام باتوں کے باوجود یہ تو مانیں گے کہ سندھ میں آج resentment ہے؟۔

جواب ۔ بالکل ہے۔ اس میں شک نہیں۔

سوال ۔ ایسا کیوں ہے۔ اس کی ٹھوس اور حقیقت سے قریب وجہ بھی ضرور ہو گی۔ ؟

جواب ۔ جی یہ تو بہت بڑی سٹوری ہے۔ لمبی سٹوری ہے۔ یہ resentment مشرقی پاکستان میں بھی تھا۔ میں نے مشرقی پاکستان میں یکم نومبر ۱۹۷۱ء تک خدمات انجام دیں۔ اور اس کے بعد میں نے مغربی پاکستان میں ' سندھ کے محاذ پر جنگ میں حصہ لیا۔ resentment جو ہے ' اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہاں پر معیشت نہیں ہے تعلیم نہیں ہے یا عام لوگوں کے پاس پیسہ نہیں ہے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے میں سمجھتا ہوں جتنی یہاں پر معاشی خوشحالی ہے۔ ویسی ملک کے دوسرے حصوں میں نہیں ہے لیکن ان ذہنوں میں یہ بات بٹھائی جا رہی ہے کہ تمہیں تمہارے حقوق نہیں مل رہے ہیں۔ تمہارے حقوق سے انکار کیا جا رہا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ وہ جب یہ سوچتے ہیں تو قدرتی طور پر احتجاج کرتے ہیں۔

سوال ۔ جس طرح آپ نے فرمایا کہ جب سندھ کے عوام کو یہ احساس ہوتا ہے کہ ان کو ان کے حقوق نہیں مل رہے ہیں یا ان کے حقوق سے چشم پوشی کی جا رہی ہے تو یہ لوگ سوچتے تو ہوں

گے کہ ہاں واقعی ان کو حقوق نہیں مل رہے ہیں۔ ان کے حقوق غصب کیے جا رہے ہیں۔ ایسا ہے یا نہیں؟۔

جواب ۔ یہ وہ صورت ہے کہ جھوٹ کو بار بار اتنی بار بولو کہ لوگ سچ سمجھنے لگیں اور ایک ایسا مرحلہ آتا ہے کہ خواہ کتنا زیادہ سچ ہو لوگ اس پر یقین نہیں کرتے۔ سندھ میں مشرقی پاکستان جیسی سچویشن پیدا کی گئی ہے۔ وہاں تو ہر غیر بنگالی کو خواہ وہ مہاجر ہو' بہاری ہو' پٹھان ہو' پنجابی ہو سب کو پنجابی کہہ کر اپنی نفرت کا اظہار کرتے تھے۔ بنگالیوں کو غیر بنگالیوں کے خلاف کھڑا کرنے میں غیر مسلموں کا بہت بڑا ہاتھ تھا اور پھر انتشار پھیلانے والے عناصر زیادہ تر ہندو تھے۔ جو وہاں سے چلے گئے تھے وہی آ کر غیر بنگالیوں کے خلاف نفرت کی آگ لگاتے۔ بنگالی ہندو زیادہ تر تعلیمی اداروں سے وابستہ تھے۔ پٹواری اور کلرک بھی زیادہ تر غیر مسلم بنگالی تھے۔ غرضیکہ بنگالی ہندو کے زیر اثر مشرقی پاکستان میں علیحدگی پسند عناصر کو جلا ملی۔

سوال ۔ آپ کا مطلب یہ ہے کہ سندھ کی سچویشن مشرقی پاکستان کی سچویشن سے مماثلت رکھتی ہے؟۔

جواب ۔ تھوڑی سے مماثلت اس لئے رکھتی ہے کہ یہاں بھی لوگ پروپیگنڈا کا شکار ہو رہے ہیں۔ لاہور جا کر کس نے دیکھا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔ میاں چنوں جا کر کس نے دیکھا کہ وہاں پر بھی یہ ہی ہو رہا ہے یا نہیں۔ ایک آدمی آتا ہے اور کہتا ہے کہ جی میں قسم اٹھاتا ہوں کہ وہاں پر یہ ہو رہا ہے ہمارے خلاف۔ یہ جو باتیں ہیں وہ پروپیگنڈا ہیں جتنے ترقیاتی کام صوبہ سندھ میں ہوئے ہیں اگر اس کا اتنا حصہ بھی (انگشت شہادت کے درمیان میں انگوٹھا رکھتے ہوئے) صوبہ سرحد یا بلوچستان میں ہوتا تو وہ اسے کہاں تک پہنچاتے۔ یہاں پر جو ترقیاتی کام ہوئے ہیں وہ پاکستان کی بنیاد پر ہوئے ہیں۔ سندھ کی بنیاد پر تو نہیں ہوئے ہیں۔ جو بھی انڈسٹری کراچی میں لگی ہے۔ پاکستان گورنمنٹ نے اس کے لئے قرض لیا ہے۔ قرضے لئے ہیں اور پورے ملک نے مل کر یہ رقم واپس کرنی ہے۔ یہ نہیں کہ یہ رقم یہاں سے جمع ہوئی اور یہاں پر لگائی گئی۔ لیکن لوگوں کو تو حقیقت معلوم ہی نہیں وہ تو کہتے ہیں کہ جی قومی بجٹ میں ہمارا اتنے بلین ڈالر "کنٹری بیوشن" ہے۔ قومی بجٹ میں اگر آپ کا کنٹری بیوشن ہے تو یہ نیشنل بجٹ سے یہ اس قدر بہایا گیا ہے۔ یہ نہیں کہ یہیں پر پیدا ہوا۔ سوال یہ ہے کہ قومی یک جہتی ہو اور ہمارا یہ انتشار ختم ہو۔

سوال ۔ قومی یک جہتی کے جذبات کس طرح پیدا ہو سکتے ہیں؟۔ جب ہمارے مختلف لسانی گروپوں میں بداعتمادی کی فضا پیدا ہو چکی ہے۔ سندھی' پنجابی پر' سندھی مہاجر پر' اور مہاجر پٹھان پر اعتماد کرنے پر آمادہ نظر نہیں آتا؟۔

جواب ۔ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو کہ masses کو کنٹرول کرتے ہیں۔ قومی یک جہتی کے لئے رائے عامہ ہموار کریں۔ آپ (ذرائع ابلاغ) جیسے لوگ یا زمیندار طبقے کے لوگ'

مذہبی رہنما۔ اس قسم کے لوگ ان علاقوں میں جا کر یہ بد اعتمادی جو ہے ختم کر سکتے ہیں۔ اس قسم کی باتیں صرف سندھ میں کیوں ہوتی ہیں، پنجاب میں ایسا کیوں نہیں ہوتا۔ یعنی یہ کہ پنجاب والے تو کبھی نہیں بولتے کہ سندھ والوں کے ساتھ اتنی رعایت کیوں ہو رہی ہے۔ ساری انڈسٹریز کراچی میں کیوں لگائی جا رہی ہیں؟ یہ ہو رہا ہے وہ ہو رہا ہے؟ جو بھی باتیں ہو رہی ہیں وہ یہاں (سندھ) پر ہیں۔ یہ باتیں کر رہے ہیں کہ جی یہ ہو گیا وہ ہو گیا وغیرہ وغیرہ یہاں پر یہ زیادہ ہے اس (احساسات) کو نکالنے کے لئے باہر کے لوگ خاص طور پر پنجاب کے لوگ اور اب یہ لوگ جو اپنے آپ کو لیڈر سمجھتے ہیں وہ اس چیز کو ختم کریں۔ ان احساسات کی بیخ کنی کریں۔

سوال ۔ پنجاب کے لوگ کس طرح remove کر سکتے ہیں؟۔

جواب ۔ وہ یہاں آ کر لوگوں کے ساتھ مل سکتے ہیں یہاں کے لوگ وہاں جا کر دیکھ سکتے ہیں۔ وہاں پر رہ سکتے ہیں۔ اب دیکھئے نا۔ آپ امریکہ سے لوگوں کو بلا کر اپنے گاؤں میں رکھتے ہیں؟ کتنے سندھی لوگ ہیں جو پنجاب کے گاؤں میں مہینے دو مہینے رہے ہیں؟۔ یہ پنجاب کے کسانوں کو اسٹڈی کریں کہ وہ لوگ کس طرح فصلیں کاٹتے ہیں؟ ان کا طرز زندگی کیا ہے؟۔ وہ کس سسٹم کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں؟۔ اس طرح آپس میں لوگ مل سکیں۔

سوال ۔ آپ کا مطلب ہے کہ یہ کام سرکاری سطح پر ہونا چاہئے؟۔

جواب ۔ جی نہیں، گورنمنٹ ہر ایک چیز نہیں کر سکتی۔ یہ تو انفرادی سطح پر ہونا چاہئے۔ سب کچھ انفرادی سطح پر کرنا ہو گا۔ جو کام انفرادی سطح پر ہو سکتے ہیں وہ سرکاری طریقے پر نہیں چلائے جا سکتے۔ انفرادی سطح پر یہ کام ہونا چاہئے۔ اچھے لوگ ہر جگہ پر موجود ہیں۔

سوال ۔ سندھ میں جو influx کی صورت ہے کراچی میں ہر سال پانچ چھ لاکھ افراد دوسرے صوبوں سے آ کر آباد ہو رہے ہیں۔ اس طرح آبادی میں غیر معمولی اضافہ سے مسائل بھی پیدا ہو رہے ہیں۔ اور یہ دوسرے صوبے سے آنے والے صوبہ سندھ کے لوگوں کے لئے معاشی مسائل پیدا کر رہے ہیں؟۔

جواب ۔ یہی بات میں کہہ رہا ہوں کہ کراچی میں یہ پیسہ کہاں سے آیا ہے؟ یہ تیل کا پیسہ نہیں ہے۔ یہ پاکستان کا پیسہ ہے۔ اور اگر یہ پاکستان کا پیسہ ہے تو ان آدمیوں کی ضرورت ہے کہ وہ یہاں آئیں۔ اگر آپ وہی انڈسٹریز صوبہ سرحد میں لگائیں گے تو صوبہ سرحد کے لوگ یہاں پر نہیں آئیں گے۔ وہیں پر کام کریں گے۔ اب جب آپ نے ساری انڈسٹریز یہاں پر لگا دی ہے۔ آپ جا کر سرحد میں دیکھیں وہاں صرف ۲، ۴ کارخانے ہیں اور تو کچھ ہے ہی نہیں۔

سوال ۔ صوبہ سرحد میں انڈسٹریز کیوں قائم نہیں کی گئیں؟۔

جواب ۔ یہ تو لوگوں نے سوچا کہ جی یہاں پر بنائیں گے۔ اور یہاں سے باہر بھجوائیں گے۔ یعنی ایکسپورٹ کریں گے۔ اس لئے کہ یہ زیادہ مناسب جگہ ہے۔ اب حب میں کیوں زیادہ ترقیاتی

کام ہو رہا ہے حب بڑی اچھی جگہ ہے! اس سے اور بھی جگہیں اچھی ہیں وہاں پر گوادر ہے پسنی ہے۔ لیکن سہولتوں کی وجہ سے اس کو ترقی دی جا رہی ہے۔ مال یہاں پر بنے گا۔ یہاں سے ایکسپورٹ پر اخراجات کم ہوں گے۔ ٹرانسپورٹ کے اخراجات بھی کم ہوں گے۔ ورنہ یہی انڈسٹریز آپ ملک کے بالائی علاقوں (شمالی علاقے) میں لگائیں۔ انہیں علاقوں کے لوگ ہی یہاں پر کام کر رہے ہیں۔

سوال ۔ اب سندھ کے قوم پرست یہ بات کہہ رہے ہیں کہ سندھ میں صنعت کاری بند کر دو اور اب انڈسٹریز پنجاب اور سرحد میں لگاؤ؟۔

جواب ۔ اگر وہ لوگ یہ بات کہیں گے تو بڑی اچھی بات ہوگی۔ میں سمجھتا ہوں کہ گورنمنٹ کو بھی اس پر سوچنا چاہیئے کہ پورے ملک کو ایک جیسا "ڈیولپ" کریں۔ تاکہ لوگ اپنے اپنے علاقوں میں رہیں۔ اور اپنی جگہ پر خوش رہیں۔ کراچی دارالحکومت تھا۔ سب لوگ یہاں پر آگئے۔ اور یہاں پر اداروں کو مستحکم کیا گیا۔ پھر اس کے بعد یہاں سے آہستہ آہستہ لاہور کی طرف گئے اور اب فیصل آباد اور لاہور ہی دو اہم جگہیں ہیں جہاں پر انڈسٹریز پر توجہ دی جا رہی ہے۔ اور سندھ میں اتنی اعلیٰ سطح پر توجہ دی گئی ہے' حیدر آباد اور کراچی پر جتنی توجہ دی گئی ہے صوبہ سرحد پر نہیں دی گئی۔ میرے خیال میں کراچی میں باہر سے لوگ اس لئے نہیں آتے ہیں کہ یہاں کی آب و ہوا انہیں پسند ہے۔ لیکن کھانے پینے کے لئے چاہیئے۔ یہ لوگ کیوں عرب ممالک میں جاتے ہیں جہاں کی زندگی بڑی کٹھن ہے آپ کے لوگ' سندھ کے لوگ' باہر کے ممالک میں روزی کمانے کیوں نہیں جاتے؟۔ میں سندھ میں آٹھ سال رہا ہوں میں نے سندھیوں کو باہر جاتے نہیں دیکھا' وہ نہیں جاتے اور یہ ہی پٹھان ہیں پنجابی ہیں یا بلوچی ہیں جنہوں نے عرب ممالک کو کنٹرول کیا ہوا ہے یہ تیار ہی نہیں غیر ممالک جانے کے لئے۔

سوال ۔ سندھ کے لوگوں کو باہر کے ممالک میں روزگار کے مواقع بھی تو حاصل نہیں ہیں؟۔

جواب ۔ کون کہتا ہے؟ سب کو برابر کے مواقع حاصل ہیں۔ کوئی ایسا نہیں ہے جس کو باہر جانے کا موقع نہ ملتا ہو۔ سب کو یکساں طور پر مواقع حاصل ہیں۔ یہاں پر اورسیز ایمپلائمنٹ کا ادارہ ہے۔ ریکروٹنگ ایجنٹ ہیں۔ جو غیر ممالک کو افرادی قوت فراہم کرتے ہیں۔ دراصل سندھ سے لوگ جاتے ہیں۔ لیکن تھوڑے عرصے کے بعد واپس آجاتے ہیں۔ کیوں کہ سندھ کے لوگوں کو اپنا ملک کچھ زیادہ ہی پسند ہے۔ میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں۔ میں شکار وغیرہ پر جاتا ہوں میں نے پوچھا ہے کہ سکھر گئے ہو' نہیں! کراچی گئے ہو' نہیں!

سوال ۔ ایسا تو غربت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ وہ بے چارے کھانے کو ترستے ہیں کجا کہ دوسرے شہر جائیں؟۔

جواب ۔ غربت............ غربت کے علاوہ وہ اپنے علاقے سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ وہ باہر

نہیں جاتے۔ یہ ان کی فطرت میں شامل ہے۔ یہی اہم ترین مسئلہ ہے۔ فوج میں ان کے لوگ بھرتی ہوتے ہیں لیکن تھوڑے دن بعد ہی کہتے ہیں کہ میں گھر جا رہا ہوں' گھر یاد آ رہا ہے۔ دوسرے لوگوں کو بھی گھر یاد آتا ہے' ایسے لوگ بھی تو ہیں جو سال میں دو مہینے کے لئے گھر جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پنجابی اور پٹھان عرب ممالک میں کام کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ وہاں کوئی اور جانے کے لئے تیار ہی نہیں ہے۔ ضرورت نہیں۔ عربی کا کیا ہے؟ عربی کو تو کام کرنے والا چاہیئے' کوئی بھی ہو۔ ان کو اس سے غرض نہیں ہے۔ وہ تو خوش ہے کہ اس کو یہاں کے لوگ کام کرنے والے ملتے ہیں۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ بلوچستان کے لوگ عرب ممالک میں زراعت کے شعبے میں کام کر رہے ہیں حالانکہ ان کے ہاں (بلوچستان) میں زراعت نہیں ہے۔ سب لوگ وہاں پر زراعت کے شعبے میں کام کر رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ سندھ کے لوگوں کے لئے انڈسٹریز اندرون سندھ لگائی جائے۔ ان کے گھر کے قریب انڈسٹری لگے تو شاید یہ بے چارے کام پر جائیں گے۔ لیکن گھر سے دور جانا ان کے لئے مشکل ہے۔

سوال ۔ کہا جاتا ہے کہ پاکستان میں مرکز نے صوبوں پر اپنا کنٹرول رکھا ہے۔ اور صوبائی معاملات میں مرکز کی مداخلت ہوتی رہی ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اب سندھ میں صوبائی خود مختاری کی بات ہو رہی ہے۔ آپ نے سندھ کے گورنر کی حیثیت سے ہنگامہ خیز دور گزارا ہے۔ آپ کی اس صورتحال کے بارے میں کیا رائے ہے؟۔

جواب ۔ ۱۹۷۳ء کے آئین میں صوبائی خود مختاری کے معاملے پر خاصی وضاحت ملتی ہے۔ یعنی یہ کہ صوبے وفاق سے کس حد تک صوبائی خود مختاری حاصل کر سکتے ہیں اور یہ کہ بین الصوبائی معاملات کس طرح طے ہونا چاہیئے۔ ان سب امور پر ۱۹۷۳ء کے آئین میں صوبوں کے درمیان اتفاق ہو چکا ہے۔ یہ تو گورنمنٹ کے اوپر ہے کہ ایڈمنسٹریشن یعنی صوبوں میں ایڈمنسٹریشن ہے گورنمنٹ ہے اور وفاق کے درمیان ہر چیز طے پا سکتی ہے' میرے خیال میں طے پا سکتی ہے۔ اگر کوئی سیکریٹریٹ میں جا کر بیٹھے تو وہ مجھے بتائے کہ ہاں جی فیڈرل گورنمنٹ صوبے کے معاملے میں مداخلت کرتی ہے تو شاید آدمی اس پر سوچنا شروع کرے۔ لیکن اگر گولیمار میں یا چھور (ضلع تھرپارکر کا ایک دور افتادہ گاؤں) میں بیٹھ کر کہیں کہ یہ بہت زیادہ مداخلت ہو رہی ہے۔ اس کو تو کچھ پتا ہی نہیں ہے کہ کہاں مداخلت ہے۔ کہاں ذمہ داریاں ہیں اس کو تو پتہ ہی نہیں لیکن وہ کچھ کہنا چاہتا ہے اس لئے وہ کہتا ہے کہ وفاقی حکومت صوبے کے معاملات میں مداخلت کر رہی ہے۔

سوال ۔ کیا وفاقی حکومت' صوبے کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتی؟۔

جواب ۔ میرے خیال میں تو وفاقی حکومت' ایک حد تک مداخلت کرتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کبھی نہ کبھی تجاوز کر جاتے ہوں لیکن یہ ایک نازک معاملہ ہے۔ اس میں کچھ زیادہ clearly earmarked نہ ہوں کبھی اس طرف گئے کبھی اس طرف گئے۔

دونوں طرف سے ہو سکتی ہیں۔ یہ سب چیزیں جو ہیں باہم اتفاق رائے mutual understanding سے ہوتی ہیں۔

سوال ۔ صوبوں اور وفاق کے درمیان باہم اتفاق رائے کس طرح پیدا ہو سکتا ہے؟۔

جواب ۔ وہ working relationship ہے وہ آخر کرتے رہے ہیں۔ کچھ اصول طے پا چکے ہیں جن کے مطابق کام ہوتا رہا ہے' اور ہوتا رہنا چاہئے۔ فیڈرل گورنمنٹ میں آپ کے جو سینئر افسر ہیں وہی تو پالیسی چلا رہے ہیں۔

سوال ۔ لیکن عام خیال یہ ہے کہ پنجاب کی اکثریت ہے وہ brutual اکثریت میں تبدیل ہو جاتی ہے؟۔

جواب ۔ ویسے یہ باتیں تو لوگ کرتے ہیں لیکن میرے خیال میں اتنا زیادہ نہیں ہے جتنا کہ وہ سمجھتے ہیں۔ پنجاب ملک کا بڑا حصہ ہے اس کی آبادی سب صوبوں کو ملا کر زیادہ بنتی ہے۔

سوال ۔ یعنی یہ کہ تینوں صوبوں کی مجموعی آبادی سے بھی زیادہ ہے؟۔

جواب ۔ ان سے بھی زیادہ ہے تو اس کے لئے حصہ بھی زیادہ ہونا چاہئے اگر آپ اس تناسب پر نہیں جائیں گے تو مزید مسائل پیدا ہو جائیں گے۔ آج اگر کوئی آدمی کہے کہ کراچی میں جتنی انتظامی آسامیاں ہیں وہ سندھی کے لئے ہیں۔ سندھیوں میں نئے اور پرانے دونوں شامل ہیں اور کسی کے لئے نہیں۔ اور اگر پرانے سندھی یہ کہیں کہ ان آسامیوں پر ہمارا حصہ کم ہے۔ اور نئے سندھیوں کا زیادہ ہے یا پنجابی کہیں کہ پی۔ آئی۔ اے میں ہمارا حصہ بہت کم ہے اسٹیل مل میں تو پنجاب کا حصہ بہت کم ہے۔ اس میں تو زیادہ تر ملازمتیں مقامی لوگوں کو دی گئی ہیں دفتروں میں جائیے اور وہاں پر جا کر دیکھ لیجئے۔ تناسب کا آپ کو اندازہ خود بخود ہو جائے گا۔ یہ جو خر کار ہے' یا جو کھدائی کرنے والا ہے یا چوکیدار ہے' یہ تو میں مانتا ہوں کہ یہ کام کرنے کے لئے کوئی اور تیار نہیں۔ اس کو صرف پٹھان ہی کریں گے۔ کیا پٹھان پنکھے کے نیچے بیٹھنا نہیں چاہتا ہے؟ کیا یہ اس کا حق نہیں وہ بھی آرام کی نوکری کرنا چاہتا ہے' لیکن اس کو نوکری کہاں ملتی ہے' وہ دیکھتا کہ یہ کام مجھے ہی کرنا۔ تو یہ جا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ سندھ میں دوپہر ۱۲ بجے کتنی سخت دھوپ ہوتی ہے اس کام کے لئے آپ کو دوسرا آدمی نہیں ملتا۔

سوال ۔ لیکن یہاں مسئلہ یہ ہے کہ جسمانی مشقت کے کام صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو پڑھے لکھے نہیں ہوتے۔ اس کام میں کسی قسم کی کوئی تخصیص تو نہیں ہوتی؟۔

جواب ۔ اگر یہ بات ہے تو سندھ کے لوگ کتنے پڑھے لکھے ہیں؟ سرحد اور پنجاب میں تعلیم کا تناسب وہی ہے جو سندھ میں ہے بچے چار' پانچ جماعت پاس کر کے کھیتوں میں کام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

سوال ۔ ملازمتوں کے معاملے میں' سندھ والوں کا' سرحد والوں سے کوئی تنازعہ ہے ہی.

نہیں۔ اصل تنازعہ تو پنجاب سے ہے؟۔
جواب ۔ پنجاب کے خلاف کرتے ہیں۔
سوال ۔ وہ اس لئے کہ جتنے بڑے بڑے ادارے ہیں مثلاً ریلوے، پی۔ آئی۔ اے اسٹیل مل، واپڈا، اور کسٹم وغیرہ، آپ ان اداروں کے بارے میں خود تحقیقات کرلیں، تمام اداروں میں پنجاب ہی کا غلبہ ملتا ہے۔
جواب ۔ مجھے یقین ہے کہ ان وفاقی اداروں کا اگر سروے کیا جائے تو پتہ چل جائے گا کہ پنجاب کو ان اداروں میں اس کے کوٹے سے کہیں کم ملازمتیں ملی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک قسم کا پنجاب کے خلاف پروپیگنڈا ہے۔ یا ان کو آپ افواہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ سندھ میں افواہوں کا بڑا رواج ہے۔ اگر ڈیفنس میں کوئی بات ہو جاتی ہے اور جب اس کی خبر ناظم آباد پہنچتی ہے۔ تو پتہ نہیں اس کا کیا کچھ بن جاتا ہے۔ وہاں پر لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مارنا، پیٹنا شروع ہو جاتا ہے۔
سوال ۔ سندھ میں امن وامان کی صورت حال کنٹرول کیوں نہیں ہو رہی۔ اگر فرض کریں کہ آپ اس وقت گورنر سندھ ہوتے تو کیا اقدامات تجویز کرتے۔ ڈاکہ زنی، اغواء اور قتل کی وارداتوں میں کتنا اضافہ ہوا ہے، یہ سب ہمارے آپ کے سامنے ہے؟
جواب ۔ لاء اینڈ آرڈر سچویشن کے لئے ہمیشہ لوگوں کی سپورٹ بہت ضروری ہے۔ جب تک لوگوں کی سپورٹ نہیں ملے گی وہ آپ کے ساتھ تعاون نہیں کریں گے۔ خاص طور پر سندھ میں امن وامان کی صورت حال بہتر رکھنے کے لئے سب سے اہم کردار سندھ کے وڈیرے کا ہے، زمیندار کا ہے، جو کہ سفید پوش ہے ان سفید پوش، زمیندار، وڈیروں کو ٹھیک سے استعمال نہیں کیا گیا۔ ان کا کنٹرول اپنے ایریا میں بہت زیادہ ہے۔ وہ کنٹرول آہستہ آہستہ ختم کر دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاید اب outside forces نے ان کے ایریا میں مداخلت شروع کر دی ہے۔ آج بھی آپ ان لوگوں کو اپنے ساتھ ملائیں۔ سب خراب لوگ نہیں ہیں ان میں اچھے لوگ بھی ہیں۔ امن وامان کی صورت حال خود بخود اچھی ہو جائے گی۔
سوال ۔ سندھ میں امن وامان کی صورت حال بہتر کرنے کے لئے آپ وڈیرے کی مدد حاصل کرنے کی سفارش کرتے ہیں؟ کیا یہ مناسب تجویز ہے؟۔
جواب ۔ وڈیرے بہت اچھے لوگ ہیں۔ ان کو ساتھ ملا کر امن وامان کی صورت حال میں بہتری ہو سکتی ہے۔ کیوں کہ یہی لوگ ہمیشہ سے سندھ کو کنٹرول کرتے رہے ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ co-opperation with civil authorities and police وغیرہ وغیرہ۔
سوال ۔ لیکن عام خیال یہ ہے کہ جرائم پیشہ افراد کو وڈیروں کی سرپرستی حاصل ہوتی ہے؟۔
جواب ۔ جی ہر ایک وڈیرے کی نہیں۔ بنیادی طور پر وڈیرہ زمیندار اور سفید پوش اپنی عزت

بچانے اور اپنا بھرم قائم رکھنے کے لئے کچھ بندوبست کرتا ہے وہ ان لوگوں کو رکھ کر کنٹرول کرتا ہے۔ اب صورتحال یہ ہو گئی ہے کہ وڈیرے بچارے کی پوزیشن ختم کر دی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے جرائم پیشہ لوگ فری ہو گئے ہیں۔ اور یہی لوگ جا کر امن وامان خراب کرتے ہیں۔

سوال ۔ آپ کے ذاتی طور پر کتنے وڈیروں سے مراسم ہیں۔ یعنی آپ کے قریبی تعلقات ہیں؟۔

جواب ۔ کافی وڈیروں سے میرے قریبی تعلقات ہیں۔ وہ بہت اچھے لوگ ہیں۔

سوال ۔ کیا یہ لوگ اس پوزیشن میں ہوتے ہیں کہ وہ صورتحال کو قابو میں لے آئیں؟۔

جواب ۔ میرے خیال میں' پھر اپنا جواب دہرا دوں کہ یہ لوگ اپنے اپنے علاقوں میں بڑا اثر رکھتے ہیں اور یہ لوگ کنٹرول کر سکتے ہیں۔ ان کے علاقوں میں جو پرابلم پیدا ہوتی ہے تو پولیس کو مطلع کرتے ہیں۔ اس میں یہ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں یا مدد کر سکتے ہیں' یہ سب لاء اینڈ آرڈر کو کنٹرول نہیں کر سکتے لاء اینڈ آڈر کنٹرول کرنا گورنمنٹ کی ذمہ واری ہے۔ لیکن حکومت یا انتظامیہ کو بہت سارے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ اگر ان کا یا علاقے کے لوگوں کا تعاون حاصل نہ ہو۔ یہی صورتحال کراچی کی ہے کراچی میں جب تک مخلص شہریوں کا تعاون نہیں ہو گا ایسے لوگوں کا جن کی عزت عام آدمی کرتا ہے۔ آپ کراچی کو کنٹرول نہیں کر سکتے اس لئے حکومت کو شریف اور اچھے لوگوں سے تعاون حاصل کرنا چاہئے مدد لینی چاہئے۔

سوال ۔ سندھ کے طلبہ میں بے چینی کے اسباب پر کچھ روشنی ڈالیئے؟۔

جواب ۔ سندھ کے طلبہ اور تعلیمی ادارے بدقسمتی سے سیاسی جماعتوں کے زیر اثر آ گئے ہیں۔ طلبہ کے فرسٹریشن کی وجہ تو یہ ہے کیوں۔کہ ہمارے معیار تعلیم اتنا گر چکا ہے کہ بہت سے طلبہ "او" لیول تک پہنچ نہیں سکتے۔ وہ اپنے لئے اچھا اور تابناک مستقبل نہیں دیکھتے ہیں اس لئے فرسٹریشن ان لوگوں میں آ گئی ہے اور جب فرسٹریشن آ جاتی ہے تو وہ مسائل پیدا کرتے ہیں۔ ان کے والدین نے اولاد پر توجہ کم کر دی ہے پرانے زمانے میں والدین کا کنٹرول اپنی اولاد پر بہت ہوتا تھا۔ فی زمانہ والدین اپنے روزگار میں اتنے منہمک ہیں کہ ان کی توجہ اولاد کی تربیت سے ہٹ گئی ہے۔ میں جب قطر میں تھا تو ایک تعلیمی ادارے میں ۳۔ ۱/۲ ہزار طالب علم تھے۔ میں نے دیکھا کہ انہوں نے نہ تو ہڑتال کی۔ نہ ہنگامے کئے اور نہ اپنے ناجائز' جائز مطالبات پیش کئے۔ جبکہ بہترین تعلیمی کارکردگی رزلٹ ۹۵ اور ۹۶ فیصد صرف ایک طالب علم کے ۹۱ فیصد مارکس تھے۔ آخر یہ طالب علم اور استاد بھی تو اسی ملک کے تھے یہ طے ہو گیا تھا کہ اگر استاد معیار پر پورا نہیں اترتا تو نکال دو۔ آخر یہ کیوں ہے کیا ہے حد تو یہ ہے کہ وہ طالب علم وہی سلیبس پڑھتے ہیں جو یہاں پڑھایا جاتا ہے۔

سوال ۔ جنرل صاحب آخر میں ایک اہم سوال اور وہ یہ کہ گورنر کی حیثیت سے آپ سے ایک controversy منسوب ہے' یعنی جام صادق علی کا اس ملک سے جانا!

جواب ۔ یہ تو خیر صدر صاحب نے اس سلسلے میں خود ہی وضاحت کر دی تھی اور انہوں نے کہا تھا کہ ارباب صاحب نے اس کو نہیں بھیجا بلکہ انہوں (ارباب جہانزیب) نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ اس کو ملک سے باہر جانے کی اجازت نہ دی جائے۔ جب جام صادق علی نے ہم سے اجازت مانگی۔

سوال ۔ انہوں نے حکومت سے اجازت مانگی تھی؟۔

جواب ۔ اس کا فائل ہم نے فیڈرل گورنمنٹ کو بھیجا اور پوچھا کہ اس کے خلاف ملک سے باہر جانے پر کوئی پابندی وغیرہ ہے۔ یہ شخص عمرہ کے لئے جانا چاہتا ہے اس کی لڑکی کی بھی شادی ہے۔ اس لئے یہ ملک سے باہر دبئی جانا چاہتا ہے۔ فیڈرل گورنمنٹ نے کہا کہ جانے دو۔ ہم نے اسے جانے دیا۔ میں اسے خود جانتا ہوں وہ میرا پرسنل دوست رہا ہے۔ میں اس کی فیملی کو جانتا ہوں ایسی ویسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہمارے پاس اس کے خلاف کوئی کیس نہیں تھا جس کی وجہ سے اس کو ملک سے باہر جانے سے روکتے وہ حُروالا کیس جو تھا اس کے بارے میں ہمیں پتہ نہیں تھا آخر ایک گورنمنٹ جا چکی تھی انہوں نے اس کے خلاف وہ کیس نہیں اٹھایا تو ہم کس طرح اٹھاتے۔ اس وقت تک اس کے خلاف کوئی پروگرام نہیں تھا۔

سوال ۔ آپ نے فیڈرل گورنمنٹ کو کیوں مشورہ دیا تھا کہ اس کو نہ جانیں دیں؟۔

جواب ۔ میں نے اس لئے کہا کہ ہو سکتا ہے بعد میں کچھ پرابلم پیدا ہو جائیں۔ ابھی ابتدائی مراحل میں ہیں تو مشورہ دیا اس کو فی الحال نہ جانے دیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں جی۔ اس کو جانے دو۔

سوال ۔ عام طور پر مشہور ہے کہ وہ آپ کی گاڑی میں ایئرپورٹ گئے؟۔

جواب ۔ یہ جھوٹ ہے۔ میں اس کو ضرور ملا کرتا تھا کیوں کہ وہ ایک اچھے خاندان سے تھے۔ انہوں نے بہت سے لوگوں کی مدد کی ہے لیکن میں نے یہ دیکھا کہ اس نے ذاتی طور پر ایک پلاٹ بھی نہیں لیا۔ بلکہ زمین صرف دوسروں کو دیں۔ گورنمنٹ والے اور مخالف سیاست دانوں کو بہت سپورٹ کرتا تھا۔ یہ غلط ہے کہ ایئرپورٹ جانے کے لئے اس نے میری گاڑی استعمال کی۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ میری گاڑی اس کام کے لئے استعمال ہو۔

سوال ۔ آپ نے کبھی کوشش کی کہ جنرل ضیاء اور پاکستان پیپلز پارٹی کے درمیان مفاہمت ہو جائے؟۔

جواب ۔ میں سیاست دان نہیں ہوں اور نہ تھا۔ میں تو ایک ایڈمنسٹریٹر تھا اس وقت جو forces ورک کر رہی تھیں، میری خواہش تھی کہ وہ ذرا cool down ہو جائیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ ہمارے دنوں میں کوئی پرابلم نہیں تھی۔ ہمارے دور میں مارشل لاء گورنمنٹ، سیاست دانوں اور سیاسی جماعتوں میں اس قدر محاذ آرائی نہ تھی۔ اس لئے اس وقت تک کوئی پروگرام ہی نہ تھا اور نہ ہم نے سوچا۔

سوال ۔ سندھ کے دانشور پنوں عاقل کی فوجی چھاؤنی پر بہت معترض ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کی رائے؟۔

جواب ۔ یہ لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔ پنجاب میں ہر جگہ چھاؤنی علاقہ ہے چھاؤنیاں ہونے سے علاقے کی معیشت پر خوشگوار اثر پڑتا ہے۔

سوال ۔ لوگ فوج سے خائف ہیں کہ تشدد زیادہ ہوگا۔ فوج سویلین کو زیادہ مارے گی۔ عام طور پر کہا جاتا ہے ۱۹۸۳ء میں فوج نے بہت سخت کارروائی کی؟۔

جواب ۔ اگر غلط کام پنجاب والے کریں۔ سرحد والے تو بھی یہی کچھ ہوگا۔ غلط کام کی سزا تو ملنی ہے نا۔ یہ بھی ملک ہی کے لوگ ہیں۔ اور اگر انہوں نے کوئی غلط کام نہیں کیا تو کوئی ان کو کچھ نہیں کہے گا چھاؤنی بننے سے علاقے کو ترقی ملے گی۔ سڑکیں بنیں گی۔ ریلوے اسٹیشن بنے گا۔ ہسپتال قائم ہوں گے۔ لوگوں کو روزگار ملے گا۔ یہ سب کچھ ان کے فائدے میں ہوگا۔ صوبہ سرحد میں اگر دس چھاؤنیاں بنائیں گے تو لوگ خوش ہوں گے۔ سندھ کے لوگ باہر کے لوگ تو نہیں ہیں۔ پاکستان ہی کے باشندے ہیں۔ سندھ کے لوگوں میں یہ جو خیال آگیا ہے وہ دور ہونا چاہیئے۔ ان کو یقین ہونا چاہیئے کہ سندھ کے باشندوں کا بھی پاکستان پر اتنا ہی حق ہے جتنا کہ دوسرں کا۔ اور کوئی تفریق نہیں سندھی بھی اتنے ہی پاکستانی ہیں جتنے کہ باہر کے لوگ (دوسرے صوبے کے لوگ) میں دل وجان سے تسلیم کرتا ہوں کہ سندھی بھی دوسرے لوگوں کی طرح محبّ وطن ہیں، ان کی حب الوطنی پر شک نہیں کیا جاسکتا میں نے ۱۹۷۱ء میں دیکھا کہ سندھ کے لوگوں نے ہم کو جنگ کے دوران سپورٹ کیا۔ حالانکہ عام تاثر یہ تھا کہ ہندوستان سے جنگ میں سندھی ہم کو سپورٹ نہیں کریں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ انہوں نے ہم کو سپورٹ کیا۔ سندھی اچھے لوگ ہیں بہت اچھے لوگ ہیں۔ ان کو محبت اور پیار سے deal کرنا ہوگا زور زبردستی نہیں چلے گی۔ آپ کو تعلقات برابری کی بنیاد پر رکھنے ہوں گے۔

علی حسن ۔ جہانزیب ارباب صاحب آپ کا بے حد شکریہ آپ نے اپنا قیمتی وقت اور قیمتی خیالات سے نوازا۔

(یہ انٹرویو ۲۸ر اپریل ۱۹۸۷ء کو سہ پہر جنرل صاحب کی کراچی کی قیام گاہ پر ریکارڈ کیا گیا)

"آپ اچھے فرد کو جنرل منتخب کریں گے تو نتائج اچھے نکلیں گے اگر انتخاب غلط ہو گا تو نتائج بھی غلط ہوں گے۔ کیا کبھی کسی فوجی نے آج تک پاکستان میں بغاوت کی ہے۔ مارشل لاء لگایا ہے۔ جو کبھی "کُو" کیا تو وہ فوج کے سربراہ نے کیا ہے۔ ایوب خان، یحییٰ خان فوج کے سربراہ تھے۔ ضیاء الحق سربراہ ہیں...... مسلح افواج ملک سے اس قدر وفادار ہیں اور تربیت بہت اچھی ہے وہ ایسا کبھی نہیں کریں گی۔ یہ سب کچھ ہمیشہ سربراہ کرتا ہے...... کور کی کمانڈ صرف اہلیت والے کرتے ہیں اب تو کوئی بھی ترقی حاصل کر سکتا ہے۔ اور جنہوں نے کبھی کمانڈ نہیں کی ان کو بھی جنرل بنا دیا گیا ہے۔"

جنرل فیض علی چشتی

لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) سابق کور کمانڈر، راولپنڈی، وفاقی وزیر (ضیاء دور)

"آپ کون ہیں۔ مجھے کیا معلوم۔ میں آپ سے کس طرح کھل کر بات کر سکتا ہوں"۔ جواب میں میں نے اپنا شناختی کارڈ دکھایا لیکن انہوں نے پلٹ کر پھر یہی کہا "ارے صاحب یہ کارڈ تو صرف آپ کی ظاہری شناخت ہے۔ آپ کس کے لئے کام کر رہے ہیں مجھے کیا علم"۔ یہ ایک ایسا موڑ تھا کہ میں جھنجھلا گیا لیکن میں نے اپنے اعصاب پر قابو رکھتے ہوئے ان سے دوبارہ گزارش کی اور اپنا مدعا ایک بار پھر ان کے گوش گزار کیا۔ اور وہ گفتگو کا آغاز کرنے پر آمادہ ہوئے لیکن نہایت محتاط انداز میں...... میرے روبرو ۴ر جولائی ۱۹۷۷ء کے مارشل لاء کے "مرد آہن" اور "ہیرو" بیٹھے ہیں جو پاکستان آرمی کے بقول ان کے "گاڈ فادر" بھی رہ چکے ہیں۔ پاکستان آرمی کے ملٹری سیکرٹری کو فوج کے حلقوں میں "گاڈ فادر" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ ۱۹۷۷ء میں ہر طرف یہی تاثر تھا کہ پاکستان کے تیسرے فوجی انقلاب کے کرتا دھرتا جنرل فیض علی چشتی ہیں اور جنرل ضیاء الحق تو محض نمائشی قائد انقلاب ہیں۔ لیکن بعد کے حالات

فیض علی چشتی۔

نے ثابت کر دیا کہ قائد بہرحال خود ہی قائد تھا اور جنرل چشتی بھی دوسرے رفقاء کی طرح ایک رفیق تھے۔

علی حسن: پاکستان میں مارشل لاء کی دو صورتیں رہی ہیں۔ ایک یہ کہ صدر نے فوج کے سربراہ کو دعوت دی اور دوسری یہ کہ فوج کے سربراہ نے خود مارشل لاء لگایا۔ کیا فوج کا سربراہ کارروائی سے قبل اپنے ساتھیوں کو اعتماد میں لیتا ہے یا کارروائی کے بعد ان کا اعتماد حاصل کرتا ہے؟

لیفٹیننٹ جنرل فیض علی چشتی: مارشل لاء دو طرح کے ہوتے ہیں یا تو ارادتاً لگایا جاتا ہے یا نتیجتاً ہوتا ہے۔ اگر دیدہ دانستہ سوچ سمجھ کر لگایا ہے تو پھر ارادتاً ہو گیا یعنی ارادہ تھا حکومت چھیننے کا۔ دوسری صورت نتیجتاً ہوتی ہے۔ اس میں فوج خواہ مخواہ ملوث ہو جاتی ہے۔ ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء لگا دیا گیا۔ ۱۹۶۹ء میں بھی یہی صورت تھی۔ لیکن ۱۹۷۷ء میں جو مارشل لاء لگا تھا وہ صرف لگا دینے والی بات نہیں تھی۔ ۷ر مارچ سے ۵ر جولائی تک فوج نے حکومت کو سپورٹ کیا اس کے بعد ایک مرحلہ ایسا آیا جہاں مارشل لاء لگانا پڑا یہ مارشل لاء ارادتاً نہیں تھا بلکہ نتیجتاً تھا۔

سوال ۔ مسلح افواج ہر ملک میں سویلین حکومت کا قانونی بازو تصور کی جاتی ہے۔ انہیں سویلین حکومت کا تابع اور فرمانبردار سمجھا جاتا ہے تو پھر سویلین حکومت کو ارادتاً یا نتیجتاً کیوں ختم کر دیا جاتا ہے۔

جواب ۔ سول کی تربیت اور فوج کی تربیت میں فرق ہوتا ہے۔ فوج کی تربیت زیادہ سخت ہوتی ہے جس کو فوج کہتے ہیں ہم اسے "پروفیشن آف آرمز" کہتے ہیں۔ یہ زندگی اور موت کا کھیل ہوتا ہے۔ انسان کی زندگی کے ساتھ کھیلنا ہوتا ہے۔ لڑائی ہوتی ہے اس میں مرنا' مارنا کام ہوتا ہے۔ دشمن کو مارنا ہوتا ہے اپنے آپ کو بچانا ہوتا ہے۔ اس میں بنیادی بات تربیت کی ہوتی ہے۔ اگر ایک چیز کوئی سمجھتا ہے کہ ٹھیک نہیں ہے' تو اسے بتا دیا جاتا ہے کہ کس طرح ٹھیک ہے یا ہو سکتی ہے۔ مثال کے طور پر کہا جاتا ہے کہ آپ پہاڑی پر دائیں طرف سے حملہ کریں گے۔ اس حملے میں آدمیوں کو تو مرنا ہے۔ دشمن مزاحمت کرے گا۔ کمانڈر کو یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ کون سی طرف سے حملہ کریں کہ ہمارا نقصان کم ہو اور دشمن کا نقصان زیادہ ہو۔ حکم ملا ہے کہ پہاڑی پر دائیں طرف سے حملہ کرنا ہے اور متعلقہ افسر کا خیال ہے کہ دائیں طرف سے حملہ کی صورت میں زیادہ نقصان ہو گا۔ اور بائیں طرف سے حملہ کرنے کی صورت میں نقصان نہیں ہو گا یا کم ہو گا تو پھر افسر اعتراض کرے گا اپنے سینئر افسر کو بتائے گا کہ میں اس طرف سے حملہ کرنے سے متفق نہیں ہوں اس کی وجوہات بتائی جائیں گی۔ یہاں دلائل دینے کا لفظ غلط ہو گا بلکہ اسے خیالات کا تبادلہ کہیں اور وہ اس لئے ہو گا کہ معلوم کریں کہ دونوں میں کس کا نکتہ نظر درست ہے اگر سینئر پھر بھی کہتا

ہے کہ دائیں طرف سے ہی حملہ کرنا ہے تو پھر دائیں طرف سے ہی حملہ کیا جائے گا۔ حکم عدولی نہیں کی جائے گی۔ یہ اسٹاک ایکسچینج کا شیئر تو ہے نہیں کہ آج کاروبار میں نقصان ہو جائے تو کل فائدہ ہو جائے گا یہ ''پروفیشن آف آرمز'' ہے اس میں آپ جانوں کے ساتھ کھیلتے ہیں۔ جو جان ایک دفعہ چلی جائے دوبارہ واپس نہیں آتی ہے۔ اس لئے کمانڈر کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اپنے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ موقع دے بچنے کا۔ زیادہ سے زیادہ موقع دے دشمن کو نقصان پہنچانے کا۔ خود زندہ رہے دوسرے کو مارے تاکہ زندہ رہتے ہوئے جو فتح حاصل کرنی ہے کرے اور اس کے بعد اور بھی فتوحات حاصل کرے۔ کیونکہ ایک لڑائی تو آخری نہیں ہوتی۔ کامیابی تو آخر میں ہوتی ہے۔ فوج میں یہ سکھایا جاتا ہے کہ آپ سچی بات کریں جھوٹ نہ بولیں' اپنی طرف سے اللہ کو حاضر جان کر بہترین فیصلہ دل سے نکالیں۔ اگر آپ کو ''اوور رول'' کر دیا جائے ہے تو پھر آپ حکم عدولی نہیں کریں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سینئر اکثر بہتر اور زیادہ جانتا ہے ایک کرنل میجر سے زیادہ جانتا ہے پھر بریگیڈیئر اور اس طرح اوپر کے عہدے اور پھر کمانڈر تو پوری تصویر کے بارے میں جانتا ہے اسے پوری صورتحال سے آگاہی ہوتی ہے اور اسی کے مطابق چلنا ہوتا ہے۔

فوج آئینی طور پر تشکیل شدہ حکومت کا ایک حصہ ہوتی ہے۔ فوج اگر دیکھتی ہے کہ کام ٹھیک نہیں چل رہا ہے تو اس کا فرض ہے کہ سربراہ حکومت کو بتائے کہ یہ کام ٹھیک نہیں ہے۔ یہ جو آپ کر رہے ہیں ٹھیک نہیں ہے۔ ملک کے مفاد میں نہیں ہیں۔ ابھی آپ ۱۹۷۷ء کے مارشل لاء کے بارے میں بات کر رہے ہیں یہ گفتگو اسی سلسلے کا حصہ ہے۔ ۷ر مارچ ۱۹۷۷ء کو قومی اسمبلی کے لئے انتخابات ہوئے۔ اعتراض اٹھایا گیا کہ انتخابات میں دھاندلی ہوئی ہے۔ ہم انتخابات کے نتائج تسلیم نہیں کرتے ہم صوبائی اسمبلیوں کا بائیکاٹ کرتے ہیں۔ ملک میں افراتفری یا جو کچھ بھی ہونا تھا ہوا۔ فوج نے ''ٹیک اوور'' تو نہیں کیا۔ گولی چلانے کی ضرورت پڑی تو فوج نے گولی چلائی پھر جزوی مارشل لاء کہاں کہاں لگایا گیا۔ کیا کراچی میں مارشل لاء نہیں لگا تھا؟ کیا لاہور میں مارشل لاء نہیں لگایا گیا؟ کیا وہ مارشل لاء فوج کے سینئر افسروں نے لگایا تھا؟ وہ سول حکومت کے حکم پر لگا تھا۔

سوال ۔ سویلین حکومت نے فوج کو طلب کر کے لگوایا (مارشل لاء) تھا۔

جواب ۔ طلب (کال) کر کے نہیں لگوایا تھا بلکہ حکم دے کر لگوایا تھا۔

سوال ۔ مسلح افواج کو انہوں نے طلب کیا تھا۔

جواب ۔ ''کال'' نہیں کیا تھا۔ اس لفظ سے ''انٹرپریٹیشن'' غلط ہو سکتی ہے۔ اس لئے ''کال'' کا لفظ استعمال نہ کریں ۔ امن وامان کی ذمہ داری ملک کے دفاع کی ہوتی ہے۔ ملک کے اندرونی حالات کے لئے فوج ذمہ دار نہیں ہوتی ہے۔ پولیس کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

دوسرے قانون نافذ کرنے والے اداروں کی ہوتی ہے۔ جب آپ کے تمام ادارے ناکام ہو جاتے ہیں توپھر فوج کو سول اداروں کی دور "ان ایڈ اف سول پاور" بلایا جاتا ہے۔ اس صورتحال میں فوج خود بخود کارروائی نہیں کرتی ہے۔ فوج کا جو دستہ مدد کرنے کے لئے جاتا ہے۔ اس کے ساتھ کسی مجسٹریٹ کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اگر کسی جگہ امن وامان کا مسئلہ ہوتا ہے اور مجسٹریٹ یا ڈپٹی کمشنر سمجھتا ہے کہ وہ امن وامان برقرار نہیں رکھ سکتا ہے توپھر وہ فوج کو مدد کے لئے بلا لیتے ہیں۔ جب تک مجسٹریٹ لکھ کر نہیں دے دیتے فوج کارروائی نہیں کرتی لیکن جب ڈیوٹی پر مامور مجسٹریٹ سمجھتے ہیں کہ حالات ان کے قابو میں نہیں آرہے ہیں توپھر وہ لکھ کر دیتا ہے کہ

circumstances are beyond my control. I handover the charge.

پھر فوج اپنی کارروائی شروع کرتی ہے۔ اس سے پہلے نہیں ۔ اس کو کہتے ہیں سول انتظامیہ کی مدد۔ اس کے برعکس جب ہم کہتے ہیں کہ مارشل لاء لگا ہوا ہے توپھر ٹوٹل کنٹرول مارشل لاء والوں کا ہوتا ہے۔ مارشل لاء میں چیف ایگزیکیٹو' چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ہوتا ہے۔ سی۔ ایم۔ ایل۔ اے کون ہوتا ہے سویلین کو ہونا چاہئے یا فوجی ہوتا ہے۔ مشرقی پاکستان میں جب بنگلہ دیش قائم ہوا تو جنرل یحییٰ خان نے اقتدار کس کے حوالے کیا تھا۔

سوال ۔ بھٹو صاحب کے حوالے کیا تھا۔

جواب ۔ کیا بھٹو صاحب نے اقتدار وزیر اعظم کی حیثیت سے لیا تھا یا سی۔ ایم۔ ایل۔ اے کی حیثیت سے 'سی۔ ایم۔ ایل۔ اے کی حیثیت سے لیا تھا نا' لیکن سویلین تو سی۔ ایم۔ ایل۔ اے نہیں ہوتا ہے۔

سوال ۔ لیکن بھٹو نائب وزیر اعظم اور وزیر خارجہ بھی تو تھے۔

جواب ۔ اس میں دونوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ مارشل لاء فوج لگاتی ہے تو سی۔ ایم۔ ایل۔ اے فوجی ہوتا ہے۔ سویلین نہیں۔ سویلین کس طرح ہو سکتا ہے اس لئے یہ کارروائی "چیلنج ایبل" ہے یا further worth analysis ہے۔ کہ ایک سویلین سی۔ ایم۔ ایل۔ اے بن سکتا ہے یا نہیں۔ صدر بن سکتا تھا وزیر اعظم کی حیثیت سے اقتدار لے لیتے اس وقت یہ موضوع نہیں ہے کہ انہوں نے کیا کیا کیوں کیا اس لئے ہم اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ اور ۱۹۷۷ء پر آتے ہیں۔ ۱۹۷۷ء میں حکومت پاکستان نے جزوی مارشل لاء لگا دیا (امن وامان کو برقرار رکھنے کے لئے) ٹھیک ہے کہ امن وامان قائم کرنے کے لئے ملتان میں لگا' لاہور میں لگا' حیدر آباد میں لگا' کراچی میں مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کون تھا۔ فوجی تھا سویلین تو نہیں تھا۔ کمشنر تو نہیں تھا۔ ۵ر جولائی ۱۹۷۷ء کو جب فوج نے "ٹیک اوور" کیا تو اس سے قبل جزوی مارشل لاء لگ چکا تھا۔ میں جو نکتہ واضح کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ کیا فوج نے حکومت کو نہیں بتایا تھا کہ آپ امن وامان ٹھیک کریں۔ جھگڑا صرف اس بات پر تھا کہ الیکشن میں دھاندلی ہوئی تھی دوبارہ کرا

لیتے۔ انتخابات دوبارہ کیوں نہ کرائے۔ کیا آپ فوج کو سچ کہنے کا حق نہیں دیتے۔ خاص طور پر جب کہ ساری سول مشینری جھوٹ پر جھوٹ بول رہی ہو۔ ۷ر مارچ سے ۵ر جولائی تک کیا صورتحال تھی۔ کئی مرتبہ وزیراعظم بھٹو صاحب کو کہا کہ ملک کے حالات خراب ہو رہے ہیں لڑائی ہو رہی ہے آپ دوبارہ انتخابات کرا دیں۔ میرا خیال ہے کہ فوج نے تو اپنا فرض پورا کیا تھا۔

سوال ۔ کیا فوج کو یا اس کے کمانڈر کو یہ (mandatory) حق حاصل ہے کہ وہ اس طرح کا مشورہ دے۔ حکم دے یا نصیحت کرے۔

جواب ۔ یہ mandatory نہیں ہے۔

سوال ۔ جب مسلح افواج کی اپنی ذمہ داریاں assigned ہیں تو؟

جواب ۔ جب آپ سے ایک سوال پوچھا جائے تو کیا آپ جواب نہیں دیں گے۔ "ایڈوائس" نہیں کریں گے سچ نہیں بولیں گے۔

علی حسن۔ جی ہاں اگر پوچھا جائے تو!!

جنرل چشتی ۔ فوج کے کمانڈر نے وزیراعظم کو کابینہ کے اجلاس میں بتایا کوئی خط تو نہیں لکھا تھا۔ جب کابینہ کے اجلاس میں افواج کے تینوں سربراہوں کو بلا کر پوچھتے ہیں۔ ان کے خیالات سے آگاہ ہوتے ہیں تو کیا انہیں اپنے خیالات کا اظہار کا حق نہیں ہے۔

سوال ۔ خیالات کا اظہار کرنے یا نقطہ نظر بیان کرنے کا حق ضرور حاصل ہے۔ اگر پوچھا جائے تو حق ادا کر دیا اور اپنی assigned ڈیوٹی پر دوبارہ چلے گئے۔ سوال یہ ہے کہ وہ اپنے فرائض سے تجاوز کیوں کر جاتے ہیں۔ میں صرف پاکستان کے حوالے سے گفتگو نہیں کر رہا ہوں بلکہ تیسری دنیا کے ممالک میں آج کا اہم ترین مسئلہ ہے اس کی روشنی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔

جواب ۔ میں بھی وہیں لے جا رہا ہوں میں آج ۱۹۷۷ء کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتا ہوں۔

سوال ۔ جنرل کیوں stepin کرنے کو ہی ضروری سمجھتے ہیں جبکہ سویلین پاور موجود ہوتی ہے۔ پارلیمینٹ موجود ہوتی ہے۔

جواب ۔ پارلیمینٹ ہی تو نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ سے ہی گڑبڑ ہوتی ہے۔ وہ اگر ٹھیک ہو اور کام ٹھیک کرے تو اور کیا چاہیے۔ بات تو "کنوکشن" کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ سنہ ۱۹۷۳ء کے آئین میں دفعہ چھ ہے اس میں "ہائی ٹریژن" ہے اور high treason is punishable with death اس کا مطلب یہ ہے کہ "ٹیک اوور" کرنے کا جو سلسلہ ہے اس کی سزا موت ہے۔ ٹھیک ہے آپ کا کیا خیال ہے کہ جو جرنیل "ٹیک اوور" کرتا ہے اسے اس کا علم نہیں ہوتا۔

سوال ۔ اسے یقیناً خیال ہونا چاہیے۔

جواب ۔ یہاں "کنوکشن" کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ کیا وہ جرنیل اپنی جان بچا کر رکھے اور ملک کو داؤ پر لگنے دے۔ یا اپنی جان کو داؤ پر لگا دے اور ملک کی جان بچا دے میں اس کو اس طرح کہوں گا۔

a general's job is to risk his life to save the country and not to save his life to risk the country

"ایک جنرل کی ذمہ داری ہے کہ اپنی زندگی کو داؤ پر لگا کر ملک کو بچائے نہ کہ اپنی زندگی بچانے کے لئے ملک کو داؤ پر لگا دے" جب ہم دیکھتے ہیں کہ ملک جس کے لئے ہم اور آپ سب کچھ کرتے ہیں، ٹھیک نہیں چل رہا ہے۔ تباہی کی طرف جا رہا ہے۔ حالات خراب ہو رہے ہیں اس صورتحال میں "کنوکشن" مزید مضبوط ہو جاتی ہے۔ تو پھر فوج کے سربراہ جنرل یہ قدم اٹھا لیتے ہیں یہاں پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ قدم ارادتاً تھا۔ خواہشات کی وجہ سے تھا کنوکشن" کی وجہ سے تھا یا نتیجتاً تھا۔ اس کا جواب academically نہیں ملتا۔ اس کا جواب پوسٹ مارٹم سے ملے گا۔

سوال ۔ کیا ہر کیس کو الگ الگ دیکھا جائے مرحوم ایوب خان اپنی کتاب "فرینڈز ناٹ ماسٹرز" میں تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ۱۹۵۴ء سے ایسا سوچ رہے تھے۔

جواب ۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے نہ کہا ہو آپ نے ایک جملہ پڑھ لیا ہو گا۔ آپ کو اس سلسلے میں شہادتیں جمع کرنی ہوں گی۔ یہ کوئی مضبوط دلیل نہیں ہے۔ آپ کو تحقیقات کرنی ہو گی۔ گہرائی میں جانا ہو گا۔ مارشل لاء ریگولیشن کے تحت چلتا ہے۔ یہ دیکھیں یہ کب بنائے گئے تھے۔ اگر پہلے تیار کرے گئے تھے تو اس کا مقصد ہے کہ مارشل لاء لگانے کا ارادہ تھا۔

سوال ۔ ۱۹۵۸ء میں آپ کس عہدے پر فائز تھے۔

جواب ۔ میں جہلم میں کور ہیڈ کوارٹر میں جی ایس او ٹو تھا۔ اگر مارشل لاء ریگولیشن پہلے سے تیار نہیں تھے تو پھر اس کا مطلب ہے کہ مارشل لاء نتیجتاً لگا تھا۔ اس لئے ارادے پر لگا دیا گیا تھا۔ پلان کیا گیا تھا۔ ارادتاً لگایا گیا تھا۔ the guilt was lot more میں نے عرض کیا ہے کہ بات صرف ایک ہی ہے وہ ہے احتساب...... اصل چیز ہے احتساب سزا و جزاء، جو غلط کام کرے اگر اس کو سزا نہیں دیں گے تو غلطیاں کیسے ختم ہونگی۔

سوال ۔ احتساب کا تو ایک عمل ہو گا۔

جواب ۔ ایک عمل ہے۔ کیا اس ملک میں کیا گیا؟ جب مارشل لاء لگتا ہے تو اس کے بعد دیکھنا چاہئے کہ ٹھیک لگا تھا یا غلط۔ چلیں ۱۹۷۷ء پر آئیں۔ یہ دیکھیں کہ مارشل لاء ٹھیک لگا تھا یا نہیں۔ میں آپ سے سوال کرتا ہوں۔ آپ بتائیں کہ مارشل لاء ٹھیک لگا تھا یا نہیں۔

سوال ۔ میں جب ۱۹۷۷ء میں واپس جاتا ہوں اور اپنے شہر کے حالات دیکھتا ہوں جہاں

فیڈرل سیکورٹی فورس نے ایک ہی روز میں گولی چلا کر سولہ افراد کو ہلاک کر دیا تھا۔ میں اور جناب ادریس بختیار چیف رپورٹر ' اسٹار کراچی ' پاکستان میں وائس آف امریکہ اور دی ٹیلی گراف کلکتہ کے نمائندے ' پہلے رپورٹر تھے جو اس علاقے میں پہنچے تھے تو میرا پہلا تاثر یہ تھا کہ فوج کیا کر رہی ہے؟ مسٹر بھٹو کو کیوں remove نہیں کیا جاتا؟ میں ۳ر اور ۴ر جولائی کی رات کو بی بی سی کی نشریات سنتا تھا کہ کیا آرمی نے "ٹیک اوور" کر لیا۔ آج جب میں اپنے آپ کو ٹٹولتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کہ میں خود چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح مسٹر بھٹو سے جان چھوٹے۔ لیکن آج نو سال کے بعد سوچتا ہوں کہ میری سوچ غلط تھی۔

جواب ۔ برائے مہربانی صورتحال کو retrospective میں نہیں دیکھو۔ میری گزارش ہے کہ اس وقت کی بات کریں آپ نے ملین ڈالر کی بات (پتے کی بات) کی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس وقت کی صورتحال اسی وقت اور انہی جذبات کی روشنی میں دیکھیں اس وقت کے مقابلے میں آج آپ بہت زیادہ جانتے ہیں۔

don't study the things in retrospective.
Today you are much wiser on many things which you were not at that time. Put yourself in the shoes of that time.

بعد میں بہت کچھ ہوا ہے۔ اس وقت کیا کرنا چاہئے تھا۔ مارشل لاء ٹھیک لگا تھا یا غلط لگا تھا۔ اگر اس وقت آپ سوچتے تھے کہ فوج کو "ٹیک اوور" کر لینا چاہئے تو فوج نے ٹھیک کیا ہو گا۔ آپ کی سوچ تھی۔ اوروں کی بھی "کنوکشن" تھی کہ یہ کیا کر رہے ہیں جنرل کیا کر رہے ہیں۔ جنرل کا اتنی تنخواہ لینے اور ٹریننگ کا کیا فائدہ کہ ملک تباہ ہو رہا ہے اور وہ کچھ نہیں کر رہے ہیں جنرل اپنی جان کی بازی لگا کر "ٹیک اوور" کر لیتا ہے۔ اس کے بعد justify کرتے ہیں کہ ٹھیک کیا یا نہیں۔ لیکن اصل خرابی جب پیدا ہوتی ہے کہ مارشل لاء کے خاتمے پر قوم مارشل لاء کے پورے دور جو چھ یا آٹھ سال پر محیط ہوتا ہے کو indemnity دے دیتی ہے آخر پوری مدت کو indemnity کیوں دی جاتی ہے اس کے کچھ عنصر ہوتے ہیں انسان اس کے سب سے بڑے عنصر ہوتے ہیں۔ ایک ملک کے باشندے ٹھیک طریقے سے اسی وقت ملک میں رہ سکتے ہیں جب ملک میں امن و امان ہو۔ ملک ٹھیک ہو اگر نہیں تو پھر ملک میں کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہوتی ہے تو آپ کی "کنوکشن" اتنی مضبوط ہو جاتی ہے کہ اپنے آپ کو داؤ پر لگا کر "ٹیک اوور" کر لیتے ہیں اور ملک کے عوام کو صورتحال سے نجات دلاتے ہیں۔ ہونا یہ چاہئے کہ اس کے بعد آپ خود کو قوم کے سامنے پیش کریں تاکہ قوم فیصلہ دے کہ آپ نے جو قدم اٹھایا تھا وہ درست تھا یا نہیں۔

سوال ۔ جب مسلح افواج اقتدار سنبھالتی ہیں تو وعدہ کیا جاتا ہے کہ کم سے کم مدت میں حالات درست کر کے واپس بیرک میں چلی جائیں گی ہر جنرل یہی وعدہ کرتا ہے لیکن عملی طور پر وہ سویلین لبادہ اوڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ کابینہ میں سویلین افراد کو شامل کرتا ہے۔ آخر ایسا کیوں ہوتا

ہے؟

جواب ۔ میں یہ کہوں گا کہ یہ احتساب کا عمل نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس ملک میں احتساب کبھی نہیں ہوا۔ سویلین کیوں کابینہ میں داخل ہوتے ہیں۔ ان کی کیا مجبوری ہوتی ہے۔ کیا وہ خود غرضی کی انتہا نہیں ہے۔ یہ ایک علیحدہ اور لمبا مسئلہ ہے۔ پھر کبھی بات کریں گے۔ جزا اور سزا کی بات کریں۔ اسلام کا پورا تصور جزا اور سزا پر ہے۔ اچھے کام کریں گے جنت میں جائیں گے برے کام کریں گے تو جہنم میں جگہ ملے گی۔

سزا کی معافی نہیں ہے رحم بھی نہیں ہے۔ انصاف میں رحم نہیں ہے۔ رحم کرنے والی ہستی اللہ تعالیٰ ہے۔ سزا اور جزاء بھی اللہ تعالیٰ کو دینی ہے۔ جو غلط کام ہوتا ہے سزا دیں جلدی دیں یا دیر سے دیں اس کا اپنا اپنا اثر ہوتا ہے۔ سزائیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک ''کیوریٹو'' اور دوسری ''پیونیٹو'' دونوں کا مقصد علیحدہ علیحدہ ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ لیڈر شپ کی دو قسمیں چلتی ہیں۔ ایک لیڈر شپ authoritative ہوتی ہے اور دوسری persuasive ہوتی ہے۔ authoritive لیڈر شپ ڈنڈے کے زور پر چلتی ہے۔ جبکہ persuasive لیڈر شپ ذاتی مثال کے طور پر چلتی ہے۔ اس صورت میں آپ وہی کام کرتے ہیں جو رہنما کرتا ہے۔ آپ چاقو کے زور پر کسی کو سجدہ کرنے پر مجبور تو کرسکتے ہیں لیکن آپ کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ یہ سجدے میں کیا بول رہا ہے جب تک اونچی آواز میں نہ بولے جب تک لیڈر شپ persuasive کام نہ کرے کام نہیں ہوتا۔ آپ کا سوال تھا کہ کیا وجہ ہے کہ مدت طویل ہوجاتی ہے کل کیا ہوا تھا اس سے نتیجہ اخذ کرکے پھر آگے چلتے ہیں جو ہونا چاہئے تھا وہ نہیں ہوا جو ہوسکتا ہے کل کو بھی نہ ہوا۔ کوئی ضروری تو نہیں کہ سزا یکدم دے دی جائے۔ سزا تو ایک وقت اور مدت کے بعد بھی دی جاتی ہے۔ کچھ سزا اس دنیا میں مل جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تو یوم حشر پر اپنا فیصلہ دینا ہے۔ نہ جانے کتنے کروڑ سال ہمیں پڑا رہنا ہے۔ قانون فطرت ہے جو پیدا ہوا ہے اسے مرنا ہے۔ جو درخت پر چڑھا ہے اسے اترنا ہے۔ جو کرسی پر بیٹھا ہے اسے کھڑا ہونا ہے۔ جو کھڑا ہے وہ چلے گا۔ اسی طرح سارا عمل ہے۔ جب مارشل لاء لگتا ہے اور جب بھی ختم ہوتا ہے تو آپ تجزیہ کریں کہ کیوں لگا تھا، ٹھیک لگا تھا تو معافی ٹھیک نہیں غلط لگا تھا تو سزا۔ اگر ایسا نہیں کریں گے تو حالات ٹھیک نہیں ہوں گے۔ آپ سے مراد ملک کے حالات ہیں۔ آپ نے فیلڈ مارشل ایوب کی بات کی ہے۔ ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء لگا اور ۱۹۶۹ء تک چلتا رہا۔

سوال ۔ ۱۹۶۹ء تک نہیں بلکہ ۱۹۶۲ء میں مارشل لاء اٹھا یا گیا تھا۔

جواب ۔ ہم بات کرتے ہیں سربراہ کی ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء اسکندر مرزا نے لگایا تھا یا ایوب نے۔

سوال ۔ یہ ہنوز تحقیق طلب ہے۔

جواب ۔ کیا اسکندر مرزا نے لگایا تھا۔

سوال ۔ بظاہر۔

جواب ۔ درحقیقت وہ ایوب خان تھے۔ مارشل لاء لگانے والا تو فوج کا سربراہ تھا کسی ماتحت نے تو مارشل لاء نہیں لگایا تھا۔ انہوں نے کمانڈر انچیف کی حیثیت سے فوج کو استعمال کیا تھا۔ جب وہ سربراہ حکومت نہیں رہے تو پھر ان کے خلاف کارروائی ہونی چاہیئے تھی۔ احتساب ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن وہ سربراہ حکومت تھے اس لئے ایسا نہیں ہو سکتا تھا۔ کیا بعد میں ایسا نہیں ہو سکتا تھا میری معروضات یہ ہیں کہ انسان پیدا ہوتا ہے پھر مر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حساب کتاب تو مرنے کے بعد کرنا ہے لیکن اس عمل کو روزمرہ کی زندگی میں بھی کرنا چاہیئے۔ دوسرے الفاظ میں احتساب ہر حال میں ہونا چاہیئے 'کرنا چاہیئے' اور ضرور ہونا چاہیئے۔ احتساب اس وقت ہو جب ایک عمل ہو چکے۔

جب عمل مکمل ہو جائے تو احتساب ہونا چاہیئے ضرور ہونا چاہیئے ہر صورت میں ہونا چاہیئے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

مثال کے طور پر ایک مارشل لاء لگا۔ جب مارشل لاء اٹھ گیا تو پھر حکومت کا اس دور کا اور اس دور کی وفاقی حکومت کا احتساب ہر حال میں ہونا چاہیئے۔ کیا آپ نے ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء کا احتساب ۱۹۶۹ء میں کیا تھا کہہ دیں کہ نہیں ہو سکتا تھا اس لئے کہ فوج کا سربراہ ملک کا سربراہ تھا اور اس کی موجودگی میں احتساب کس طرح ہوتا۔ ۱۹۶۹ء میں تبدیلی آئی تھی۔ ۱۹۶۹ء میں جنرل یحییٰ خان کو گزشتہ دور کا احتساب کرنا چاہیئے تھا۔ ۱۹۶۹ء کے بعد دوسری تبدیلی ۱۹۷۲ء میں آئی پھر یحییٰ خان کا احتساب ہونا چاہیئے تھا۔ اس کے بعد پیپلز پارٹی کی حکومت کا احتساب ۱۹۷۷ء میں ہونا چاہیئے تھا۔ ۱۹۷۷ء کے مارشل لاء کا احتساب ۱۹۸۶ء میں ہونا چاہیئے تھا۔ کون کرے؟ یہ آپ کا سوال ہے۔ کیسے کرے؟ کیا آپ کے سوال کا جواب اس میں نہیں کہ جنرل صاحب ابھی تک اپنی وردی نہیں اتار رہے ہیں۔ یہ میں پہلی بار نہیں کہہ رہا ہوں کہ جب تک آپ احتساب نہیں کریں گے چیزیں ٹھیک نہیں ہوں گی۔ لیکن آپ کہاں مانتے ہیں۔ یہ بنیادی چیزیں ہیں۔ آپ بنیادی چیزوں پر آجائیں جواب ملتا جائے گا۔ آپ حکم مانتے ہیں یا آپ عزت کیوں کرتے ہیں یا آپ کیوں ڈرتے ہیں؟ تیسری کوئی چیز نہیں ہوتی۔ جب آپ احتساب کریں گے تو چیزیں خود بخود ٹھیک ہوتی جائیں گی۔ جب رشوت لینے والے کو پتہ ہے کہ سزا ہی نہیں ملنی ہے تو رشوت کیوں نہ لیں۔ جب پتہ ہے کہ حادثہ کرنے والے کو کچھ نہیں ہونا تو پھر حادثہ کیوں نہ کریں۔ قتل کرنے والوں کو پتہ ہے کہ کچھ نہیں ہونا آپ نے فیڈرل سیکورٹی فورس کی مثال دی۔ ایف۔ ایس۔ ایف نے کیوں مارا تھا اس لئے کہ ان کو پتہ تھا کہ کچھ نہیں ہونا ہے۔

سوال ۔ احتساب کا خوف نہیں تھا۔

جواب ۔ سندھ میں حر کس نے مارے تھے۔

سوال ۔ پولیس نے۔

جواب ۔ جن پولیس والوں نے انہیں مارا تھا ان کو کیا ہوا۔

سوال ۔ ابھی ان کا مقدمہ زیر سماعت ہے۔

جواب ۔ خیر چھوڑیں۔ ہم کدھر چلے گئے۔ اپنے موضوع پر واپس چلیں۔ دیکھیں احتساب کریں اگر اس کے لئے ہر سزا دینے کی ضرورت پڑ جاتی ہے تو ایک ہی دفعہ دینا پڑے گی دوبارہ کوئی غلط نہیں کرے گا۔

سوال ۔ احتساب سے پہلے قانون کی بالادستی پر عمل کیوں نہ کیا جائے اور کیوں نہ کرایا جائے۔

جواب ۔ میرے خیال میں قانون کی بالادستی اور احتساب ایک ہی چیز ہیں۔

سوال ۔ اگر ملک میں قانون کی بالادستی ہو۔ قانون کا احترام ہو۔ اور مجھے خوف ہو کہ میں اگر قانون کی خلاف ورزی کروں گا تو مجھے سزا ملے گی تو میں ہر قدم اور کام سوچ سمجھ کر کروں گا۔ اصل بات یہ ہے کہ قانون کی بالادستی نہیں ہے۔ قانون کا احترام نہیں کیا جاتا۔

جواب ۔ میں اس کو احتساب کہتا ہوں۔ ہم اس پر متفق ہیں آپ اس کو قانون کی بالادستی کہتے ہیں میں اس کو احتساب کہتا ہوں۔ میں نے کہا تھا کہ جنرل کو جنرل نہیں بناتا ہے۔ جنرل کو سویلین جنرل بناتا ہے۔ اگر آپ جنرل خراب بنائیں گے تو پھر اس سے کیا توقع رکھتے ہیں۔

سوال ۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جسے آپ نے باورچی کی مثال دی تھی کہ اچھا باورچی اچھا کھانا پکا کر دے گا۔

جواب ۔ جی ہاں باورچی والی مثال آپ نے سمجھی آپ سندھی ہیں آپ سندھ میں رہتے ہیں سندھ کو آپ باب الاسلام کہتے ہیں۔ محمد بن قاسم اسلام لایا۔ آپ مجھے بتائیں کہ کیا محمد بن قاسم ایک جنرل تھا۔

سوال ۔ کیا ایک سترہ سالہ نوجوان قابل اعتماد اور لائق جنرل ہو سکتا ہے لیکن تاریخ یہ ہی بتاتی ہے کہ وہ سندھ میں اسلام لایا۔

جواب۔ اس میں دو چیزیں نکلتی ہیں میں نے آپ سے یہ سوال اس لئے پوچھا ہے کہ سندھ پر حملہ کیا گیا۔ حملہ کا انچارج محمد بن قاسم تھا۔ اس وقت خلیفہ حجاج بن یوسف کی حکومت تھی۔ اگر واقعی سترہ سال کا لڑکا محمد بن قاسم آیا اس نے سندھ پر حملہ کیا اور اس نے وہ سب کچھ کیا جو تاریخ بتاتی ہے تو اس کی قابلیت کے ساتھ حجاج بن یوسف کی قدر شناسی کا بھی دخل ہے۔ اس نے سترہ سال کے نوجوان کا ہی انتخاب کیوں کیا کہ وہ اس کو نتائج دے گا۔ اگر محمد بن قاسم اچھا جنرل تھا تو قدر شناسی اور مردم شناسی کا کریڈٹ حجاج بن یوسف کو جاتا ہے کہ اس نے سترہ سالہ لڑکے کا

انتخاب کیا۔ دوسرے الفاظ میں، میں جنرل کے انتخاب کی بات کر رہا ہوں بات یہ ہے کہ اگر آپ اچھے فرد کو جنرل منتخب کریں گے تو نتائج بھی اچھے ملیں گے۔ اگر انتخاب غلط ہو گا تو نتائج بھی غلط ہوں گے۔ شطرنج کا کھیل ہوتا ہے نا اس کا اپنا بورڈ ہوتا ہے ہم دونوں اگر کھیلیں گے تو اپنے اپنے مہرے مقررہ خانوں میں رکھیں گے۔ اگر غلط خانوں میں مہرے رکھیں گے تو کھیل شروع ہی نہیں ہو سکے گا۔ ہر کھیل کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔ ہر کھیل کے اصول ہوتے ہیں۔ شطرنج کو جنگ کا کھیل کہتے ہیں شطرنج کے مہروں کو لڑاتے ہیں در حقیقت ہم لڑتے ہیں۔ ہم جسمانی طور پر نہیں لڑتے بلکہ شطرنج کے مہروں کو لڑاتے ہیں ادھر ادھر چلاتے ہیں۔ جنرل تو مہرہ ہوتا ہے اگر وہ ٹھیک ہے تو غلط کام نہیں ہوں گے اگر وہ غلط ہے تو پھر ٹھیک ٹھاک نتائج کی توقع کیوں کرتے ہیں۔ ہم اپنے موضوع کی طرف آرہے ہیں۔ کیا کبھی کسی فوجی نے آج تک پاکستان میں بغاوت کی ہے۔ مارشل لاء لگایا ہے۔ جب کبھی "کو" کیا ہے تو فوج کے سربراہ نے کیا ہے۔ ایوب خان آرمی کا سربراہ تھا۔ یحییٰ خان سربراہ تھے۔ ضیاء الحق سربراہ ہیں۔ تیسری دنیا کے ممالک میں ماتحت افسر بھی "کو" کرتے ہیں۔ کبھی میجر اور کرنل کے عہدے کے افسر بھی فوجی انقلاب لے آتے ہیں۔ ہمارے ملک میں ایسا کبھی نہیں ہوا۔

سوال ۔ اب تک تو ایسا نہیں ہوا ہے۔

جواب ۔ ابھی تک نہیں ہوا اور مجھے یقین ہے کہ ہو گا بھی نہیں۔ مسلح افواج ملک سے اس قدر وفادار ہیں اور تربیت بہت اچھی ہے کہ وہ ایسا نہیں کریں گے۔

سوال ۔ یہ وجہ تو نہیں کہ وہ چیف کی وفادار ہوتی ہے۔

جواب ۔ نہیں، ملک کی وفادار ہوتی ہیں۔ مسلح افواج ایسا کبھی نہیں کریں گی۔ یہ سب کچھ ہمیشہ سربراہ کرتا ہے اور سربراہ اس لئے کرتا ہے کہ اس کا یقین قطعی ہوتا ہے کہ اس کی کارروائی ملک کے مفاد کے لئے ہے۔ میں نے کہا تھا کہ اس وقت کے حالات کے تناظر میں دیکھیں۔ مارشل لاء کا نفاذ اگر ارادتاً تھا تو پھر کمانڈر قصور وار ہے اگر نتیجتاً تھا تو وہ بے قصور ہے۔ کبھی کسی جونیئر افسر نے مارشل لاء کی قیادت نہیں کی بلکہ ہمیشہ سربراہ نے کی اور فوج نے اپنے سربراہ کا ساتھ دیا کیونکہ وہ جانتی ہے کہ سربراہ کو بہترین معلومات ہوتی ہیں اور وہ صورتحال کو بہتر جانتا ہے۔ احتساب کا سوال پھر پیدا ہوتا ہے۔ پاکستان کی افواج کا پہلا چیف کون تھا۔

علی حسن ۔ جنرل گریسی۔

جنرل چشتی ۔ نہیں جنرل میسروی پہلا چیف تھا۔ جنرل گریسی دوسرا چیف تھا لیکن پہلا پاکستانی چیف ایوب خان تھا۔ وہ کیوں سی۔ این۔ سی بنایا گیا۔ وہ کون لوگ تھے جو اسے جنرل بنانے کے ذمہ دار تھے۔ علی صاحب اس کا جواب تلاش کرلیں اور آپ کو تمام سوالات کے جوابات مل جائیں گے۔ آج بھی ٹھیک ہو جائے گا کل بھی ٹھیک ہو جائے گا۔ میں کچھ نہیں کہتا ہوں برائے

مہربانی تحقیق کر لیں۔ کیا ہونا چاہئے تھا۔ کیا نہیں ہونا چاہئے تھا۔ پھر ان لوگوں کو سزا دیں جو سزا کے مستحق ہیں۔

سوال ۔ دوسرے الفاظ میں یہ سویلین ہی ہوتے ہیں جو ایک جنرل کو بناتے ہیں۔

جواب ۔ جی ہاں سویلین ہی جنرل کو بناتے ہیں۔

سوال ۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کس طرح۔ اس لئے کہ ہمارے عام آدمی کو فوج کے ڈھانچہ کے بارے میں عمومی طور پر خبر ہی نہیں ہوتی۔

جواب ۔ آپ عام آدمی کی بات کرتے ہیں۔ پڑھے لکھے لوگوں کو بھی پتہ نہیں ہوتا۔ میں نے آپ کا سوال سمجھ لیا ہے۔ میں نے شروع ہی یہ بات کہی تھی۔ (گفتگو کی ابتداء گپ شپ کے طور پر ہو رہی تھی اس لئے ریکارڈ نہیں کی گئی تھی) میں نے کہا تھا کہ لوگوں کو فوج میں ترقی کے نظام کے بارے میں علم ہی نہیں ہے۔ وہ جانتے ہی نہیں کہ فوج میں ترقی کا طریقہ کار کیا ہے؟ ۔ میجر کے عہدے تک ترقی چیف کے ہاتھ میں ہے۔

سوال ۔ سیکنڈ لیفٹیننٹ کے عہدے سے اگر لیفٹیننٹ کے عہدے پر ترقی ہو گی تو کیا پورا فائل چیف آف آرمی اسٹاف کے پاس جائے گا۔

جواب ۔ تقریباً۔ میں اس کی وضاحت کر دیتا ہوں۔ فوج میں افسر سیکنڈ لیفٹیننٹ سے شروع ہوتا ہے۔ یہ کمیشنڈ افسر کہلاتا ہے آپ کو یہ سب کچھ اس لئے معلوم ہونا چاہئے کہ فوج ملکی معاملات میں ملوث ہوتی ہے۔ اس لئے زیادہ پتہ رہنا چاہئے بری فوج کے جنرل ہیڈ کوارٹر (جی ' ایچ ' کیو) میں سربراہ جس کے عہدے کو آج کل چیف آف آرمی اسٹاف کہتے ہیں اس کی مدد کے لئے علیحدہ علیحدہ شعبے ہوتے ہیں۔

کوارٹر ماسٹر جنرل ' ماسٹر جنرل آرڈیننس ' ایجوٹنٹ جنرل ' چیف آف جنرل اسٹاف ملٹری سیکرٹری۔ یہ ملٹری سیکرٹری فوج کا ہوتا ہے (یہ وہ نہیں ہے جو آپ سویلین سربراہ کے ساتھ دیکھتے ہیں) یہ جی۔ ایچ۔ کیو کا ملٹری سیکرٹری ہوتا ہے۔ ملٹری سربراہوں کے علاوہ مختلف شعبوں کے چار سربراہوں کو پرنسپل اسٹاف آفیسرز کہا جاتا ہے۔ یہ سب اپنے اپنے شعبوں سے متعلق کاروبار چلاتے ہیں۔ اور فیصلے کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک لڑکا اپنی افسری کے لئے درخواست دیتا ہے۔ پی۔ ایم۔ اے جانے اور تربیت پوری کرنے تک وہ ایجوٹنیٹ جنرل کے ماتحت چلنے والے نظام میں آتا ہے۔ جب پاسنگ آوٹ پریڈ ہو جاتی ہے لڑکے کو کمیشن مل جاتا ہے تو وہ سیکنڈ لیفٹیننٹ کے عہدے پر فائز ہو جاتا ہے۔ اس وقت وہ ملٹری سیکرٹری کے تحت آ جاتا ہے۔ ملٹری سیکرٹری افسروں کا گاڈ فادر ہوتا ہے۔ ملٹری سیکرٹری افسروں کی تبدیلی منتقلی ترقی کیریئر پلاننگ اور دوسرے معاملات کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ سیکنڈ لیفٹیننٹ کے عہدے پر ترقی ملٹری سیکرٹری فوج کے سربراہ کی طرف سے کرتا ہے۔ میں ۱۹۷۴ء تک پاکستانی فوج کا ملٹری سیکرٹری رہا ہوں۔ مجھے آج کا طریقہ

پتا نہیں لیکن اس وقت مرکزی حکومت نے فوج کے سربراہ کو یہ اختیار دیا ہوا تھا کہ وہ میجر کے عہدے تک ترقی دے سکتا ہے۔ اس کے بعد ترقی کے لئے سربراہ صرف سفارش کرے گا اور ترقی مرکزی حکومت دے گی۔

سوال ۔ کیا یہ طریقہ برطانیہ کے وقت سے نافذ ہے۔

جواب ۔ تقریباً۔ میجر کے عہدے تک ملٹری سیکرٹری ترقی دیتا رہتا ہے اور چیف کو عملاً پتہ بھی نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ چیف کے پاس کام بہت ہوتا ہے۔ میجر سے اوپر کے عہدوں کو "سلیکشن رینک" کہتے ہیں اس کے لئے جرنلوں کا ایک بورڈ بیٹھ کر ایک ایک کیس دیکھتا ہے اور پھر مرکزی حکومت کو ترقیوں کے لئے سفارش کرتا ہے۔ اور مرکزی حکومت کی منظوری کے بعد ترقی ہوتی ہے۔

سوال ۔ مرکزی حکومت میں یہ کام وزیر اعظم کرتا ہے یا وزیر دفاع۔

جواب ۔ (جی ' ایچ ' کیو) میں سلیکشن بورڈ ہو گا۔ لیفٹیننٹ کرنل ' فل کرنل ' بریگیڈیئر ' میجر جنرل تک کے عہدے کے لئے۔ لیفٹیننٹ جنرل کے عہدے کے لئے بورڈ نہیں ہوتا۔ وزیر اعظم اور چیف آف آرمی اسٹاف کے مابین اس کا فیصلہ ہوتا ہے۔ سلیکشن بورڈ صرف سفارش کرے گا اور منظوری حکومت دے گی۔ فرض کریں کہ فوج میں بیس ۲۰ ہزار افسر ہیں سب سے اوپر ایک جنرل ہے۔ جیسے جیسے ترقی اوپر ہو گی مقابلہ سخت ہوتا جائے گا۔ یعنی جیسے جیسے ہم اوپر جاتے ہیں ' ترقی مشکل ہوتی جاتی ہے۔ منظوری یعنی انتخاب اور نامنظوری ہوتی جاتی ہیں۔ پورا بورڈ بیٹھ کر ایک ایک کیس کی سفارش کرتا ہے۔

سوال ۔ انسان کی اپنی ایک فطرت ہوتی ہے اس کی اپنی پسند اور ناپسند ہوتی ہے اس طریقہ کار میں لوگوں کو "فیور" بھی کیا جاتا ہے۔

جواب ۔ یہ صحیح ہے کہ انسان کی اپنی فطرت ہوتی ہے لیکن ترقی میں فیور بہت مشکل تھا۔ وہ نظام ہی ایسا تھا۔ میں نے لفظ تھا استعمال کیا ہے۔ کیونکہ آج کل کا طریقہ وہ نہیں ہے۔ سلیکشن بورڈ میں پوری فوج کے میجر جنرل اِن کمانڈ بیٹھتے ہیں۔ جنرل آفیسر کمانڈنگ کور کمانڈر اور پی۔ ایس اُوز۔ میں آپ کو دو مثال دیتا ہوں ۔ جس جنرل کے تحت افسر نے نوکری نہیں کی اور جس جنرل نے افسر پر رپورٹ نہیں لکھی ہو اسے اس کے بارے میں رائے دینے کا اختیار بھی نہیں تھا۔ ملٹری سیکرٹری اپنی رائے نہیں دیتا تھا۔ میں ذاتی طور پر دو مثالیں دیتا ہوں۔ پہلے یہ بتا دوں کہ یہ نکتہ واضح کرنے کے لئے کہ کل کیا تھا۔ ایک لیفٹیننٹ کرنل ہے۔ آرمڈ کور کا۔ اس کو بریگیڈیئر بنانا ہے یا نہیں یہ سوال ہے۔ میں ملٹری سیکرٹری ہوں اور جنرل ٹکا خان چیف ہیں آرمڈ کور کے جنرل ضیاء جنرل وجاہت ' جنرل اعجاز عظیم ' جنرل فضل حق موجود ہیں۔ یہ سب رسالے والے ہیں۔ ان کے علاوہ جنرل آفیسر کمانڈنگ بھی بیٹھے ہیں۔ تقریباً بیس پچیس افراد موجود ہیں۔ ایک نام آتا ہے کرنل

ایکس ہے۔ چار جنرل صاحبان نے باری باری اپنی رائے دی۔ طریقہ کار یہ ہے کہ جب کوئی نام آتا ہے تو پہلے متعلقہ جنرل اپنی رائے دیتا ہے کہ افسر میرے پاس کام کر رہا ہے۔ اور میں اسے ترقی کے لئے اہل یا نا اہل سمجھتا ہوں۔ پھر ایک جنرل بحث شروع ہوتی ہے اس کیس میں بھی ایسا ہی ہوا اور عام رائے اس کرنل "ایکس" کے حق میں گئی۔ مگر رسالے والے چار جنرلوں نے بھی باری باری اپنی رائے دی اور چاروں نے اس کی مخالفت کی جب میں نے دیکھا کہ بحث ختم ہونے والی ہے اور چیف آف آرمی اسٹاف اپنی آخری رائے دینے والے ہیں (گفتگو میں مداخلت کرتے ہوئے) کتنی دیر لگتی ہے اس بحث میں۔

جواب ۔ کبھی چار منٹ کبھی ایک گھنٹہ یہ کیس پر منحصر ہوتا ہے۔

سوال ۔ کیا ایسا بھی ہوتا ہے کہ پہلا جنرل اپنی رائے مخالفت میں دے تو دوسرے جرنیل بھی اس کی تقلید کریں۔

جواب ۔ ضروری نہیں۔ ہر ایک اپنی رائے دیتا ہے۔ کیونکہ ہر افسر کا "ڈوزیئر" ان کے سامنے ہوتا ہے۔ میں ذکر کر رہا تھا اس واقعہ کا میں نے جنرل ٹکا خان صاحب سے کہا کہ اگر مجھے اجازت ہو تو میں بولوں۔ اجازت ملنے کے بعد میں نے کہا کہ پہلا اصول تو یہ ہے کہ افسر نے جس جنرل کے تحت کام نہ کیا ہو تو اسے رائے دینے کا حق نہیں ہے۔ ان چار جنرلوں نے رائے کیوں دی جب کہ اس افسر نے ان کی ماتحتی میں کام ہی نہیں کیا۔ اس لئے انہیں رائے دینے کا حق نہیں ہے۔ انہیں رائے نہیں دینی چاہئے تھی۔ so their opinions are redundant

اس افسر نے میری ماتحتی میں کام کیا ہے میں نے اس پر رپورٹ لکھی ہے۔ افسر کی ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء والی جنگوں کی رپورٹ دیکھیں جو کہ اچھی ہیں۔ اس کو ترقی کی سفارش دے دی گئی۔ میں نے یہ واقعہ اس لئے بتایا ہے کہ غلطی کے امکانات یہاں بہت کم ہیں۔ بلکہ غلطی کی گنجائش نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی جنرل نے پہلی رپورٹ غلط دے دی ہو لیکن بورڈ تو بیس سال کی رپورٹیں دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔

سوال ۔ آپ نے بتایا کہ میجر جنرل تک یہ طریقہ کار ہے تو پھر لیفٹیننٹ جنرل کا انتخاب کس طرح ہوتا ہے۔؟

جواب ۔ لیفٹیننٹ جنرل کا انتخاب فوج اور حکومت کے سربراہ کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فوج میں اصول ہے کہ افسر کو اپنے افسروں کے بارے میں دو زینہ نیچے تک علم ہونا چاہئے۔ آپ آرمی رینک کے بارے میں جانتے ہوں گے۔ ایک بریگیڈیئر کو اپنے لیفٹیننٹ کرنل اور میجر کو اچھی طرح intimately جاننا چاہئے۔ یہ افسر کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہو گا تو وہ جنگ میں ٹھیک نتیجہ نہیں دے سکے گا۔ مثال کے طور پر ایک بریگیڈیئر ہے۔ اس کے تحت تین
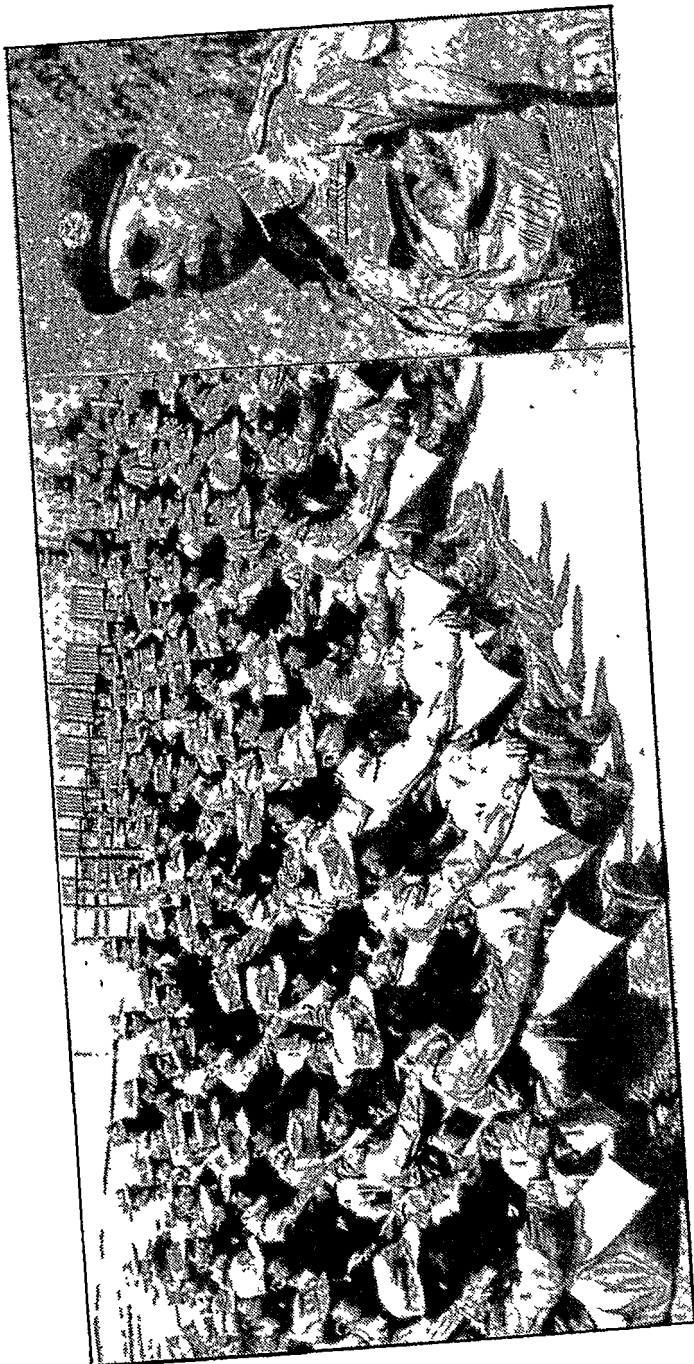
بٹالین ہیں۔ بٹالین کو حکم ہے کہ جا کر حملہ کر دیں۔ بٹالین کمانڈر نے تو حملہ نہیں کرنا کام تو اس کی بٹالین کو کرنا ہے جس میں پانچ یا چھ میجر ہیں انہیں یہ کام کرنا ہے۔ برگیڈیئر جب تک ان کو گہرائی سے نہ جانے گا تو کام نہیں ہو گا۔ اسی طرح میجر جنرل کو اپنے برگیڈیئر اور لیفٹیننٹ کرنل کو جاننا چاہیئے۔ لیفٹیننٹ جنرل اور برگیڈیر کو اچھی طرح جاننا چاہیئے۔ چیف کو لیفٹیننٹ جنرل اور میجر جنرل کو جاننا چاہیئے اور اس کے بعد سربراہ حکومت کو اپنے چیف اور جنرلوں کو جاننا چاہیئے۔

سوال ۔ پاکستان فوج میں کتنے لیفٹیننٹ جنرل ہیں۔

جواب ۔ پتہ نہیں کتنے ہیں۔ بہت زیادہ ہیں۔

سوال ۔ جب آپ نے چھوڑا تھا تو کتنے تھے۔

جواب ۔ ۱۹۷۷ء میں پانچ لیفٹیننٹ جنرل تھے۔ کور کمانڈر تھے ایک میں تھا۔ اور ایک ڈاکٹر تھا۔ ۱۹۸۰ء میں جب چھوڑا تو شاید نو (۹) یا دس (۱۰) تھے۔

سوال ۔ ہر لیفٹیننٹ جنرل کور کمانڈر ہوتا ہے یا تبدیل ہوتے ہیں۔

جواب ۔ ہر لیفٹیننٹ جنرل کور کمانڈر نہیں ہوتا کور کی کمانڈ صرف اہلیت والے کرتے ہیں۔ اب تو کوئی بھی ترقی حاصل کر سکتا ہے۔ اور جنہوں نے کبھی کمانڈ نہیں کی ان کو بھی جنرل بنا دیا گیا ہے۔

سوال ۔ آپ نے پروموشن کے نظام کے بارے میں کہا کہ تبدیلی آئی ہے۔

جواب ۔ اسے تباہ کر دیا گیا ہے۔ it has been destroyed

سوال ۔ وہ کیسے۔

جواب ۔ کیونکہ "انسٹی ٹیوشنلائز" چیزیں ختم کر دی گئی ہیں جس طرح میں نے عرض کیا پہلے پوری فوج کے جنرل اکٹھے ہو کر لوگوں کی ترقی کے لئے سفارش کرتے تھے وہ سلسلہ ضیاء صاحب کے دور میں ختم کر دیا گیا۔ سفارش کرنے والے سربراہ بھی وہی ہیں اور منظوری دینے والے بھی وہی ہیں۔ للٰہذا پروردہ کی قطار لگی ہوئی ہے۔

سوال ۔ یہ تبدیلی تو خوش گوار نہ ہوئی۔

جواب ۔ جی ہاں۔ institution of promotions has been controlled

سوال ۔ پھر تو صورتحال تشویش ناک ہو گی!!!

جواب ۔ سب آپ کے سامنے ہے۔

سوال ۔ تو گویا میرا پہلا خیال درست ہے کہ اس نظام میں انسانی غلطی، ذاتی پسند اور ناپسند کی گنجائش اور دخل موجود ہے۔

جواب ۔ دیکھنا یہ ہے کہ کون تھا جس نے کیا اور کیوں کیا؟ میں نے عرض کیا تھا کہ ترقی کی سفارش کی جاتی ہے لیکن ترقی کی منظوری تو سربراہ حکومت دیتا ہے۔

سوال ۔ آپ کی میجر سے لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے پر ترقی کس طرح ہوئی تھی کیا سربراہ

حکومت نے یہ ترقی دی تھی۔
جواب ۔ جی ہاں منظوری وہاں سے آئی تھی۔ میں کہتا ہوں جو فٹ نہیں ہے اسے مرکزی حکومت کی طرف سے ترقی کیوں دی جاتی ہے۔
سوال ۔ جس طرح آپ نے کہا کہ عوام کو فوج کے اندرونی معاملات کے بارے میں کچھ پتہ نہیں۔ کیا عوام کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ فوج میں ترقی کا کیا طریقہ کار ہے اور اس کے اندرونی معاملات کیا ہیں۔
جواب ۔ ایک فیکٹری ہے۔ اس کا مینیجنگ ڈائرکٹر ہے۔ بورڈ آف ڈائرکٹرز بھی ہے اور چوکیدار بھی ہے۔ جب آپ چوکیدار رکھتے ہیں تو کیا آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کون ہے اور کس طرح اپنی ڈیوٹی انجام دیتا ہے۔ فرض کرلیں یہ فیکٹری پاکستان ہے۔ چوکیدار فوج ہے کیا ضروری نہیں کہ آپ کو ہر چیز معلوم ہو۔ آپ کو ہر حال میں چوکیدار کے طور طریقوں، تربیت کے طریقے اور اس کی اہلیت، نا اہلیت کے بارے میں معلومات رکھنی چاہئے۔
سوال ۔ ۱۹۶۹ء کے مارشل لاء کے وقت آپ کا کیا عہدہ تھا۔
جواب ۔ میں اس وقت لیفٹیننٹ کرنل تھا۔
سوال ۔ اور ۱۹۷۷ء میں۔
جواب ۔ میں ۱۹۷۷ء میں لیفٹیننٹ جنرل تھا۔
سوال ۔ جب کمانڈر نے آپ کو آپریشن فیئر پلے کے بارے میں مطلع کیا تو آپ کا کیا ردعمل تھا۔ آپ کے ذہن میں ۱۹۷۳ء کے آئین کی دفعہ چھ تو موجود ہوگی کہ اگر آئین منسوخ کیا گیا یا کرنے کی کوشش کی گئی تو بغاوت تصور کیا جائے گا جس کی سزا موت ہے۔
جواب ۔ میں نے کہا کہ فوجی جنرل بچے تو نہیں ہوتے۔
سوال ۔ آپ کے سامنے کیا صورت حال تھی۔ ؟ ذہن میں کیا خدشات تھے؟ کیا آپ نے اس وقت سوچا تھا کہ میں اپنی زندگی داؤ پر لگا کر ملک کی سالمیت کا تحفظ کر رہا ہوں۔
جواب ۔ جی ہاں یکدم یہی خیال تھا۔ اس لئے اپنے کمانڈر کا حکم مانا تھا۔
سوال ۔ آئین کی متعلقہ دفعہ آپ کے ذہن میں آئی تھی۔
جواب ۔ کیوں نہیں ہم نے کتنی مرتبہ کابینہ تک کے اجلاس میں بھٹو صاحب سے کہا تھا کہ برائے مہربانی الیکشن دوبارہ کرا دیں دوسری صورت میں فوج کو کارروائی کرنا پڑے گی۔ اس حقیقت کے باوجود کہ اس کی سزا موت ہے۔
سوال ۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ جب کمانڈر نے آپ کو اعتماد میں لیا تھا تو آپ کے ذہن میں متعلقہ دفعہ تو ہوگی۔ اس وقت آپ کی کیا کیفیت تھی اور کیا ردعمل تھا۔
جواب ۔ اگر سمجھتے کہ یہ کام ٹھیک نہیں تو نہیں کرتے۔ لیکن ہم نے رسک لیا۔ ملک کے خیر

مصافحہ۔ چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کا خیر مقدم کور کمانڈر جنرل فیض علی چشتی کر رہے ہیں۔

خواہ نہ ہوتے تو کہتے سوری۔ آپ اس کو اس طرح دیکھیں کہ ایک حکومت ہے۔ وزیر اعظم ہے' پارٹی ہے۔ فیڈرل سیکورٹی فورس ہے' سب کچھ ہے اگر "کو" کامیاب نہ ہوتا تو پھر کیا ہوتا۔ صرف چیف آف آرمی اسٹاف مرتا جنرل مرتے یا پورے پورے خاندان مرتے۔ یہ صرف آئین کی بات نہیں تھی یہ ملک کی سالمیت کی بات تھی۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے میں نے اپنے چیف کا حکم مانا' یقیناً conviction must be strong اور پھر ملک میں جو کچھ ہو رہا تھا اس سے آدمی بے گانہ کس طرح رہ سکتا ہے۔ میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں (جنرل صاحب کسی اور زبان میں ایک جملہ بولتے ہیں) اور کہتے ہیں علی صاحب میں آپ سے پوچھ رہا ہوں پھر بتاتے ہیں کہ علی میں نے آپ سے ترکی زبان میں سوال پوچھا تھا کہ آپ کو یہاں کوئی تکلیف وغیرہ تو نہیں ہوئی۔ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا آپ نے نہ اعتراض کیا۔ نہ آپ نے تعریفی کلمات کہے' نہ کچھ اور کہا' آپ خاموش ہیں اس لئے کہ آپ کو یہ زبان آتی ہی نہیں۔ ایک آدمی اتنا نہیں جانتا کہ ملک میں کیا ہو رہا ہے جتنا چیف آف آرمی اسٹاف جانتے تھے۔ جو کابینہ کے اجلاس میں شریک ہوتے تھے۔ جنرلوں کو اقتدار پر قبضہ کرنا چاہئے تھا یا نہیں کرنا چاہئے تھا اس کا جواب ۵ر جولائی کو قوم کے رد عمل سے صاف ظاہر ہے۔ اگر اس کے بعد غلط کام ہوئے تو وہ ایک علیحدہ بات ہے۔

علی صاحب میں ایک چیز عرض کرتا ہوں کہ اگر آپ کو یہ ملک بنانا ہے تو احتساب کی داغ بیل ڈالیں۔ اگر کل نہیں کر سکے تو برائے مہربانی آج سے شروع کریں۔

علی ۔ شہری علاقوں میں ۱۹۷۷ء میں بھٹو صاحب کے خلاف مہم چل رہی تھی اردو بولنے والے

لوگ متاثر ہوئے تھے۔ وہ مسٹر بھٹو کے خلاف تھے۔ اور یہ بات مشہور ہوئی کہ جنرل فیض علی چشتی کی کوششوں کے نتیجہ میں بھٹو کو اقتدار سے علیحدہ کیا گیا۔ یہ تاثر کیوں تھا۔ ؟

جواب ۔ اس کی دو وجوہ ہیں۔ جب مارشل لاء لگا تو دو نام قومی اور بین الاقوامی سطح پر متعارف ہوئے۔ ایک ضیاء کا دوسرا چشتی کا۔ ضیاء کا اس لئے کہ اس نے چیف آف آرمی اسٹاف کی حیثیت سے مارشل لاء لگانے کا حکم دیا اور سی' ایم' ایل' اے بنے۔ اور چشتی کا اس لئے کہ انہوں نے مارشل لاء لگانے کے احکامات کی تکمیل کی کیوں کہ وہ پنڈی میں موجود تھے۔ اور یہ حکم صرف پنڈی والے جنرل کو ہی ملنا تھا۔ اگر چشتی کی جگہ کوئی اور جنرل پنڈی میں ہوتا تو اس کا نام آتا۔ پاور' سیاست کے تحت میکاولی کی تھیوری کے تحت ایک کو جانا تھا۔ اب آپ بتائیں ضیاء نے چشتی کو ختم کیا یا چشتی نے ضیاء کو۔

سوال ۔ ضیاء نے چشتی کو۔

چشتی ضیاء کو ختم نہیں کر سکتا تھا۔ کیوں کہ یہ اس کے خون میں نہیں تھا ہمارے خون میں conviction والی بات تھی فوج نے کام کیا تھا۔ چشتی نے تو نہیں کیا تھا۔ میرے خلاف کیا کیا ہوا اور کس نے کیا پھر کبھی تفصیل سے گفتگو کروں گا۔

(اس گفتگو کی پہلی قسط جناب فیض علی چشتی کی رہائش گاہ راولپنڈی میں ۳۰ر نومبر ۱۹۸۶ء اور دوسری قسط ۲ر اپریل ۱۹۸۷ء کو کراچی میں ریکارڈ کی گئی)

"میں ان افراد میں شامل ہوں جو ابھی تک کہتے ہیں کہ ۱۹۷۷ میں مارشل لاء صحیح نافذ کیا گیا تھا۔ اگر میں بھی جنرل ضیاء الحق کی جگہ ہوتا تو مارشل لاء ہی نافذ کرتا۔"

فضل حق

لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ)، رکن قومی اسمبلی (۱۹۸۸ء) سابق مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر، سابق گورنر، وزیر اعلیٰ، صوبہ سرحد (ضیاء دور) سابق سینیٹر۔

صوبہ سرحد کی سیاست میں جہاں خان عبدالغفار خان عبدالقیوم خان جیسی قد آور شخصیات سرگرم تھیں وہاں ۱۹۷۷ مارشل لاء کے بعد سیاسی افق پر جنرل فضل حق کا نام تیزی سے چمکا اور چھا گیا۔ جنرل فضل حق سات سال سے زائد عرصہ تک بلاشرکت غیرے صوبہ سرحد میں اقتدار کے کلی مالک رہے اور ۱۹۸۵ء میں جمہوریت بحال ہونے کے بعد سبکدوش ہوئے لیکن ۱۹۸۷ء میں سینٹ کے انتخابات میں شرکت کر کے ایک بار پھر سرگرم سیاسی رہنما کے طور پر ابھرے اور ۲۹ر مئی کو جب ان کے چالیس سالہ پرانے دوست جنرل ضیاء الحق نے جونیجو حکومت کو برطرف کیا تو صوبہ سرحد کے نگران وزیر اعلیٰ کا قرعہ فال ان کے نام نکلا۔

۱۰ر دسمبر ۱۹۲۸ کو صوبہ کے ضلع مردان میں پیدا ہونے والے جنرل فضل حق ۴ر جنوری ۱۹۷۸ء کو کور کمانڈر مقرر ہونے کے ساتھ ساتھ صوبہ سرحد کے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر ہوئے اور آٹھ ماہ بعد صوبہ کے اپنے گورنر جس نے وفاقی حکومت سے کالاباغ ڈیم کی تعمیر کے مسئلہ پر براہ راست مزاحمت مول لی۔ ۳۸ سال تک فوج میں میدان اور محاذ پر نوکری کرنے والے آج کے معروف سیاسی رہنما نے اپنے پورے دور ملازمت میں ایک روز بھی جی ایچ کیو میں ملازمت نہیں کی۔ جنرل فضل حق فوج کے ایک اور سابق لیفٹیننٹ جنرل فضل رازق جو واپڈا کے چیئرمین بھی رہے کے چھوٹے بھائی ہیں۔

فضل حق فوجی وردی میں

علی حسن۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ ایک طویل عرصے تک گورنر اور مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر رہنے کے بعد آپ سیاست میں سرگرمی سے حصہ لینا کیوں چاہ رہے ہیں؟

جنرل فضل حق۔ میں ۵۸ سال کی عمر میں ملازمت سے ریٹائر ہوا ہوں۔ ابھی عمر کا کافی عرصے باقی ہے۔ جس میں مجھے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہے۔ میں نے صوبہ سرحد کی آٹھ سال خدمت کی ہے۔ اپنی طرف سے میں نے کوشش کی تھی کہ بہتر خدمت کروں۔ مجھے اپنے دور گورنری میں خاصا تجربہ ہوا ہے۔ اس لئے میں نے سوچا کہ چلو سیاست میں حصہ لیں۔ میں نے یہ ارادہ اب سے (یہ انٹرویو ۵ر جولائی ۸۷ء کو لیا گیا) ڈیڑھ سال قبل کیا کہ میں سیاست میں حصہ لوں گا۔

سوال۔ آپ کا ریٹائرمنٹ آپ کی اپنی خواہش پر ہوا تھا یا ملازمت کی مدت پوری ہو گئی تھی؟

جواب۔ ایک کور کمانڈر کی مدت ملازمت چار سال ہوتی ہے۔ چار سال بعد وہ ریٹائر ہو جاتا ہے۔ میں جنوری ۱۹۷۸ء میں لیفٹننٹ جنرل بنا تھا اور اس عہدے پر سات سال رہا۔ ظاہر ہے کہ میں نے اپنے چار سال کی مدت سے تین سال زیادہ لئے۔ جب مارشل لاء اٹھایا جا رہا تھا تو اس وقت متفقہ فیصلہ ہوا تھا کہ جتنے بھی گورنر ہیں وہ ریٹائر ہو جائیں گے اور اس طرح میری بھی ریٹائرمنٹ ہو گئی۔ فوج میں میری ملازمت تقریباً چالیس سال کی ہے۔ میں ۴ر جنوری ۱۹۴۷ء کو اکیڈمی میں بھرتی ہوا تھا اور ۲۱ر دسمبر ۱۹۸۷ء کو ریٹائر ہوا ہوں۔ میں نے چالیس سال وردی پہنی ہے۔

سوال۔ آپ کو کمیشن کب ملا تھا؟

جواب۔ مجھے ۱۹۴۸ء میں کمیشن ملا؟

سوال۔ آپ نے فرمایا ہے کہ گورنر تبدیل کرنے کا فیصلہ متفقہ طور پر کیا گیا تھا لیکن سندھ میں تو فوجی گورنر جہانداد خان ریٹائر ہونے کے بعد بھی گورنر رہے پھر ایسا آپ کے معاملے میں کیوں نہیں ہوا؟

جواب۔ یہ بات خود فوجی گورنروں نے متفقہ طور پر صدر ضیاء الحق سے کہی تھی کہ اب ہمیں ریٹائر ہو جانا چاہئے۔ پھر صدر ضیاء اور وزیر اعظم جونیجو کے درمیان جہانداد خان کے سلسلے میں بات ہوئی تھی۔ اس کی وجہ سندھ کی صورت حال تھی۔ اس لئے وہ برقرار رہے اور باقی ہم تینوں ریٹائر ہو گئے۔

سوال۔ آپ چالیس سال فوج میں رہے ہیں۔ صوبہ سرحد جیسے حساس صوبے کے آٹھ سال گورنر رہے ہیں آپ کیا محسوس کرتے ہیں کہ پاکستان میں بار بار مارشل لاء کیوں نافذ ہوتا رہا ہے؟

جواب۔ میں آپ سے ایک سوال پوچھتا ہوں۔ مارشل لاء کس وجہ سے نافذ ہوا تھا؟ مارشل لاء کس نے لگایا تھا؟ آپ ۱۹۵۸ء کے حالات دیکھیں؟ ملکی حالات کیا تھے؟ یا لوگوں نے ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء کا خیر مقدم کیا تھی یا نہیں۔ اس کے بعد ۱۹۷۷ء کے حالات دیکھیں۔ کیا مارشل لاء کا خیر مقدم نہیں کیا گیا تھا؟ میں عوام کی بات کر رہا ہوں کہ انہوں نے مارشل لاء کا خیر مقدم کیا تھا۔

ملک میں مارشل لاء نافذ ہونے کی وجوہات آپ بھی جانتے ہیں میں بھی جانتا ہوں۔ اس وقت سیاست دانوں نے ملک کے حالات کیا بنا دیئے تھے۔ اسی وجہ سے لوگوں نے مارشل لاء کا خیر مقدم کیا تھا۔ یہ بات بھی ٹھیک ہے کہ انہوں نے مارشل لاء ہٹنے کے بعد سیاسی حکومت کا بھی خیر مقدم کیا ہے۔ آپ اگر تینوں مارشل لاء کو دیکھ لیں تو معلوم ہو گا کہ عوام کے ہر طبقہ نے مارشل لاء نافذ کرنے کے فیصلوں کا خیر مقدم کیا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ لوگ اس وقت بیزار ہو گئے تھے 'اکتا گئے تھے۔ وجہ کچھ بھی ہو۔ نظام سے یا ملک کی سیاست سے لوگ آزردہ خاطر تنگ ہو گئے تھے۔ اب رہا سوال یہ کہ بار بار مارشل لاء کیوں نافذ ہوا؟ میں یہ کہوں گا کہ ہمارے ملک میں سیاسی ادارے مستحکم نہیں ہو سکے۔ آپ دیکھیں کہ آپ کے ملک کا پہلا آئین کب تیار ہوا اور ہندوستان میں آئین کب تیار ہوا۔ ہم ہندوستان سے کوئی چھ سات سال پیچھے رہے۔ ہم اپنا آئین تدوین نہ کر سکے۔ اس کے بعد ١٩٥٦ء میں آئین تیار ہوا۔ پھر ١٩٥٨ء میں مارشل لاء نافذ ہوا۔ ١٩٦٢ء میں فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے ملک کو آئین دیا۔ وہ آئین چلتا رہا۔ ١٩٦٩ء میں یحییٰ خان نے مارشل لاء لگایا۔ پھر ١٩٧٣ء میں ہمیں تیسرا آئین ملا اور پھر اس وقت کی حکومت نے جو اپنے آپ کو مکمل جمہوری حکومت

the only democratically elected government

کہتی تھی۔ اپنے ہی بنائے ہوئے آئین کا کیا

حال کیا؟۔ انہوں نے جمہوری اداروں کو کس طرح پامال کیا؟۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ ان کی نشوونما کرتے تاکہ جمہوریت پھلتی پھولتی۔ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جب تک ہمارے سیاسی اور جمہوری ادارے پوری طرح نشوونما نہیں پا لیتے اور ان کی نشوونما کرنے والی سیاسی حکومتیں ہوتی ہیں۔ سیاسی حکومتیں ان کی نشوونما نہیں کریں گی تو کافی دقت پیش آئیں گی۔ عدلیہ کو انتظامیہ سے علیحدہ کرنا ہے۔ اعلیٰ عدالتوں کو ان کا مقام دینا ہے وغیرہ وغیرہ آپ دیکھیں کہ ١٩٧٣ء میں بلوچستان میں کیا ہوا تھا ادھر (سرحد) اور بلوچستان میں نیپ اور جے یو آئی کی حکومتیں قائم تھیں۔ پھر اقلیت کو دونوں صوبوں میں اکثریات میں کس طرح تبدیل کیا گیا۔ پیپلز پارٹی کی حکومتیں مقرر کر دی گئیں۔ ہمارے اپنے سیاسی بھائی جو برسر اقتدار آ جاتے ہیں جب تک سیاسی اداروں کی مکمل نشوونما نہیں کریں گے ان کا تحفظ نہیں کریں گے خواہ اس کے لئے انہیں ذاتی طور پر نقصان ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے۔ مارشل لاء لگتے رہیں گے۔

سوال۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ملک میں سیاسی اور جمہوری ادارے مستحکم نہیں ہیں۔ مضبوط نہیں ہیں تو پھر فوج یا جنرل کے پاس کیا جواز ہے کہ وہ مارشل لاء نافذ کر دے؟

جواب۔ جب عوام سڑکوں پر نکل آتے ہیں جب خون خرابہ ہونے لگتا ہے جب آپ کی معیشت تقریباً تباہ ہو رہی ہوتی ہے۔ ملک میں کبھی پہیہ جام ہڑتال اور کبھی ذرائع آمدورفت بند ہو جاتے

ہیں۔ سرمایہ کاری کرنے والے حالات کی وجہ سے آگے نہیں آ رہے ہیں۔ ایسی صورت میں اور کون سا ادارہ ہے جو عوام کو اس مصیبت سے جان چھڑا سکے اب دیکھیں ۱۹۷۷ء میں تقریباً وہ. سیاست دان ہی تھے جو فوجیوں کو لکھ رہے تھے کہ آپ مارشل لاء کیوں نہیں لگاتے ہیں پانچ سو آدمی مارے جا چکے ہیں۔

سوال۔ اس قسم کا کوئی خط آپ کو ملا۔ ؟

جواب۔ جی ہاں میرے پاس بھی خط آتے تھے۔

سوال۔ آپ اس زمانے میں صوبہ سرحد میں کور کمانڈر تھے ؟

جواب۔ میں اس زمانے میں میجر جنرل کے عہدے پر تھا اور ڈویژنل کمانڈر تھا۔ یعنی میں جی او سی تھا۔ اس زمانے میں کور کمانڈر جنرل سوار خان تھے میں ان کا ماتحت تھا میرے پاس خطوط آ رہے تھے بار بار۔

سوال۔ آپ کو اندازاً کتنے خطوط ملے ہوں گے۔ ؟

جواب۔ ابھی مجھے یاد تو نہیں ہے لیکن یہ کہوں گا کہ درجن سے زیادہ تھے۔

سوال۔ ایک درجن خط پر مارشل لاء لگانے کا فیصلہ!!

جواب۔ یہ تو صرف مجھے آئے تھے۔ اس طرح کے خطوط اور بھی لوگوں کو آئے تھے آپ بھی شاید اس وقت نابالغ نظر تھے اور شاید اخبار میں ہوں گے۔ آپ اپنے ضمیر سے پوچھیں کہ اس وقت ملک کی صورت حال کیا تھی۔ ؟ یعنی انتخابات کے بعد مارچ سے ۴ر جولائی ۱۹۷۷ء تک کیا صورت حال تھی۔ ؟ چار ماہ میں ملک میں کیا کچھ نہیں ہوا تھا۔ ؟ روز آدمی مارے جا رہے تھے۔ ؟ روز ہڑتالیں تھیں روز سیاسی مظاہرے ہو رہے تھے اور اس وقت حکومت ایک طرف تھی اور پاکستان قومی اتحاد (پی این اے) دوسری طرف پی این اے والے انتخابات کے نتائج تسلیم کرنے سے انکار کر رہے تھے۔ اس وقت کیا کیا جا سکتا تھا۔ یا تو ملک کو اسی طرح چلنے دیا جاتا۔ یا پھر فوج آجاتی۔ میں یہ بات کہتا ہوں کہ دس سال بعد ہم فیصلے اور فتویٰ (ورڈکٹ) دے سکتے ہیں۔ جو چاہیں کہہ سکتے ہیں۔ جو فیصلہ چاہیں دے سکتے ہیں کہ ابھی ہمیں ماضی کا فائدہ حاصل ہے۔ لیکن اس وقت کی صورت حال مختلف تھی۔ لوگ قطعاً بیزار تھے۔ ملک کی تمام سیاسی جماعتیں پی این اے میں شامل تھیں اور اس طرح پی پی پی کی مخالف۔ یعنی پاکستان پیپلز پارٹی بمقابلہ دوسری سیاسی جماعتیں۔ کراچی میں ہنگامے' حیدر آباد میں ہنگامے' لاہور میں ہنگامے' پشاور میں ہنگامے' کوئٹہ میں ہنگامے غرض ہر جگہ ہنگامے ہی ہنگامے تھے۔

سوال۔ جب ملک میں ہنگامے ہی ہنگامے تھے تو مسلح افواج اپنا آئینی کردار ادا کرتیں یعنی "ان ایڈ آف سول پاور" اگر ہنگامے ختم کراتیں بجائے اس کے کور کمانڈر یہ فیصلہ کرتے کہ وہ ٹیک اوور کریں۔ ؟

جواب۔ میرے خیال میں یہ سوال تو آپ جنرل ضیاء الحق صاحب سے کریں۔ وہ ہی آپ کو درست جواب دے سکتے ہیں کہ کمانڈرز نے فیصلہ کیا یا کیا فیصلہ ہوا تھا؟ میں اس وقت میجر جنرل تھا مجھے نہیں معلوم کہ راولپنڈی میں کیا ہو رہا تھا۔ ان اجلاسوں میں تو کور کمانڈر موجود ہوتے تھے بہرحال جو بھی فیصلہ ہوا' ابھی ہم جو بھی کہیں لیکن مارشل لاء نافذ ہوا۔ میرے خیال میں اس وقت کے حالات کا تقاضہ تھا کہ مارشل لاء نافذ ہو۔ جہاں تک فوج کے "ان ایڈ آف سول پاور" آنے کا تعلق ہے تو فوج "ان ایڈ آف سول پاور" ہی آئی تھی اس کے بعد جہاں تک مجھے یاد ہے کئی مقامات پر اس وقت کے وزیر اعظم بھٹو نے مارشل لاء نافذ کرایا تھا۔ جزوی مارشل لاء۔ کراچی میں مارشل لاء لگا' لاہور میں مارشل لاء لگا' حیدر آباد میں مارشل لاء لگا۔ چھوٹی چھوٹی جگہوں پر انہوں نے مارشل لاء نافذ کرایا۔ لیکن حالات اس سے بھی قابو میں نہیں آئے اور اس لئے پورے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ مارشل لاء کا خیر مقدم کیا گیا۔

سوال۔ آپ نے کہا کہ مارشل لاء نافذ کرنے کا فیصلہ جنرل ضیاء الحق نے کیا تھا۔ ؟

جواب۔ نہیں میں نے یہ نہیں کہا ہے۔

سوال۔ راولپنڈی میں پی پی پی اور پی این اے کے مذاکرات کے دوران کور کمانڈر کی میٹنگ میں سے کسی ایک میں بھی آپ شریک نہیں تھے۔ ؟

جواب۔ کسی ایک میں بھی نہیں گیا تھا۔

سوال۔ جس طرح آپ کہہ رہے ہیں کہ مارشل لاء نافذ کر دیا گیا میں یہی بات معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا یہ کمانڈر کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ اپنی فوج کو لے کر آجائے اور مارشل لاء نافذ کر دے اور منتخب حکومت کا تختہ الٹ دے؟

جواب۔ نہیں بھائی۔ میرے خیال میں اس میں مرضی کی کوئی بات نہیں ہے۔ فوج بھی اس ملک کا ایک حصہ ہے۔ ایک بھائی فوج میں ہوتا ہے' دوسرا بھائی سول میں ہوتا ہے' تیسرا بھائی بزنس کرتا ہے اور چوتھا بھائی دکاندار ہوتا ہے۔ اس وقت ملک کے حالات کے نتیجے میں جو احساسات دوسروں کے ہوتے ہیں وہ ہی کم و بیش فوجیوں کے بھی ہوتے ہیں کیونکہ وہ بھی اسی ملک کے باشندے ہیں' پاکستانی ہیں' وہ بھی حالات کا اثر لیتے ہیں۔ اگر ایک سپاہی کو معلوم ہوتا ہے کہ ملک کے حالات کیا ہیں تو ایک جنرل کے علم میں بھی ہوتا ہے کہ ملک کے حالات کیا ہیں؟ اس وقت فیصلہ وہ شخص کرتا ہے جو ملک کی فوج کا چیف آف آرمی اسٹاف ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ اس کے کور کمانڈر ہوتے ہیں میرے خیال میں وہ لوگ تمام پہلوؤں کا بغور جائزہ لینے کے بعد فیصلہ کرتے ہوں گے۔ انہوں نے بھی جائزہ لیا ہو گا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ میں پشاور میں میجر جنرل تھا' لیکن میرا خیال ہے کہ ان لوگوں نے اپنی میٹنگ میں ہر پہلو کا جائزہ لیا ہو گا۔ پھر انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہو گا کہ مارشل لاء نافذ

کرنا ملک کے مفاد میں ہے پھر انہوں نے مارشل لاء نافذ کیا ہو گا۔

سوال۔ چلیئے اس بات کو تسلیم کر لیتے ہیں کہ فوجی بھی ہمارے بھائی ہیں اور وہ صورت حال سے متاثر ہوتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ فوجی کے پاس بندوق ہے۔ کیا اسے یہ اختیار ہے کہ وہ اپنی بندوق کے سہارے حکومت پر قبضہ کر لے۔ اب دیکھیں کہ ایوب خان کے دور میں کیا ہوا۔ ؟ گول میز کانفرنس جاری تھی کہ یحییٰ خان آئے اور انہوں نے ٹیک اوور کر لیا۔ کیا ان کے پاس کوئی جواز تھا۔ ؟

جواب۔ آپ ذرا ماضی بعید سے صورت حال کا جائزہ لیں۔ غلام محمد کے دور میں کیا ہوا۔ ؟ مولوی تمیزالدین کا مقدمہ آپ کو یاد ہے غلام محمد گورنر تھے۔ انہوں نے خواجہ ناظم الدین کی حکومت کو کس طرح برطرف کیا تھا۔ تمیزالدین صاحب اسمبلی کے اسپیکر تھے۔ وہ عدالت میں گئے۔ ان کی رٹ پٹیشن کا کیا بنا۔ ؟ اسی طرح فیلڈ مارشل کے آخری دنوں کی بات ہے۔ اس وقت بھی ہنگامے ہو رہے تھے۔ ۱۹۶۸ء کے آخر سے ہنگامے شروع ہوئے تھے۔ ۱۹۶۹ء تک یہ ہنگامے جاری تھے۔ فیلڈ مارشل نے خود یحییٰ خان کو اقتدار دیا تھا اور انہوں نے مارشل لاء نافذ کر دیا یہ بات ابھی تک متنازعہ ہے جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یحییٰ خان نے ایوب خان سے اقتدار زبردستی حاصل کیا تھا۔ حقیقت تو اللہ تعالیٰ جانتا ہو گا۔ ایوب خان یا یحییٰ خان جانتے ہوں گے۔ بدقسمتی سے دونوں اس دنیا میں موجود نہیں ہیں۔ جہاں تک مجھے یاد ہے۔ ایوب خان نے خود اپنی تقریر میں کہا تھا کہ اس ملک کے ٹوٹنے کی صورت حال میں صدارت کرنا نہیں چاہتا۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ صدارت سے علیحدہ ہو جاؤں اور حکومت فوج کے حوالے کر دوں۔ اس وقت یحییٰ خان فوج کے کمانڈر انچیف تھے انہیں تو " اٹومیٹکلی " مارشل لاء ہی نافذ کرنا تھا۔ اس وقت کے حالات کیا تھے۔ ؟ اگر فیلڈ مارشل اقتدار اسپیکر کے حوالے کر دیتے پھر انتخابات ہوتے لیکن یہ بات فیلڈ مارشل ہی بتا سکتے تھے۔ اگر انہوں نے کوئی کتاب چھوڑی ہو' کوئی دستاویز چھوڑی ہو تو اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حقیقت کیا تھی۔ ؟ اب ۱۹۷۷ء میں دیکھیں حالات کم و بیش ویسے ہی تھے۔ میں پھر یہ بات کہتا ہوں کہ کاش ہمارے جمہوری ادارے مستحکم ہوتے۔ ان کی نشو و نما ہو چکی ہوتی اور اگر انہیں نشو و نما کا موقع دیا جاتا تو شاید ایسا نہ ہوتا۔

سوال۔ آپ ایک طرف تو کہتے ہیں کہ سیاسی اور جمہوری ادارے مستحکم ہوتے لیکن یہاں تو ہوتا یہ ہے کہ جب جنرل ٹیک اوور کر لیتے ہیں تو ان افراد کو جن پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ انہوں نے صورت حال کو خراب کیا ہے۔ یعنی سیاست دانوں نے ملک کو ان حالات سے دوچار کیا ہے پھر ان ہی سے مدد حاصل کی جاتی ہے۔ ان سے تعاون لیا جاتا ہے۔ یہی سیاست دان فوجیوں کے ساتھی بن جاتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ ؟

جواب۔ جب مارشل لاء نافذ ہوتا ہے تو فوج کے پاس دو راستے " آپشن " ہوتے ہیں ایک یہ کہ

پورا انظام صرف فوج ہی چلائے۔ اس کے لئے فیلڈ مارشل نے تجویز کیا تھا۔ ۱۹۵۸ء میں ان کی کابینہ کے تمام ارکان فوجی تھے۔ پھر ۱۹۶۲ء میں انہوں نے سیاست دانوں کی بھرتی شروع کی کیونکہ انہیں یہ احساس ہو گیا ہو گا کہ فوج کی اور بھی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ فوج کو ہمہ وقت اس میں ملوث نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح شاید جنرل ضیاء الحق نے جب مارشل لاء نافذ کیا تو ان کے ذہن میں بھی ایک خاکہ ضرور ہو گا کہ وہ ملک کو کس طرح چلانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے ابتداء میں کسی سیاست دان کو ساتھ نہیں ملایا تھا کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ میں نوے روز میں انتخابات کرا دوں گا۔ اس کے بعد جب انہوں نے حالات دیکھے اور تفصیلات (ڈیٹیل) میں چلے گئے تو انہوں نے مناسب سمجھا کہ نوّے روز میں انتخابات نہیں ہو سکتے اس کے بعد انہوں نے پی این اے کے ساتھ مل کر کابینہ تشکیل دی یہ کابینہ کوئی سال یا نو مہینے تک رہی۔ جونیجو صاحب بھی اس کابینہ میں ہمارے ساتھ تھے۔ پھر پی این اے نے خود یہ تجویز پیش کی تھی کہ وہ اب مارشل لاء کے ساتھ نہیں چل سکتے ہیں فدا محمد خان بھی جو اب مسلم لیگ کے گورنر صوبہ سرحد ہیں ہمارے ساتھ وزیر تھے۔ اس کے بعد دوسرے سیاست دانوں کو بھی "ان ڈکٹ" کر دیا۔ مطلب یہ کہ فوج کو بھی احساس پیدا ہوتا ہے کہ وہ صرف فوجیوں پر مشتمل حکومت نہیں چلا سکتی ہے۔ اس لئے وہ سیاست دانوں کو دعوت دے کر اپنے ساتھ ملاتے ہیں۔ اس وقت کے برسراقتدار صدر کی نظر میں جو اچھے قسم کے سیاست دان ہوتے ہیں انہیں induct کر دیتے ہیں کیونکہ آخر میں تو فوج کو انہی سیاست دانوں کو حکومت سونپنی ہوتی ہے۔

سوال۔ کیا آپریشن فیئر پلے کا تقاضہ یہ تھا کہ پی این اے کو اقتدار میں شامل کر لیا جائے اور پی پی کو باہر رکھا جائے۔ ؟

جواب۔ نہیں مجھے تو یہ نہیں پتہ کہ اس وقت آپریشن فیئر پلے کا کیا مقصد تھا۔ میں نے تو آپ کو بتایا ہے کہ میں تو نہ پنڈی میں کسی میٹنگ میں شریک ہوا تھا اور نہ ہی مجھے کچھ بتایا گیا۔ اس کا مقصد ہر گز نہیں ہے کہ میں مارشل لاء نافذ ہونے کے حق میں نہیں تھا۔ میں ان افراد میں شامل ہوں جو ابھی تک کہتے ہیں کہ ۱۹۷۷ء میں مارشل لاء صحیح نافذ کیا گیا تھا۔ اگر میں بھی جنرل ضیاء الحق کی جگہ ہوتا تو میں بھی مارشل لاء نافذ کرتا۔ اس لئے آپ اس کو غلط نہ سمجھیں در حقیقت مجھے علم نہیں ہے کہ فیئر پلے کا مقصد کیا تھا؟ پی این اے والے ایجی ٹیشن کر رہے تھے اور اس وجہ سے مارشل لاء نافذ ہوا تھا اور پیپلز پارٹی کو جو اس وقت اقتدار میں تھی ہٹایا گیا اس وقت انتخابات کے نتائج متنازعہ ہو گئے تھے انتخابات میں دھاندلی کے سبب پی پی اس وقت حکومت کی حق دار تھی یا نہیں تھی لیکن پی این اے والے کہہ رہے تھے کہ انہوں نے انتخابات میں بڑے پیمانے پر دھاندلی کی ہے۔ جب ان سے اقتدار چھینا گیا تو جنرل ضیاء الحق نے پی این اے والوں کو دعوت دی اور وہ ہمارے ساتھ وفاقی سطح پر کابینہ میں شامل ہوئے۔

سوال۔ آپ نے ابھی کہا کہ اگر آپ جنرل ضیاء الحق کی جگہ ہوتے تو ملک میں مارشل لاء نافذ کرنے کا ہی فیصلہ کرتے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آئندہ کبھی ایسے حالات پیدا ہو جائیں تو فوج کو ماشل لاء نافذ کرنا چاہئے۔ ؟

جواب۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا یہ تو حالات پر منحصر ہے حالات کیا ہوتے ہیں اندرونی حالات کیسے ہوتے ہیں۔ بیرونی حالات کیسے ہوتے ہیں۔ اگر حالات کا تقاضا ہو کہ مارشل لاء نافذ ہو تو مارشل لاء نافذ کرنے والا واحد فرد چیف آف آرمی اسٹاف ہوتا ہے۔ وہ ہی فیصلہ کرتا ہے میرے خیال میں تمام صورت حال کا جائزہ لے کر وہ فیصلہ کرتا ہے۔ اس لئے یہ کہہ دینا کہ آئندہ بھی مارشل لاء نافذ ہو گا یا نہیں اس کا دارومدار ملک کے اندرونی و بیرونی حالات' ملک کے عوام کے توقعات و خواہشات اور اس وقت کے چیف آف آرمی اسٹاف کی سوچ پر ہو گا۔

سوال۔ چیف آف آرمی اسٹاف مارشل لاء نافذ کرنے سے قبل کسی سے کوئی مشورہ نہیں کرتا۔ ؟

جواب۔ کیوں نہیں۔ ضرور کرتا ہو گا۔ چیف آف آرمی اسٹاف کے ساتھ جی ایچ کیو میں پوری ٹیم ہوتی ہے چیف آف جنرل اسٹاف ہوتا ہے۔ کوارٹر ماسٹر جنرل ہوتا ہے۔ ایجوٹنٹ جنرل ہوتا ہے۔ تمام کور کمانڈرز ہوتے ہیں۔ ان تمام لوگوں کے ساتھ وہ ضرور صلاح و مشورے کرتا ہو گا۔ میں تو چیف آف آرمی اسٹاف نہیں رہا ہوں اور نہ ہی میں نے اپنی چالیس سالہ ملازمت کے دوران ایک دن بھی جی ایچ کیو میں نوکری کی ہے۔ میں زیادہ تر فیلڈ میں رہا ہوں مجھے نہیں پتہ کہ جی ایچ کیو میں کیا ہوتا' کس طرح ہوتا ہے۔ لیکن چیف اپنے رفقاء سے صلاح مشورہ ضرور کرتا ہو گا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

سوال۔ آپ صوبہ سرحد میں آٹھ سال گورنر رہے ہیں کیا آپ نہیں سمجھتے کہ مارشل لاء کی وجہ سے پاکستان کے عوام اور فوج کے درمیان ایک خلیج پیدا ہوئی ہے۔ فوج کی ساکھ متاثر ہوئی ہے۔ ؟

جواب۔ جہاں تک فوج کی ساکھ متاثر ہونے اور خلیج پیدا ہونے والی بات ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ جو کہہ رہے ہیں وہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ فوج کی ساکھ صرف اس مارشل لاء کی وجہ سے نہیں بلکہ تینوں مارشل لاء کی وجہ سے آہستہ آہستہ خراب "ایروڈ" ہوئی ہے۔ کیونکہ پاکستانی عوام کے ذہن میں اپنی فوج کے لئے جو تاثر تھا اور جو خاکہ تھا وہ یہ تھا کہ یہ بہت اچھے جنگجو ہیں۔ ایمان دار لوگ ہیں' اپنے کام میں ماہر ہیں۔ اپنے پیشے میں یکتا ہیں۔ جب ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء نافذ ہوا تو عوام کے ذہن میں فوج کے لئے جو تاثر تھا وہ متاثر ہونا شروع ہوا۔ کیونکہ فوج سیاست میں ملوث ہو گئی تھی۔ فوجی عدالتیں کام کر رہی تھیں۔ میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ ہم تو chips of the same block ہیں۔ میں نے وردی پہنی ہوئی ہے آپ نے نہیں پہنی ہے بلکہ ہم دونوں اسی ملک اور معاشرہ کا حصہ ہیں۔ معاشرے کی وہ ہی چیزیں جو آپ

کو ترغیب دیتی ہیں ہمیں بھی ترغیب دیتی ہیں۔ فیلڈ مارشل نے صرف دو ڈھائی سال بعد فوج کو بیرک میں بھیج دیا تھا۔ ۱۹۷۷ء والا مارشل لاء طویل مارشل لاء تھا۔ حالانکہ اگر آپ دیکھیں تو فوج کا براہ راست تعلق بہت کم نظر آئے گا۔ کسی وقت بھی تین سو سے چار سو تک سے زیادہ فوجی مارشل لاء ڈیوٹی میں ملوث نہیں رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ تین سو میں سے اگر دس بارہ بھی خراب لوگ تھے تو عوام نے خراب افراد کو نمونہ بنایا اور جگہ جگہ ان کی مثالیں دی جانے لگیں اس وجہ سے ساکھ متاثر ہوئی ہے۔ دوسری بات یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے عوام کی توقعات سیاسی یا فوجی حکومتوں سے جو ہوتی ہیں۔ بدقسمتی سے وہ توقعات پوری نہیں ہوتی ہیں آپ بھٹو صاحب کا دور دیکھ لیں۔ وہ بہت پاپولر شخص تھے۔ وہ فخر ایشیا تھے۔ وہ قائد عوام تھے۔ وہ مقناطیسی شخصیت کے حامل لیڈر تھے جب وہ کسی مجمع میں کھڑے ہوتے تھے تو بہت دیر تک ان کے لئے تالیاں بجتی رہتی تھیں۔ لیکن اسی بھٹو کے ساتھ کیا ہوا۔ سات سال سے تھوڑے کم عرصہ انہوں نے حکومت کی اس کے یہی عوام ان کے خلاف سڑکوں پر نکل آئے۔ فیلڈ مارشل کی مثال لے لیں۔ وہ بھی بہت پاپولر تھے۔ بڑے ترقیاتی کام ان کے دور میں ہوئے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں ہماری افواج نے کتنی قابل قدر خدمات انجام دی تھیں ان کے دور میں ملک اور قوم کے لئے کتنے بڑے بڑے کام ہوئے پھر یہی لوگ ان کے پیچھے لگ گئے۔ میں نے ایک سیاسی شخصیت اور ایک فوجی شخصیت کی مثال دے دی ہے۔ میرے خیال میں جب ہماری عوام کی توقعات پوری نہیں ہوتی ہیں تو وہ تبدیلی چاہتی ہے تبدیلی کے دو طریقے ہوتے ہیں ایک سیاسی طریقہ یعنی ''بیلٹ'' یا ووٹنگ جب ''بیلٹ'' سے لوگ نا امید ہو جاتے ہیں پھر فوج آجاتی ہے۔ طاقت کے بل پر فوج آجاتی ہے۔ میں آپ کے سوال کا اتنا ہی جواب دے سکوں گا۔ آپ کا تعلق چونکہ سندھ سے ہے آپ کا خیال ہے کہ سیاسی ایجی ٹیشن کو بے رحمی سے کچلا گیا ہے جہاں تک سندھ کے حالات کا تعلق ہے مجھے اس کی تفصیلات کا علم نہیں ہے لیکن میں اپنے صوبے (سرحد) کے بارے میں آپ کو بتا سکتا ہوں کہ یہاں ہم نے کوئی ''سپریشن'' نہیں کی ہے۔ میرے خیال میں بہتر ہو گا آپ کسی اور سے پوچھ لیں کیونکہ میں اگر بات کروں گا تو وہ اپنے منہ میاں مٹھو والی بات ہو گی۔ ہم نے سیاست دانوں یا کارکنوں کو کبھی ruthlessly suppress نہیں کیا۔ اس کی تصدیق آپ دوسرے ذرائع سے کر سکتے ہیں۔ میں فخر کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہمارے صوبے کا ایڈمنسٹریشن پورے ملک میں ماڈل ایڈمنسٹریشن تھا۔ جو ترقیاتی کام میرے دور میں اس صوبے میں ہوئے ہیں انتظامیہ اور نوکر شاہی پر جو گرفت ہماری تھی وہ مثالی تھی۔ میں مہینہ میں پندرہ روز اندرون صوبہ دورے پر رہتا تھا۔ میں مختلف وفود سے ملاقاتیں کرتا تھا ان کی بات سنتا تھا ان کے مسائل حل کرتا تھا میں یہ باتیں اس لئے کر رہا ہوں کہ آپ کا تعلق سندھ سے ہے اور ہو سکتا ہے آپ کا تجربہ مختلف ہو لیکن ہمارے صوبے میں کوئی ''سپریشن'' وغیرہ نہیں ہوا تھا۔

سوال۔ آپ درست فرما رہے ہوں گے اس کی وجوہات ہیں۔ اول تو یہ کہ آپ کا تعلق بھی اسی صوبے سے ہے دوئم یہ کہا جاتا ہے کہ آپ نے ہر معاملے میں ذاتی اثر ورسوخ اور تعلقات کو استعمال کیا تھا مثلاً ۱۹۸۳ء میں ایم آر ڈی کی تحریک سے' ولی خان والوں نے جس طرح "بیک آؤٹ" کیا' لوگ اس کا ذمہ دار آپ کو ٹھہراتے ہیں؟

جواب۔ (قہقہہ لگاتے ہوئے) ۱۹۸۳ء کے سلسلے میں کوئی تبصرہ نہیں کروں گا۔ "نو کمنٹس" میں تفصیل میں جانا نہیں چاہتا ہوں کہ کیا ہوا۔ کیسے ہوا۔ لیکن یہ کہنا کہ میرا تعلق اس صوبے سے تھا اس لئے یہ سب کچھ ممکن ہوا۔ یہ موزوں بات نہیں ہے۔ اگر میرا بس چلے تو میں کبھی بھی کسی شخص کو اس کے اپنے صوبے میں نہیں رکھوں کبھی بھی نہیں رکھوں اگر میرا بس چلے۔ ابھی تو خیر سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ میرا بس چلے گا۔ لیکن یہ تو فرد پر منحصر ہوتا ہے بدقسمتی سے ہمارے ملک میں اب یہ بات چل نکلی ہے کہ پٹھان کو صوبہ سرحد کا گورنر ہونا چاہئے۔ پنجابی کو پنجاب کا گورنر ہونا چاہئے وغیرہ وغیرہ یہ مطالبہ کوئی معنی نہیں رکھتا ہے۔

سوال۔ آپ اس نتیجے پر کیوں پہنچے ہیں کہ کسی شخص کو اس کے اپنے صوبے میں نہ رکھا جائے؟

جواب۔ بات یہ ہے کہ اگر وہ شخص خواہ اچھا کرے یا برا کرے لوگ یہی کہتے ہیں کہ اس میں اس کا اپنا کوئی مفاد ہے یا مقصد ہے۔ اگر میں پنجاب میں ہوتا تو پنجابی یہ کبھی نہ کہتے کہ اس نے سرگودھا میں فلاں ترقیاتی کام شروع کرایا ہے اس میں اس کا اپنا مفاد ہے۔ طرح طرح کے الزامات عائد کئے جاتے ہیں۔ رشتہ داروں کو بھی ملوث کر دیا جاتا ہے۔ میرا کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ نے سوال کیا ہے کہ میرا تعلق اس صوبے سے تھا یہ فرد فرد پر منحصر ہوتا ہے۔ اچھا ایڈ منسٹریٹر خواہ صوبہ سرحد کا ہو یا سندھ کا اچھے کام کرے گا۔ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ عوام کی بہتری کے لئے کام کئے جائیں میں آپ کے اس سوال سے متفق نہیں ہوں کہ چونکہ میرا تعلق اس صوبے سے تھا نے آپ کے اس سوال سے متفق نہیں ہوں کہ چونکہ میرا تعلق اس لئے میں نے یہ سب کچھ کیا۔ البتہ مجھے یہ "ایڈوانٹیج" ضرور تھا۔ میں لوگوں سے واقف تھا میں یہاں کے رسم ورواج سے آگاہ تھا۔ میں زبان جانتا تھا۔ میں لوگوں کے خاندانی پس منظر سے واقف تھا میں بہرحال آپ کو یہ بتاتا چلوں کہ میری ولی خان کے ساتھ زندگی کی پہلی ملاقات اکتوبر ۱۹۷۷ء میں آرمی ہاؤس میں ہوئی تھی۔

سوال۔ زندگی کی پہلی ملاقات۔؟

جواب۔ جی ہاں پہلی ملاقات۔ شاید آپ کا خیال کچھ اور ہو گا۔ باچاخان خان عبدالغفار خان کے ساتھ میری پہلی ملاقات ۱۹۷۸ء میں گورنر ہاؤس میں ہوئی تھی۔ جب وہ صدر ضیاءالحق سے ملاقات کرنے آئے تھے۔ آپ نے کہا کہ میں ہر ایک سے واقف تھا ایسا بھی نہیں تھا۔ میں نے اپنے دور اقتدار میں آہستہ آہستہ بھی واقفیت حاصل کی۔ ولی خان فیملی کے ساتھ میرے نہایت خوشگوار تعلقات رہے ہیں اب بھی ہیں اور انشاءاللہ آئندہ بھی رہیں گے۔ اسی طرح شیرباز مزاری

کے ساتھ میرے ۱۹۴۰ء سے تعلقات ہیں۔ شیر باز مزاری صاحب جب این ڈی پی کے سربراہ تھے تو وہ میرے پاس گورنر ہاؤس میں قیام کرتے تھے اب بھی جب پشاور آتے ہیں تو میرے ذاتی مہمان ہوتے ہیں۔ میرے ہی مکان پر قیام کرتے ہیں۔ اسی طرح مفتی محمود صاحب کے ساتھ میرے نہایت اچھے تعلقات تھے۔ ایئر مارشل اصغر خان صاحب کے جو چار سال نظر بند رہے ہیں۔ پیپلز پارٹی کے نصیر اللہ بابر اور آفتاب شیر پاؤ کے ساتھ میرے اچھے تعلقات رہے ہیں لیکن ان میں کئی اصحاب ایسے ہیں جن سے میں مارشل لاء کے نفاذ کے بعد ملا ہوں جیسا کہ میں نے ولی خان کے بارے میں بتایا۔ میں اکتوبر یا دسمبر ۱۹۷۷ء میں ان سے آرمی ہاؤس میں ملا تھا۔ اسی طرح مفتی محمود صاحب سے میں مارشل لاء کے نفاذ کے بعد ملا۔ یہ باتیں بتانے کا مقصد یہ ہے کہ یہ سب کچھ فرد پر منحصر ہوتا ہے خواہ سیاست دان ہو، فوجی ہو یا بیوروکریٹ ہو۔ ایک ڈپٹی کمشنر کچھ اور مزاج رکھتا ہے، دوسرا ڈپٹی کمشنر کچھ اور مزاج رکھتا ہے، ایک کتابی قسم کا آدمی ہوتا ہے۔ دوسرا عملی آدمی ہوتا ہے۔ سیاست میں اور فوج میں اور دوسرے شعبوں میں اور ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ سیاست دانوں میں بھی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو انسانوں سے رابطہ رکھنا نہیں چاہتے ہیں۔ لیکن بعض ہیں جو اپنا تمام وقت عوام کے ساتھ گزارنا چاہتے ہیں۔

سوال۔ جب مارشل لاء نافذ کیا گیا تو دعویٰ کیا گیا تھا کہ انتخابات نوے روز میں کرا دیئے جائیں گے۔ لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ کیا آپ نے کبھی کمانڈروں کی میٹنگ میں اس ضمن میں کوئی بات کی تھی۔ ؟

جواب۔ نوے روز میں الیکشن کرانے کا جب فیصلہ کیا گیا تو میں نے تو آپ کو بتا ہی دیا ہے کہ میں پشاور میں میجر جنرل تھا۔ نوے روز جب گزر گئے تھے تو بھی میں جنرل آفیسر کمانڈنگ تھا۔ میں اس وقت کی اصل صورت حال اور وجوہات سے لاعلم ہوں لیکن جب جنوری ۱۹۷۸ء میں جنرل سوار خان کے تبادلے کے بعد مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر مقرر ہوا اور ستمبر ۱۹۷۸ء میں گورنر مقرر ہوا۔ اس کے بعد کے حالات کے بارے میں آپ کو علم ہی ہے کہ افغانستان کا معاملہ اپریل ۱۹۷۸ء میں ہوا پھر افغان مہاجرین آنے لگے اور ۲۵ لاکھ مہاجرین صوبہ سرحد میں آئے۔ میرے خیال میں الیکشن کی دوبارہ تاریخ ۱۷ر نومبر ۱۹۷۹ء مقرر ہوئی تھی لیکن حالات میں ایسی تبدیلی آئے کہ انتخابات کو ملتوی کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ جس اجلاس میں انتخابات کو ملتوی کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا اس میں میں بھی شامل تھا۔

سوال۔ انتخابات کے التوا کا فیصلہ متفقہ تھا۔ ؟

جواب۔ جی ہاں یہ کمانڈروں کا متفقہ فیصلہ تھا کہ انتخابات پھر ملتوی کئے گئے اور دوسری تاریخ کا اعلان نہیں کیا گیا۔

سوال۔ کیا انتخابات کے التوا کے لئے سیاست دانوں نے بھی فوجی کمانڈروں سے اپیل کی تھی یا

جنرل ضیاء الحق کو درخواست کی تھی۔ ؟
جواب۔ مجھے اس کا علم نہیں ہے لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے مجھ سے کسی سیاسی رہنما نے انتخابات کے التواء کے لئے نہیں کہا تھا۔ نہ ہی ہم یہ فیصلے سیاسی رہنماؤں کے ساتھ یا ان سے مشوروں کے بعد کیا کرتے تھے۔ یہ فیصلے ہم مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر' سینئر فوجی افسر اور چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر مل کر کیا کرتے تھے۔
سوال۔ بحیثیت قوم ہمیں کیا اقدامات کرنے چاہئیں تاکہ مستقبل میں مارشل لاء کو ٹالا جاسکے۔ ؟
جواب۔ موجودہ حکومت جمہوری طور پر منتخب شدہ حکومت ہے۔ جونیجو صاحب کو صدر جنرل ضیاء الحق نے وزیر اعظم نامزد کیا ہے۔ ابھی وہ لوگ حکومت چلا رہے ہیں۔ جب وقت آئے گا تو انتخابات ہوں گے اور اچھے لوگ خود بخود آجائیں گے۔ پھر یہ سلسلہ چل پڑے گا۔ تو اچھے لوگ آتے رہیں گے اور جمہوری سیاسی ادارے دن بدن پھلتے پھولتے رہیں گے۔ یہی ایک طریقہ ہے مارشل لاء کو ٹالا جاسکے۔ میں ہرگز یہ نہیں کہوں گا کہ آپ کے ملک میں آئندہ مارشل لاء کبھی نہیں نافذ ہوگا۔ میں نے آپ کو واضح طور پر بتادیا ہے کہ یہ سب کچھ حالات اور صورت حال پر منحصر ہوگا۔ آپ نے کہا تھا کہ اگر فوج ۱۹۷۷ء میں مارشل لاء نہ لگاتی تو ملک چلتا رہتا۔ جہاں تک یہ بات ہے کہ چلتا رہتا تو آپ اس وقت لوگوں سے پوچھتے کہ ان حالات کو وہ چلنے دینا چاہتے تھے۔ آپ ان سے یہ پوچھیئے کہ جو حالات اور صورت حال تھی کیا وہ اس سے مطمئن تھے۔ میرا خیال ہے کہ عام فرد یہی جواب دیتا کہ نہیں۔ آپ کے ملک کا پورا نظام ٹھہر گیا تھا۔ روزمرہ کی زندگی مفلوج ہو گئی تھی۔ میرے لئے یا آپ کے لئے یہ کہہ دینا کہ آئندہ مارشل لاء نافذ نہیں ہوگا۔ بے معنی بات ہے۔ مارشل لاء نافذ ہونے یا نہ ہونے کا دارومدار ملکی حالات پر منحصر ہوگا۔ اس وقت اندرونی اور بیرونی حالات کیا ہیں۔ میری بھی دعا ہے کہ مارشل لاء نافذ نہ ہو کیونکہ مارشل لاء مجموعی طور پر ملک کے اندر اچھے اثرات مرتب نہیں کرتا ہے۔ کم از کم جمہوری اداروں کے لئے مارشل لاء بہتر نہیں ہوگا حالانکہ میں یہ کہوں گا کہ مارشل لاء کے دور میں بھی بہت اچھے اچھے کام ہوئے ہیں۔ آپ ترقیاتی کام دیکھیں میرے خیال میں جتنے ترقیاتی کام اس صوبے میں مارشل لاء کے دور میں ہوئے ہیں آپ اس کا موازنہ کسی بھی دور سے کرلیں۔ آپ کو واضح فرق نظر آئے گا۔ میں اپنی تعریف نہیں کر رہا ہوں۔ لیکن آپ کو حقیقت بتا رہا ہوں۔ وہ فیصلے مجھے کرنے تھے میں نے کیئے۔ آپ دیکھیں اس صوبے میں تین یونیورسٹیاں بنانے کا فیصلہ۔ زرعی یونیورسٹی' گومل یونیورسٹی مارشل لاء کے دور میں قائم ہوئی۔ گومل یونیورسٹی بنانے کا فیصلہ بھٹو صاحب کے دور میں ہوا تھا۔ لیکن صرف زمین کا انتخاب ہوا تھا۔ لیکن اس کی تعمیر میرے دور میں کوئی سولہ یا سترہ کروڑ روپے سے ہوئی۔ چشمہ رائٹ بنک کنال تقریباً تین سو کروڑ کی لاگت سے میرے دور میں

شروع ہوا اور مکمل ہوا۔ مردان اسکارپ کا منصوبہ میرے دور میں دو سو کروڑ روپے سے شروع ہو کر ختم ہوا۔ ایوب میڈیکل کالج ۸۲ر کروڑ روپے کا منصوبہ ہے۔ میرے دور میں ایک سو سے زیادہ بڑے بڑے پل اور سڑکیں تعمیر ہوئی ہیں۔ مارشل لاء کے دور میں نہ صرف ترقیاتی کام زیادہ ہوئے ہیں بلکہ لوگوں کو انصاف بھی ملا ہے۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ یہاں بہت کم معاملات فوجی عدالتوں کے سپرد کئے گئے تھے۔ میں فوجی عدالتوں میں صرف وحشیانہ اور بہیمانہ جرائم کی سماعت کراتا تھا۔ مثلاً چھوٹی بچی اور بچے کے ساتھ زیادتی وغیرہ کے مقدمات۔ میں یہ بات فخر سے کہتا ہوں کہ آٹھ سال میں لوگوں کو انصاف ملا ہے۔

سوال۔ یہ تو آپ صرف اپنے صوبے کی بات کر رہے ہیں۔؟

جواب۔ میرا تعلق تو صوبے سے ہے۔

سوال۔ میں پھر یہ بات کہتا ہوں کہ یہ فرد فرد پر منحصر ہے۔ آپ نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ آپ بتائیں اگر کوئی اور شخص آپ کی جگہ ہوتا تو آپ کے خیال میں صوبہ سرحد میں اتنے ہی ترقیاتی کام ہوتے۔؟

جواب۔ یہ فرد فرد پر منحصر ہوتا ہے۔ میری طرح ہزاروں فرد ہیں۔ فوج میں بھی ہزاروں ہیں۔ میرے خیال میں اگر یہاں دوسرا کوئی بھی شخص ہوتا...... اچھا میں شخصیات کی بات نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن آپ اپنے صوبے کی مثال لے لیں۔ گورنر عباسی صاحب جیسے ایماندار، محنتی اور قابل شخص بہت کم ملتے ہیں۔ سندھ کی صورت حال کچھ ایسی تھی کہ آپ لوگوں کا یہ تاثر ہے۔ لیکن آپ یقین کریں میں عباسی صاحب کے ساتھ اسکول میں آٹھ سال رہا ہوں۔ ہم ایک کلاس میں تھے۔ ہم ایک ساتھ اکیڈمی میں آئے۔ برٹش فوج میں ہمارا سلیکشن ۱۹۴۶ء میں ایک ساتھ ہوا تھا۔ وہ sword of honour تھے میں ان سے دو نمبر نیچے تھا۔ میں انہیں اپنے سے بہتر انسان سمجھتا ہوں۔ میں انہیں اپنے سے زیادہ بہتر ایڈ منسٹریٹر سمجھتا ہوں۔ آپ جنرل رحیم الدین صاحب کی مثال لے لیں۔ بہت اچھے انسان ہیں۔ وہ بھی sword of honour ہیں۔ میرے خیال میں آپ کو فوج میں رحیم الدین صاحب اور عباسی صاحب جیسے دیانتدار، محنتی افسران بہت کم ملیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نہایت خلوص اور دیانت کے ساتھ اپنے اپنے صوبے کی خدمت کرنے کی کوشش کی ہے۔ جیلانی صاحب کو پنجاب میں دیکھیں۔ انہوں نے کیا کچھ نہیں کیا۔ میرے خیال میں ضیاء الحق صاحب کو اچھی ٹیم ملی تھی۔ باقی رہا سندھ کا مسئلہ تو میں کہوں گا کہ سندھ والے کہتے ہیں کہ ہم میں احساس محرومیت ہے۔ سندھیوں کو کس نے کہا ہے کہ فوج میں مت آؤ! کس نے منع کیا ہے۔ سندھیوں کو بمع انٹر سروسز سلیکشن بورڈ دھڑا دھڑ بھرتی کر رہے ہیں اور انٹر سروسز سلیکشن بورڈ میں کبھی بھی سندھی یا پختون، پنجابی کا امتیاز نہیں برتا جاتا ہے۔ بالکل فیئر سلیکشن ہوتا ہے۔ انہیں سی ایس ایس کے امتحانات میں شریک ہونے سے کس نے روکا ہے۔؟

امتحان میں شریک ہوں کامیاب ہوں اور ملازمت کریں۔ انہیں اب احساس محرومی کیوں ہونے لگا ہے۔ میں اگر سینئر ہوں میری ۲۸ سال کی ملازمت ہے اور اگر ایک شخص سندھ کا ہے اور میجر ہے تو اسے میجر جنرل کس طرح بنایا جاسکتا ہے۔ ؟ اپنے وقت کا انتظار کریں۔ احساس محرومیت کا چکر لوگوں کو اب ہونے لگا ہے۔ میرے خیال میں سندھ کے ساتھ کوئی ظلم نہیں ہوا ہے۔ بالکل ظلم نہیں ہوا ہے۔ ہاں اگر ڈاکہ پڑ رہے ہیں۔ لوگ دن رات ٹرکوں کو لوٹ رہے ہیں اور ٹرینوں کو گرا رہے ہیں تو حکومت کیا کرتی۔ ؟ گورنمنٹ دن رات خاموش بیٹھ کر کہتی کہ ہاں بھئی تم انڈس ہائی وے پر بھی لوٹ مار کرو' ٹرکوں پر بھی حملے کرو' لوگوں کو بھی مارتے رہو' لوگوں کو اغوا بھی کرتے رہو ہم کچھ نہیں کریں گے۔ ایسا کیسے ممکن ہے۔ ؟ حکومت کو کوئی تو کاروائی ضرور کرتی ہوگی۔ ابھی بھی جمہوریت دور میں آپ دیکھیں کراچی کی کیا صورت حال ہے۔ کراچی کی آج سے چھ ماہ قبل کیا صورت حال تھی۔ کتنے لوگ مرے ہیں' بچے مرے ہیں۔ آپ خود دیکھ لیں کہ سندھ کی لاء اینڈ آرڈر کی صورت حال بہتر ہے۔ ؟ مارشل لاء کے دور میں بہتر ہے یا اسی طرح کی ہے یا اس سے زیادہ خراب ہوئی ہے۔ میرے خیال میں مزید خراب ہوئی ہے۔ میرے خیال میں پورے پاکستان میں امن وامان کی صورت حال دن بدن خراب ہو رہی ہے۔ میں اپنے صوبے کے بارے میں صاف صاف کہتا ہوں کہ جو حالات ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۵ء تک تھے اور ۱۹۸۵ء سے ۱۹۸۷ء تک رہے۔ اس میں فرق صاف ظاہر ہے یہی حالت سندھ کی ہے۔

سوال۔ ہم بات کر رہے تھے ایسے اقدامات پر جن سے آئندہ مارشل لاء کو ٹالا جاسکے ۱۹۷۳ء میں ایک تجربہ کیا گیا تھا کہ آئین میں باقاعدہ ایک دفعہ رکھی گئی تھی کہ طاقت کے بل پر آئین کو ختم کرنا بغاوت تصور کیا جائے گا لیکن ۱۹۷۷ء کے تجربہ نے بتایا ہے کہ آئینی تحفظ بھی ناکام رہا' آپ کا کیا خیال ہے یہ تجربہ کیوں ناکام ہو گیا۔ ؟

جواب۔ میں جواب میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ آئین میں یہ دفعہ ضرور ہوگی حالانکہ میں نے نہیں پڑھا ہے۔ میں اپنے موقف کا دوبارہ اعادہ کرتا ہوں کہ آپ کے جمہوری ادارے اتنے مستحکم نہیں تھے کہ وہ مدافعت کر سکیں۔ اگر جمہوری ادارے مستحکم ہوتے تو کوئی نہ کوئی مدافعت یا مزاحمت ضرور ہوتی۔ ایسا نہیں تھا اس لئے مارشل لاء نافذ ہو گیا۔ ساتھ ہی میں یہ بھی کہوں گا کہ آئین میں ہزار اس طرح کے نکات یا دفعات رکھیں لیکن اگر فوج یہ سمجھتی ہے کہ مارشل لاء کا نفاذ ملک کے مجموعی مفاد میں ہے تو مارشل لاء نافذ ہو گا۔ اگر لوگ حکومت کے خلاف ایجی ٹیشن کرتے ہیں ملک میں صورت حال ابتر ہوتی ہے تو کتنی ہی بار آئین میں ایسی دفعات کیوں نہ دی جائیں مارشل لاء نافذ ہو گا۔

سوال۔ آپ کے خیال میں سیاسی اور جمہوری ادارہ کو مستحکم کرنے کا کیا طریقہ ہوسکتا ہے یہ راتوں رات مستحکم تو نہیں ہوسکتے ہیں۔ ؟

جواب۔ جی ہاں یہ برسوں کا معاملہ ہے۔ مجھے پتہ ہے کہ ہمارے کئی پاکستانی بھائی اس مثال سے خفا ہوں گے لیکن آپ بھارت کی مثال لے لیں ادھر سیاسی ادارے ہمارے ملک کے مقابلے میں بہت مضبوط ہیں۔ آپ سیاسی پارٹیوں کا موازنہ کریں۔ کانگریس کو دیکھیں بھارت میں پالیسی انڈین نیشنل کانگریس ڈکیٹیٹ کرتی ہے حکومت ان پالیسیوں پر عمل درآمد کرتی ہے۔ اس کے برعکس اپنے ملک میں دیکھیں۔ آپ کے وزیراعظم مسلم لیگ کے سربراہ ہیں صوبائی وزرائے اعلیٰ صوبائی جماعتوں کے سربراہ ہیں۔ ایک ایک شخص کے پاس دو دو عہدے ہیں۔

سوال۔ آپ کا خیال ہے کہ کہ حکومت اور حکومتی پارٹی علیحدہ علیحدہ ہونی چاہیئے۔ ؟

جواب۔ جی ہاں۔ حکومت اور پارٹی علیحدہ علیحدہ افراد کے پاس ہونی چاہیئے

the tail should not wag in the dog, the dog should be wag in the tail

پارٹی کی پالیسی پر حکومت کو عمل درآمد کرنا چاہیئے۔ ایسی صورت میں آپ کی سیاسی جماعتیں مستحکم ہوں گی جب تک آپ کی سیاسی جماعتیں مضبوط اور مستحکم نہ ہوں، جب تک آپ کا آئین درست نہ ہو، جب تک آئین میں چاروں صوبوں کے مفاد کا خیال نہ رکھا جائے اور وہ ہر ایک کے لئے قابل قبول نہ ہو۔ بھٹو صاحب کے آئین کو متفقہ طور پر منظور ضرور کر لیا تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ چند ماہ کے اندر اندر ترامیم کرا دیئے تھے۔ جب تک آپ کی عدلیہ کو وہ مقام اور وقار حاصل نہیں ہو گا جس کی وہ مستحق ہے، جب تک عدلیہ انتظامیہ سے الگ نہ ہو۔ جب تک منتخب نمائندوں میں بہترین صلاحیتوں اور کردار والے لوگ شامل نہ ہوں کیونکہ ابھی دیکھیں ۱۹۶۵ء میں پیپلز پارٹی نے انتخابات کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ ایم آر ڈی کی دوسری جماعتوں نے بھی بائیکاٹ کر دیا تھا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ جو بہترین لوگ تھے۔ وہ تو نہیں آسکے۔ ان پارٹیوں کے بائیکاٹ کے بعد جو بچ گئے تھے وہ آ گئے جب تک آپ کی مقننّہ میں چوٹی کے لوگ نہ آئیں اور وہ اسی صورت میں آئیں گے کہ آپ تواتر کے ساتھ آئین کے تحت ہر چار یا پانچ انتخابات کراتے رہیں۔

سوال۔ آپ نے جیسا مجھے بتایا کہ آپ بھرپور قسم کی سیاست کرنا چاہتے ہیں آپ کس پارٹی میں شمولیت اختیار کریں گے یا آزاد رہ کر سیاست کریں گے۔ ؟

جواب۔ فی الحال میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔ انشاءاللہ میں اپنے دوستوں اور رفقاء کے ساتھ صلاح و مشورے کے بعد چند مہینوں کے اندر اندر اعلان کروں گا۔ ابھی انتخابات میں تو وقت پڑا ہے۔

سوال۔ آج جو صورت حال ہے اور جو پارٹیاں موجود ہیں ان میں سے آپ کسی جماعت کو ترجیح نہیں دیں گے۔ ؟

جواب۔ میں کسی کو بھی ترجیح نہیں دوں گا۔

سوال۔ آپ کے معیار پر کوئی جماعت پوری نہیں اترتی۔ ؟

جواب۔ نہیں یہ بات نہیں ہے۔ میں ہرگز ایسا نہیں کہوں گا کہ میرے معیار پر کوئی پارٹی پوری نہیں اترتی ہے۔ میرے خیال میں بڑی اچھی اچھی پارٹیاں موجود ہیں لیکن فی الحال یہ سمجھتا ہوں کہ مجھے آزاد رہنا چاہئے۔ کیونکہ مجھے ابھی وقت ہی نہیں ملا ہے کہ دوستوں سے مشورہ کر سکوں۔ میرے سیاسی اور غیر سیاسی دوستوں کی تعداد بہت بڑی ہے۔ ان لوگوں سے گزشتہ آٹھ سال کے دوران ہر ضلع میں میرا بڑا سابقہ پڑا ہے۔ میں توقع کرتا ہوں کہ وہ لوگ مجھے ضرور سپورٹ کریں گے۔ جب تک ان سے صلاح و مشورہ نہ ہو۔ گفت و شنید نہ کر لوں میرے خیال میں میرا کوئی فیصلہ کرنا غلط ہو گا۔ ان کی بھی توقعات ہوں گی کہ جنرل صاحب ہمارے ساتھ ضرور صلاح و مشورہ کریں گے۔

سوال۔ آپ نے گزشتہ آٹھ سال میں سیاست دانوں کے بارے میں کیا تاثر لیا ہے۔ ؟

جواب۔ میرے خیال میں بہت اچھے لوگ بھی ہیں۔ آپ کوئی بھی طبقہ لے لیں۔ فوج ہو یا نوکر شاہی' سیاست دان ہوں یا تاجر ہر قسم کے لوگ موجود ہیں' اچھے یا برے بھی۔

سوال۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ ہمارے سیاست دان حکومت چلانے کے اہل ہیں۔ ؟

جواب۔ یقیناً یہ لوگ حکومت چلانے کے اہل ہیں۔

سوال۔ پھر حالات ایسے کیوں ہو جاتے ہیں کہ یہ ناکام ہو جاتے ہیں۔ ؟

جواب۔ جب کوئی شخص اقتدار میں آجاتا ہے تو اس کا عوام سے وہ رابطہ ختم ہو جاتا ہے جو وہ اقتدار میں آنے سے قبل رکھتا ہے دوئم یہ کہ لوگوں کی توقعات پوری نہیں ہوتی ہیں اس لئے کہ توقعات بہت ہوتی ہیں' خوشامدی قسم کے لوگ اپنا دائرہ تنگ کر دیتے ہیں۔ وہ ان کے ساتھ ہو جاتے ہیں۔ اقتدار میں آنے کے بعد یہ لوگ اپنے آپ کو معمول کے کاموں میں اتنا ملوث کر لیتے ہیں کہ پھر عوام کے لئے وقت نکالنا مشکل ہو جاتا ہے اور لوگوں کی نبض پر صحیح ہاتھ نہیں رکھ پاتے ہیں۔ جیسے جیسے اقتدار میں وقت بڑھتا جاتا ہے آدمی کی گرفت بھی کمزور ہوتی جاتی ہے۔ خود مجھے احساس تھا کہ کام کی شدت کی وجہ سے دوسری مصروفیات کی وجہ سے میرا عوام سے رابطہ آہستہ آہستہ گھٹتا جا رہا تھا۔ ہمارے ملک میں بہت اچھے اور قابل سیاست دان ہیں اور یہ لوگ ملک کو بہترین طریقہ سے چلا سکتے ہیں بشرطیکہ یہ لوگ عوام سے رابطہ برقرار رکھ سکیں اور لوگوں سے زیادہ وعدہ وغیرہ نہ کریں۔ سبز باغ نہ دکھائیں۔ پھر لوگ بھی تبدیلی چاہتے ہیں۔ یہ وجہ نہیں ہے کہ سیاست دان اہل نہیں ہوتے ہیں اور ملک یا حکومت چلا نہیں پاتے ہیں۔ اگر انتخابات تواتر کے ساتھ ہوتے رہیں تو صحیح قسم کی سیاسی پارٹیاں بھی سامنے آئیں گی ابھی آپ کے ملک میں ستر پارٹیاں ہیں ان میں موثر سولہ سترہ ہی ہوں گی۔ اگر انتخابات کا عمل جاری رہتا تو چھٹائی ہوتی رہتی اور تین' چار یا زیادہ سے زیادہ پانچ پارٹیاں باقی رہ جاتیں۔

سوال۔ آپ کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ آپ کمانڈروں کے اجلاس میں سب سے زیادہ

بے باک گفتگو کرتے تھے اور یہ مشہور ہے کہ آپ نے ایک دفعہ کہا تھا کہ ہم سب ساتھ آئے ہیں اور ساتھ جائیں گے اور اس کا پس منظر کیا تھا۔ ؟

جواب۔ میں نے ہر گز یہ نہیں کہا کہ ایک ساتھ آئے ہیں اور ایک ساتھ جائیں گے یہ لوگوں کا اپنا بنایا ہوا بیان ہے۔ البتہ صدر صاحب ہمیشہ یہ کہتے تھے کہ ایک ساتھ آئے ہیں ایک ساتھ جائیں گے۔ میں تو ماتحت افسر تھا اور اسے حکم تسلیم کرنا ہوتا ہے۔ میں تو ان کا ماتحت تھا میں اس طرح کیسے کہہ سکتا تھا۔ دوسری بات یہ کہ میں بے باک اور صاف گو ہوں۔ یہ بات درست ہے۔ یہ میری صبیعت کا حصہ ہے میں ہمیشہ صاف صاف کھری کھری بات کرتا ہوں اور جنرل ضیاء الحق مجھے ۱۹۴۸ء سے جانتے ہیں میری طبیعت سے اچھی طرح واقف ہیں میں نے اپنی جانب سے ہمیشہ وفاداری اور خلوص سے کام کیا ہے۔ میرے ذمہ جب بھی کوئی کام لگایا گیا میں نے تندہی سے انجام دیا۔ میں ہمیشہ اپنا ہوم ورک کر کے کابینہ کے اجلاس میں شرکت کرتا تھا۔ اس بات کی تصدیق کابینہ میں شامل سیاسی وزیر بھی کریں گے۔ میں نے جو بھی اسکیم لی، میں نے جس منصوبہ کے لئے رقم حاصل کی وہ میں نے صحیح صورت حال کے پیش نظر لی تھیں۔ میں نے صحیح صحیح نمائندگی کی تھی۔ میں نے صحیح صورت حال پیش کی تھی۔ میں نے "کن وکشن" کے تحت حاصل کی تھیں میں نے یہ سب کچھ "بلنٹ" ہونے سے حاصل نہیں کیا تھا۔

سوال۔ آپ نے جس طرح کہا کہ صدر صاحب کہتے تھے کہ ایک ساتھ آئے ہیں ایک ساتھ جائیں گے لیکن ایسا ہوا نہیں؟ آپ تو پہلے چلے آئے۔ ؟

جواب۔ میں نے آپ کو بتایا کہ یہ گورنروں کا متفقہ فیصلہ تھا کہ مارشل لاء ہٹایا جا رہا ہے اور ہم لوگوں کے گورنر رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ سو یہ ہمارا رضا کارانہ فیصلہ تھا۔ صدر صاحب تو ریفرنڈم میں پانچ سال کے لئے صدر مملکت کے عہدے پر منتخب ہو گئے تھے۔ اس طرح وہ برقرار رہے اور ہم چلے گئے۔ مجھے ذاتی طور پر بڑی خوشی ہے کہ ہم علیحدہ ہو گئے اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے وہ اپنے بندے کے لئے درست کرتا ہے۔ مجھے بھی خود احساس ہے کہ حکومت سے علیحدہ ہونے کے بعد میں نے ڈیڑھ سال کے عرصے میں بہت کچھ سیکھ لیا ہے۔ میں نے اڑتیس یا انتالیس سال میں اتنا کچھ نہیں سیکھا تھا جتنا میں نے اس ڈیڑھ سال میں سیکھا ہے۔ مجھے اپنے اور پرائے کی پہچان اسی عرصے میں ہوئی ہے۔ دوست اور دشمن کی شناخت ہو گئی ہے میرے خیال میں یہ میرے حق میں بہتر ہوا ہے۔

سوال۔ کیا آپ کو دشمن زیادہ نظر آئے۔ ؟

جواب۔ نہیں۔ بالکل نہیں مجھے تو عوام پر کامل بھروسہ ہے کہ وہ میرے لئے اچھے خیالات رکھتے ہیں۔ باقی کچھ لوگ ضرور ایسے ہیں جو کل تک دوست تھے لیکن آج دوست نہیں ہیں۔

سوال۔ کیا آپ انفرادی طور پر لوگوں سے مایوس ہوئے ہیں۔ ؟

"یہ تو ضیاء الحق صاحب نے کہا ہے کہ ساتھ آئے ہیں ساتھ جائیں گے"۔ فضل حق۔

جواب۔ ہاں۔ چند لوگ ایسے ہیں۔
سوال۔ اپنے صوبے میں یا ملک بھر میں۔؟
جواب۔ میں تو صوبے کی بات کر رہا ہوں۔ مجھے چند دوستوں سے جو میرے بہت قریب تھے بے حد مایوسی ہوئی ہے۔ لیکن عوام سے مجھے کوئی مایوسی نہیں ہوئی ہے۔
سوال۔ آپ کہہ رہے ہیں کہ آپ نے اڑتیس اکتالیس سال میں اتنا کچھ نہیں سیکھا ہے جتنا ڈیڑھ سال میں سیکھا ہے اس کا کیا پس منظر ہے۔؟
جواب۔ مجھے اپنے اور پرائے کی پہچان ہوئی ہے۔ جب آپ اقتدار میں نہیں ہوتے ہیں تو اس وقت پتہ لگتا ہے کہ دوست کون ہے اور میں دشمن نہیں کہوں گا' بلکہ مخالف کون ہے۔
سوال۔ میں ایک ذاتی سوال کر رہا ہوں۔ آپ بُرا نہ مانیں کہا جاتا ہے کہ امریکن پریس لکھتا ہے کہ دنیا میں جو چند امیر ترین جنرل ہیں ان میں تین پاکستانی ہیں اور ان میں ایک آپ ہیں آپ کیا کہتے ہیں۔؟
جواب۔ مین نے تو یہ کبھی نہیں پڑھا ہے۔ آپ ذرا مجھے کہیں دکھا دیں مجھ سے البتہ یہ بات کئی لوگوں نے پوچھی ہے۔ میں احتساب کے لئے ہمیشہ تیار ہوں اور سمجھتا ہوں کہ انسان کو ہمیشہ تیار رہنا چاہیئے۔ جس وقت کوئی بھی میرا احتساب کرنا چاہے بڑے شوق سے کر سکتا ہے۔ مجھے کوئی عذر نہیں ہو گا۔
سوال۔ جب گدون میں افیون کی کاشت کے خلاف کاروائی کی جا رہی تھی' تو کہا جاتا ہے کہ جنرل صاحب کا ذاتی مفاد ہے اس لئے کاروائی کی جا رہی ہے۔؟
جواب۔ گدون میں میری ایک کنال زمین بھی نہیں ہے۔ میرا کیا مفاد ہو سکتا تھا۔ گدون میں آپریشن میرے بعد ہوا ہے۔ میرے وقت میں افیم کی کاشت کو روکنے کے منصوبے شروع ہوئے تھے جب میں گورنر بنا تھا۔ اس وقت آٹھ سو اسی ٹن سے کم ہو کر صرف پینتالیس ٹن کاشت رہ گئی تھی۔ یہ اعداد و شمار امریکیوں کے ہیں۔ یہ میں اپنے اعداد و شمار نہیں دے رہا ہوں۔ افیم کی کاشت ۸۰-۱۹۷۹ء میں آٹھ سو اسی ٹن تھی اور ۸۵-۱۹۸۴ء میں چالیس یا بیالیس ٹن رہ گئی تھی یعنی بیس گنا کمی میرے دور اقتدار میں آئی تھی۔ بونیر میں افیم کی کاشت میرے دور میں ختم ہوئی میں نے گدون کے علاقے میں کام شروع کرایا تھا لیکن یہ چار مرحلوں میں ہونا تھا۔ ہم نے کوئی آدمی نہیں مارا تھا اور ترقیاتی کام کرتے ہوئے لوگوں کو رضا کارانہ طور پر افیم کی کاشت سے دست بردار کرایا تھا۔ میرے جانے کے بعد گزشتہ سال ۱۹۸۶ء گدون میں آپریشن کیا گیا اور سات یا آٹھ آدمی مار دیئے گئے۔ آپ پوچھیں آج کل افیم کتنی کاشت ہو رہی ہے۔؟ انہوں نے کتنے ہزار کنال پر کاشت کی ہوئی افیم ضائع کی ہے۔؟
سوال۔ کیا پھر کاشت شروع کر دی گئی ہے۔؟

"میری ضیاء الحق سے چالیس سالہ رفاقت ہے" ۔ فضل حق

جواب۔ اس سال (۱۹۸۷ء) لوگوں نے بہت زیادہ کاشت کی تھی۔ پھر حکومت نے ضائع کرنے کا فیصلہ کیا۔ کافی معاوضہ دیئے گئے۔

سوال۔ افیون کی دوبارہ کاشت تو اس لئے ہوئی ہوگی کہ لوگوں کو متبادل فصل نہیں دی گئی ہوگی۔؟

جواب۔ جو بھی وجہ ہو۔ لیکن حقیقت ہے کہ لوگوں نے کافی کاشت کیا ہے۔

سوال۔ لوگوں کو متبادل کیا کاشت کرنا ہوتا ہے۔؟

جواب۔ بھئی آپ دیکھیں آپ کے تین چار سوالات آپ کے اصل موضوع سے مطابقت نہیں رکھتے ہیں۔ یہ موضوع بہت طویل ہے۔ متبادل فصل تو بہت ہو سکتیں ہیں لیکن آپ کو سڑکیں، بجلی، پانی وغیرہ چاہیئے۔ زمین کو ہموار کرنا ہو گا، فروٹ وغیرہ سب اگا سکتے ہیں لیکن زمین ٹھیک ہونا شرط ہے۔ گدون کے علاقے کے لئے امریکی حکومت سے اسی کروڑ روپیہ میں لایا تھا آپ کے مالاکنڈ اور سپیز کے لئے اس زیادہ لایا تھا۔ یہ انٹرنیشنل نارکوٹک افیئر کے جتنے منصوبے ہیں یہ میرے وقت میں شروع ہوئے ہیں۔ باقی آپ کا جو سوال ہے کہ اگر میں ان چیزوں میں ملوث ہوتا تو امریکی حکومت کو ہر چیز کا علم ہے۔ ان کے ڈرگ انفورسمنٹ ایجنسی کے لوگ یہاں مارے مارے پھرتے ہیں۔ اگر میں ملوث ہوتا تو وہ اپنی حکومت کو اور صدر ضیاء الحق صاحب کو ضرور مطلع کرتے۔ لیکن ایسا موقع کبھی نہیں آیا۔ باقی رہا گٹر پریس، میں اس کے بارے میں کہہ سکتا ہوں۔ یورپ میں بھی گٹر پریس ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں بھی گٹر پریس ہے۔ امریکہ میں بھی گٹر پریس ہے یہ لوگ تو لکھتے رہتے ہیں۔ انہوں نے بھٹو صاحب کے بارے میں کیا کچھ نہیں لکھا۔ وہ جنرل ضیاء الحق کے بارے میں کیا کچھ نہیں لکھتے ہیں۔ مجھے کس طرح بخشیں گے۔ میرے بارے میں اگر کوئی اس طرح کا مضمون ہے تو مجھے ذرا بتا دیں۔

سوال۔ بلوچستان میں فوج کے جو کاروائی کی تھی کیا یہ بھٹو صاحب نے سرداروں سے نمٹنے کے لئے دانستہ کرائی تھی یا واقعی insurgency تھی۔؟

جواب۔ میرا خیال ہے کہ insurgency تھی۔ یہ دانستہ کاروائی نہیں تھی اور نہ ہی کسی طبقہ یا سرداروں کے خلاف تھی کسی قسم کی بھی دانستہ کوشش تھی۔

(یہ انٹرویو ۵ر جولائی ۱۹۸۷ء کو پشاور میں کیا گیا)

"میرے علم میں ایسا کوئی جنرل نہیں رہا جو وردی پہن کر سیاست میں دلچسپی لیتا رہا ہو۔"

اعجاز عظیم

لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) سابق سفیر متعین امریکہ (ضیاء دور)

یہ ان دونوں کی بات ہے جب وزیر اعظم محمد خان جونیجو نے قومی اسمبلی کے ایوان میں اعلان کیا تھا کہ حکومت اعلیٰ افسران اور فوج کے جنرلوں کو استعمال کے لئے چھوٹی کاریں دے گی۔ ان کے اس بیان کے بعد اخبارات میں "جنرل بیشنگ" کے عنوان سے ایک مختصر مضمون لکھ کر جنرل اعجاز عظیم نے ایک دبی ہوئی چنگاری کو ہوا دی تھی۔ ملک بھر کے اخبارات میں ایک بحث کا آغاز ہو گیا تھا جنرل اعجاز عظیم نے بحث کی ابتداء تو کر دی تھی لیکن انتہا کے لئے تیار نہ تھے بقول ان کے انہوں نے مضمون لکھ کر جنرلوں کے خلاف مہم چلائی جانے والی مہم پر اپنا احتجاج رجسٹر کرایا تھا۔ جنرل اعجاز عظیم کے نام سے قوم اس طرح آشنا نہیں تھی جیسے کہ ملک پر حکمرانی کرنے والے دیگر جنرلوں کے نام اسے ازبر ہیں۔ حالانکہ اعجاز عظیم کا نام کم اہمیت کا حامل اس لئے نہیں تھا کہ ایک کٹھن دور میں انہوں نے امریکہ میں پاکستان کی سفارت کے فرائض انجام دیئے تھے۔ ۵ر جولائی ۱۹۸۱ء کو فوج سے ریٹائر ہوئے اور ۶ر جولائی ۱۹۸۱ء کو جنرل ضیاء الحق نے انہیں امریکہ میں سفیر نامزد کر کے واشنگٹن روانہ کر دیا۔ ۱۲ر جولائی ۱۹۲۷ء بریلی میں پیدا ہونے والے جنرل اعجاز عظیم کا تعلق بنیادی طور پر اس علاقے سے ہے جس نے برصغیر اور پھر پاکستان میں فوج کو جوان فراہم کرنے کا کام انجام دیا ہے۔ اشارہ جہلم کی طرف ہے۔ ۲۵ نومبر ۱۹۴۸ء کو فوج میں کمیشن حاصل کرنے والے جنرل صاحب کے پانچ بھائی فوج میں خدمات انجام دے چکے ہیں۔ جنرل صاحب آج کل اسلام آباد میں مقیم ہیں اور اپنا کاروبار کرتے ہیں۔ "جنرل بیشنگ" کے حوالے سے جب بات چلی تو میں نے ان سے بھی "مارشل کیوں اور کیسے" کے موضوع پر انٹرویو کرنے کا فیصلہ کیا۔ دوران انٹرویو وہ اس بات پر مصر رہے کہ وہ اس بات پر روشنی نہیں ڈالیں گے کہ کن عوامل نے انہیں مضمون لکھنے پر مجبور یا تیار کیا تھا۔ بہرحال ان کا انٹرویو حاضر خدمت ہے۔

علی حسن۔ آپ نے جنرل "بشینگ" کے عنوان سے جو مضمون تحریر کیا تھا اس کا پس منظر کیا ہے؟ آپ کے خیال میں اس ملک میں جنرلوں کے ساتھ کیا ہوا ہے؟

جنرل اعجاز عظیم۔ میں آپ سے پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ گفتگو میں اس مضمون کا ذکر نہ کریں۔ آپ نے مارشل لاء سے متعلق سبجیکٹ دیا ہے گفتگو کو اس حد تک ہی محدود رکھیں۔ اس مضمون کے سلسلے میں کوئی تبصرہ سننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔

سوال۔ لیکن دیکھیں نا مارشل لاء اور جنرل لازم و ملزوم ہیں اور آپ کا مضمون اسی کا ایک حصہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ گفتگو اسی سوال سے شروع کی جائے۔

جواب۔ جی نہیں۔ میں اس سوال کا جواب دینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔

سوال۔ چلیں جیسا آپ کا خیال۔ میرا دوسرا سوال یہ ہے کہ وہ کیا اسباب ہوتے ہیں جن کے نتیجے میں خصوصاً پاکستان میں مارشل لاء نافذ کیا جاتا رہا ہے؟

جواب۔ میرا خیال ہے کہ فوج کے افسران جو ابھی ملازمت میں ہیں یا ریٹائر ہو چکے ہیں انہوں نے بھی مارشل لاء کو ملک کے لئے بہتر نہیں سمجھا ہے۔ مارشل لاء ملک میں اسی وقت نافذ کیا جاتا ہے جب سول انتظامیہ اور مشینری ناکام ہو جاتی ہے۔ جیسا ۱۹۷۷ء میں ہمارے ملک میں ہوا۔ اس سے قبل ۱۹۶۹ء میں ہوا۔ جب معمول کی زندگی مفلوج ہو جاتی ہے تو مارشل لاء کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب ایک عام پاکستانی اپنی معمول کی زندگی کو مفلوج کر بیٹھتا ہے تو بھی مارشل لاء نافذ کیا جاتا ہے۔ کوشش یہ ہونی چاہئے کہ عام زندگی معمول کے مطابق چلتی رہے تاکہ مارشل لاء کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند رہیں۔

سوال۔ یہ بات طے کرنے کا اختیار کس کو ہے کہ سویلین زندگی مفلوج ہو گئی ہے اور مارشل لاء کے دروازے ہمیشہ کھول دیئے جائیں؟ مارشل لاء کے دروازے کسی قانون کے تحت تو کھولے نہیں جاتے ہیں۔ اس کا کوئی عمل تو نہیں ہے؟

جواب۔ اسے طے تو پاکستان کے عوام کو ہی کرنا ہے۔ جب عوام دیکھتے ہیں کہ حالات یکدم خراب ہو چکے ہیں تو اگلا عمل خود بخود شروع

اعجاز عظیم

لیفٹنٹ جنرل (ریٹائرڈ)

ہوجاتا ہے۔ ۱۹۷۷ء میں مارشل لاء کے نفاذ کو ملک کی اعلیٰ ترین عدالت نے "نظریہ ضرورت" کے تحت جائز قرار دیا تھا۔ اگر پاکستان کا وجود خطرے میں نہ پڑے تو مارشل لاء کبھی بھی نافذ نہیں کیا جائے گا۔

سوال ۔ ۱۹۷۷ء میں آپ کی کیا پوزیشن تھی؟

جواب ۔ میں اس وقت میجر جنرل کے عہدے پر ملتان میں فائز تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اس دور میں ملک کے بیشتر حصوں میں اسکول فیکٹریاں کاروباری مراکز وغیرہ بند تھے۔ سول انتظامیہ کی مشینری حالات کنٹرول کرنے میں ناکام رہی تھی۔

سوال ۔ میں یہی بات معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تمام افراتفری اپنی جگہ لیکن مارشل لاء کا دروازہ کیوں کھولا جاتا ہے۔ فوج کو شہری انتظامیہ کی مدد کے لئے طلب کر کے صورت حال اور امن و امن کو بہتر بنایا جاسکتا ہے؟

جواب۔ یہ طریقہ بھی استعمال کیا گیا تھا۔ اگر کوئی ایسی صورت ہو کہ فوج اپنا کام جلدی کرے اور واپس چلی جائے تو ٹھیک ہے۔ جیسا کراچی میں دسمبر ۱۹۸۶ء میں ہوا تھا۔ اورنگی کا واقعہ کے بعد فوج طلب کی گئی تھی انہوں نے امن و امان بحال کیا اور واپس چلے گئے اور دوسرے ادارے اپنا کام کرتے رہے۔ اگر اس طرح ہو تو پھر مارشل لاء کا دروازہ کھلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ لیکن جب ادارے ہی ختم ہوجائیں جیسا ۱۹۷۷ء میں ہوا تو پھر حالات ایسے پیدا ہوتے ہیں کہ فوج کو مداخلت کرنا پڑتی ہے۔

سوال ۔ کیا ۱۹۷۷ء میں ادارے ختم ہوگئے تھے؟

جواب ۔ میرے خیال میں ختم ہی ہوگئے تھے۔ اس وقت کی حکومت کا کنٹرول تقریباً ختم ہوگیا تھا۔ بلکہ خانہ جنگی کی فضا پیدا ہوگئی تھی۔ ان حالات میں سوائے مارشل لاء نافذ کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

سوال ۔ ۱۹۶۹ء میں کیا صورت حال تھی؟

جواب ۔ ۱۹۷۷ء کے مقابلے میں زیادہ خراب نہیں تھی۔ میں اس وقت جونیئر افسر تھا۔ جلوس وغیرہ نکل رہے تھے' ہنگامے ہو رہے تھے۔ مشرقی پاکستان کی صورت حال بہت خراب تھی۔ اس وقت کے اکابرین نے سمجھا ہوگا کہ حالات خراب ہیں تو مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ ؟

سوال ۔ فیلڈ مارشل نے اقتدار رضاکارانہ طور پر جنرل یحییٰ کے حوالے کیا تھا یا جنرل یحییٰ نے زبردستی اقتدار پر قبضہ کیا تھا؟

جواب ۔ فیلڈ مارشل نے خود اقتدار جنرل یحییٰ کے حوالے کیا تھا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں بھی یہ بات کہی تھی۔

سوال ۔ آپ ۱۹۸۱ء میں امریکہ میں پاکستان کے سفیر مقرر ہوئے تھے۔ آپ کے خیال میں

امریکہ پاکستان میں مارشل لاء کے بارے میں کیا خیالات رکھتا تھا؟

جواب ۔ امریکی عوام کسی بھی ملک میں مارشل لاء کے نفاذ کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے ہیں۔ ان کی اپنی روایات ہیں دو سو سال سے وہ ایک ہی ڈگر پر چل رہے ہیں۔ پاکستان میں جب مارشل لاء لگا تھا تو امریکی عوام نے اس کا خیر مقدم نہیں کیا تھا۔ لیکن جب انہیں پاکستان کے اندرونی حالات اور مارش لاء کے نفاذ کے پس منظر سے آگاہی ہوئی تو تھوڑی بہت ''انڈر اسٹینڈنگ'' ہوئی تھی۔ یہ قصہ صرف پاکستان کا نہیں تھا۔ تیسری دنیا کے ممالک میں اکثر و بیشتر ایسے حالات ہو جاتے ہیں جو مارشل لاء کے نفاذ کا سبب بنتے ہیں۔

سوال ۔ آپ کہہ رہے ہیں کہ امریکی عوام یا حکومت مختلف ممالک میں مارشل لاء کے نفاذ کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں لیکن عموماً وہ مارشل لاء کے تحت قائم حکومتوں کی مالی امداد کرتے ہیں ان سے تعاون کرتے ہیں آخر ان کے رویئے میں تضاد کیوں ہے؟

جواب ۔ آخر اس ملک اور حکومت کے اپنے مفادات بھی ہوتے ہیں۔ جو وہ کسی حکومت کی مدد کرتے ہیں۔ تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں امریکہ کا مکمل فائدہ ہے ایسی صورت کسی ملک میں بھی ہو۔ دنیا میں کئی ممالک ایسے ہیں جہاں ہمارے جیسی جمہوریت بھی نہیں ہے۔ لیکن امریکہ ان۔ حکومتوں کی مدد کرتا ہے کہ بنیادی مفاد خود امریکہ کا ہوتا ہے۔ وہ اپنی رائے بھی دیتے ہیں لیکن مالی امداد بھی کرتے ہیں۔

سوال ۔ میں نے جن جنرل حضرات سے ملاقاتیں کی ہیں وہ تمام کے تمام آج اس بات پر متفق ہیں کہ مارشل لاء ملک کے لئے اچھی چیز نہیں ہوتا ہے آخری یہ لوگ کمانڈر پر اپنے خیالات کا اظہار کیوں نہیں کرتے۔

جواب ۔ کمانڈر اپنی سوچ، مشاہدے اور تجزیہ کے بعد فیصلہ کرتا ہے کہ کس وقت مارشل لاء نافذ کیا جائے۔

سوال ۔ کیا یہ صرف کمانڈر ہوتا ہے جو تنہا یہ فیصلہ کرتا ہے؟

جواب ۔ سینئر افسر بھی اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ باقاعدہ بحث و مباحثہ کیا جاتا ہے صورت حال کا بھرپور جائزہ لیا جاتا ہے پھر اتفاق رائے سے فیصلہ کیا جاتا ہے۔

سوال ۔ کیا ۱۹۷۷ء میں آپ سے مشورہ کیا گیا تھا۔

جواب ۔ نہیں کور کمانڈروں کی بات کر رہا ہوں۔ ۱۹۷۷ء میں چھ یا سات تھے۔ کور کمانڈروں کی کانفرنس مستقل ہوتی تھی انہوں نے بھٹو صاحب، مفتی محمود صاحب اور نواب زادہ نصراللہ خان صاحب سے ملاقاتیں کی تھیں۔ جہاں تک مارشل لاء نافذ کرنے کا مسئلہ ہے جب وہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کی بقاء کے لئے ضروری ہے تو پھر مارشل لاء نافذ کر دیا جاتا ہے اور جب محسوس کرتے ہیں کہ پاکستان کی بقا کو کوئی خطرہ نہیں ہے تو مارشل لاء اٹھا لیا جاتا ہے۔

سوال ۔ مارشل لاء کو روکنے کے لئے ہمیں کیا اقدامات کرنے چاہئیں؟

جواب ۔ ہم سب کو مل کر سیاسی اداروں کو مستحکم کرنا چاہئے۔ ایسے اقدامات اٹھانے سے گریز کرنا چاہئے جن سے سیاسی عمل معطل ہو جاتا ہے۔ بحیثیت پاکستانی میں قوم سے اپیل کرتا ہوں کہ اس پروسس کو ہر حال میں کامیاب بنائیں۔

سوال ۔ کون سے پروسس کو؟

جواب ۔ موجودہ جمہوری عمل کو (جس کے تحت وزیر اعظم محمد خان جونیجو کی حکومت قائم ہوئی ہے) کامیاب بنائیں۔ میرے خیال میں یہ عمل کامیابی سے جاری ہے۔ یہ عمل بغیر کسی رکاوٹ کے چلتا رہے اور پھر انتخابات ہوتے رہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ آئندہ مارشل لاء نافذ ہو سکے۔ البتہ پورے عمل میں تشدد کا عنصر شامل نہیں ہونا چاہئے۔ ایسی صورت میں سیاسی ادارے مستحکم ہو جائیں گے اور جڑ پکڑ لیں گے۔

سوال ۔ آپ کے خیال میں کتنے عرصے میں اداروں کو جڑ پکڑ لینا چاہئے؟

جواب ۔ کم از کم دس ایک سال تو لگیں گے۔ دو تین انتخابات ہو جائیں تو جڑ پکڑ لیں گے میرے خیال میں ابھی ٹھیک طرح کام کر رہے ہیں۔

سوال ۔ جب ملک میں تھوڑا سا بھی ہنگامہ ہوتا ہے تو مارشل لاء نافذ ہونے کی بازگشت کیوں سنائی دینے لگتی ہے۔

جواب ۔ اس ملک میں مارشل لاء طویل عرصے نافذ رہا ہے اس لئے ذرا سی بھی گڑبڑ ہوتی ہے تو لوگوں کے ذہن میں نئے مارشل لاء کا خیال پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور وجہ نظر نہیں آتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کی وجہ سے مارشل لاء نافذ نہیں کیا جاتا ہے۔ حکومت کے پاس فوج کے بغیر بھی بڑی طاقت ہوتی ہے۔ اگر حکومت سیاسی حل جاری رکھے اور حالات کو قابو میں رکھے تو فوج کی مداخلت یا مارشل لاء نافذ کرنے کا کوئی جواز ہی نہیں رہتا ہے۔ مارشل لاء نافذ کرنے کے لئے کوئی جواز ہونا چاہئے اور جب جواز ہی نہیں ہو گا تو مارشل لاء کس طرح نافذ ہو گا۔

سوال ۔ ایسے جنرل سے آپ کس طرح نمٹ سکتے ہیں جو وردی پہن کر سیاست بھی کرنا چاہتا ہو؟

جواب ۔ میرے علم میں کبھی ایسا کوئی جنرل نہیں رہا جو وردی پہن کر سیاست میں دلچسپی لیتا رہا ہو۔

سوال ۔ یہ جو تین مارشل لاء نافذ کئے گئے۔

جواب ۔ مارشل لاء تو حالات کی وجہ سے نافذ ہوئے۔ آپ کا سوال تو یہ ہے کہ عام حالات میں جو جنرل وردی پہن کر سیاست کریں ان سے کس طرح نمٹا جائے۔

سوال ۔ میں نے عام حالات کی بات نہیں کی ہے۔ میں کہتا ہوں کیسے بھی حالات ہوں فوج کو

یہ اختیارات تو نہیں ہیں کہ حالات کو درست کرنے کے لئے وہ ٹیک اوور کر لے۔ ایسا تو غالباً کہیں بھی نہیں لکھا ہوا ہے؟

جواب ۔ جی ہاں کہیں بھی نہیں لکھا ہوا ہے لیکن ۱۹۷۷ء کے حالات کا کیا تقاضا تھا؟ اگر فوج اس وقت نہ آتی تو آپ کے خیال میں کیا ہوتا؟

سوال ۔ فوج سول انتظامیہ کی مدد کر کے حالات کو بہتر بنا سکتی تھی؟

جواب ۔ ملک میں تین چار شہروں میں مارشل لاء نافذ تھا۔ کراچی' لاہور' حیدر آباد' ملتان وغیرہ۔ لاہور میں گولی چلانا پڑی تھی۔

سوال ۔ فوج نے لاہور میں گولی نہیں چلائی تھی؟

جواب ۔ بالکل چلائی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ جس انداز میں گولی چلانا تھی وہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔ اپنے ہم وطنوں کے خلاف بندوق استعمال کرنا ایک فوج کے لئے بڑا مشکل کام ہوتا ہے۔

سوال ۔ آپ محسوس کرتے ہیں کہ بار بار مارشل لاء اور طویل ترین مارشل لاء نے پاکستانی قوم اور پاکستانی افواج کے درمیان ایک خلیج پیدا کر دی ہے؟

جواب ۔ اس کا جواب تو میں شروع میں ہی دے چکا ہوں کہ مارشل لاء اچھی چیز نہیں ہوتا ہے۔ اس کے اثرات ملک اور قوم کے لئے اچھے نہیں ہوتے ہیں۔

سوال ۔ ۱۹۷۳ء کے آئین میں ایک شق موجود ہے کہ حکومت بزور طاقت ختم کرنے کا عمل انتہائی غداری کے برابر تصور کیا جائے گا؟

جواب ۔ یہ تو اب تاریخ بتائے گی کہ ۱۹۷۷ء کا اقدام ملک و قوم کے مفاد میں تھا یا نہیں۔ اگر آپ میری ذاتی رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں تو میں کہوں گا کہ ان حالات میں کوئی اور چارہ نہیں تھا۔ تاریخ کیا کہتی ہے وہ ہماری اولادیں پڑھیں گی۔

سوال ۔ میں اپنا نقطہ نظر ایک بار پھر دہراتا ہوں کہ بار بار کے مارشل لاء کی وجہ سے قوم و فوج کے درمیان فاصلہ زیادہ نہیں ہو گیا ہے میں اس کی وضاحت اس طرح کروں گا کہ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں قوم نے جس انداز سے چترال سے چٹاگانگ تک فوج کا ساتھ دیا تھا وہ جذبہ ۱۹۷۱ء کی جنگ میں مفقود تھا۔ کیا آپ ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان گئے تھے؟ آپ نے کیا محسوس کیا تھا؟

جواب ۔ میں ۱۹۶۹ء میں وہاں تھا۔ لیکن حالات ٹھیک نہیں تھے۔ اگر سیاسی عمل جاری رہتا اور ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے نتائج کو جامع طور پر عمل میں لایا جاتا تو نہ مارشل لاء نافذ ہوتا نہ ہی وہ حالات پیدا ہوتے۔

سوال ۔ مارشل لاء تو ۱۹۶۹ء میں نافذ کیا جا چکا تھا؟

جواب ۔ جی ہاں مارشل لاء نافذ تھا۔ اگر ہم انتخابات کے نتائج پر عمل کرتے تو قوم جن حالات

سے دوچار ہوئی تھی ان سے محفوظ رہا جا سکتا تھا۔

سوال ۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے نتائج پر عمل نہ کرنے کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے؟

جواب ۔ بہت سارے لوگوں پر عائد ہوتی ہے۔ سیاسی اور فوجی رہنما اس کے ذمہ دار ہیں۔

سوال ۔ کیا صرف جنرل ذمہ دار نہیں ہیں؟

جواب ۔ نہیں۔ دونوں ذمہ دار ہیں۔ مغربی پاکستان کے سیاسی اور فوجی لیڈر دونوں ذمہ دار ہیں۔

سوال ۔ آپ سقوط ڈھاکہ کا ذمہ دار کسے قرار دیتے ہیں؟

جواب ۔ سقوط ڈھاکہ کے بہت سارے فیکٹر ہیں۔ عام تاثر یہ ہے کہ فوج ذمہ دار ہے۔ میں اس کو اس طرح نہیں سمجھتا ہوں میں بہت سارے لوگوں کو ذمہ دار سمجھتا ہوں۔ کسی ایک ادارے کو اس کا ذمہ دار قرار دینا میرے خیال میں ناانصافی ہوگی۔ ہماری بدقسمتی یہی ہے کہ اس زمانے کی تاریخ اور اب حقائق کو قوم کے سامنے پوری طرح کھول کر نہیں رکھا گیا۔ اگر اسے عوام کے سامنے رکھا جائے تو تمام چہرے سامنے آجائیں گے۔ کئی وجوہات ہیں جس کی وجہ سے قوم کو اس سلسلہ میں اعتماد میں نہیں لیا گیا۔

سوال ۔ کیا آپ محمود الرحمٰن کمیشن کی اشاعت کے حق میں ہیں؟

جواب ۔ میں اسے شائع کرنے کا حامی ہوں تاکہ سانحہ مشرقی پاکستان کے تمام اسباب قوم کے سامنے آسکیں۔ ٹھیک ہے اس میں میرا کردار بھی شامل ہے لیکن بہت سارے دوسرے کردار بھی تو ہیں۔

سوال ۔ پھر یہ بھی تو ہے کہ اتنے بڑے سانحے کی کسی بھی جگہ حتیٰ کہ فوج کے ادارے میں بھی کوئی جواب دہی نہیں ہوئی حالانکہ جواب دہی ہونی چاہئے تھی۔

جواب ۔ بالکل ہونی چاہئے تھی۔ اس کی اشد ضرورت تھی۔ جواب دہی کیوں نہیں ہوئی اس کا جواب مجھے نہیں معلوم۔

سوال ۔ جس طرح آپ نے اپنے مضمون میں ذکر کیا تھا کیا واقعی عوام ' جنرل یا فوج کے ادارے اس سے بدظن ہو گئے ہیں؟

جواب ۔ میں مضمون کے حوالے سے بات نہیں کر رہا ہوں۔ اگر ۱۹۷۱ء میں ہماری جواب دہی ٹھیک طرح سے ہوتی تو بعد میں جو شکوک و شبہات پیدا ہوئے ہیں وہ نہ ہوتے۔ جواب دہی بہت ضروری ہوتی ہے۔ میں اس کا سختی سے قائل ہوں۔

سوال ۔ فوج کے ادارے میں جواب دہی کا کوئی عمل ہوتا ہے؟

جواب ۔ بہت سخت۔ فوج کا اپنا قانون ہے۔ مینول آف پاکستان ملٹری لاء (ایم پی ایم ایل) موجود ہے اس کے تحت جواب دہی کا عمل موجود ہے۔ یہ آپ نہیں کہہ سکتے کہ جواب دہی کا عمل

موجود نہیں ہے۔ ہر چیز سیاہ و سپید میں موجود ہے۔ استعمال کریں یا نہ کریں یہ علیحدہ بات ہے۔

سوال ۔ اصل مسئلہ ہے استعمال کرنے کا؟

جواب ۔ استعمال کرنا چاہئے۔ بعض جگہ ہوا ہے بعض جگہ کم استعمال ہوا ہے بعض جگہ ایک دم استعمال ہی نہیں ہوا ہے۔

سوال ۔ ارجنٹائن میں جو کچھ ہوا ہے آپ اس سے متفق ہیں۔؟

جواب ۔ فاک لینڈ کی جنگ کے بعد انہوں نے "اکاؤنٹیبلٹی" جواب دہی کا عمل شروع کیا۔ اب میں نے اخبارات میں پڑھا ہے کہ حکومت دباؤ میں آگئی ہے اور یہ عمل روک دیا گیا ہے۔ وہاں بھی سیاسی ادارے مستحکم ہوتے ہوتے وقت لیں گے جب مستحکم ہو جائیں تو کوئی نتیجہ نکلے گا۔

سوال ۔ آپ کو امریکہ کا سفیر بنانے کا پس منظر کیا ہے؟

جواب ۔ فوج میں تو جب حکم ملے تو "او بے" کرنا پڑتا ہے۔ مجھے مطلع کیا گیا کہ تمہیں امریکہ میں سفیر مقرر کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ میں نے بخوشی قبول کر لیا ہے۔ مجھ سے پوچھا گیا تھا کہ آپ جانا چاہتے ہیں تو میں نے جواب میں کہا تھا کہ مجھ پر اتنا اعتماد کیا گیا ہے اور منتخب کر لیا گیا ہے تو میں ضرور جاؤں گا۔ امریکہ جیسے ملک میں سفیر بن کر جانا میرے لئے واقعی ایک چیلنج تھا۔

سوال ۔ آپ فوج سے کب ریٹائر ہوئے تھے؟

جواب ۔ میں پانچ جولائی ۱۹۸۱ء کو ریٹائر ہو گیا تھا اور چھ جولائی کو واشنگٹن میں تھا۔

سوال ۔ کیا حکومت کو ڈپلومیٹ کیریئر کے لوگ نہیں ملتے ہیں جو فوجیوں کو سفیر بنا کر روانہ کیا جاتا ہے؟

جواب ۔ اس کا جواب میں کیا دے سکتا ہوں۔ مجھے تو صدر ضیاء الحق نے منتخب کیا تھا۔

سوال۔ آپ کے خیال میں پیشہ ور سفارت کار یا جرنل سوال۔ ۔اس کا جواب میں کیا دے سکتا ہوں۔ مجھے تو صدر ضیاء الحق نے منتخب کیا تھا۔

جواب ۔ آپ کے خیال میں پیشہ ور سفارت کار ثابت ہوتے ہیں؟

جواب ۔ یہ تو فرد پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ اپنے کام میں کس قدر دلچسپی لیتا ہے۔ جنرل بھی بہت کامیاب سفارت کار رہے ہیں، سیاست دان بہت کامیاب رہے ہیں۔ میرے خیال میں سفارت کا تعلق کسی کی ماضی کی ملازمت سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا۔ بنیادی تعلیم ہو اور وطن کے ساتھ "کمیٹمنٹ" ہو تو آپ کامیاب سفیر ثابت ہو سکتے ہیں۔ سفارت کاری کوئی مشکل چیز نہیں ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ آپ کتنی محنت کر سکتے ہیں۔ اگر آپ محنت نہیں کرتے ہیں تو پھر آپ کا انتخاب بھی غلط ثابت ہوتا ہے۔ راجہ ظفر الحق دو سال مصر میں سفیر رہے حالانکہ سیاسی شخصیت تھے لیکن بہت کامیاب رہے۔

سوال ۔ مصر وغیرہ ممالک میں تو صرف ملازمت دینے کی غرض سے مختلف شخصیات کی تقرری کی جاتی ہے۔ بھٹو صاحب نے احمد سعید کرمانی کو سفیر مقرر کیا تھا؟

جواب ۔ مصر اب تو اہم ملک ہے۔ مشرق وسطیٰ کی سیاست کا گڑھ ہے۔ اس کی اپنی حیثیت ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔

سوال ۔ مختلف ادارے مثلاً مقننہ' انتظامیہ' عدلیہ' ذرائع ابلاغ وغیرہ باہمی طور پر ملکی معاشرہ بناتے ہیں آپ کے خیال میں ان اداروں کے لوگوں پر تنقید نہیں ہونی چاہیئے؟

جواب ۔ کیوں نہیں۔ میرے خیال میں ان کے کردار کے سلسلے میں debate تو چلتی رہتی ہے۔ امریکہ میں تو اس قسم کی بحث روزمرہ کا معمول ہے۔

سوال ۔ مگر میں پاکستان کے حوالے سے بات کر رہا ہوں جہاں لوگ تنقید پسند نہیں کرتے؟

جواب ۔ کوئی وجہ تو سمجھ میں نہیں آتی ہے نہ ہی تنقید پر چراغ پا ہونا چاہیئے۔ انسان کا ذہن کشادہ ہونا چاہیئے۔ اگر اس کا ذہن صاف ہے' ضمیر صاف ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس طرح کی تنقید سے خوف کھائے۔

سوال ۔ پھر بات وہی آتی ہے کہ آپ نے جو مضمون تیار کیا ہے وہ آپ کے اس نقطہ نظر کے برعکس ہے؟

جواب ۔ آپ مضمون کا ذکر پھر لے آئے۔ آپ ٹیپ ریکارڈ بند کر دیں تو میں بتاؤں کے کیسے برعکس ہے۔

سوال ۔ آپ اس بات کے لئے تیار نہیں ہے کہ اس کا تذکرہ میری کتاب میں آئے۔ یہ تو اہم ترین سوال ہے۔ جنرل اس بات پر کیوں چراغ پا ہوتے ہیں کہ انہیں تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔

جواب ۔ آپ مارشل لاء کے سلسلے میں مجھ سے بات کریں اس سلسلے کو چھوڑ دیں۔ اس کا کوئی لنک نہیں ہے۔

سوال ۔ آپ کس طرح سمجھتے ہیں کہ اس کوئی لنک نہیں ہے؟

جواب ۔ آپ نے بنیادی سوال یہ کیا کہ مارشل لاء کسی ملک کیوں نافذ کیا جاتا ہے اور اسے روکنے کے لئے کیا اقدامات کرنے چاہئیں۔

سوال ۔ مارشل لاء نافذ کرنے کا ذمہ دار جنرل یا جنرلز ہوتے ہیں۔ آپ نے خود کہا کہ کمانڈر اور اس کے قریب ترین ساتھی مارشل لاء نافذ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ اب صورتحال یہ ہے کہ جب جرنلوں کے فیصلوں پر تنقید کی جاتی ہے تو وہ برہم کیوں ہوتے ہیں؟

جواب ۔ میں نے کہا کہ accountability سے کسی کو خوف نہیں کھانا چاہیئے۔

سوال ۔ میں آپ کے مضمون کے حوالے سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ پھر کیوں برہم ہیں اور آپ نے یہ مضمون کیوں تحریر کیا ہے؟ آپ نے کیا محسوس کیا تھا جو اس مضمون کو تحریر کرنے کا سبب بنا ہے۔

جواب ۔ کوئی ناراضگی نہیں۔ میں نے کچھ اصولوں کی بات کی ہے۔

(انٹرویو اسلام آباد میں ۴؍جولائی ۱۹۸۷ء کو ریکارڈ کیا گیا)

...... بدترین مثال تو عدلیہ نے نظریہ ضرورت قرار دے کر قائم کی تھی۔ مولوی تمیز الدین والا مقدمہ پہلا پتھر تھا...... اس کے بعد کبھی ٹیڑھی دیواریں تو کبھی سیدھی دیواریں کھڑی کی جاتی رہی ہیں۔

عبدالمجید ملک

لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) رکن قومی اسمبلی (۱۹۸۵ء۔ ۱۹۸۸ء)

جنرل مجید ملک، اگر ذوالفقار علی بھٹو جنرلوں کی سینیارٹی لسٹ پر عمل کرتے تو جنرل محمد ضیاء الحق کے بجائے عین ممکن تھا کہ جنرل عبدالمجید ملک پاکستانی بری فوج کے سربراہ مقرر ہوتے لیکن جنرل ضیاء الحق کی تقرری کے بعد وہ بھی ان سات جنرلوں میں شامل تھے جو بعد میں فوجی روایات کے مطابق ریٹائر ہو گئے۔ جنرل عبدالمجید ملک نے فوجی ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد رواج کے مطابق سیاست میں حصہ لینا شروع کیا اور ۱۹۸۵ء کے انتخابات میں آزاد امیدوار کی حیثیت سے کامیاب ہوئے پھر ۱۹۸۸ء میں اسی حلقہ انتخاب سے دوبارہ قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ جونیجو حکومت میں ان کا نام وفاقی انٹی کرپشن کمیٹی کے سربراہ کی حیثیت سے سامنے آیا۔ لیکن وہ بھی ملک کو کرپشن سے نجات دلانے کی خواہش کے باوجود نجات دلانے میں ناکام رہے۔

علی حسن۔ آپ فوج میں جنرل تھے۔ آپ کو انتخابات میں حصہ لینے کا خیال کس طرح آیا؟

جنرل عبدالمجید ملک۔ میں چکوال کے ایک دیہات کا رہنے والا ہوں چکوال پہلے تحصیل تھی جو اب میری کوششوں سے ضلع بن گیا ہے۔ میں جب فوج میں تھا تو ہمیشہ اپنے گاؤں آتا جاتا رہتا تھا۔ میں نے اپنے گاؤں سے رابطہ نہیں توڑا جیسا کہ عموماً لوگ کرتے ہیں کہ بڑے عہدے پر

عبدالمجید ملک

آجانے کے بعد گاؤں سے رابطہ توڑ لیتے ہیں۔ میرا یہ چھوٹا سا گھر اسلام آباد میں ضرور ہے لیکن گاؤں سے میں نے اپنا تعلق ہمیشہ برقرار رکھا۔ ہمارے علاقے میں ایک خلا تھا۔ پرانے لوگوں کا روایتی طریقہ تھا اور وہ ہی ہمیشہ منتخب ہوتے رہتے تھے۔ اب لوگ جاگ چکے ہیں۔ میں جب ریٹائر ہو کر یہاں آیا تو یہاں ایک عوامی گروپ موجود تھا۔

سوال ۔ آپ ریٹائر کب ہوئے تھے؟

جواب ۔ میں ۱۹۷۶ء میں ریٹائر ہوا تھا۔ پھر مراکش میں سفیر بنا کر بھیج دیا گیا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ضیاء الحق صاحب کو بھٹو صاحب نے فوج کا سربراہ نامزد کیا تھا۔ ہاں تو پھر گاؤں میرا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ لوگ بھی واقف تھے کہ یہ کچھ نہ کچھ رفاہی کام کرتے کراتے رہتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے منتخب کرا دیا میں نے مدینہ منورہ میں مکہ مکرم میں دعا کی تھی کہ اگر خیر ہے تو اللہ تعالیٰ منتخب کرا دے ورنہ کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تو آپ کو پتہ ہی ہو گا کہ بار بار مارشل لاء کی وجہ سے جنرل کا نام عوام میں کوئی بڑا پسندیدہ نہیں ہے۔ اس لئے ڈھل مل یقین تھا کچھ "اوڈز" تھے کہ یہ فوج میں بھی کمانڈ کرتے ہیں اور یہاں سیاست میں بھی آگئے۔ بہر حال اس کیفیت میں میں نے نئے الیکشن میں حصہ لیا اور کامیاب ہوا۔

سوال ۔ آپ کے مقابلے میں کتنے امیدوار تھے اور آپ نے کتنے ووٹ لئے تھے؟

جواب ۔ میرے مقابلے پر تین امیدوار اور تھے اور میں نے باسٹھ ہزار کے قریب ووٹ حاصل کئے تھے جو تمام امیدواروں کے کل ووٹوں سے زیادہ تھے۔

سوال ۔ جب آپ کو سپرسیڈ کیا گیا تھا تو آپ نے کیا محسوس کیا تھا؟

جواب ۔ بالآخر ہم انسان تو ہیں لیکن میں نے زیادہ اس لئے محسوس نہیں کیا تھا کہ جنرل ضیاء الحق نے آٹھ نو افراد کو سپرسیڈ کیا تھا۔

سوال ۔ لیکن آپ تو سر فہرست تھے؟

جواب ۔ نہیں۔ میرے سے اوپر سات آٹھ افراد تھے میں جنرل ضیاء سے اوپر تھا اور دوسرے میرے سے اوپر تھے۔ میرا پریکٹیکل ذہن ہے۔ اس لئے زیادہ محسوس نہیں کیا۔

سوال ۔ ان میں کون کون سے جنرل تھے؟

جواب ۔ ان میں مرحوم جنرل اکبر تھے جو سفیر بنے تھے۔ جنرل عظمت تھے، جنرل آفتاب تھے، جنرل اکرام تھے۔

سوال ۔ اس لئے آپ نے محسوس نہیں کیا؟

جواب ۔ ہاں ایک تو یہ وجہ تھی۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ میں نے کبھی چیف آف آرمی اسٹاف کی کرسی کی تمنا نہیں کی۔ میری نظر کبھی اس کرسی پر نہیں تھی۔ دوسرے میرا "روبسٹ مائنڈ" ہے۔ میں توکل اللہ کام کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جس کے لئے جو راستہ بنایا ہے وہ اسی

کے لئے ہے اور وہ اسی پر چلے گا۔

سوال ۔ آپ اب رکن اسمبلی ہیں آپ کا کیا خیال ہے کہ اس ملک میں مارشل لاء بار بار کیوں نافذ ہوتا رہا ہے؟

جواب ۔ مارشل لاء مجموعی صورت حال کے پیش نظر نافذ کیا جاتا رہا ہے کوئی ایک وجہ نہیں ہوتی۔ آپ پہلا مارشل لاء دیکھ لیں میں مارشل لاء کا کبھی حامی نہیں رہا ہوں۔ یہ بات ابھی اس لئے نہیں کہہ رہا ہوں کہ میں اب باہر ہوں۔ میں ہمیشہ کہتا رہا ہوں۔ میری یہ بات ریکارڈ پر موجود ہے۔ اس کی تفصیل میں جانے کی ابھی ضرورت نہیں ہے۔ مارشل لاء اگر نافذ کیا جاتا ہے تو اسے معمولی مدت کے لئے ہونا چاہئے۔ جب صورت حال درست ہو جائے تو چھوڑ کر چلے جانا چاہئے اور بعد میں جمہوری عمل دوبارہ شروع ہونا چاہئے۔

سوال ۔ کیا آپ نے ۱۹۷۱ء کے مارشل لاء کی مخالفت کی تھی؟

جواب ۔ نہیں مخالفت تو نہیں کہا جا سکتا لیکن میں کبھی اس کے حق میں نہیں رہا ہوں۔

سوال ۔ ایوب خان کے مارشل لاء کے دوران آپ کس رینک پر تھے؟

جواب۔ میں میجر تھا۔ اس کی تفصیل بھی بھی بتاؤں گا کیونکہ میں براہ راست ان کے زیر سایہ کام کر رہا تھا۔ میں نے وہ تماشا دیکھا ہے آپ نے جو سوال پوچھا ہے پہلے مارشل لاء کو دیکھ لیجئے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ سیاست دانوں کا قصور ہے۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ صرف فوج والوں کا قصور ہے۔ یہ سارے عناصر مل کر ایک "سچوئیشن" بناتے ہیں پھر وقت آجاتا ہے کہ فوج ایک قوت ہونے کی وجہ سے صورت حال کی سنگینی محسوس کرتی ہے۔ ایوب خان نے حقیقی طور پر محسوس کیا تھا کہ روز حکومتیں تبدیل ہو رہی تھیں۔ غلام محمد اسکندر مرزا کا زمانہ تھا۔ کابینہ میں روز ردوبدل ہو رہا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ان کا ذہن پہلے مارشل لاء کے لئے بنا ہو کیونکہ اس سطح پر ہم نہیں سوچ سکتے تھے لیکن جب صورت حال پیدا ہوتی ہے اور خوشامدی بھی اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ فوجیوں میں بھی رابطہ قائم کرتے ہیں کہ مارشل لاء کے بغیر ملک کا وجود باقی نہیں رہ سکتا۔ ان کے ذہن میں شاید پہلے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ فوج کاروبار حکومت چلا لے گی حالانکہ کاروبار حکومت چلانا اور فوج کو کمانڈ کرنا دو بہت ہی مختلف چیزیں ہیں۔ جب فوجی کاروبار حکومت سنبھال لیتے ہیں تو انہیں سمجھ میں آتا ہے کہ یہ تو بہت مشکل کاروبار ہے۔ مارشل لاء کی ذمہ داری مجموعی طور پر پاکستانی معاشرہ پر پڑتی ہے۔ فوج کا قصور یہ ہے کہ اگر حالات بگڑ جاتے ہیں اور مارشل لاء ناگزیر ہو جاتا ہے ان حالات کو بہتر کر کے فوج کو دست بردار کر لینا چاہئے جب کہ ایسا نہیں کیا جاتا۔ ورنہ سویلین حکومت جیسی بھی ہو جب تک چلتی ہے اسے ضرور چلنے دینا چاہئے۔

سوال ۔ جس طرح آپ کہہ رہے ہیں کہ فوج کو تھوڑے وقت کے لئے آنا چاہئے اور حالات

بہتر ہوتے ہی واپس چلے جانا چاہئے۔ کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ فوج کو سول انتظامیہ کی مدد کے لئے آنا چاہئے؟

جواب ۔ دیکھیں آپ کسی طرح بھی آئیں۔ مارشل لاء اسی وقت نافذ ہوتا ہے جب حالات غیر معمولی حد تک خراب ہو جائیں۔ تمام حالات میں نہیں کہ کوئی فوجی کھڑا ہو جائے کہ اس تمام حالات میں نہیں کہ کوئی فوجی کھڑا ہو جائے کہ اس کے خیال میں حالات خراب ہیں اس لئے مارشل لاء نافذ کر دیا جائے۔ ہمارے ملک میں تو اب مارشل لاء کا نفاذ ایک رسم سی ہو گئی ہے۔

سوال ۔ ہمارے ملک میں تین بار مارشل لاء لگائے گئے ہیں۔ ہر بار کمانڈر نے یہی بات کہی ہے کہ ہم مختصر مدت کے لئے آئے ہیں لیکن تینوں نے اپنے دور کو طول دینے کے لئے ہر حربہ اختیار کیا پھر legitimacy کی تلاش شروع کر دی جاتی ہے؟

جواب ۔ یہ تو انسانی فطرت ہے کہ جب قوت و اقتدار ہاتھ میں آ جائے تو اس سے دست بردار ہونا نہیں چاہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہمارے ملک میں خوشامدیوں کا اتنا زور ہے کہ خوشامد کر کر کے اسے خدا بنا دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ اقتدار میں آ جانے کے بعد جنرل یہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ وہ ہی مسیحا ہیں۔ ان کے بغیر کاروبار حکومت نہیں چلے گا اور اسی لئے اپنے عمل کا قانونی جواز تلاش کرتے ہیں لیکن یہ غلط ہوتا ہے۔

سوال۔ وہ ہی کمانڈر جو اپنی تقریر میں سیاست دانوں کو حالات کے سلسلے میں مورد الزام ٹھہراتا ہے جب اپنی کابینہ تشکیل دیتا ہے تو ان ہی سیاست دانوں سے مدد لیتا ہے انہیں اپنے ساتھ ملاتا ہے؟

جواب ۔ اس لئے کہ ان کے بغیر چل نہیں سکتے ہیں۔ سویلین کو ساتھ ملانے کا ایک مقصد قانونی جواز تلاش کرنا بھی ہوتا ہے۔ مارشل لاء والے سمجھتے ہیں سویلین کو ساتھ ملانے کے بعد وہ legitimate ہو جاتے ہیں۔ بہر حال مارشل لاء ہر ملک کے لئے خراب ترین چیز ہوتی ہے۔ جمہوریت اپنی بد ترین شکل میں بھی بہتر ہوتی ہے۔

سوال ۔ آپ کون سے اقدامات تجویز کرتے ہیں کہ فوج کو آئندہ بار مارشل لاء کے نفاذ سے باز رکھا جا سکے؟

جواب ۔ ملک میں حقیقی معنوں میں منتخب حکومتیں ہوں۔ ایماندار حکومتیں ہوں اہلیت کی بنیاد پر کاروبار چلایا جائے۔ اداروں کو مستحکم کیا جائے اور ہمارے سیاست دان تنگ نظری چھوڑ دیں۔ ٹھیک ہے انہیں اپنی جماعت کے مفادات کا خیال رکھنا چاہئے لیکن ملک کا مفاد عزیز تر ہونا چاہئے۔ یہ سوچ نہیں ہونی چاہئے کہ اگر وہ اقتدار میں نہیں ہیں تو پھر ہر چیز خراب ہے اور وہ تخریب کاری کرنے سے بھی باز نہیں رہتے ہیں۔ صاف ستھرے انتخابات وقت پر ہوں۔ عدلیہ اپنا کاروبار آزادی کے ساتھ جاری رکھ سکے تو پھر ہم آئندہ مارشل لاء کے نفاذ کو روک سکتے ہیں اس طرح اگر تین چار انتخابات ہو جائیں تو ہم کسی نہ کسی مقام پر پہنچ جائیں گے۔

سوال ۔ معذرت کے ساتھ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا یہ صرف خوش فہمی نہیں ہے؟
جواب ۔ یہ خوش فہمی نہیں ہے بلکہ ملک کے ہر فرد کی یہی خواہش ہے کہ لیڈر شپ کو ایماندار ہونا پڑے گا۔ مخلص ہونا پڑے گا۔
سوال ۔ ۱۹۷۳ء کے آئین میں فوج کی مداخلت کو روکنے کے لئے ایک بندش عائد کی گئی تھی لیکن پھر بھی ۱۹۷۷ء میں مارشل لاء نافذ ہو گیا؟
جواب ۔ میں اب بھی ۱۹۷۳ء کے آئین کو موجودہ صورت حال کا بہترین حل تصور کرتا ہوں کہ وہ متفقہ آئین تھا۔ لیکن ۱۹۷۳ء کے آئین کی تدوین کرنے والوں نے ہی اس کا حلیہ بگاڑ دیا۔ میں جب ۱۹۷۳ء کے آئین کی بات کرتا ہوں تو میرا مطلب اس آئین سے ہوتا ہے جس میں کوئی ترامیم نہیں تھیں۔ آج جو لوگ ۱۹۷۳ء کے آئین کی بات کرتے ہیں وہ ان ترامیم کے خلاف نہیں بولتے جو آئین میں کر کے اس کا حلیہ بگاڑ دیا گیا۔ میں اب بھی سمجھتا ہوں کہ اس آئین سے بہتر کوئی اور دستاویز نہیں ہے۔
سوال ۔ یہ تو آپ آئین کے سلسلے میں بات کر رہے ہیں جب کہ میں اس مخصوص دفعہ کی بات کر رہا ہوں جو ۱۹۷۳ء کے آئین میں اس لئے رکھی گئی تھی کہ کوئی فرد بھی بزور قوت آئین کو معطل یا ختم نہ کر سکے؟
جواب ۔ آپ مجھ سے کیا پوچھتے ہیں۔ اس کے باوجود مارشل لاء نافذ کیا گیا تھا اس کی بدترین مثال تو عدلیہ نے نظریہ ضرورت قرار دے کر قائم کی تھی۔ مولوی تمیز الدین والا مقدمہ پہلا پتھر تھا۔ اس کے بعد کبھی ٹیڑھی دیواریں تو کبھی سیدھی دیواریں کھڑی کی جاتی رہی ہیں۔
سوال ۔ کسی بھی جنرل کے ذہن میں یہ بات کیوں آتی ہے کہ مقننہ' انتظامیہ' عدلیہ وغیرہ کی موجودگی کے باوجود وہ ملک کے حالات کو بہتر کر دے گا اور وہ اقتدار پر قبضہ کر لیتا ہے؟
جواب ۔ بات یہ ہے کہ جب یہ ادارے ظاہری طور پر ناکام ہونے لگتے ہیں تو جنرل اور فوج ہی واحد منظم ادارہ رہ جاتے ہیں۔ آپ ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء کو دیکھ لیں۔ سیاسی طور پر اس وقت ملک میں افراتفری تھی۔ غلام محمد غیر آئینی سربراہ تھے۔ اسکندر مرزا غیر آئینی سربراہ تھے جب آئین کی دھجیاں بکھیر دی جاتی ہیں تو جنرل کے ذہن میں یہ خیال آتا ہے کہ شائد وہ حالات کو درست کر دے گا اس کے پاس منظم قوت ہوتی ہے اور اس طرح وہ مداخلت کرتا ہے اور اقتدار پر قبضہ کر لیتا ہے۔ میں ۱۹۵۸ء میں جنرل ایوب خان کا اسٹاف افسر تھا اگر میں آپ کو نام بتاؤں کہ کن کن سیاست دانوں اور دوسرے لوگوں نے انہیں مبارک باد کے پیغامات اور تاریں روانہ کی تھیں تو آپ حیران اور پریشان ہو جائیں گے۔
سوال ۔ آپ کے خیال میں وزارت دفاع کے کردار سے آپ مطمئن ہیں؟
جواب ۔ ملک میں کوئی ایک وزارت بھی بہتر کارکردگی نہیں دکھا رہی ہے۔ صرف وزارت

دفاع کا ہی ذکر کیوں۔
سوال۔ صدر ضیاء الحق کہتے ہیں کہ وہ
فوج اور پارلیمینٹ کے درمیان 'پل کا کام کر رہے ہیں آپ کا کیا تبصرہ ہے؟
جواب ۔ یہ تو ان ہی سے پوچھیئے کہ پل ہیں یا کیا ہیں۔ میں اس سلسلے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا ہوں۔
سوال ۔ آپ کے خیال میں فوج کا کیا کردار ہونا چاہیئے؟
جواب ۔ فوج کا کردار بہت واضح ہے کہ وہ سرحدوں کی حفاظت کریں۔
سوال ۔ کیا فوج کو اس طرح کا کوئی ایسا کردار نہ دیا جائے کہ وہ حکومت کے درمیان کوئی کام انجام دے؟
جواب ۔ نہیں۔ بالکل نہیں۔ فوج کا کردار بہت واضح ہے۔ ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنے کے ساتھ ساتھ اس آئین کا تحفظ بھی کرے جس کے تحت وہ حلف اٹھاتے ہیں۔ یہ جمہوریت جو ہمارے ملک میں نافذ ہے اس میں فوج کا صرف اور صرف آئینی کردار ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنے سے زیادہ نہیں ہونا چاہیئے۔
سوال ۔ ہمارے ملک میں جنرلوں کا سیاست میں حصہ لینے کے رجحان کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟
جواب ۔ جنرل اگر اپنی وردی میں نہیں ہے وہ بھی ملک کے ایک عام شہری کی طرح ہے اور اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جو چاہیئے کرے اگر وہ ریٹائر ہو کر سیاست میں آتے ہیں تو کیا حرج ہے۔ بھارت میں فلمی اداکار وغیرہ سیاست میں آرہے ہیں۔ جب تک جنرل وردی میں ہے اسے سیاست سے دور رہنا چاہیئے۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے۔
(یہ انٹرویو ۳۰ر جون ۱۹۸۷ء کو اسلام آباد میں ریکارڈ کیا گیا)

ذوالفقار علی خان۔

"...... عوام میں اتنا شعور ہو، اتنی تعلیم ہو، تمام سیاسی جماعتیں آپس میں بیٹھ کر طے کرلیں کہ ہم یعنی جو اقتدار میں ہوں یا نہ ہوں، سیاسی معاملات کو خود آپس میں طے کریں گے لیکن اگر فوج نے مداخلت کی تو ہم رائے عامہ کو ان کے خلاف ہموار کریں گے۔ اگر فوج کو یہ یقین ہو جائے کہ سیاسی جماعتوں میں رائے عامہ ہموار کرنے کی قوت ہے اور مزاحمت کا خطرہ بھی ہو تو وہ کبھی بھی ایسا نہ کریں۔"

ذوالفقار علی خان

سابق سربراہ پاکستان ایئرفورس، سفیر متعین امریکہ (بے نظیر دور) (ایئر چیف مارشل ریٹائرڈ)

ایئر چیف مارشل ذوالفقار علی خان پاکستان ایئرفورس کے پانچویں سربراہ رہے ہیں۔ ۱۹۷۷ء کے مارشل لاء کے وقت بھی ملازمت پر موجود تھے۔ جب پیپلز پارٹی کی حکومت ملک کے بعض شہروں میں مارشل لاء نافذ کر کے حالات پر قابو پانا چاہتی تھی تو ایئر چیف مارشل نے نہ صرف مخالفت میں تجویز دی تھی بلکہ اس امکان کو ناممکن قرار دیا تھا کہ پشاور میں ایئرفورس کے ملازمین مارشل لاء ڈیوٹی انجام دیں گے۔ چیف آف ایئر اسٹاف ذوالفقار علی خان کو ان کی مدت ملازمت میں توسیع ملی لیکن جنرل ضیاء الحق کے ساتھ بعض اہم ملکی معاملات پر ان کے ہمیشہ اختلافات رہے۔ ایئر چیف اپنی سوچ کے اعتبار سے مارشل لاء کے نفاذ کے مخالف ہیں اور شائد یہی وجہ ہے کہ پیپلز پارٹی کی قیادت کے ساتھ ان کے قریبی مراسم ہیں۔ پیپلز پارٹی کی شریک چیئرمین نے جب معروف امریکی سیاست دان اسٹیفن سولارز سے ۷۰ کلفٹن میں ملاقات کی تھی تو ذوالفقار علی خان بھی موجود تھے۔

علی حسن ۔ آپ کے خیال میں مارشل لاء کیا ہوتا ہے اور یہ کن حالات میں نافذ کیا جاتا ہے؟

ایئر چیف مارشل ذوالفقار علی خان ۔ بعض اوقات ملک میں ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں جن میں سول حکومت اور انتظامیہ ناکام ہو جاتی ہے اور سیاسی بے چینی اور افراتفری پیدا ہو جاتی ہے تو
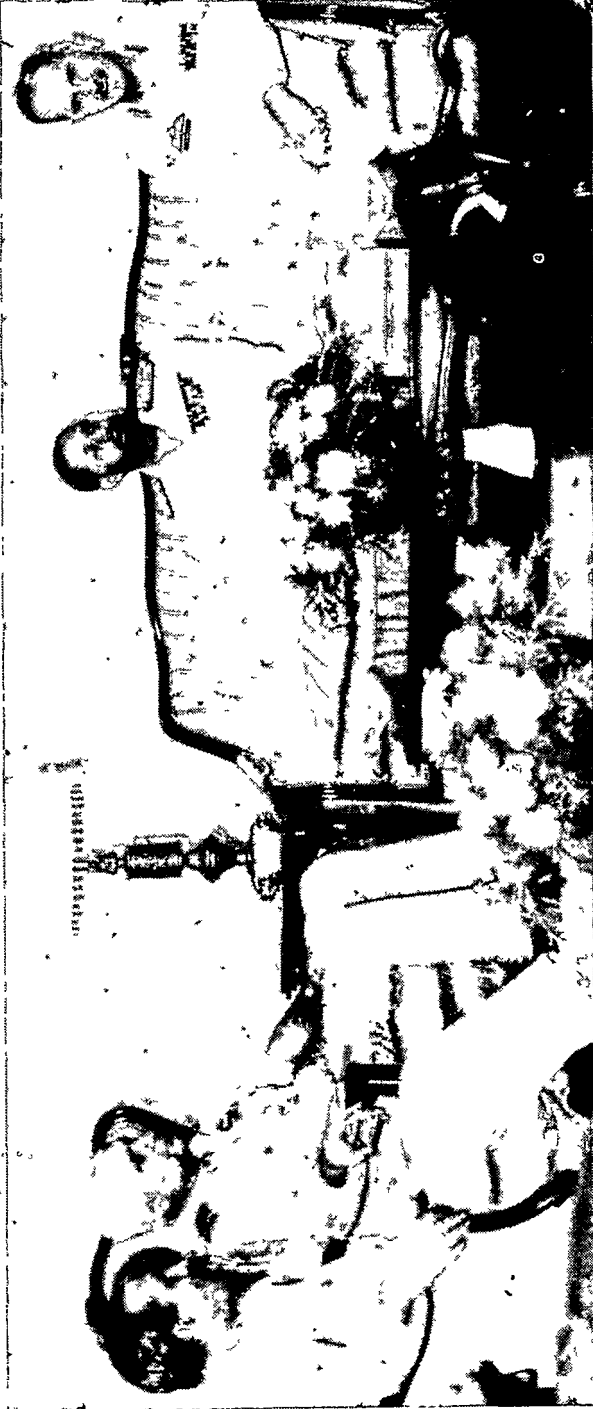
مارشل لاء ۱۹۷۷ء نافذ کرنے والی فوجی کونسل کے ارکان تبادلہ خیال کر رہے ہیں۔

ایسے حالات میں فوج تھوڑی مدت کے لئے حکومت کا نظام سنبھال لیتی ہے۔ لیکن اب تیسری دنیا کے ممالک میں مارشل لاء ایک مستقل نظام حکومت کی صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ جیسا کہ آپ کو علم ہو گا جب ہمارے ملک میں پہلی مرتبہ مارشل لاء لگا تو اس کا مقصد یہی تھا۔ دوسرا مارشل لاء تو اس وقت ختم ہوا جب آدھا ملک ہی علیحدہ ہو گیا۔ اب تیسرا مارشل لاء آٹھ سال رہا۔ اب جو سول حکومت ہے وہ بھی حالات کا تقاضہ تھی یہ ایک facade ہے۔ اس فوجی حکومت کا۔ ہمیں اقتصادی امداد کی ضرورت تھی۔ امریکہ امداد کی ضرورت تھی اور دوسرے یورپی ممالک سے اقتصادی امداد کی ضرورت تھی۔ ان ملکوں کی حکومتوں کے لئے جو کافی لبرل ہوتے ہیں مشکل ہو گیا تھا کہ ہمیں کس طرح اقتصادی اور فوجی امداد دیں سو اس لئے یہ سب کچھ جو غیر پارٹی بنیادوں پر ہوا ایک facade کیا گیا۔ جیسے جیسے حالات رخ اختیار کر رہے ہیں یہ بات واضح ہوتی جا رہی ہے۔ جب وزیر اعظم اور اسپیکر کا معاملہ ہوا تو آپ کو پورا احساس ہو گیا ہو گا کہ حکومت کون کر رہا ہے۔ یہ جو آج کل کہتے ہیں کہ ہم نے مارشل لاء اٹھایا۔ اصل میں مارشل لاء کا اٹھایا جانا اس کے لئے ایک facade تیار کرنا تھا جو فوجی حکومت کے لئے ناگزیر ہو گیا تھا۔ کچھ وقت کے بعد ہر جگہ ایسا ہی ہوتا ہے کیونکہ ان کو یہ سول facade دینا پڑتا ہے۔ بین الاقوامی طور پر حیثیت تسلیم کرانے کے لئے ایسا کرنا ہی پڑتا ہے۔ کیوں کہ تیسری دنیا کے ممالک اقتصادی طور پر کمزور ہوتے ہیں اور انہیں اقتصادی امداد کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ امداد دینے والے ممالک میں زیادہ تر جمہوری نظام حکومت ہوتا ہے تو ان حکومتوں کے لئے اپنے عوام کو جواب دہی کے لئے ایسا کرنا پڑتا ہے۔ میرے خیال میں ریگن حکومت نہیں بلکہ ارکان کانگریس کو مطمئن کرنے کے لئے ضروری تھا کہ سول حکومت قائم کی جائے۔ لیکن ہمارے ملک میں جس طرح یہ سب کچھ ہوا ہے وہ کسی کے لئے بھی قابل اطمینان نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ دعویٰ تو یہ ہے کہ مارشل لاء اٹھا لیا گیا ہے لیکن دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا ملک ہو گا جہاں چیف آف آرمی اسٹاف سربراہ مملکت بھی ہو اور سربراہ حکومت چیف آف آرمی اسٹاف کے ماتحت ہو حالانکہ وہ وزیر دفاع بھی ہے۔

سوال ۔ جو ممالک ہمیں اقتصادی اور فوجی امداد دیتے ہیں اور جہاں حکومتیں جمہوری نظام کے تحت قائم بھی ہیں۔ وہ یہ بات کیوں نہیں سمجھتے کہ یہاں سول حکومت ایک دھوکہ ہے فریب ہے؟

جواب ۔ ان کو اس چیز سے اتنا غرض نہیں ہوتا ہے۔ ان کے اپنے بین الاقوامی مفادات ہوتے ہیں۔ پاکستان کی مثال لیں یہاں امریکی مفاد ہے۔ امریکہ کو اپنی افغان پالیسی پر عمل کرنے کے لئے پاکستان کا تعاون ہر حال میں درکار ہے۔ دوسرے یہ کہ امریکہ کو خلیج اور مشرق وسطیٰ میں اپنے مفادات کا تحفظ کرنا ہے۔ یہ صرف تیل کا معاملہ نہیں جیسا کہ عام طور لوگ سوچتے ہیں۔ یہاں امریکہ کے دو بنیادی مفادات ہیں جن کے لئے اسے ہر حال میں پاکستان کا تعاون درکار ہے۔

بری فوج کے سربراہ جنرل ٹکا خان اور ایئر فورس کے سربراہ ایئر چیف مارشل ایک سرکاری عشائیہ میں:

میزبان ذوالفقار علی خان مہمان ضیاء الحق کا خیر مقدم کر رہے ہیں۔

ایسی صورت میں معمولی سی بھی تبدیلی ان کے لئے قابل قبول ہوتی ہے۔ کیوں کہ یہ ان کے مفاد کا تقاضہ ہوتا ہے۔ اور ان کے مفاد میں ہوتا ہے۔

سوال ۔ اگر ترقی یافتہ جمہوری ممالک یہ طے کرلیں کہ تیسری دنیا میں صحیح جمہوریت ہونی چاہیئے تو کیا یہ مدد نہیں کرسکتے؟

جواب ۔ اگر آپ اس طرح سوچتے ہیں تو میں سمجھتا کہ آپ حقیقت پسند نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ تو اپنے اپنے مفادات کی بات ہوتی ہے۔ ایک کمیونسٹ کی خواہش اور کوشش ہوتی ہے کہ ہر ایک کمیونسٹ ہو جائے ایک ڈیموکریٹ کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ ہر ایک ڈیموکریٹ ہو لیکن یہ ذہن میں رکھیں کہ نظریات تو اپنے اپنے مفادات کے لئے ہوتے ہیں۔ دیکھیں کہ ٹراٹسکی نے انقلاب کو دوسرے ممالک میں پھیلانے کی بات کی لیکن لینن نے انکار کر دیا۔

دوسری جنگ عظیم میں ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی کو دیکھیں۔ ہندوستان کی تمام سیاسی جماعتیں مصر تھیں کہ برطانیہ جب تک ہندوستان کی آزادی کا اعلان نہیں کرے گا جنگ میں اس کی مدد نہیں کی جائے گی لیکن اسٹالن نے کمیونسٹ پارٹی کو پیغام بھیجا کہ برطانیہ کی حمایت کریں۔ اسی طرح جب قومی مفادات کا ٹکراؤ ہوا تو چین جو خود بھی کمیونسٹ ملک ہے کی شدید مخالفت کی گئی۔ اٹلی کی کمیونسٹ پارٹی کو کر دیا گیا۔ دوسری طرف دیکھیں یوگوسلاویہ جو ایک کمیونسٹ ملک ہے۔ لیکن امریکہ اقتصادی امداد دیتا ہے۔ ہم کسی ایک کو بھی مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتے کیونکہ ہر ایک کے قومی مفاد کا تقاضا ہوتا ہے۔ اس موقع پر بھی چرچل کا وہ مشہور جملہ یاد آتا ہے کسی نے اس سے پوچھا کہ تم تو روس اور کمیونسٹوں کے شدید مخالف تھے اب کیا ہو گیا ہے؟ اس نے پارلیمینٹ میں جواب دیا تھا کہ

If Hilter invaded Hell, I would make atleast a favourable reference to the Devil in the House of Commons.

یہ لوگ جمہوریت سے اسی حد "کمیٹیڈ" ہیں جہاں تک ان کا اپنا اور اپنی طرز زندگی کا تعلق ہے۔ ایک حد تک تو انہیں سب کچھ تسلیم ہے لیکن وہ اپنے قومی مفادات کو صرف اس لئے نقصان نہیں پہنچا سکتے کہ دوسرا ملک جمہوری نہیں ہے۔

سوال ۔ مگر یہاں تو فوج کے چیف کے حکم پر مارشل لاء لگا دیا جاتا ہے۔ ہر تجربہ ناکام ہوا ہے ہر مارشل لاء سے ہم پیچھے گئے ہیں۔؟

جواب ۔ جہاں تک ہمارا ملک ہے اور تیسری دنیا کے دوسرے ممالک ہیں جہاں فوجی حکومت آتی رہتی ہیں۔ اب مارشل لاء کا کلاسک تصور باقی نہیں رہا ہے۔ جو ایک فائر انجن کا تصور ہوتا ہے۔ یعنی آگ لگی تو آگ کو بجھانے کے لئے آگیا اور اپنا کام کر کے واپس چلا گیا۔ باقی کام سول حکومت کرے۔ آپ پاکستان کی مثال لیں۔ پاکستان ۱۹۴۷ء میں وجود میں آیا۔ بابائے قوم کا

تھوڑے عرصہ بعد انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اقتدار نوکر شاہی کے ہاتھ میں چلا گیا۔ غلام محمد' اسکندر مرزا' چوہدری محمد علی یہ تمام لوگ بنیادی طور پر نوکر شاہی کے لوگ تھے۔ یہ لوگ بنیادی طور پر سیاسی رہنما نہیں تھے جو حالات کو کنٹرول کرتے۔ کچھ اچھے تھے' کچھ اچھے نہیں تھے۔ میں یہاں پر ان لوگوں کی خصوصیات اور خامیوں کا تذکرہ نہیں کر رہا ہوں۔ خامیوں اور صفات کی بات نہیں کر رہا ہوں بلکہ ایک نظام کی بات کر رہا ہوں۔ سیاست دانوں کو موقع ہی نہیں دیا گیا۔ میں پھر یہ بات نہیں کہہ رہا ہوں کہ وہ تمام کے تمام بہت قابل اور اہل تھے۔ لیکن ۱۹۵۸ میں مارشل لاء نافذ ہو گیا۔ نوکر شاہی نے فوج کے تعاون سے ملک پر مکمل قبضہ کر لیا۔ اب دیکھیں کہ ایوب خان وزیر دفاع ہو گئے حالانکہ کمانڈر انچیف بھی تھے۔ پھر نوکر شاہی اور فوج حکومت کرتے رہے۔

سوال ۔ لیکن ۱۹۵۸ء سے قبل تو سیاست دان اقتدار میں رہے؟

جواب ۔ میں یہی بات کہہ رہا ہوں کہ ۱۹۵۸ء سے قبل تمام عرصہ سیاست دان اقتدار میں نہیں رہے۔ حکومت سیاست دانوں کی نہیں تھی۔ نوکر شاہی اقتدار میں تھی۔

سوال ۔ کیا آپ نہیں سمجھتے کہ سیاست دانوں نے یہ موقع فراہم کیا؟

جواب ۔ دیکھیے میں نہیں کہتا کہ سیاست دانوں کا قصور نہیں ہے۔ قائداعظم کے بعد میں کسی کو "ریگارڈ" نہیں کرتا۔ ان کے بعد نوکر شاہی نے بہت اہمیت حاصل کر لی تھی۔ یہ ایک نیا ملک تھا۔ سیاست دانوں کو موقع ملنا چاہیئے تھا۔ نوکر شاہی نے فوری طور پر قبضہ کر لیا۔ بھارت کو

نجی محفل میں قومی معاملات اور حکومتی امور پر گفتگو۔ ضیاء الحق' ذوالفقار علی خان کو کسی مسئلہ پر سمجھا رہے ہیں۔ ایڈ مرل شریف ضیاء الحق کے ایکشن پر محظوظ ہو رہے ہیں۔

دیکھیں ان کے پاس لیڈر تھے۔ انہوں نے جدوجہد کی۔ ان کی جدوجہد کی ایک طویل تاریخ ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک میں ایسا نہیں ہوا۔ اگر قائداعظم زندہ رہتے تو صورتحال مختلف ہوتی۔

سوال ۔ معاشرے میں گروہ اور گروپ ہوتے ہیں جو ایک دوسرے پر اثرانداز ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کو "ڈکٹیٹ" کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سیاست دانوں کو حکومت چلانی ہوتی ہے ملک چلانا ہوتا ہے وہ کیوں "ڈکٹیٹ" ہو جاتے ہیں۔

جواب ۔ وہ "ڈکٹیٹ" اس لئے ہو گئے کہ آپ کے پاس ادارے نہیں تھے۔ آپ ترقی یافتہ ممالک کی بات کرتے ہیں وہاں ہر گروہ یا گروپ کا اپنا مقام ہوتا ہے۔ نوکر شاہی سیاست دانوں کی جگہ نہیں لیتی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ وہ سیاست دانوں کی جگہ نہیں لے سکتے۔ فوج اپنی ذمہ داریوں کے دائرہ کار سے اچھی طرح واقف ہوتی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے تیسری دنیا کے ممالک میں ایسا نہیں ہوتا ہے۔ وہاں ہر ایک اپنی ذمہ داری کے دائرے میں کام کرتا ہے۔ وہاں ادارے اتنے مستحکم ہیں کہ کوئی ایک گروہ یا گروپ دوسرے گروہ یا گروپ کو دبانے کی کوشش نہیں کرتا ہے۔

سوال ۔ جب مارشل لاء نافذ کیا جاتا ہے تو کیا ایئرفورس کے سربراہ کو اعتماد میں لیا جاتا ہے یا کیا طریقہ کار ہوتا ہے؟

جواب ۔ میرے خیال میں ایئرفورس کے سربراہ کو کبھی اعتماد میں نہیں لیا گیا ہے۔ یہ فیصلہ صرف بڑی فوج کا ہوتا ہے۔

سوال ۔ آپ لوگ بھی ایک عام شہری کی طرح ریڈیو پر خبر سنتے ہیں؟

جواب ۔ میرے معاملے میں ریڈیو نہیں بلکہ جنرل ضیاء تھے جنہوں نے اطلاع دی تھی۔

سوال ۔ انہوں نے آپ کو اقتدار پر قبضہ کے بعد مطلع کیا تھا؟

جواب ۔ جی ہاں۔

سوال ۔ ایسی صورت میں اگر ایئرفورس یا نیوی انکار کر دے کہ ہم آپ کے کھیل میں حصہ دار نہیں ہیں؟

جواب ۔ کچھ بھی نہیں ہو گا وہ تو اپنا کام پھر بھی کریں گے۔ ویسے بھی مارشل لاء میں ڈیوٹی میں ہمارا حصہ ہی کتنا ہوتا ہے۔

سوال ۔ لیکن کابینہ میں تو تھے۔

جواب ۔ کابینہ میں تو سروس کی برائے نام نمائندگی ہوتی ہے۔ آپ کا اشارہ ایئرمارشل انعام الحق کی طرف ہے (موصوف جنرل ضیاء کی فوجی کابینہ میں وزیر تھے) بصورت دیگر انہیں ہماری مدد کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ بڑی فوج اور ہوائی فوج کی تعداد میں کتنا بڑا اور واضح فرق ہے۔ پھر ہمیں ہوا میں کارروائی کرنے کی تربیت ہوتی ہے زمین پر نہیں۔ اگر ہم تعاون نہ کریں تو کچھ بھی

فرق نہیں پڑے گا۔ آپ نے ایک آدمی کا حوالہ دیا اگر وہ نہ ہوتا تو پھر بھی کوئی فرق نہیں پڑتا مارشل لاء کو۔

سوال:۔ آپ کے ذہن میں مارشل لاء کے بار بار نفاذ کی روک تھام کے لئے کیا تجاویز ہیں۔ جو پابندی آئین کے ذریعے نافذ کی گئی تھی وہ بھی ناکام رہی ہے؟

جواب ۔ قانون تو بنانے پڑتے ہیں اگر کوئی خلاف ورزی کر دے تو علیحدہ بات ہے۔ اس میں قانون کی کوئی خرابی نہیں ہوتی۔ اصل سوال ہے کہ قانون پر عمل در آمد کس طرح ہو۔ میں نے یہ عرض کیا ہے کہ جن ممالک میں ایک مرتبہ مارشل لاء نافذ ہو گیا ہے وہاں اس سوال کا جواب اتنا آسان نہیں ہوتا ہے۔ ان ممالک میں گروہ بن جاتے ہیں مثلاً نوکر شاہی عدلیہ وغیرہ جیسے ہی مارشل لاء نافذ ہوتا ہے پہلے کورس میں سب اس کا دفاع کرتے ہیں ان ہی لوگوں نے نظریہ ضرورت کا نام دیا ان ہی لوگوں نے اسے "لیجیٹیمیٹ" کرنے کی کوشش کی۔ نوکر شاہی فوج کے ساتھ پوری طرح تعاون کرتی ہے حالانکہ اس کے تعاون کے بغیر یہ کبھی بھی نہیں چل سکتے۔ بعض سیاسی گروہ جو انتخابات میں تو منتخب نہیں ہو سکتے تعاون کرتے ہیں اگر سویلین حکومت آجائے تو یہی گروپ اس کے ہٹانے کے لئے متحرک ہو جاتے ہیں۔ وہ آرمی سے کہتے ہیں کہ تم "ٹیک اوور" کرو یہ ملک کا ستیاناس کر رہے ہیں یہ ایک vicous circle سا بن جاتا ہے۔ اس کو توڑنے کے لئے انتہائی مقبول سیاسی جماعت کی ضرورت ہے۔ جو رائے عامہ کو ہموار اور بیدار کرنے کی قوت رکھتی ہو۔ جس لمحہ مارشل لاء نافذ ہو وہ رائے عامہ کو ہموار کرے اور سڑک پر نکل آئے۔

سوال ۔ کیا آپ کو اس سطح پر اس طرح رائے عامہ ہموار کرنے والی کوئی جماعت نظر آتی ہے۔ اور ایسا ہوتا نظر آتا ہے؟

جواب ۔ میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ ایسا ہو سکتا ہے یا نہیں بلکہ آپ نے مجھ سے سوال کیا ہے کہ مارشل لاء کے نفاذ کو کیسے روکا جا سکتا ہے۔ میں تو آپ کو طریقہ بتا رہا ہوں۔ عوام میں اتنا شعور ہو اتنی تعلیم ہو تمام سیاسی جماعتیں آپس میں بیٹھ کر طے کر لیں کہ ہم یعنی جو اقتدار میں ہوں یا نہ ہوں سیاسی معاملات کو ان کے خلاف آپس میں طے کریں گے لیکن اگر فوج نے مداخلت کی تو ہم رائے عامہ کو ان کے خلاف ہموار کریں گے۔ اگر فوج کو یہ یقین ہو جائے کہ سیاسی جماعتوں میں رائے عامہ ہموار کرنے کی قوت ہے اور مزاحمت کا خطرہ بھی ہے تو وہ کبھی بھی ایسا نہ کریں۔

سوال ۔ کیا آپ کی مراد مضبوط اداروں سے ہے؟

جواب ۔ میں اس وقت اداروں کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ میں تو صرف رائے عامہ ہموار کرنے اور مضبوط رائے عامہ کی بات کر رہا ہوں آج دیکھیں کہ کئی لوگ مارشل لاء کے خلاف بول

رہے ہیں۔ پریس میں بھی، ان کی دائیں اور بائیں کی طرف جھکاؤ کے باوجود، اس موضوع پر بحث چل رہی ہے تو صرف اس بات کا کریڈٹ دے رہا ہوں کہ کم از کم ان موضوعات پر اظہار خیال تو ہو رہا ہے۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ لوگوں میں شعور آ رہا ہے۔ اس صورتحال سے آپ اچھائی کی توقع کر سکتے ہیں۔ اس ملک کی یکجہتی کی خاطر اس شعور کو زیادہ سے زیادہ عام ہونا چاہئے۔ اگر آپ کوئی فارمولا پوچھ رہے ہیں تو کافی مشکل ہے۔ یہ ایک طویل بحث طلب موضوع اور مسئلہ ہے۔ اس کی وجہ سے ملک میں دو گروہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ میرے خیال میں ایسی سیاسی جماعتیں ہونی چاہئے جو فوجی حکومت کے خلاف انتخابات میں کامیابی حاصل کر سکے ورنہ سیاسی جماعتیں تو صرف "لپ سروس" کرتی ہیں۔ وہ درحقیقت فوجی حکومت سے مفادات حاصل کرتے ہیں کابینہ میں نمائندگی لیتے ہیں۔ اسی طرح وکلاء اور پریس عمومی طور پر میں سب کے لئے نہیں کہہ رہا ہوں، فوجی حکومت کے خلاف ہوتے ہیں۔ لیکن نوکر شاہی اور عدلیہ ان کی حمایت کرتے ہیں اور ایسی سیاسی جماعت جو انتخابات میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتی ہیں فوجی حکومت سے تعاون کرتی ہیں اسے سپورٹ کرتی ہیں۔

سوال ۔ ۱۹۷۱ء میں آپ کی کیا پوزیشن تھی؟

جواب ۔ میں ہیڈ کوارٹر میں ڈائرکٹر آپریشنز تھا۔

سوال ۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۹۷۱ء کی جنگ میں سیاست دانوں کی وجہ سے شکست ہوئی جبکہ سیاست دان فوج اور ہوائی فوج کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ ؟

جواب ۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر آپ خود تجزیہ کریں تو دیکھیں گے کہ سیاست دانوں کا تو کوئی دخل ہی نہیں کیونکہ طویل فوجی رول نے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے جن کے نتائج اس صورت میں نکلے۔ مشرقی پاکستان alienation ہو چکا تھا۔ میں آپ کو ایک بات صاف صاف اور واضح الفاظ میں بتاتا ہوں کہ فوج کی قوت کا بنیادی دارومدار اس بات پر ہوتا ہے کہ اسے عوام کا تعاون اور معاونت کس حد تک حاصل ہے۔ اگر عوام کی معاونت نہیں ہے تو فوج جنگ نہیں لڑ سکتی ہے آپ ویت نام میں دیکھیں۔ امریکہ نے پانچ لاکھ فوج بھیجی تھی اور ساؤتھ ویت نام کی فوج بھی تعاون کر رہی تھی لیکن عوام کا تعاون نہیں تھا۔ اسی طرح الجیریا میں تین لاکھ فوج بھیجی گئی تھی کیا نتیجہ نکلا۔ یہ کہنا کہ ایئر فورس کی غلطی تھی یا سیاست دانوں کی غلطی تھی یکسر غلط ہے۔ درحقیقت ۱۹۵۸ء سے آپ کے ملک میں فوجی حکومت تھی اور ملک ۱۹۷۱ء میں ٹوٹ گیا۔ آپ کو تو اس شخص پر الزام عائد کرنا چاہئے جس کے ہاتھ میں اقتدار تھا۔ باقی جو مرضی آئے کہتے رہیں۔ اس کی مثال اس طرح لیں کہ میں ایئر فورس کا سربراہ تھا۔ اگر کسی اچھائی کا کریڈٹ میں لے رہا ہوں تو خرابی کی ذمہ داری بھی مجھ پر ہی عائد ہونی چاہئے۔ بات سیدھی سی تھی کہ بنگالیوں نے طے کر لیا تھا کہ وہ پاکستان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتے تھے۔ ان کی اکثریت نے فیصلہ کر لیا تھا یہ فیصلہ اس لئے

کرلیا تھا کہ انہیں کبھی بھی صحیح نمائندگی نہیں دی گئی تھی۔
سوال ۔ آپ کا خیال ہے کہ بنگالیوں کی اکثریت پاکستان سے اکتا چکی تھی؟
جواب ۔ اس بات میں مجھے قطعاً کوئی شک نہیں ہے۔ مشرقی پاکستان میں علیحدگی کے رجحانات شدت اختیار کر گئے تھے جن کے باعث ہمیں شکست سے دوچار ہونا پڑا اور یہ سب کچھ ملک میں طویل فوجی حکومت کا براہ راست نتیجہ تھا۔
سوال ۔ کیا ملٹری کے رول کے وجہ سے علیحدگی کے رجحانات کو روکا نہیں جا سکتا ہے؟
جواب ۔ ایسا ہو جاتا ہے کیونکہ alienation ہو جاتی ہے اور alienation علیحدگی کے رجحانات کو پروان چڑھاتا ہے۔ نتائج تو آپ کے سامنے ہیں۔
سوال ۔ آپ ۱۹۷۱ء میں ڈائرکٹر آپریشنز تھے کیا آپ ایئرفورس کی کارکردگی سے مطمئن تھے۔؟
جواب ۔ میں مطمئن ہونے کا لفظ استعمال نہیں کروں گا کیونکہ کارکردگی کو بہتر تو ہمیشہ بنانے کی گنجائش رہتی ہے (۱۹۷۱ء میں ہم جن حالات میں جنگ لڑ رہے تھے وہ ۱۹۶۵ء کے حالات سے بالکل مختلف تھے۔ ۱۹۶۵ء میں ہم ایک متحد قوم تھے ایک متحد ملک تھے۔ جیسا میں نے کہا کہ فوج کی قوت بٹ چکی تھی اس کی پشت پر متحد قوم نہیں تھی۔ پھر بھی ہم ان حالات میں اچھا لڑے تھے۔ جنرل یگر (General Yeager) کیا کہتے ہیں؟ وہ کہتے ہیں کہ ایئرفورس نے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ دیکھیں ہم نے کتنے بم گرائے۔ اور انہوں نے کتنے بم گرائے۔ ہم نے ان کے کتنے جہاز گرائے انہوں نے ہمارے کتنے جہاز گرائے۔ پھر یہ بتائیں کہ کراچی اور لاہور پر کتنے بم گرائے تھے۔ ۱۹۷۱ء میں کل آٹھ بم گرائے گئے تھے پاکستان پر۔ پھر آپ دیکھیں کہ ہم ایک ایسی ایرء فورس سے لڑ رہے تھے جو دنیا میں چوتھے نمبر پر ہے ہمارا تناسب ایک اور چار کا تھا۔ وہ سائز میں ہم سے بڑی فوج تھی۔ ہماری بری فوج کا تناسب بھارت کی فوج سے ایک اور دو کا ہے۔ جبکہ بحریہ کا تناسب تو اور بھی خراب ہے۔ میں یہ دلائل اور جواز معذرت کے طور پر پیش نہیں کر رہا ہوں بلکہ حقائق بیان کر رہا ہوں۔ آپ یہ بھی دیکھیں کہ بھارتی طیاروں کی وجہ سے کراچی اور لاہور میں کتنا نقصان ہوا تھا۔ اور دوسرے ممالک کی جنگوں میں جو بہر حال ہم سے زیادہ بہتر طور مسلح تھے ان کا جنگوں میں کیا حشر ہوا ہے۔ ان کے شہروں کا کیا حشر ہوا ہے۔ آپ نارتھ ویت نام کی مثال لے لیں۔ وہاں دوسری جنگ عظیم میں گرائے جانے والے کل بموں سے زیادہ بم گرائے گئے تھے۔ جنگ میں تو بم ہی گرتے ہیں لوگ بھی مرتے ہیں اور یہ سوچنا کہ ایئرفورس اپنے سے چار گنا زیادہ بڑی فورس کے تمام جہازوں کو روک لیتی ہے ناممکن بات ہے۔ جنگ میں سب کچھ ہوتا ہے۔

سوال ۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ بھارت سے جو ہم "نووار" پیکٹ کرنا چاہتے ہیں کیا وہ ہمارے مفاد میں ہے؟۔

جواب ۔ "نووار" پیکٹ کی بات تو علیحدہ ہے۔ آپ یہ یاد کریں کہ آپ بھی اقوام متحدہ کے رکن ہیں اور تمام ارکان کے درمیان معاہدہ ہے کہ وہ ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے۔ وہ مذاکرات کے ذریعے اپنے معاملات طے کریں گے۔ شملہ معاہدہ اور دوسرے معاہدے موجود ہیں "نووار" پیکٹ کوئی نئی بات تو نہ ہو گا لیکن ایک اور معاہدہ ہو گا۔ یہ کوئی جنگ نہ ہونے کی ضمانت نہیں ہو گا۔ اگر کوئی بھی فریق جنگ لڑنا چاہے تو اسے کون روک سکتا ہے۔

سوال ۔ آپ کہتے ہیں کہ ملک کو مارشل لاء کی وجہ سے نقصان ہوا ہے کیا کبھی آپ نے ملازمت کے دوران ان خیالات کا اظہار جنرل یا سی۔ ایم۔ ایل۔ اے کے سامنے کیا ہے۔ ؟

جواب ۔ دیکھیں یہ میری ذمہ داری نہیں تھی۔ ایک جونیئر افسر کی حیثیت سے بھی یہ ذمہ داری کا حصہ نہیں تھا۔ مجھے اپنے معاملات دیکھنے تھے۔ اسی طرح اگر ہوتا رہے تو پھر تو ہم سب ہاتھ چھوڑ کر بیٹھ جائیں گے اس کے بعد جب میں سروس چیف ہوا اور جو کچھ ہوا وہ یہ ہے کہ میں انتخابات کے انعقاد کا حامی تھا۔ میں لوگوں کی گرفتاریوں وغیرہ کے خلاف تھا۔

سوال ۔ کیا بھٹو صاحب کی پھانسی سے قبل آپ سے مشورہ کیا گیا تھا۔ ؟

جواب ۔ جی نہیں یہ بھی مجھے صبح کے وقت اطلاع ملی کہ انہیں پھانسی دے دی گئی ہے۔

سوال ۔ پھر تو آپ نے پھانسی کے بعد اپنی رائے دی ہو گی۔ !!

جواب ۔ جی ہاں۔

سوال ۔ کوئی ردعمل جو سی۔ ایم۔ ایل۔ اے نے ظاہر کیا ہو۔

جواب ۔ جی کوئی نہیں۔

سوال ۔ ہمارے ملک میں ایک رجحان ہے کہ فوجی ملازمت کے بعد سیاست میں آجاتے ہیں آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے۔ ؟

جواب ۔ میں اس صورت میں سیاست کرنے کے خلاف ہوں جب فوجی وردی میں ہوں کیونکہ ایسا کرنا نہ صرف فوج کے لئے بلکہ ملک کے لئے بھی تباہ کن ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص سول انتظامیہ یا فوج سے اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد سیاست میں شامل ہوتا ہے تو اس پر کوئی پابندی نہیں ہونی چاہئے۔ اگر وہ سمجھتا ہے کہ وہ سیاست کر سکتا ہے تو اسے کرنی چاہئے۔ اس طرح کی پابندی تو کسی بھی ملک میں نہیں ہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد وہ ایک عام شہری کی طرح ہوتا ہے۔ اگر وہ سیاست میں شامل ہوتا ہے تو یہ اس کا ذاتی معاملہ ہوتا ہے۔

سوال ۔ مسلح افواج کے سربراہوں کی تقرری سربراہ حکومت کے اختیارات کا حصہ ہوتا ہے۔ کیا یہ اس کی خواہش پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ جسے چاہے مقرر کر دے۔ ؟

جواب ۔ آپ اس کو خواہش تو نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ چیف ایگزیکٹو کا اختیار ہوتا ہے کہ وہ مسلح افواج کے سربراہوں کا تقرر کرے۔

سوال ۔ لیکن بہت سارے جنرلوں کو سپر سیڈ کرا دیتے ہیں۔ ؟

جواب ۔ ایسا ہر ملک میں ہوتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ایسا نہ کیا جائے۔ یہ ایک تقرری ہوتی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ جو سینئر ترین ہے اسے مقرر کر دیا جائے۔

سوال ۔ لیکن پڑوس میں تو ایسا نہیں ہوتا ہے۔

جواب ۔ جی بالکل ہوتا ہے۔ آپ کی معلومات یا خیال بالکل غلط ہے۔

سوال ۔ وہاں میرٹ کو مدنظر رکھتے ہیں۔

جواب ۔ میرٹ تو دوسری بات ہے لیکن "سپر سیشن" تو وہاں بھی ہوتا ہے۔ امریکہ میں برطانیہ اور سب ملکوں میں ہوتا ہے۔ چار پانچ افراد میں سے وہ ایک کا تقرر کرتے ہیں۔ یہ ان کا (وزیراعظم یا سربراہ حکومت) کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اس کے لئے ضروری نہیں ہے کہ چیف سینئر ترین شخص ہی ہو۔

سوال ۔ کیا آپ کے خیال میں ہمارے ملک میں جو تین بری فوج کے سربراہ بنے یعنی ایوب خان، یحیٰی خان اور ضیاء الحق مقرر ہوئے۔ یہ سربراہ حکومت کی مردم شناسی کی کمزوری نہیں تھی۔ ؟

جواب ۔ آپ جو چاہیں کہہ سکتے ہیں لیکن ملک کے اندر ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے جن کی وجہ سے انہیں "ٹیک اوور" کا موقع ملا۔ یہ بات بھی تو ہے۔

سوال ۔ میں یہی بات تو معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ مسلح افواج تو سول حکومت کا قانونی بازو ہوتی ہے اور کوئی بھی صورتحال ہو ان کے بارے میں یہ تصور کیا جاتا ہے کہ وہ سول حکومت کی تابع اور پابند رہیں گی۔

جواب ۔ یہ آپ نارمل حالات کی بات کر رہے ہیں۔ یہ تو آپ قانون کی بات کر رہے ہیں لیکن مارشل لاء تو سول لاء کی نفی اور خلاف ورزی ہوتا ہے۔ جب ایک جنرل سے پہلے مارشل لاء کے بعد کسی نے پوچھا کہ مارشل لاء کیا ہوتا ہے۔ تو اس نے کہا تھا کہ مارشل لاء کوئی قانون نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ کمانڈر کی whim ہوتی ہے۔

سوال ۔ کیا آپ نے بھی کسی کو "سپر سیڈ" کیا تھا۔ ؟

جواب ۔ نہیں جی۔

سوال ۔ آج ہماری ایئر فورس کی کیا پوزیشن ہے۔

جواب ۔ جو وسائل ہیں حالات ہیں ان میں بہترین سروس ہے اور اس کا سربراہ بھی بہت قابل

آدمی ہے۔ (اس وقت سربراہ احمد جمال خان تھے) ۔
سوال ۔ آپ کی نظر میں کیا وجوہات ہیں کہ بھارت میں نہ تو مارشل لاء کبھی لگتا ہے اور نہ ہی سروسز چیف کو ملازمت میں توسیع ملتی ہے۔ ؟
جواب ۔ ہمارے ملک کے حالات کچھ اس طرح کے رہے ہیں کہ یہاں مارشل لاء لگتا رہا ہے۔ اور کچھ خرابیاں مدت ملازمت مین توسیع کی وجہ سے بھی رہی ہیں۔ ہمارے ہاں بھی مدت ملازمت بھٹو صاحب نے تین سال کا کر دیا تھا اس سے پہلے چار سال کی مدت ہوتی تھی۔ جنرل ٹکا خان کی تقرری چار سال کے لئے ہوئی تھی جب کہ جنرل ضیاء الحق اور جنرل شریف کی تقرری تین تین سال کے لئے ہوئی تھی۔ بھارت میں بڑی سختی کے ساتھ اس اصول پر عمل کیا جاتا ہے۔ میں تو کہوں گا کہ جب ایک عمر کی اور مدت ملازمت کی ایک حد مقرر ہے ہر ایک کو پتہ ہونا چاہئے کہ یہ میرے ریٹائرمنٹ کی تاریخ ہے اس کے بعد سر کے بل بھی کھڑا ہوں گا تو توسیع نہیں ملے گی۔ اسی میں وہ آدمی تیار رہے گا۔ دوسری صورت میں وہ توسیع کے لئے ادھر ادھر بھاگتا رہتا ہے۔ پھر اسے غلط کام بھی کرنے پڑتے ہیں۔ لیکن ان کی مدت ملازمت کے دوران ان کی ملازمت کی شرائط اور تحفظات پر بھی سختی سے عمل ہونا چاہئے اس کے مفادات کا پوری طرح خیال رکھا جانا چاہئے۔ جن شرائط پر اس کی تقرری ہو اس پر سختی سے عمل ہونا چاہئے۔ یہ کہنا کہ وہ ناگزیر (انڈسپینسبل) ہے دیکھیں اگر کسی ادارے میں ناگزیر افراد آ جائیں تو وہ تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ اور پھر کسی نے یہ بھی کہا ہے کہ قبرستان ناگزیر افراد سے بھرے پڑے ہیں۔ ٹھیک ہے بعض لوگ بہت ہی قابل ہوتے ہیں، بہت ہی محنتی اور بہت خوبیوں کے مالک ہوتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ باقی افراد شرائط پر پورے نہیں اترتے ہیں۔ بھارت میں مارشل لاء نہ لگنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ ان کی سیاسی جماعتیں سیاسی ادارے اور سیاسی لیڈر شپ بہت مستحکم ہے۔ ان کی ایک "لانگ اسٹینڈنگ" ہے ان کے جن سیاسی رہنماؤں نے بھارت کی آزادی کی جدوجہد میں حصہ لیا تھا وہ سارے کے سارے زندہ رہے اور وہ لوگ بہت ہی قابل لوگ تھے۔
سوال ۔ اور ہمارے یہاں ؟
جواب ۔ میں موزانہ نہیں کر رہا ہوں۔ فرق تو صاف ظاہر ہے۔ لیکن صرف ان کے اوصاف کی بات کر رہا ہوں۔ یہ ان کا حق ہے کہ ان کی تعریف کی جائے کیونکہ انہوں نے نہ صرف آزادی کی طویل جدوجہد میں حصہ لیا، بلکہ انڈین نیشنل کانگریس جیسی مضبوط جماعت بنائی جس کی اپنی ایک طویل تاریخ ہے۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے بڑی اچھی مثالیں قائم کی ہیں۔
سوال ۔ کیا آپ پاکستان کی موجودہ جیو پولٹکل صورتحال کا تجزیہ کریں گے؟۔ آپ پاکستان کے مستقبل کے بارے میں کیا سوچتے ہیں؟۔
جواب ۔ میرے لئے کوئی واضح تجزیہ کرنا ذرا مشکل ہے لیکن پاکستان کی جیو پولٹکل صورتحال کا

جہاں تک تعلق ہے اس کے متعلق تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ تبدیلیاں تیزی سے آ رہی ہیں۔ ایک بڑی طاقت افغانستان پر قبضہ کر کے ہماری پڑوسی بن چکی ہے۔ چین ایک بڑی طاقت ہے جو ہمارا دوست ہے۔ بھارت جس کے ساتھ ہمارے تعلقات بہتر نہیں ہیں آبادی کے لحاظ سے دنیا کا دوسرا بڑا ملک ہے۔ افغانستان اور ایران بھی آپ کے پڑوس میں ہیں۔ اگر آپ دنیا کی کل آبادی کو دیکھیں تو آدھی آبادی اس ریجن میں ہے جہاں پاکستان قائم ہے۔ اسی علاقے میں دنیا کی بڑی مسلح افواج ہیں یعنی بھارت چین اور روس اور یہ سب پاکستان کے پڑوس میں ہیں پھر اس کے بعد اس ریجن میں آباد ممالک کے درمیان اپنے اختلافات موجود ہیں۔ روس اور چین کے درمیان بھارت اور پاکستان کے درمیان بھارت اور چین کے درمیان' افغانستان اور پاکستان کے درمیان' پھر پاکستان کے سرحدوں سے افغانستان میں آنے والی تبدیلی کے خلاف مزاحمت بھی جاری ہے۔ آج دنیا بھر میں لبنان وہ واحد ملک ہے جس کی سرحدوں کی بغیر کسی خوف کے بار بار خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ یہی حال ہماری سرحدوں کا ہے جو بہر حال ہمارے لئے تشویش کا باعث ہے۔ ایران عراق کی صورتحال بھی ہمیں اس لئے متاثر کرتی ہے کہ ایران ہمارا پڑوسی ہے۔ یہ صورتحال ہمارے لئے باعث تشویش تو ہے۔ روس اور افغانستان کے ساتھ ہمارے تعلقات بہتر نہیں ہیں بھارت کے ساتھ ہمارے تعلقات خراب ہیں یہ صورتحال بہر حال تکلیف دہ ہے۔

سوال ۔ آپ نے ہم سے سندھ کی صورتحال کے بارے میں سوال کیا تھا۔ آپ سندھ کے بارے میں تشویش کیوں محسوس کرتے ہیں؟۔

جواب ۔ اس علاقے سے امن و امان کی بگڑتی ہوئی صورتحال کی خبریں اور پھر سندھی' بلوچی' پشتون فرنٹ اور جئے سندھ تحریک کی سرگرمیاں تشویش میں تو مبتلا کرتی ہیں۔ یہ ساری صورتحال خوشگوار کیفیات کا نتیجہ تو نہیں۔ ہمیں اس صورتحال کو بہتر بنانا چاہئے۔ یہ صورتحال صرف قانون نافذ کرنے والے اداروں کی تعداد میں اضافے سے تو بہتر نہیں ہو سکتی۔ میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ ان کی ضرورت نہیں ہے لیکن میں جس بات کو زیادہ مناسب سمجھتا ہوں وہ یہ کہ ہمیں مسائل کا سیاسی حل تلاش کرنا چاہئے تاکہ صورتحال بہتر ہو سکے' حالات بہتر ہو سکیں' حالات نارمل ہو سکیں۔ میرے خیال میں زیادہ اہم یہ بات ہے کہ زیادہ قانون نافذ کرنے والے اداروں سے آپ صورتحال کو "سپریس" کر سکتے ہیں۔ کنٹرول نہیں۔ جبکہ آپ کو صورتحال کو کنٹرول کرنے کی سعی کرنا چاہئے نہ کہ "سپریس" کرنے کی۔ قانون نافذ کرنے والے ادارے صورتحال کو خراب تو کر سکتے ہیں بہتر نہیں۔

☆ (پاکستان فضائیہ کے سابق سربراہ ایئر چیف مارشل جناب ذوالفقار علی خان سے یہ گفتگو ان کی رہائش گاہ اسلام آباد میں ۳۱ر اکتوبر ۱۹۸۶ء کو ریکارڈ کی گئی) ۔ ☆

"......یہ سوچ غلط ہے کہ سیاست دان مسائل حل نہیں کر سکتے۔ مسائل صرف سیاست دان ہی حل کر سکتے ہیں یہ ایک لائف ٹائم کام ہوتا ہے۔ مارشل لاء نافذ کرنے والوں کو بہت جلد (سالوں میں نہیں) حکومت ان ہی لوگوں کو واپس دے دینی چاہیئے جن کا حق ہے۔"

محمد حسین انصاری

میجر جنرل (ریٹائرڈ)، رکن قومی اسمبلی (۱۹۸۸ء)، سابق ڈائریکٹر جنرل، ادارہ ترقیات لاہور

جنرل محمد حسین انصاری، ۱۹۸۸ء کے قومی انتخابات میں پاکستان عوامی اتحاد کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے ہیں جنرل ضیاء کے دور میں وہ ادارہ ترقیات لاہور کے سربراہ بھی رہے۔ وہاں سے فارغ ہونے کے بعد جمعیت علماء پاکستان میں شامل ہو گئے۔ جنرل انصاری مشرقی پاکستان میں متعین تھے جب مشرقی پاکستان بنگلہ دیش میں تبدیل ہو رہا تھا۔ تاریخ کا وہ باب انہوں نے اپنی آنکھوں سے رقم ہوتے دیکھا ہے اسی لئے گفتگو میں بار بار مشرقی پاکستان کا حوالہ دیتے ہیں۔

علی حسن۔ پہلے تو یہ بتائیں کہ مارشل لاء کیا ہوتا ہے؟

میجر جنرل محمد حسین انصاری۔ مارشل لاء یا اس کے نفاذ کا کوئی طریقہ کار کتابوں میں درج نہیں ہے۔ فوج کا ایک فرد مارشل لاء نافذ کرنے کے بعد ضرورت اور حالات کے مطابق طریقہ کار اور قوانین وضع کرتا ہے۔ جو عنان حکومت سنبھالتا ہے یہ اس کا قانون ہوتا ہے۔ میرے خیال میں وہ قوم کے سامنے اپنے کئے اور نا کئے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ ٹھیک ہے کہ وہ کسی حکومت سے چارج لے لیتا ہے لیکن قوم کے سامنے تو جوابدہ ہوتا ہے۔ قوم تو ہمیشہ سپریئر ہوتی ہے۔ مارشل لاء تو اسی

محمد حسین انصاری

وقت نافذ کیا جاتا ہے جب ملک کا سول قانون جو سپریم ہوتا ہے کام نہیں کر پاتا ہے اور انارکی مصیبت افتاد سے ملک کو بچانے کے لئے مارشل لاء نافذ کیا جاتا ہے۔ ہمارے ملک میں چھوٹا مارشل لاء اور بڑے مارشل لاء نافذ ہو چکے ہیں اور میرا خیال ہے کہ آپ اس بات سے اتفاق کریں گے کہ ہر مارشل لاء کے نفاذ کے بعد سکھ کا سانس لیا گیا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ مارشل لاء نافذ ہونے کے بعد جب مارشل لاء نے کام کیا تو لوگ مطمئن نہیں رہے۔ ایوب خان کے مارشل لاء کا خیر مقدم کیا لیکن حالات گواہ ہیں کہ ایوب خان خوشگوار حالات برقرار نہ رکھ سکے۔ پھر یحییٰ خان کے مارشل لاء میں ملک دولخت ہوا۔ ذمہ داری ایک فرد کی نہیں ہوا کرتی ہے۔ کسی ایک گروپ یا گروہ کی نہیں ہوتی ہے وہ تو اجتماعی ہوتی ہے۔ لوگوں نے اس کے مارشل لاء کا بھی خیر مقدم کیا تھا شائد اس لئے کہ ایوب خان کے دنوں میں افراتفری اور ایجی ٹیشن شروع ہوا تھا اس سے تو نجات ملے گی۔ لیکن یحییٰ خان کے مارشل لاء نے ہماری گود میں اس سے بڑا کیا عذاب ڈالنا تھا کہ ملک دولخت ہو گیا۔ اس کے بعد ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت قائم ہوئی۔ اس حکومت نے بھی مارشل لاء کا سہارا لیا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ مارشل لاء کی ضرورت تھی یا نہیں۔ پھر ضیاء الحق کا مارشل لاء نافذ ہوا۔ اب حالات سامنے ہیں کہ لوگ پھر غیر مطمئن ہیں غیر اطمینان بخش صورتحال ہے۔ بے نظیر کا جلسہ ہوتا ہے تو لوگ وہاں بھاگ جاتے ہیں۔ جتوئی کا استقبال ہوتا ہے تو وہاں چلے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ عدم اطمینان ہے جہاں سے انہیں تھوڑی سی بھی توقع ہوتی ہے وہ اس طرف آس لگاتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے آپ اس ملک میں اس وقت تک جذبہ حب الوطنی قرار 'اتحاد' یکجہتی' یگانگت' پیار' اخوت اور محبت پیدا نہیں کر سکتے جب تک غریب کا کوئی ہاتھ نہیں تھامے گا۔ ہمارے ملک میں یہ کبھی نہیں ہوا۔ کوئی ایک شخص تو بتائے کہ اس کی حالت جو تقسیم سے قبل تھی وہ اس سے ابتر ہوئی ہے۔ ہر شخص بہتر حالت میں ہے۔ لیکن غریب کا ہاتھ نہیں تھاما گیا۔ یہ رہنما اس کا استحصال کرتے ہیں۔

سوال ۔ آپ فرما رہے ہیں کہ مارشل لاء کے بعد اطمینان کا سانس لیا جاتا ہے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آخر مارشل لاء نافذ کیوں جاتا ہے؟

جواب ۔ مارشل لاء اس لئے نافذ کیا جاتا ہے کہ سول حکومت ناکام ہو جاتی ہے۔

سوال ۔ کیا یہ فوج کی ذمہ داری ہے کہ وہ سول نظام کی ناکامی کے بعد اقتدار سنبھال لیں؟

جواب ۔ نہیں۔ میں نے صدر ایوب کی ماتحتی میں کام کیا ہے۔ وہ میرے سینئر رہے تھے۔ انہوں نے بلاشبہ اچھی خدمات انجام دی ہیں لیکن ساتھ ہی میں یہ ضرور کہوں گا کہ ملک میں مارشل لاء نافذ کرنے کا فیصلہ ان کا ناقابل معافی جرم ہے۔

سوال ۔ جب ۱۹۵۸ء کا مارشل لاء نافذ ہوا تھا آپ کا کیا رینک تھا؟

جواب ۔ میں لیفٹیننٹ کرنل تھا۔ باوجود اس کے مارشل لاء اس ملک میں اسی وقت لگتے رہے

ہیں جب عام حالات نے غلط رخ اختیار کیا۔ انارکی پھیل گئی۔ لاقانونیت آ گئی۔ میں ایمانداری سے سمجھتا ہوں کہ ان حالات کو مارشل لاء کے نفاذ کے بغیر کسی اور طریقہ سے حل کرنا چاہئے تھا۔ میں اس بات کو کسی طرح قبول نہیں کرتا ہوں کہ مارشل لاء نافذ ہونا چاہئے۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ جب آپ نے حکومت ہٹادی تھی تو سپریم کورٹ کے چیف جسٹس سے گزارش کرتے کہ جناب دو فریق جو متصادم تھے ہم نے انہیں ہٹادیا ہے اب آپ انتخابات کرادیں۔ لیکن کیا کیا جا سکتا تھا کہ اس کی ایک ریت ایوب خان نے ڈال دی تھی۔

سوال ۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ ایوب خان کا مارشل لاء کسی طے شدہ حکمت عملی کا نتیجہ تھا یا اچانک نافذ ہوا تھا؟ بعض مورخ لکھتے ہیں کہ ایوب خان اقتدار حاصل کرنے کے طلبگار تھے؟

جواب ۔ کون اقتدار طلب کرنے کا خواہاں نہیں ہوتا ہے۔ کوئی اللہ کا بندہ ہی ایسا ہوگا جسے اقتدار کی خواہش نہ ہوں۔ وہ تو کوئی درویش ہی ہوگا جیسے حکومت مل سکے، حکومت ملنے کی توقع ہو' حالات ہوں اور نہ لے۔ ہماری قوم میں ایک نہایت بڑی برائی ہے۔ ہم نہایت خوشامد پسند ہیں۔ ہم اگر کسی شخص کی حمایت کرتے ہیں تو منٹوں اور گھنٹوں میں اس کو آسمان پر پہنچا دیتے ہیں۔ اور خوشامد انسان کی فطری کمزوری تو ہے۔ ایوب خان نے تنہا تو مارشل لاء نافذ کرنے کا پروگرام نہیں بنایا ہوگا۔ ہر کام کے پیچھے کچھ تو ساتھی ہوتے ہیں۔ یحییٰ خان کے گیت کسی طرح گائے گئے تھے الیکشن کرادیئے تو کہا گیا کہ ایسے الیکشن تو آج تک نہیں ہوئے۔ جب بھٹو آئے تو کہا کہ اس جیسا تو نجات دہندہ نہیں ہے۔ آخر یہ سب کچھ کیا ہے۔ میانہ روی ہونا چاہئے۔ نتائج بر آمد ہونے پر رائے دیں۔ خیر مقدم کریں۔ ہوتا یہ ہے کہ آغاز حکومت پر اتنی تعریف کر دیتے ہیں اور اختتام ٹھیک نہیں ہو پاتا ہے۔

سوال ۔ آپ کے خیال میں یہ جو صورتحال آپ بیان کر رہے ہیں اس کی روک تھام کے لئے اور مستقبل میں مارشل لاء کے نفاذ سے نجات مل سکے گی۔

جواب ۔ اس کا واحد حل یہ ہے کہ دانشور طبقہ عوام کی بہتری کا راستہ تلاش کرے۔ اب دیکھیں ہر سیاسی جماعت یہ کہتی ہے کہ جب ہم اقتدار میں آئیں تو اپنے اس منشور کو عملی جامعہ پہنائیں گے۔ اور اقتدار حاصل کرنے کے لئے وہ ہر حربہ اختیار کرتے ہیں۔ اور ہر قسم کی خلاف ورزی کو بھی جائز تصور کرتے ہیں کہ ٹھیک ہے ہم تو شرافت اور بہتری کے دور کے لئے یہ سب کچھ کر رہے ہیں۔ اب یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ آپ مقصد کے حصول کے لئے ہر غلط کام کو جائز سمجھیں۔ پھر آپ جب اقتدار میں آجائیں گے تو کیسے درست کرلیں گے۔ جو گرہ آپ ہاتھ سے لگائیں گے وہ منہ سے کھولنا پڑے گی۔ جو خرابی آپ ہاتھ سے پیدا کریں گے۔ پھر وہ کس طرح ممکن ہے کہ آپ خود دور کر سکیں۔ مجھے ایک واقعہ یاد آرہا ہے۔ جو قائداعظم سے متعلق ہے۔

اللہ ان پر اپنی رحمتیں نازل کرے کہ انہوں نے ہمیں غلامی سے نجات دلائی۔ یہ ۱۹۴۶ء کا واقعہ ہے جب انتخابات ہو رہے تھے۔ ایک وفد قائداعظم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بتایا کہ لیاقت علی خان بری طرح شکست کھا رہے ہیں آپ مدد کریں۔ پوچھا کیا چاہئے۔ لوگوں نے کہا کہ رقم چاہئے تو قائداعظم نے برجستہ جواب دیا کہ میں ووٹروں کو بدعنوان بنانا نہیں چاہتا۔ آپ لوگ ان سے جا کر صاف صاف ایک بات کہیں کہ اگر وہ ہندو کی غلامی میں رہنا چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے اور اگر آزاد قوم اور آزاد ملک چاہتے ہیں تو لیاقت علی خان کو ووٹ دے کر کامیاب بنائیں۔ کیا آپ لوگ ووٹروں کو یہ آسان سی بات نہیں بتا سکتے ہیں۔ اب آپ دیکھیں یہ کتنا اہم نوعیت کا معاملہ ہے۔ اگر آج کے لوگ ہوتے تو کہتے کہ رقم کی ضرورت ہے لے جاؤ۔ پیسہ دو لوگوں کو۔ میرا مقصد سوچ بتانا ہے۔ جو رہبر ہوتا ہے وہ رہزن نہیں ہوتا ہے۔ رہبر اصول نہیں توڑتا ہے۔ اپنے اصولوں کے لئے ہر قربانی دیتا ہے۔ یہاں تو یہ ہے کہ اقتدار میں آنے کے لئے ہر حربہ استعمال کرو۔ باہر سے پیسہ لو اندر سے پیسہ لو۔ یہ طریقہ کار یکسر غلط ہے۔ سیاسی جماعتوں کا وجود ناگزیر ہے۔ ہم مسلمانوں کے لئے سب سے بہتر دور خلفاء راشدین کا دور ہے وہ تو اب آنے سے رہا۔ اس سے قریب تر دور جمہوریت کا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہر سیاسی جماعت کا اپنا پروگرام ہو منشور ہو۔ اور انہیں عوام کو اپنے پروگرام سے آگاہ کرنے کے لئے اپنی تمام قوتیں صرف کرنا چاہئے۔ اگر انہوں نے ووٹر کو ذہنی طور پر تیار کر لیا تو ووٹر یقیناً ان کے حق میں ووٹ دیگا۔ یہ دوڑ کیوں لگی رہے کہ ہم آئیں۔ اس ایک ملک میں نو وزیراعظم یا نو صدر تو ہو نہیں سکتے۔ دوڑ یہ ہونی چاہئے کہ ووٹروں کو تیار کریں انہیں ہموار کریں اور ووٹ حاصل کریں۔ اگر یہ ہو جائے تو ٹھیک ہے اگر نہیں ہوا تو محروم طبقہ حالات کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے جس کے نتیجے میں گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس وقت سے بچائے۔ اس ملک میں جاگیرداروں سرمایہ داروں اور صاحب اثر و رسوخ نے بیڑہ غرق کیا ہے۔ ان کے دماغ بہت اونچے ہوتے ہیں۔ اپنے فائدے کے لئے ہر برائی کو اچھائی سمجھتے ہیں اور اپنے اقتدار میں آنے کے لئے ملک کے معصوم اور غریب عوام کا استحصال کرتے ہیں۔

سوال ۔ مہم جو جنرلوں سے کس طرح ڈیل کیا جا سکتا ہے؟

جواب ۔ اگر یہاں روایات صحیح ہو جائیں اور سیاست دان صحیح ہو جائیں تو صورتحال بہتر ہو جائے گی۔ میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ صدر ضیاء الحق کے مارشل لاء نے کوئی اچھائی نہیں دکھائی۔ میں آپ سے یہ بھی تو پوچھنے کا حق رکھتا ہوں کہ کیا کچھ سیاست دان جنرل ضیاء الحق کے ساتھ نہیں تھے۔ جب یحییٰ خان نے اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا تھا اس بات کے باوجود کہ ایک پارٹی نے اکثریت حاصل کر لی تھی کتنی سیاسی جماعتیں سڑکوں پر نکل آئی تھیں۔ اگر وہ کہتے ہیں کہ مارشل لاء کا دور تھا تو بھئی اب بھی مارشل لاء کا دور ہے لیکن کچھ نہ کچھ تو ہوتا رہتا

ہے۔ کہاں تھے یہ سیاست دان؟ ان کا فرض تھا کہ سینہ کوبی کرتے ہوئے سڑکوں پر آجاتے اور کہتے کہ ہمیں گولیاں مار دو لیکن ہم اسمبلی کا اجلاس ملتوی نہیں ہونے دیں گے۔

سوال ۔ آپ کا کیا خیال ہے مشرقی پاکستان میں ہماری شکست سیاسی ناکامی یا فوجی ناکامی کا نتیجہ ہے؟

جواب ۔ بالکل سیاسی ناکامی ہے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں مشرقی پاکستان میں جتنی فوج تھی وہ ۱۹۷۱ء کے مقابلے میں شاید ایک چوتھائی تھی لیکن ہندوستان نے حملہ تو نہیں کیا تھا۔ یہاں (مغربی پاکستان میں) بڑی زبردست لڑائی ہوئی تھی۔ ہر ملک یہ چاہتا ہے کہ جنگ میں کمزور علاقے میں دوسرا محاذ کھول دے تاکہ دشمن کی فوج بٹ جائے۔ اس کے باوجود ہندوستان نے ۱۹۶۵ء میں مشرقی پاکستان پر حملہ نہیں کیا۔ آخر کیوں نہیں کیا۔ اسے معلوم تھا کہ یہاں پر فوج کشی مشرقی پاکستانیوں کے خلاف ہوگی۔ ۱۹۷۱ء میں یہ نہیں تھا اسے معلوم تھا کہ فوج کشی مغربی پاکستان کی فوج کے خلاف ہوگی مشرقی پاکستان نہیں بلکہ بنگلہ دیشیوں کی حمایت میں ہوگی۔ جب ہندوستان کی فوج مشرقی پاکستان میں پہنچی تو کتنے بنگالیوں نے کوئی سوگ منایا کوئی احتجاج کیا بلکہ ہار ڈالے گئے۔ دراصل ہماری قومی یکجہتی میں بڑا شگاف پڑ گیا تھا اس شگاف کا آغاز تو فیلڈ مارشل ایوب کے وقت سے شروع ہو گیا تھا اگر تلہ کیس میں جب مجیب گرفتار کیا گیا تو سیاست دانوں نے اس کی رہائی کا مطالبہ کیا۔

سوال ۔ اس زمانے میں آپ فوج کے کس شعبہ سے وابستہ تھے؟

جواب ۔ میں توپ خانے میں تھا۔ میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ مشرقی پاکستان میں وہ ہی فوج تھی جس کے نغمے ۱۹۶۵ء میں گائے گئے تھے۔

سوال ۔ جس طرح جنگ لڑی گئی کیا حکمت عملی غلط نہیں تھی یا کہ سیاست دانوں کو مورد الزام ٹھہرایا جائے؟

جواب ۔ یہ اس سوال کے جواب دینے کا وقت نہیں ہے اس وقت صرف یہ کہوں گا کہ حکومت وقت کے منصوبوں اور احکامات کے تحت فوج کام کرتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس وقت ملک کا سربراہ ایک فوجی تھا۔ لیکن وہ بھی تو مرکزی حکومت کا ملازم تھا اور یہ کس طرح ممکن تھا کہ مشرقی پاکستان کا فوجی مرکزی حکومت کے احکامات کے خلاف لڑتا۔ یہ ایک طویل بحث ہے لیکن یہ یقین جانیں کہ مشرقی پاکستان کی آبادی اس وقت مشرقی پاکستانی نہیں تھے بلکہ بنگلہ دیشی تھے۔

سوال ۔ جس طرح آپ فرما رہے ہیں کہ فوج مرکزی حکومت کے تابع ہوتی ہے لیکن جب مارشل لاء لگتے ہیں تو ایسی صورتحال نہیں ہوتی ہے؟

جواب ۔ وہ خود حکومت بن جاتے ہیں۔

سوال ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ برسر اقتدار آتے ہیں وہ بغاوت کر کے آتے ہیں؟

جواب ـ میں نے آپ سے عرض کیا کہ جو شخص مارشل لاء نافذ کرتا ہے وہ حکومت کو ہٹا کر آتا ہے لیکن قوم کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے اب قوم نہ پوچھے تو پھر اور بات ہے۔ وہ بھی قوم کا فرد ہوتا ہے قوم کے خزانے سے تنخواہ لیتا ہے۔ اس وقت وہ شخص یہ سمجھتا ہے کہ حالات ایسے ہیں کہ میں عنان حکومت سنبھال لوں ٹھیک ہے اس نے اقتدار سنبھال لیا۔ پھر قوم ان سے جواب تو لے...... اس نے قوم کو فتح تو نہیں کیا ہوتا ہے۔

سوال ـ آخر کیا وجہ ہے کہ ہمارے جنرلوں کی سیاست دانوں کے بارے میں اچھی رائے کیوں نہیں ہوتی۔

جواب ـ میں نے عرض کیا کہ ہر ایک کی دوڑ اقتدار حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ یہ بات یا سوچ غلط ہے سیاست دان مسائل حل نہیں کر سکتے۔ مسائل کا سیاست دان ہی حل کر سکتے ہیں یہ ایک لائف ٹائم کام ہوتا ہے۔ سیاست کے لئے عمر درکار ہوتی ہے۔ میں اسی لئے کہتا ہوں کہ جس کسی نے مارشل لاء نافذ کیا۔ اور اگر جواز تھا تو نافذ کرنا چاہئے تھا لیکن اس کے بعد بہت جلد، بہت جلد کا مطلب سالوں میں نہیں ہے، حکومت ان ہی لوگوں کو واپس دے دینی چاہئے جن کا حق ہے۔

سوال ـ ایک طرف تو آپ کہتے ہیں کہ سیاست کل وقتی کام ہے تو پھر کا وجہ ہے کہ ہمارے فوجی ریٹائرمنٹ کے بعد سیاست میں آجاتے ہیں؟

جواب ـ کیا وہ شہری نہیں ہوتے۔ سیاست میں آنے کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ میں لیڈر بن گیا ہوں۔ میں کارکن تو رہ سکتا ہوں۔ ایک شہری کی حیثیت سے یہ میرا حق تو ہے۔ میرا حق نہیں ہے کہ اپنی پسند کی سیاسی جماعت کا رکن بن جاؤں۔ ہم پر کوئی قدغن نہیں ہونی چاہئے۔

سوال ـ گزشتہ چالیس سال کے سفر کو دیکھتے ہوئے محسوس ہوتا تھا کہ ہم ابھی وہیں کھڑے ہیں جہاں سے چلے تھے۔ آخر کیوں؟

جواب ـ میرے خیال میں اس سے پیچھے کی طرف ہیں۔ ۱۹۴۷ء کی فضا اور ماحول تو بہت اچھا تھا۔ بھائی بھائی کی مدد کرتا تھا۔ آنے والوں کو سر پر بٹھایا جاتا تھا۔ جرائم نہ ہونے کے برابر تھے۔ آج تو جغرافیہ ہی تبدیل ہو چکا ہے۔ میں تو اس نظریہ کے پیش نظر یہ بات کہہ رہا ہوں جس کے تحت ہم نے آزادی حاصل کی تھی۔

سوال ـ کیا صورتحال کو بہتر کرنے میں صرف سیاست دان کردار ادا کر سکتے ہیں؟

جواب ـ تو پھر اور کون کرے گا۔ سیاست دان کا اہم ترین کردار ہوتا ہے۔ سیاست دان اپنا کردار ٹھیک کریں۔ اگر حکومت کوئی غلط بات کہتی ہے تو مخالفت کریں اور ٹھیک کرتی ہے تو حمایت کریں۔ انتخابات ہوں تو رقم کی بنیاد پر الیکشن نہ لڑیں۔

سوال ۔ یہ تو آپ آئیڈیل گفتگو کر رہے ہیں؟ عملاً ناممکن ہے۔
جواب ۔ ہمیں تو اپنے اور اپنی اولاد کی بہتری کے لے یہ سب کچھ کرنا ہی ہو گا۔ کب تک غریب عوام کا استحصال ہوتا رہے گا۔ ہسپتالوں میں آپ نہیں دیکھتے کہ کتوں کی طرح علاج کیا جاتا ہے۔ ایک سرکاری افسر علاج کے لے بیرون ملک جا سکتا ہے لیکن ایک ریڑھی والا علاج نہیں کرا سکتا۔ کیا وہ پاکستانی نہیں ہے۔ جتنا ایک ریڑھی والا اپنے خاندان کے لئے اہم ہے اتنا ہی ایک جنرل اپنے خاندان کے لئے اہم ہے۔ ہم نے یہ ملک اس لئے لیا تھا کہ یہاں اسلام کا نفاذ کریں گے۔ دین اسلام میں تو کہا گیا ہے کہ کوئی کسی سے برتر نہیں ہے سوائے تقویٰ کے۔ اگر نہیں کریں گے تو مار کھائیں گے۔ آپ کب تک غریب عوام کو دھوکہ دیتے رہیں گے؟
سوال ۔ آپ نے کسی اور جماعت کی بجائے جمعیت علماء پاکستان کا انتخاب کیوں کیا؟
جواب ۔ جماعت کی قیادت جاگیرداروں کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ مولانا شاہ احمد نورانی' مولانا عبدالستار نیازی وغیرہ کا تعلق جاگیردار گھرانوں سے نہیں ہے۔ میں جاگیردار اور سرمایہ داروں سے ویسے ہی الرجک ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ کسی کا خون چوسے بغیر دولت جمع نہیں ہو سکتی۔ دولت درختوں پر نہیں اُگتی ہے وہ کسی کا خون چوسنے یا حق مارنے سے ہی جمع ہوتی ہے۔ اور ان لوگوں کے پاس بے تحاشہ دولت ہے۔ لیکن میں اس جماعت سے بھی مایوس ہوا ہوں۔
سوال ۔ مایوسی کی کیا وجہ ہے؟
جواب ۔ وجہ یہ ہے کہ میں نے اس جماعت میں جمہوریت نہیں پائی۔
سوال ۔ کس انداز میں جمہوریت؟
جواب ۔ جماعت میں جمہوریت ہونی چاہئے۔ جماعت میں کارکنوں کے کیڈر ہوتے ہیں۔ اجتماعی قیادت ہوتی ہے۔ ایک اجتماعی سوچ ہوتی ہے۔ اجتماعی فیصلہ ہوتے ہیں۔ اراکین صرف دریاں اٹھانے اور بچھانے والے نہیں ہوتے ہیں آپ کو ان کی بات سننا ہوتی ہے مشورے کرنے ہوتے ہیں مجھے ایسی کوئی چیز نظر نہیں آئی۔
سوال ۔ کیا وجہ ہے۔ کیا انفرادی فیصلہ کر لئے جاتے ہیں۔ مشاورت پیش نہیں کی جاتی؟
جواب ۔ جی ہاں انفرادی فیصلے کرتے جاتے ہیں۔ مشورے نام کے ہوتے ہیں۔ مجھے سب سے یہی گلہ ہے۔ میں قسم کھا سکتا ہوں کہ ہمارے اس وقت کے سربراہ مملکت (جنرل ضیاء الحق) شراب نہیں پیتے ہیں' بد کردار نہیں ہیں اس میں اخلاقی کمزوری نہیں ہے۔ پھر برائی کیا ہے۔ ہم ان کی مخالفت اس لئے کرتے ہیں کہ جمہوریت نہیں ہے۔ انہوں نے آمریت کے تحت حکومت چلائی۔ لیکن جب سیاسی جماعتوں میں خود جمہوریت نہ ہو تو الف اور ب میں کیا فرق ہو گا۔ اگر ایک آمر ہے برائیوں سے مبرا ہے اور پھر سیاسی جماعتیں ہیں جن میں جمہوریت نہیں ہو تو کا صورتحال بنے گی۔ بات یہ ہے کہ مشاورت ضروری ہوتی ہے۔ سیاست میں اجتماعی رہنمائی اور

فیصلے ہوتے ہیں کوئی ایک فرد حتمی نہیں ہوتا ہے۔

سوال ۔ کیا آپ جمعیت میں صرف اس لئے شامل ہوئے تھے کہ اس میں جاگیر دار اور سرمایہ دار نہیں ہیں۔

جواب ۔ یہ ایک وجہ تھی دینی اور مذہبی جماعت تھی۔ میرے خیال میں ہماری زندگی کا مقصد دین اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنا ہے۔

سوال ۔ آپ نے کسی وار جماعت میں شمولیت کیوں اختیار نہیں کی جبکہ دیگر بھی دینی اور مذہبی جماعتیں ہیں؟

جواب ۔ میرے محترم جنرل اظہر صاحب (کے۔ ایم اظہر) نے دوچار مرتبہ کہا' پھر نیازی صاحب نے فرمائش کی' نورانی صاحب کا بھی یہی خیال تھا۔ جماعت اسلامی کی طرف سے بھی ایک صاحب نے کہا تھا۔ میں جماعت اسلامی میں کوئی خامی نہیں پاتا۔ اچھے لوگ ہیں۔ نیک لوگ ہیں۔ مذہب کی بات کرتے ہیں۔ دین کی بات کرتے ہیں۔ البتہ طلباء میں تشدد کا آغاز اور رجحان ان کی طرف سے ہوا ہے۔ میں اس سے اختلاف کرتا ہوں۔

سوال ۔ جمعیت علماء پاکستان میں جمہوریت کے فقدان کے سلسلے میں آپ نے کبھی پارٹی کے قائدین سے اظہار کیا؟

جواب ۔ وہ کہتے تھے ٹھیک کریں گے (قہقہہ)

سوال ۔ آپ نے جنرل صاحب (ضیاء الحق) کے لئے کہا کہ ان میں کوئی کمزوری نہیں ہے میرے خیال میں وعدہ خلافی سب سے بڑی کمزوری نہیں ہے؟

جواب ۔ یہ کمزوری ہے۔ میرے پاس کوئی شواہد نہیں ہے۔ سربراہ کی حیثیت سے جو وعدے کئے ہیں وہ انہیں پورے کرنا چاہئے اگر نہیں کئے تو کوئی قابل تعریف بات نہیں ہے۔

سوال ۔ فوجیوں کو سول سائیڈ پر کیوں متعین کا جاتا ہے وہ توازن کو بگاڑ نہیں دیتا ہے؟

جواب ۔ بھئی ایک تو وہ فوجی ہیں جو باقاعدہ سلیکشن کے ذریعے آتے ہیں ایسا پوری دنیا میں ہوتا ہے۔ فوج سے ٹیلنٹ کو بھی سول سائیڈ پر بھیج دیا جاتا ہے۔ ایسا تو ۱۹۵۰ء میں بھی حکومت نے کیا تھا۔ فوجی بھی تو اسی معاشرے کا حصہ ہیں ان سے کام لیا جانا چاہئے۔

سوال ۔ بھارت میں فوج کے سربراہوں کی مدت ملازمت میں اضافہ نہیں دیا جاتا ہے لیکن اس کے برعکس پاکستان میں یہ سربراہ حکومت کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟

جواب ۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ مدت ملازمت میں توسیع کسی حالت میں نہیں ملنا چاہئے۔ جب وقت پورا ہو جائے تو چلے جائیں۔ نیچے والوں کو آگے آنے کا موقع ملنا چاہئے۔

سوال ۔ کیا اس طریقہ سے نیچے والوں میں فرسٹریشن پیدا ہوتا ہے؟

جواب ۔ کیوں نہیں ہوتا ہے۔ وہ بھی تو انسان ہیں۔

سوال ۔ بھٹو صاحب اس بات کے خواہش مند تھے کہ اس ملک میں مارشل لاء کی بار بار آمد کو روکا جائے۔ آئین میں باقاعدہ دفعہ رکھی گئی۔ لیکن آپ کے خیال میں آئین بھی اس سلسلے میں ناکام نہیں ہو گیا؟

جواب ۔ اس کا کیا علاج ہے۔ آئین تھا لیکن مارشل لاء نافذ ہوا آپ کی عدالت عظمیٰ نے فیصلہ دے دیا۔ آپ کی منتخب پارلیمنٹ آئی اس نے تمام اقدامات کو تحفظ دے دیا۔ سپریم کورٹ سے بڑی تو کوئی عدالت نہیں ہے۔ جب مارشل لاء نافذ ہوا تھا تو جنرل صاحب نے اس سے رجوع کیا تھا اور انہوں نے نظریہ ضرورت کا فیصلہ دے دیا۔

(یہ انٹرویو ۳۱ر اگست ۱۹۸۶ء کو لاہور میں کیا گیا)

"اس میں فوج بھی ایک حد تک ذمہ دار ہے کہ وہ وعدہ کرتے ہیں کہ تیس دن میں یا نوے دن میں انتخابات کرا کر واپس بیرک میں چلے جائیں گے وہ وعدہ پورا نہیں کرتے ہیں۔ مجھے پتہ نہیں کہ تیس دن یا نوے دن میں الیکشن ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں، یہ کسی کے لئے ممکن ہے یا نہیں۔ لیکن بہر حال وعدہ تو کیا جاتا ہے کہ ہمارا ملک پر حکومت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ ہم تو صرف نظم و نسق ٹھیک کرنے کے لئے آئے ہیں، ہمیشہ یہی کہا گیا لیکن عمل نہیں کیا گیا۔"

ظفر چوہدری

ائیر مارشل (ریٹائرڈ) سابق سربراہ پاک فضائیہ۔ رکن کمیشن برائے انسانی حقوق، پاکستان

افواج پاکستان کے سربراہوں کا ایک اجلاس ہو رہا ہے۔ اجلاس میں ایئر فورس کی نمائندگی ایئر مارشل ظفر چوہدری، بحریہ کے سربراہ ایڈمرل ایچ ایچ احمد اور بری فوج کے سربراہ جنرل ٹکا خان کے علاوہ دیگر افسران موجود ہیں۔ جنرل ٹکا خان کسی بات پر کہتے ہیں کہ مشرقی پاکستان میں محصور پاکستانیوں کو جو عام طور پر بہاری پکارے جاتے ہیں پاکستان منتقل نہیں کیا جا سکتا۔ ظفر چوہدری صاف الفاظ میں جنرل ٹکا خان کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ یہ سیاسی مسئلہ ہے آپ رائے دینے والے کون ہیں۔ ۱۹۴۴ء میں ایئر فورس میں شمولیت اختیار کرنے کے بعد ۱۹۷۴ء میں قبل از مدت ریٹائرمنٹ سے اب تک ایئر مارشل صاحب لکھنے پڑھنے کے کام کے ساتھ ساتھ انسانی حقوق کے سلسلے میں سرگرم ہیں۔ ملک میں مارشل لاء اور سیاسی اقتدار کے موضوع پر بھی انہوں نے بعض فکر انگیز لیکچر دیئے ہیں اور ان کے مضامین بھی اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں۔ ایئر مارشل کی یادداشتوں پر مبنی کتاب Mosaic of Memory شائع ہو چکی ہے۔

ظفر چوہدری احمدی ہیں اور دوران گفتگو پہلے موقع پر ہی اپنے سامع کے سامنے اس بات کا اعتراف کر دیتے ہیں۔ وہ پاکستان ایئر فورس کے چوتھے سربراہ ایسے حالات میں مقرر ہوئے جب ملک پر پاکستان پیپلز پارٹی حکومت کر رہی تھی۔ اس سے قبل انہیں یکم جولائی ۱۹۷۱ء کو شاکر اللہ درانی (ایس یو درانی) کی جگہ پی آئی اے کا سربراہ بھی مقرر کیا گیا تھا۔ ابھی پی آئی اے کے سربراہ ہی تھے کہ ۳ مارچ ۱۹۷۲ء کو ان کے ایک آشنا نے فون پر ایئر فورس کا سربراہ مقرر ہونے پر مبارک باد دی۔ جس کی انہیں پیشگی کوئی اطلاع نہیں تھی۔ اسی شام انہیں ایوان صدر مدعو کیا

ظفر اے چوہدری

ایئر مارشل (ریٹائرڈ)

گیا جہاں اس وقت کے صدر ذوالفقار علی بھٹو نے ان سے پوچھا کہ انہوں نے خبر سن لی ہے۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا تو مسٹر بھٹو نے کہا کہ پشاور جاؤ اور نیا عہدہ سنبھالو۔ ظفر چوہدری نے مسٹر بھٹو سے معلوم کیا کہ آخر اس اچانک تبدیلی کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی جس پر مسٹر بھٹو نے کہا "میں مختصراً یہ بتاتا ہوں کہ مجھے علم ہے کہ رحیم تمہارے دوست ہیں اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ میں بھی رحیم کا دوست ہوں لیکن وہ میرے معاملات میں مداخلت کر رہے تھے جسے میں پسند نہیں کرتا۔ میں انہیں سفارتی عہدہ دے رہا ہوں جسے وہ یقیناً قبول کر لیں گے"۔ مسٹر بھٹو نے تھوڑے توقف کے بعد کہا کہ میں آپ کے کام میں مداخلت نہیں کرونگا اور آپ میرے کام میں مداخلت نہیں کریں گے۔ ملاقات ختم ہو گئی۔ ظفر چوہدری نے ایئر فورس کے سربراہ کی حیثیت سے اپنا عہدہ سنبھال کر کام شروع کر دیا۔ لیکن مسٹر بھٹو نے مداخلت نہ کرنے کے وعدے پر عملاً عمل نہیں کیا۔ ظفر چوہدری کھری طبیعت کے مالک ہیں اور اپنے فیصلوں پر قائم رہنے والی شخصیت۔ اور یہی وجہ تھی کہ اپنے ایک فیصلے پر کاربند رہنے کی وجہ سے انہیں اس عہدے پر سے جس پر تین سال کے لئے تقرری ہوئی تھی دو سال سے کم عرصے میں ہی ریٹائر کر دیا گیا۔ یہ ریٹائرمنٹ جو قبل از وقت تھی صرف اس لئے عمل میں آئی کہ انہوں نے مصلحتوں پر اصولوں کو قربان کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

علی حسن۔ آپ کے خیال میں کسی ملک میں مارشل لاء کے نفاذ کے کیا اسباب ہوتے ہیں؟

ایئر مارشل ظفر چوہدری۔ میں نے اس موضوع پر کبھی کوئی تحقیق نہیں کی۔ اور کوئی گہرا مطالعہ بھی نہیں کیا ہے۔ لیکن میں نے ملازمت میں کچھ وقت گزارا ہے اور میں اپنا ذاتی مشاہدہ عرض کر رہا ہوں۔ کسی کتاب میں یہ نہیں لکھا ہوا کہ مارشل لاء کب لگنا چاہئے۔ قانون یہ ضرور ہے کہ جب شہری انتظامیہ حالات کو قابو میں نہیں رکھ پاتی ہے تو پولیس استعمال کرنے کے بعد مقامی طور پر فوج سے یہ درخواست کر سکتی ہے کہ نظم و ضبط قائم کرنے میں آپ ہماری مدد کیجئے۔ اس کے متعلق قانون ہے جو انگریزوں کے دور سے چلا آرہا ہے۔ مسلح افواج کو سول انتظامیہ اور پاور کی مدد کے لئے طلب کیا جا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں فوج حالات کو قابو میں لانے کی تدابیر ضرور کرتی ہے لیکن سول انتظامیہ کے زیر اہتمام اور زیر اثر۔ لیکن اس صورت حال کی نوعیت ایمر جنسی جیسی ہوتی ہے مقامی اور وقتی ہوتی ہے۔ اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ مارشل لاء نافذ ہو گیا یا کر دیا گیا۔ آپ اس کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک محلہ میں مارشل لاء لگ گیا۔ ایک دن کے لئے یا دو دن کے لئے جس طرح کرفیو لگایا جاتا ہے۔ اس کی نوعیت ہی یہ ہوتی ہے۔ سارے ملک کا انتظام فوج کا سنبھال لینا بالکل دوسری چیز ہے۔ اس کے لئے کوئی قاعدہ قانون تو ہے نہیں اس لئے یہ غیر قانونی بات ہے۔ جب ہم نوکری میں شامل ہوتے ہیں تو ہم قسم اٹھاتے ہیں کہ ہم قاعدے اور قانون کے مطابق کام کریں گے۔ جو ہمیں قانونی اور درست احکامات ملیں گے ان کو بجا لائیں گے۔ ان پر عمل کریں گے۔ ہمیں کوئی غیر قانونی احکامات بجا لانے کے لئے مجبور نہیں کر سکتا۔ کسی فوج کو یا کسی کو بھی کوئی غیر قانونی حکم بجا لانے پر مجبور نہیں کر سکتا اور نہ ہی کیا جا سکتا۔ آدمی جو قسم کھاتا ہے وہ یہی ہوتی ہے کہ وہ قانونی احکامات کو بجا لائے گا۔ لیکن اگر کوئی حکم ملتا ہے اور وہ مشتبہ ہے یا غیر قانونی
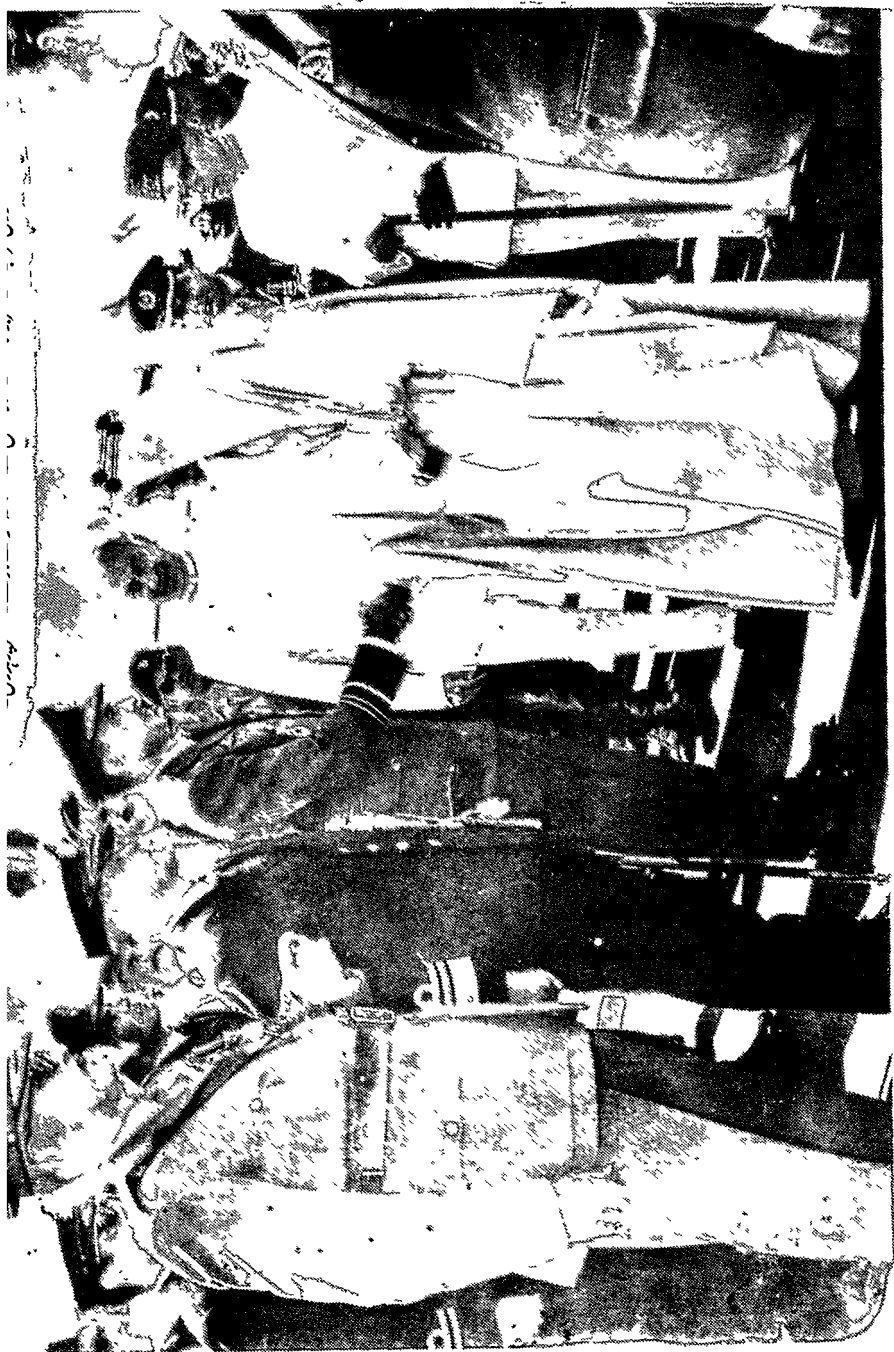
ہے تو ہر گز یہ انسان کا فرض نہیں ہے چاہے وہ فوجی ہو یا دوسرا کہ وہ ان احکامات کو بجالائے۔ میں مثال دیتا ہوں کہ میں فوجی وردی پہنے ہوئے ہوں میرا افسر آتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ بندوق اٹھاؤ اور فلاں آدمی کو مار دو۔ یہ غیر قانونی بات ہے۔ میں ہر گز ایسا کام نہیں کروں گا۔ اگر کہتا ہے کہ اپنے جہاز میں بم لگاؤ اور جاکر فلاں کے گھر پر پھینکو یا کسی شخص کو مار دو یا گاؤں پر جاکر بمباری کرو۔ تو یہ غیر قانونی بات ہو گی۔ اس گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ یہ آپ کا ضمیر ہے جو بتاتا ہے کہ غلط کیا ہے اور درست کیا ہے لیکن قائدے اور دستور کی رو سے بھی یہ چیز' یہ بات صریحاً غلط بات ہے۔ اگر مجھے کوئی حکم دے۔ کہ تم فلاں کی بے عزتی کر دو۔ خواہ میرا افسر کہے' وزیر اعلیٰ کہے' صدر کہے یا وزیر اعظم حکم دے۔ کیا مجھے ایسا کرنا چاہئے ہر گز نہیں۔ یہ شرافت سے گری ہوئی بات ہے میں ہر گز نہیں کروں گا فوج کا مقصد تو ملک کا دفاع کرنا ہے جو مستثنیٰ بات ہے وہ میں نے پہلے عرض کر دی کے سول پاور کی مدد کے لئے اسے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ لیکن جیسا میں نے عرض کیا مارشل لاء نافذ کرنے کے سلسلے میں کسی کتاب میں نہیں لکھا ہوا ہے اس کے متعلق سمجھا یہ جاتا ہے کہ جب ملک کا نظم و نسق بالکل خراب ہو جائے کوئی اور حربہ نہ ہو ہر چیز تہس نہس ہو جائے۔ سول اتھارٹی نہ رہے کوئی خانہ جنگی کی صورت بن جائے یا کوئی باہر سے ملک کو خطرہ درپیش ہو اور ملک تباہی کے کنارے پر کھڑا ہوا ہو اگر اس وقت عارضی طور پر فوج ملک کا انتظام سنبھال لیتی ہے تو عام طور پر اس بات کو جائز سمجھا جاتا ہے۔ لیکن عارضی طور پر' اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ فوج ملک پر حکوت کرنا شروع کر دے یہ تو فوج کا کام ہی نہیں ہے۔ فوج تو ملک کا دفاع کرنے کے لئے ہوتی ہے نہ کہ ملک پر حکومت کرنے کے لئے۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔

سوال ۔ آپ نے جس طرح کہا کہ آدمی کو خود سوچنا چاہئے کہ کیا قانونی ہے اور کیا غیر قانونی ہے۔ کیا اخلاقی ہے کیا غیر اخلاقی۔ بات یہ ہے کہ مسلح افواج کے بارے میں عام طور پر مشہور ہے کہ وہ نظم و ضبط کی اعلیٰ مثال ہوتی ہیں ان کی تربیت اس انداز میں ہوتی ہے کہ وہ کبھی بھی اپنے بالا افسران کی حکم عدولی نہیں کرتے ایسی صورت میں کس طرح ممکن ہے جب کمانڈر مارشل لاء لگا رہا ہو تو اس کے ساتھی یا ماتحت انکار کر دیں اور حکم عدولی کریں؟

جواب ۔ مجموعی طور پر یہ صحیح ہے کہ فوج اطاعت گزار اور فرمانبردار ہے بعض صورتوں میں فرما برداری کا مظاہرہ حد سے زیادہ کیا جاتا ہے۔ جیسا میں نے عرض کیا کہ آپ کو فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ کیا چیز صحیح ہے اور کیا غلط۔ یہ تو آپ کے ضمیر کو طے کرنا ہے کہ کیا درست ہے اور اس کے لئے آپ کو اخلاقی جرات کا مظاہرہ کرنا ہوتا ہے۔ اگر میں یہ سوچنے لگ جاؤں کہ میری نوکری چلی جائے گی اور میرے بال بچے کھائیں گے کہاں سے اور میرا سرکاری مکان ہے وہاں سے بے دخل کر دیا جاؤں گا پھر میری اخلاقی قدروں اور میرے فیصلوں میں فرق آ جائے ہے اگر مجھ میں اخلاقی جرات ہے تو یہ باتیں زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں بلکہ میں وہ کروں گا جو میری نظر' میرے خیال میں'

درست ہو گا۔ تو اگر کوئی غیر قانونی احکامات دیتا ہے تو مجھے اس پر عمل در آمد کرنے کے لئے ہرگز مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اگر فوج کا کوئی سربراہ مارشل لاء لگا دیتا ہے اور باقی فوج اس کے تابع ہے تو اس وقت کیا صورت ہوتی۔ یہ جو سوال ہے اس کا جواب آسان نہیں ہے۔ یہ میرا خیال ہے کہ ہر انسان کو خود اس کے متعلق سوچنا پڑے گا کہ کیا صحیح ہے کیا غلط ہے۔ دنیا میں ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ مارشل لاء لگ گیا لیکن جنرل اور ایئر مارشل نے کہا کہ یہ بات غلط ہے ہم اس کے ساتھ منسلک نہیں رہیں گے اور انہوں نے مستعفی ہونے کو ترجیح دی۔ انہوں نے اس بات کو شدت سے محسوس کیا۔ ساتھ چھوڑ دیا۔ استعفیٰ دے دیا۔ ہمارے ہاں بھی ایسا ہوا ہے کہ ۱۹۷۷ء میں فوج کے بعض سینئر افسران نے کہا تھا کہ فوج کو جس مقصد کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے وہ غلط ہے ہم حکم نہیں مانیں گے۔

سوال ۔ لیکن جولائی ۱۹۷۷ء سے قبل؟

جواب ۔ جی ہاں اور انہوں نے علیحدگی اختیار کر لی۔ جولائی ۱۹۷۷ء میں آرمی کے سربراہ نے مارشل لاء لگایا۔ یہ صورت حال اس بات سے قطعی مختلف ہے جس پر میں گفتگو کر رہا ہوں۔ لیکن اس میں بھی سینئرز کو یہ فیصلہ کرنا چاہئے کہ کیا یہ اقدام صحیح ہے یہ ملک کے لئے صحیح ہے کیا ہمیں ان کے ساتھ چلنا چاہئے یا علیحدہ ہو جانا چاہئے۔ یہ ایک بڑی غیر معمولی صورت حال ہوتی ہے اور میں ایسے لوگوں کی جرات کو سلام کرتا ہوں جو علیحدگی کا فیصلہ کرتے ہیں۔

سوال ۔ ایئر فورس اور بحریہ بھی مسلح افواج کا حصہ ہوتی ہیں کیا مارشل لاء لگانے والا کمانڈر ایئر فورس اور بحریہ کے چیف کو قبل از وقت اعتماد میں لیتا ہے؟

جواب ۔ جیسا میں نے عرض کیا کہ کوئی قاعدہ قانون نہیں ہے۔ سب کچھ حالت پر منحصر ہوتا ہے جہاں تک میری اطلاع ہے کہ گزشتہ مارشل لاء جب لگایا گیا تو اس وقت نہ کسی کو پیشگی اطلاع دی گئی تھی اور نہ ہی اعتماد میں لیا گیا تھا۔

سوال ۔ لیکن ۱۹۶۹ء میں مارشل لاء میں کیا ہوا تھا؟

جواب ۔ اس وقت میں کموڈور تھا۔

سوال ۔ کیا اس وقت ہوائی فوج کے سربراہ کو اعتماد میں لیا گیا تھا؟

جواب ۔ ایئر مارشل نور خان فوج کے سربراہ تھے۔ جہاں تک میرا علم ہے ان سے نہیں پوچھا گیا تھا۔ باقی وہی بتا سکتے ہیں۔ اس وقت ہمیں بتایا گیا تھا کہ فیلڈ مارشل ایوب نے جنرل یحییٰ خان کو بلا کر اقتدار ان کے حوالے کر دیا ہے۔ بعد میں کچھ اور باتیں سننے میں آئیں کہ انہوں نے ایسا اپنی مرضی سے نہیں کیا بلکہ ان سے کروایا گیا۔ واللہ عالم۔ مجھے ذاتی طور پر اس کا علم نہیں ہے۔

سوال ۔ ہم بحیثیت قوم مارشل لاء سے کس طرح بچ سکتے ہیں۔ مستقبل میں اس کے نفاذ کو روکنے کے لئے کیا قدم اٹھائے جا سکتے ہیں۔ حالانکہ ۱۹۷۳ء کے آئین میں ایک شق بھی موجود

ہے؟

جواب ۔ میرے خیال میں اس کا خاطر خواہ حل صرف قانون بنا دینا ہی کافی نہیں ہے۔ قانون بنا کر بھی ہم نے دیکھ لیا۔ قانون جہاں بنائے جاتے ہیں وہاں توڑے بھی جاتے ہیں اور ان کو تبدیل بھی کیا جاتا ہے۔ جیسا آپ نے دیکھا کہ آئین کا کیا حشر ہوا۔ جو نئی حکومت آئے گی وہ پھر اپنا قا نون بنائے گی اور ہمارے ہاں کچھ روایات جو عدلیہ کی ہیں وہ کمزور پڑ گئی ہیں پہلے تو زیادہ ہمت تھی پھر ان کے پر بھی کاٹ دیئے گئے۔ Provisional Constitutional Order جیسے فیصلے بھی نافذ کئے گئے۔ مجھے تفصیلی علم تو نہیں لیکن جو بات عام طور پر کہی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ عدلیہ کے اختیارات محدود کر دیئے گئے۔ آپ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ کپتان یا میجر فوجی عدالت میں بیٹھ کر جلدی میں جو فیصلہ دیتا ہے وہ ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ کے کسی فیصلہ سے بڑا فیصلہ ہوتا ہے یا اس پر نظر ثانی کی گنجائش نہیں ہوتی لیکن بہر حال مارشل لاء میں یہ ہوتا ہے میرا کہنے کا مقصد یہ تھا کہ قانون سے تو اس کا سدباب نہیں ہوسکا اور نہ ہو سکتا ہے۔ قانون تو بدلا جاسکتا ہے اور بدلا جاتا ہے۔ نیا قانون بنا دیا جاتا ہے۔ اس کا اصل علاج تو عوامی رائے عامہ ہے۔ عوام کا شعور ہے اپنے حقوق کا شعور ہے پھر سیاسی شعور ہے کہ یہ بات غلط ہے۔ فوج جو ہے وہ ہماری ملازم ہے وہ ہماری نوکر ہے حاکم نہیں ہے اس کا کام ملک کا دفاع ہے ملک کا مادی دفاع ہے سرحدوں کا دفاع کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔ فضائی حدود کا دفاع کرنا اس کا فرض ہے اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ ملک پر حکومت کرنا شروع کر دیں۔ ایسا کوئی منشور (چارٹر) ہے ہی نہیں۔ ان کو ملک پر حکمرانی کرنے کے لئے تربیت ہی نہیں دی جاتی ہے۔ ان کو جہاز اڑانے اور بندوق چلانے کی تربیت دی جاتی دشمن سے لڑنے کے لئے فوج تشکیل دی جاتی ہے نہ کہ عوام پر حکومت کرنے کے لئے۔

سوال ۔ اگر کسی ملک میں سیاسی قوتیں ایک دوسرے سے بر سر پیکار ہو جائیں تو مسلح افواج کا کیا کردار ہونا چاہئے؟

جواب ۔ اگر میں نے یہ تاثر دیا ہے کہ مارشل لاء لگانے میں سارا قصور فوج کا ہے تو یہ بات غلط ہے۔ میرا یہ کہنے کا مقصد نہیں ہے۔ لیکن فوج کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہئے۔ ان کو حکومت کا مزا نہیں پڑنا چاہئے۔ اگر ہمارے ملک میں سیاسی شعور ہوتا سول انتظامیہ اپنے فرائض صحیح انجام دیتی رہتی سیاسی رہنما اپنا کردار صحیح طریقے سے انجام دیتے تو مارشل لاء تک نوبت ہی نہیں آتی۔ میں نے کہا ہے کہ عوامی رائے عامہ ٹھیک ہو' بیدار ہو سیاسی عوامی ادارے مضبوط ہوں تو پھر مارشل لاء لگنے کے احتمال بہت کم ہو جاتے ہیں لیکن قصور صرف فوج کا نہیں ہے اور ہے بھی خاص طور پر مارشل لاء نافذ کر کے اسے جاری رکھنا فوج کا قصور ہے۔ پھر تو منہ کو لگ جاتی ہے۔ لیکن وقتی طور پر کسی مسئلہ کا حل کرنے کے لئے فوج کو استعمال کر لینا ایک حد تک جائز ہے در حقیقت قصور ایسے حالات پیدا ہو جانے کا ہے جہاں فوج یہ اقدامات کرتی ہے۔ آپ اسے نظر انداز تو نہیں

کر سکتے۔ یہ ہمارے ملک کا قصور ہے۔ یہ پورے نظام اور ڈھانچے کے فیل ہو جانے کی بات ہے۔ اس میں فوج بھی ایک حد تک ذمہ دار ہے کہ وہ وعدہ کرتے ہیں کہ تیس دن میں یا نوے دن میں انتخابات کرا کر واپس بیرک میں چلے جائیں گے وہ وعدہ پورا نہیں کرتے ہیں۔ مجھے پتہ نہیں کہ تیس دن یا نوے دن میں الیکشن ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں' یہ کسی کے لئے ممکن ہے یا نہیں لیکن بہر حال وعدہ تو یہ کیا جاتا ہے کہ ہمارا ملک پر حکومت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے ہم تو صرف نظم و نسق ٹھیک کرنے کے لئے آئے ہیں اس کے بعد ہم واپس چلے جائیں گے اور اقتدار منتخب نمائندوں کے حوالے کر دیں گے ہمیشہ یہ کہا گیا لیکن عمل نہیں کیا گیا۔

سوال ۔ کیا آپ بتائیں گے کہ ایئر فورس کے دو سربراہ' آپ اور رحیم خان' اپنے عہدے کی مدت سے قبل ہی مستعفی ہو گئے یا ریٹائر کر دیئے گئے۔ کیا وجہ تھی کیا کوئی انقلاب لانے کی کوشش کی گئی تھی؟

جواب ۔ میں نے اس سوال کا جواب پوری طرح اپنی کتاب Mosaic of Memory میں دیا ہے۔ بات دراصل یہ تھی کہ حکومت (پیپلز پارٹی کی حکومت) بعض ایسے فیصلے کرنا چاہتی تھی جو درست نہیں تھے۔ یہ فیصلے میری سفارشات پر کئے گئے فیصلوں کے خلاف تھے۔ وہ انہیں "ریورس" کرنا چاہتے تھے۔ اس پر میں نے کہا تھا کہ اگر آپ اس طرح کریں گے تو ہم ساتھ نہیں چل سکیں گے اور مجھے جانے کی اجازت دے دیں۔

سوال ۔ وہ کیا فیصلے تھے کیا کچھ افراد کی ترقیوں کے سلسلے میں تھے؟

جواب ۔ وہ کچھ افسران کے ریٹائر منٹ کے سلسلے میں تھے۔ وہ سازش کیس کے سلسلے میں تھے۔ انہوں نے زور دیا کہ ہم فیصلے کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ بچوں کا کھیل تو نہیں ہے کہ ایک فیصلہ ابھی کیا اور اسے تبدیل کر دیا۔ مین نے وزیر دفاع سے کہا کہ پھر آپ جو چاہیں کر لیں لیکن میں اس میں شامل نہیں ہو سکتا ہوں اور مجھے اجازت دے دیں پھر انہوں نے ایک ہفتہ کے بعد میری درخواست قبول کر لی۔

سوال ۔ کیا وزیر دفاع کا عہدہ بھٹو صاحب کے پاس تھا؟

جواب ۔ جی ہاں وہ ہی وزیر دفاع بھی تھے۔ لیکن آپ اسے اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ جو میں نے انہیں کہا تھا اس سے انہیں اتفاق نہیں تھا۔

سوال ۔ آپ اور کتنے سال نوکری کر سکتے تھے؟

جواب ۔ کم از کم ایک سال اور مجھے دو سال سے کچھ زیادہ ہوئے تھے مجھے اپنے عہدے کی مدت کے بارے میں پتہ نہیں تھا کہ یہ تین سال کے لئے ہے یا چار سال کے لئے۔

سوال ۔ پہلے معیاد عہدہ کیا ہوتا تھا؟

جواب ۔ پہلے چار سال ہوتا تھا پھر انہوں نے (بھٹو صاحب) تین سال کر دیا۔ لیکن میرے

معاملے میں طے ہونا باقی تھا۔ میں کہتا ہوں کہ جو کسی کا معیار' عہدہ ہو اس کو اس میں ایک دن کی بھی توسیع نہیں ہونی چاہئے۔ ہر گز نہیں ہونی چاہئے۔ ہمارے ہاں اکثر خرابیاں اسی وجہ سے ہوئی ہیں۔ شروع سے یہ رواج پڑ گیا ہے۔ مثلاً ایوب خان کو توسیع دی گئی۔ اصغر خان کو دو ٹرمز دی گئیں آپ کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایئر فورس کا ابتدائی دور تھا کوئی اہل آدمی نہیں تھا۔ لیکن آپ جب اس کے pros & cons کو دیکھتے ہیں تو سمجھ میں یہ آتا ہے کہ یہ بات غلط تھی۔ یہ فیصلہ غلط تھا۔ ایئر چیف مارشل ذوالفقار علی خان صاحب اور انور شمیم کو بھی توسیع دی گئی۔ یہ بالکل غلط فیصلہ تھا۔ یہ کہنا کہ ایک آدمی کے بغیر کام نہیں چلتا بیہودہ بات ہے آپ پورے نظام اور افراد کی تضحیک کر رہے ہیں کوئی ایک آدمی نہیں ملتا جو کام چلا سکے یہ کیسے ہو سکتا ہے کوئی عقل مند آدمی ہی باور کر سکتا ہے کہ ان سروسز میں جہاں پندرہ ہزار یا دو لاکھ افراد موجود ہوتے ہیں ایک آدمی بھی نہ ملے۔ اگر نظام کو صرف ایک آدمی چلاتا ہے تو پھر سارا نظام غلط ہے۔ خراب ہے۔ یہ آدمی مر جائے یا ناکارہ ہو جائے تو پھر کیا ہو گا۔ بات بالکل الٹی ہے۔ یہ ہر گز نہیں ہونا چاہئے میں سمجھتا ہوں کہ اس وجہ سے ہمارے ملک میں بہت سی خرابیاں ہوئی ہیں۔ جس کو توسیع ملتی ہے اس کے اپنے فیصلے نرم پڑ جاتے ہیں اس کو اپنا خیال آتا ہے شائد مجھے ایک اور توسیع مل جائے۔ لوگوں کو کچھ لالچ بھی ہو جاتی ہے۔

سوال ۔ چیف کی جو تقرری ہوتی ہے وہ میرٹ پر ہوتی ہے یا حکومت کے سربراہ کی پسند پر؟

جواب ۔ چیف کی تقرری حکومت کرتی ہے آپ اسے "اپائنٹ" نہیں کر سکتے۔ آپ اس عہدے کا الیکشن تو نہیں کرا سکتے۔ اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو یہ بات بالکل غلط ہو گی۔ فوجی افسروں کے درمیان مقبولیت کا کوئی مقابلہ تھوڑی ہوتا ہے۔ جو بہتر ہو گا آپ اسے ہی کمانڈر بنائیں گے۔ یہ سیاسی معاملہ تو ہے نہیں۔ چیف کی تقرری کا فیصلہ سینئرٹی اور میرٹ کو مدنظر رکھ کر ہی کیا جاتا ہے۔

سوال ۔ اس طرح بہت سارے "سپرسیڈ" بھی ہو جاتے ہیں ہوں گے؟

جواب ۔ جی ہاں ہو جاتے ہیں ہونے بھی چاہئیں۔ یہ ضروری تو نہیں کہ سنیئرٹی کی بنیاد پر ہی سب کچھ ہو۔ جس آدمی نے تین یا چھ ماہ قبل ملازمت اختیار کی اور دوسرے نے بعد میں لیکن تیس سال یا بتیس کی ملازمت میں تین یا چھ ماہ بے معنی بات ہو جاتے ہیں۔ چیف کی تقرری کے وقت یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ ایک شخص نے تیس سال کے دوران کس کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ کیا کیا کیا اور دوسرے نے کیا کیا کیا؟

سوال ۔ آپ نے بھی کچھ لوگوں کو سپرسیڈ کیا ہو گا؟

جواب ۔ اتنے زیادہ تو نہیں شائد ایک شخص کو اور وہ ملازمت کے "مین سٹریم" میں نہیں تھے بلکہ انہوں نے اپنا زیادہ تر وقت ٹرانسپورٹ میں گزارا تھا۔ ٹرانسپورٹ کا شعبہ صحیح معنوں میں

"فائٹنگ ایلیمنٹ" میں شمار نہیں کیا جاتا ہے۔ جو آدمی اس شعبہ سے متعلق رہا ہو اس کے بارے سمجھا جاتا ہے کہ اسے وہ ٹریننگ نہیں ہوئی ہے جو ایک کمانڈر کے لئے ضروری تصور کی جاتی ہے۔

سوال ۔ جب آپ نے بھٹو صاحب سے کہا کہ مجھے اب جانے دیں تو ان کا جواب کیا تھا۔ کیا آپ نے ریٹائرمنٹ کے لئے لکھ کر درخواست کی تھی؟

جواب ۔ میں نے لکھا تھا اور زبانی بھی کہا تھا میرا یہ موقف ہے۔

سوال ۔ ایئر چیف مارشل ذوالفقار علی خان کے سلیکشن میں آپ کا کوئی ہاتھ تھا؟

جواب ۔ میرا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔

سوال ۔ کیا ریٹائر ہونے والے چیف سے کوئی مشورہ نہیں کیا جاتا ہے؟

جواب ۔ یہ حالات پر منحصر ہوتا ہے کہ چیف کن حالات اور ماحول میں تبدیل ہو رہا ہے۔ اگر تبدیلی معمول کے مطابق ہے فرض کرو کہ میں یا رحیم خان اپنی معیاد ملازمت پوری کر کے جا رہے ہوتے تو شاید معلوم کیا جاتا لیکن حکومت کے لئے اس پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے۔ جب حالات غیر معمولی ہوں جیسا میرے اور رحیم خان کے معاملے میں ہوا تو پھر مشورہ کرنا اور رائے لینا مشکل اور ناممکن ہوتا ہے۔ بہرحال مجھ سے نہیں پوچھا گیا تھا۔ میں نے بھٹو صاحب سے پوچھا تھا کہ میرا جانشین کون ہو گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ فیصلہ نہیں ہوا ہے۔ ہم نے فیصلہ نہیں کیا ہے اب ہم سوچیں گے حالانکہ ان کا جواب غلط تھا کہ فیصلہ ہو چکا تھا۔ چھوڑیں یہ ذاتی بات ہے۔ اسی طرح رحیم خان سے بھی نہیں مشورہ کیا گی تھا۔ میرے اور ان کے چالیس برس پرانے تعلقات ہیں انڈین ایئر فورس سے ہم ساتھ ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر ان سے پوچھا جاتا تو ممکن ہے وہ میرا ہی نام لیتے۔ ہم دوست ہیں۔ میں نے اس موضوع پر ان سے گفتگو کی ہے۔ یہ حالات پر منحصر ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں تبدیلیاں کچھ معمول سے ہٹ کر بھی ہوئی ہیں۔ میں بہرحال ملازمت میں توسیع جیسے بنیادی نکتہ پر گفتگو کر رہا تھا کہ اصولی طور پر توسیع نہیں ہونی چاہئے۔ خواہ اس کے فوائد ہی کیوں نہ ہوں۔ بعض اوقات فوائد ہو سکتے ہیں لیکن نقصانات زیادہ ہوتے ہیں۔ کسی کو بھی کسی بھی حالت میں ملازمت توسیع نہیں ملنی چاہئے۔ کوئی بھی آدمی ناگزیر نہیں ہے۔ پڑوسی ملک ہندوستان میں دیکھیں وہاں کسی کو بھی ایک دن کی توسیع نہیں ملتی ہے۔ ملازمت میں توسیع انگلستان اور امریکہ میں بھی نہیں دی جاتی ہے۔ ہمارے ہاں لوگ جائیداد سمجھ کر بیٹھ جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم ہی ٹھیکیدار ہیں اور سوچتے ہیں کہ کسی اور کے بس کی بات نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ ملازمت کی مدت میں توسیع سے بہت سے پرابلم پیدا ہو جاتے ہیں۔

سوال ۔ ہمارے ملک میں ایک رجحان چل رہا ہے کہ فوجی اپنی ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد سیاست میں آ جاتے ہیں آپ کا اس رجحان کے بارے میں کیا خیال ہے؟

جواب ۔ میرا خیال ہے کہ اس معاملے میں کوئی کلی ممانعت نہیں ہونی چاہئے۔ لیکن اگر بہت

سارے ریٹائرڈ فوجی سیاست میں داخل ہو رہے ہیں تو میرا خیال ہے کہ یہ اچھا رجحان نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے معاشرے میں کچھ خرابی موجود ہے۔ آپ کا نظام اتنا کمزور ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ انہیں دخل دینا چاہئے۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ اس رجحان پر کوئی بندش عائد ہونی چاہئے۔ امریکہ اور برطانیہ میں کوئی بندش نہیں ہے لیکن وہاں شاذ و نادر ہی کوئی سیاست میں آتا ہو گا۔ ان کے ہاں جو لوگ سیاسی نظام اور عمل کے تحت آتے ہیں وہ ہی ان کے لیڈر ہوتے ہیں۔ ہمارا نظام کمزور ہے اور پھر ہمارے فوجیوں کے نام زیادہ نمایاں ہو جاتے ہیں۔ وہ ممتاز شخصیات میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ان کے دل میں بھی خیال آتا ہو گا کہ وہ لیڈر بن سکتے ہیں اور لوگ بھی ان کے نام سے آشنا ہو جاتے ہیں۔ بنیادی طور پر اس میں کوئی غلط بات تو نہیں ہے لیکن یہ نشان دہی کرتا ہے کہ آپ کے سیاسی نظام میں کمزوری ہے۔

سوال ۔ عام تاثر یہ ہے کہ ۱۹۷۱ء کی جنگ میں ہماری ایئر فورس مشرقی پاکستان میں اپنی کارکردگی کا بھرپور مظاہرہ کرنے میں ناکام رہی ہے۔ آپ کا کیا خیال ؟

جواب ۔ ۱۹۷۱ء میں میں پاکستان انٹرنیشنل ایئرلائز کا منیجنگ ڈائریکٹر تھا۔ میں براہ راست ایئر فورس کے آپریشنز میں ملوث نہیں تھا مجھے ویسے عمومی طور پر معلوم ہے کہ کیا ہوا۔ میں نے اپنی کتاب میں اس پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ۱۹۶۵ء کے مقابلے میں ہماری فورس نے ۱۹۷۱ء میں زیادہ اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ بھارتی ۱۹۷۱ء میں بہت ترقی کر چکے تھے۔ انہوں نے بہت محنت کی تھی۔ انہوں نے اپنی خامیاں دور کرنے کی کوشش کی تھی ان کی فورس بہت بڑی تھی۔ یہ کہنا کہ ۱۹۶۵ء میں ہماری کارکردگی بہت اچھی تھی اور ۱۹۷۱ء میں بہت خراب تھی۔ یہ ٹھیک تجزیہ نہیں ہو گا۔ ہمارے پاس ۱۹۷۱ء میں جن لوگوں نے کام کیا کم و بیش یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے ۱۹۶۵ء میں فضائی جنگ لڑی تھی۔ ۱۹۷۱ء کی جنگ کے دوران جیسا کہ آپ جانتے ہیں قومی جذبہ نہیں تھا۔ کچھ لوگ سوچتے تھے کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں کیا یہ درست ہے ؟ بہت سے لوگ سیاسی حل چاہتے ہیں اور یہ ساری صورت حال کارکردگی کو متاثر کرتی ہے۔

سوال ۔ جب آپ شیخ مجیب الرحمٰن کو لندن لے گئے تھے تو کیا دوران سفر گفتگو ہوئی تھی ؟

جواب ۔ جی ہاں بات چیت ہوئی تھی۔ سفر تو کوئی نو گھنٹے کا تھا لیکن گفتگو ایک گھنٹہ کی ہوئی تھی۔

سوال ۔ آپ نے خود جہاز اڑانے کا فیصلہ کیوں کیا تھا ؟

جواب ۔ میں جہاز چلا تو نہیں رہا تھا لیکن جہاز میں موجود تھا کہ وزارت دفاع کی طرف سے یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ میں ان کے ساتھ جاؤں اور وہاں خیریت سے پہنچا کر آؤں۔ حکومت کو یہ اندیشہ تھا کہ کسی اور ملک کی طرف سے جہاز کو نقصان پہنچایا جائے گا تا کہ ہماری پوزیشن خراب ہو۔

سوال ۔ دوران سفر شیخ مجیب الرحمٰن کا رویہ کیسا تھا؟
جواب ۔ وہ بہت خوش تھے کہ انہیں پھانسی نہیں دی گئی اور زندہ سلامت چھوڑ دیا گیا۔ اس کے لئے وہ بھٹو صاحب کے بہت مشکور تھے انہوں نے دوران سفر مجھے کئی بار کہا بھٹو عظیم آدمی ہے۔ اس نے دو مرتبہ میری جان بچائی ہے میں اس کا ساتھ دوں گا وغیرہ وغیرہ۔ دوسرا تاثر انہوں نے یہ دیا تھا کہ ہندوستانیوں سے مجھے پیچھا چھڑانا ہے کہ وہ بنگلہ دیش میں آکر بیٹھ گئے ہیں۔ ان سے پیچھا چھڑانے کے بعد میں کوئی نہ کوئی راستہ نکال کر پاکستان کے ساتھ کوئی رابطہ قائم کرلوں گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ یہ تاثر اس لئے دے رہے تھے کہ اگر انہوں نے ہم سے اپنے دل کی بات کر دی تو شاید ہم انہیں لندن نہ لے جائیں۔ انہیں کچھ اس طرح کا شک تھا۔ جب لندن پہنچ گئے تو ان کا رویہ بالکل بدل گیا تھا۔
سوال ۔ اس سفر کے دوران اور کون کون تھا؟
جواب ۔ ڈاکٹر کمال حسین کے بچوں کو ہم نے کراچی سے اٹھایا تھا جب کہ شیخ مجیب الرحمٰن اور ڈاکٹر کمال حسین راولپنڈی سے جہاز میں سوار ہوئے تھے۔
سوال ۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر مشرقی پاکستان میں ایئر فورس ہماری بری فوج کی پوری طرح مدد کر دیتی تو سقوط ڈھاکہ اتنی جلدی تو ممکن نہ ہوتا؟
جواب ۔ وہاں ایئر فورس تو کچھ کر ہی نہیں سکتی تھی۔ ۱۹۶۵ء میں ہندوستانی کچھ ڈرے ہوئے تھے اور انہوں نے تیاری ٹھیک نہیں کی تھی۔ اس لئے کام چل گیا تھا۔ آپ کے پاس وہاں صرف ایک بیس تھا۔
سوال ۔ آپ نے ۱۹۶۵ء کے بعد کیوں نہیں سوچا کہ فورس مضبوط کرنا چاہیئے؟
جواب ۔ سوچ لینا اور اس پر عمل کرنا دو مختلف کام ہیں۔ یہ اتنا آسان تو نہیں ہے۔ وہاں جو جغرافیائی صورت حال تھی اس کا مقابلہ بہت مشکل تھا۔ اصل چیز آپ کو پورے پاکستان کا خیال رکھنا تھا۔ اگر آدھی ایئر فورس ادھر بھیج دیتے تو وہ ناکارہ ہوجاتی اور آپ کا زیادہ نقصان ہوتا۔
سوال ۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ۱۹۶۵ء کے بعد ہمارے کمانڈروں کو ایئر فورس کو مضبوط بنانا چاہیئے تھا اور ان کے ذہن میں مشرقی پاکستان کا دفاع بھی ہونا چاہیئے تھا؟
جواب ۔ اگر آپ مشرقی پاکستان کا جائزہ لیں تو وہاں کی صورت حال بہت مشکل تھی اور جو آپ کے پاس ذرائع تھے ان سے آپ اپنی تمام کوششوں کے باوجود مشرقی پاکستان کا دفاع نہیں کر سکتے تھے۔ اس میں تینوں افواج شامل ہیں۔ فوجی نکتہ نگاہ سے دیکھا جائے تو بنگلہ دیش کی حکومت آج بھی اپنی دفاع ٹھیک طرح سے نہیں کر سکتی ہے لیکن سیاسی طور پر معاملات کو حل کر سکتے ہیں اور یہی جواب ہے ہمیں بھی یہی کرنا چاہیئے تھا۔ وہاں کا مسئلہ سیاسی تھا اور اس کا حل بھی سیاسی ہونا چاہیئے تھا۔ آپ اپنے لوگوں سے کس طرح لڑ سکتے ہیں۔

سوال ۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ آج ہماری مسلح افواج کسی بھی جارح کا پوزی طرح مقابلہ کرنے کی پوزیشن میں ہیں؟

جواب ۔ یہ تو منحصر ہے کہ جارح اور حملہ آور کون ہے۔ کوئی بھی ملک یہ نہیں کہہ سکتا کہ کوئی بھی لڑنے کو آجائے اور ہم اسے پیٹ دیں گے۔

سوال ۔ چین اور نیپال تو جارح اور حملہ آور نہیں ہوں گے؟

جواب ۔ دیکھیں جی جب کرکٹ یا ہاکی میں آپ کا میچ ہوتا ہے تو گیارہ آدمی ایک ٹیم کے ہوتے ہیں اور گیارہ دوسری ٹیم کے اور ضابطوں اور قوانین کے تحت آپ کھیلتے ہیں پھر آپ بعض دفعہ شکست کھا جاتے ہیں اگر مخالف ٹیم آپ سے دو تین یا چار گنا بڑی ہوگی تو پھر یہ کہہ دینا کہ جو کوئی ہمارے مقابلے پر آئے گا ہم اس کو پیٹ دیں گے۔ یہ حقیقت پسندانہ بات تو نہیں ہوگی۔ البتہ جذباتی طور پر آدمی یہ کہہ سکتا ہے۔

سوال ۔ سوال یہ ہے کہ پھر ہم اپنی بقا کے لئے کیا کریں؟

جواب ۔ سلامتی کے لئے صرف فوج تو نہیں ہوتی۔ فوج تو آخری حربہ ہوتی ہے اور ایک جو میرے خیال میں بہت اہم عنصر نہیں ہوتا ہے فوج ہوتی ہے۔ آپ کو مسائل کا سیاسی حل تلاش کرنا ہوتا ہے۔ آپ کو سیاسی رشتہ ناتا جوڑنا ہوتا ہے۔ دنیا میں ہم اکیلے ہی تو چھوٹے ملک نہیں ہیں۔ دنیا کا ہر ملک روس یا امریکہ تو نہیں ہے چھوٹے چھوٹے ملک بھی تو ہیں۔

سوال ۔ لیکن اگر طاقت ور مقابل مذاکرات سیاسی گفت و شنید اور پر امن طریقوں سے بات نہ مانے تو پھر؟

جواب ۔ اگر پاکستان اپنے آپ کو بیچ بھی دے تو وہ پھر بھی بہت بڑی ایسی فوج بنانے سے قاصر رہے گا جو روس یا ہندوستان کا مقابلہ کرے۔ آپ کو تو اپنے ذرائع میں ہی رہنا ہے۔ آپ کیا کر سکتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ آپ کو مسائل کے حل کے لئے تعلقات بہتر بنانے ہوں گے ان لوگوں سے آپ کو بات چیت کرنا ہوگی جن کی طرف سے آپ کو خطرہ ہے تاکہ وہ خطرہ ٹل جائے۔ ٹھیک ہے کہ مسلح افواج کا اپنا کردار ہے۔ جب مصیبت سر پر کھڑی ہو جائے تو وہ آپ کی مدد ضرور کریں گی۔ لیکن جب آپ کے ہمسائے بڑے ہوں اور آپ چھوٹے ہوں تو یہ خیال کرنا کہ سارا کام فوج کرے گی غیر حقیقت پسندانہ بات ہے۔

(یہ گفتگو یکم نومبر ۱۹۸۶ء کو ائیر مارشل ظفر چوہدری کے ساتھ لاہور میں ریکارڈ کی گئی)

رحیم خان

"...... مسٹر بھٹو جمہوری نوعیت کی شخصیت تھے لیکن انہوں نے بھی ملک میں حقیقی جمہوریت نافذ نہیں کی۔ انہوں نے اپنے آپ کو ایک آمر میں تبدیل کر لیا تھا۔ انہوں نے اقتدار لینے کے بعد بھی کافی عرصہ تک مارشل لاء جاری رکھا۔ اس حقیقت کے باوجود کہ میں نے اور جنرل گل حسن نے انہیں مارشل لاء اٹھانے کے لئے مسلسل کہا تھا۔"

ایئر مارشل رحیم خان

ایئر مارشل (ریٹائرڈ) سابق سربراہ پاکستان ایئر فورس و سابق سفیر (بھٹو دور)

۱۹۷۷ء میں ملک بھر میں جب سیاسی جماعتیں پیپلز پارٹی کی حکومت اور وزیر اعظم بھٹو کے خلاف تحریک چلا رہی تھی تو اسپین میں پاکستان کے سفیر کے استعفیٰ نے تحریک میں حرارت پیدا کر دی تھی۔ سیاسی جماعتوں اور عوام نے اس استعفیٰ کو بھٹو حکومت کی کمزوری سے تعبیر کیا تھا۔ وہ سفیر ایئر مارشل رحیم خان (ریٹائرڈ) تھے۔ رحیم خان کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ یحییٰ خان کو سقوط ڈھاکہ کے بعد اقتدار سے علیحدہ ہونے اور اقتدار بھٹو کے حوالے کرنے پر مجبور کیا تھا۔ ایئر مارشل رحیم خان اور جنرل گل حسن کے بارے میں عوامی حلقوں میں تاثر بھی پایا جاتا تھا کہ پیپلز پارٹی کو اقتدار ان کے توسط میں ملا تھا۔ رحیم خان ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران ایئر فورس کے سربراہ بھی تھے اور جنرل گل حسن بھٹو دور کے پہلے چیف آف آرمی اسٹاف تھے۔ ان دونوں حضرات کے بھٹو صاحب سے تعلقات روز اول سے ہی کشیدہ ہو گئے تھے جس پر ایئر مارشل نے اپنا موقف بیان کیا ہے۔

علی حسن ۔ مارشل لاء کیوں نافذ کیا جاتا ہے؟
ایئر مارشل رحیم خان ۔ حالات ایسے ہو جاتے ہیں اور عوام ایسے حالات پیدا کر دیتے ہیں کہ مارشل لاء کا نفاذ ناگزیر ہو جاتا ہے۔
سوال ۔ ہمارے ملک میں مارشل لاء "کو" کے بعد بھی لگایا گیا اور بغیر "کو" کے بھی۔ کیا دونوں صورتوں میں حالات ایک جیسے تھے؟
جواب ۔ ملک میں پہلا مارشل لاء صدر اسکندر مرزا کی جانب سے فوج کو دعوت پر لگایا گیا تھا۔ وہ ایوب خان کا "کو" نہیں تھا۔ ایوب خان نے اسکندر مرزا کی پیشکش منظور کر کے غلطی کی تھی یا نہیں یہ ایک علیحدہ موضوع ہے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ انہیں مارشل لاء لگانے کے لئے تیار نہیں ہونا چاہئے تھا۔ انہیں کہنا چاہئے تھا کہ سیاست دانوں کو اپنے اختلافات خود ہی دور کرنے چاہئیں۔ دوسرا مارشل لاء جنرل یحییٰ خان نے لگایا تھا اور میرے خیال میں فیلڈ مارشل ایوب کا یہ فیصلہ درست نہیں تھا کیونکہ ان کو اپنے نافذ کردہ آئین کے مطابق اقتدار قومی اسمبلی کے اسپیکر کے حوالے کرنا چاہئے تھا۔ تیسرا مارشل لاء موجودہ حکومت نے لگایا اور میرے خیال میں ایک مرتبہ پھر غلطی کا اعادہ کیا گیا۔ میں ملک میں موجود نہیں تھا لیکن مجھے بتایا گیا کہ سیاست دانوں کے درمیان کوئی فیصلہ ہونے کو تھا کہ مارشل لاء لگ گیا۔ آپ یہ بات جنرل چشتی سے معلوم کریں۔ (میں نے انہیں بتایا تھا کہ میں آج شام جنرل چشتی صاحب سے بھی گفتگو کرنے جا رہا ہوں۔ علی حسن)۔
سوال ۔ آپ کہتے ہیں کہ حالات خراب ہوتے ہیں اور عوام مطالبہ کرتے ہیں کہ مارشل لاء لگا دیا جائے۔ لیکن گذشتہ دو مارشل لاء سے صورتحال بہتر تو نہیں ہوئی تھی؟
جواب ۔ پہلے مارشل لاء سے قبل عوام ایئر ہیڈ کوارٹر اور جنرل ہیڈ کوارٹر میں باقاعدہ خطوط لکھ کر مارشل لاء لگانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ میرے علم میں یہ بات ہے کہ جی۔ ایچ۔ کیو میں اس زمانے میں روزانہ چار پانچ سو خطوط موصول ہوتے تھے۔ میں اس زمانے میں ایئر ہیڈ کوارٹر پشاور میں تھا۔ وہاں اوسطاً ساٹھ سے ایک سو خط روزانہ ایسے آتے تھے جن میں مطالبہ کیا جاتا تھا کہ ملک میں مارشل لاء نافذ کیا جائے۔
سوال ۔ مارشل لاء سے کتنے عرصے قبل یہ خطوط آنا شروع ہوئے تھے؟
جواب ۔ ۱۹۵۸ء کا مارشل لاء لگنے سے چھ ماہ قبل سے۔
سوال ۔ خطوط میں لوگ کیا لکھتے تھے؟
جواب ۔ لکھتے تھے کہ حالات خراب ہو رہے ہیں۔ امن وامان نہیں ہے۔ حالانکہ امن وامان سے افواج کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔
سوال ۔ کیا یہ خطوط نامعلوم افراد کی طرف سے نہیں ہوتے تھے۔ ان کی حقیقت معلوم کرنے

کے لئے کوئی تحقیقات کرائی گئی تھی؟
جواب ۔ میرا خیال ہے کہ وہ حقیقی خطوط تھے۔
سوال ۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلح افواج سول حکومت کے تابع ہوتی ہیں۔ وہ سول حکومت کا بازو تصور کی جاتی ہیں۔ اگر انہیں دعوت بھی دی جائے یا جس طرح آپ نے کہا خطوط لکھے گئے تھے کیا یہ جائز ہے کہ وہ اقتدار پر قبضہ کرلیں؟
جواب ۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ ایوب خان کو ملک میں مارشل لاء نہیں لگانا چاہئے تھا۔
سوال ۔ لیکن آج جو تاریخی حوالے ملتے ہیں ان کے مطابق ایوب خان تو ۱۹۵۴ء سے اقتدار میں آنے کے لئے سوچ رہے تھے۔
جواب ۔ غلط سوچ رہے تھے۔
سوال ۔ پھر اس کا مطلب ہے جو خطوط آرہے تھے وہ حقیقی نہیں تھے۔
جواب ۔ یہ بے معنی بات ہے۔ اس بات کا ہر گز یہ مطلب نہیں ہے کہ خطوط حقیقی نہیں تھے۔ میرا خیال ہے کہ بھارت میں افواج کے ہیڈ کوارٹر میں بھی اس قسم کے خطوط آتے ہونگے۔
سوال ۔ ہمیں بحیثیت قوم مارشل لاء کے نفاذ کو روکنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کرنا چاہئے۔ آئین میں سول حکومت نے ایک شق بھی شامل کی تھی۔ اس وقت کی حکومت کے ذہن میں یہ خیال تھا کہ شاید آئینی شق مارشل لاء کے نفاذ کی راہ میں رکاوٹ بنے گی لیکن ایسا نہ ہوسکا۔
جواب ۔ پہلی چیز میرے خیال میں یہ ہے کہ سیاست دانوں کو ایمانداری سے اپنے مفادات پر ملک کے مفاد کو مقدم رکھنا چاہئے۔ اگر ہمارے سیاست دان آپس میں لڑنے کی بجائے اپنے مفادات کو ملک کے مفاد پر قربان کرنے کا جذبہ پیدا کرلیں تو میرے خیال میں مسلح افواج کے پاس کوئی راستہ نہیں رہتا۔ لیکن جب سیاست دان اپنے مفادات پر ہر چیز قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں تو مسلح افواج کس طرح چاہیں گی کہ ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔
سوال ۔ لیکن تینوں مارشل لاء سے قبل کبھی بھی ملک کی سالمیت کو خطرہ نہیں تھا۔ دوسرے مارشل لاء کے بعد ملک کی سالمیت کو جو نقصان پہنچنا تھا وہ پہنچ چکا تھا۔
جواب ۔ اب تو مارشل لاء ختم ہو گیا ہے اب انتخابات بھی ہوں گے۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ سیاسی صورتحال ٹھیک ٹھاک ہو جائے گی۔
سوال ۔ فرض کرلیں کہ حالات ٹھیک نہیں ہوتے ہیں تو کیا مسلح افواج کے پاس کوئی جواز ہے کہ مارشل لاء دوبارہ نافذ کر دیا جائے؟
جواب ۔ نہیں۔ میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں۔ مسلح افواج کی ذمہ داری ملک کا دفاع ہے۔
سوال ۔ میں یہی بات پوچھ رہا تھا کہ آپ نے کہا کہ سیاست دانوں کو ایماندار اور بہتر ہونا

چاہیے۔

جواب ۔ یہ حقیقت ہے۔ سیاست دانوں کو کسی حد تک ذمہ دار ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ (مارشل لاء کے بار بار نفاذ کے لئے) اب آپ دیکھیں کہ مسٹر بھٹو جمہوری نوعیت کی شخصیت تھے لیکن انہوں نے بھی ملک میں حقیقی جمہوریت نافذ نہیں کی۔ انہوں نے اپنے آپ کو ایک آمر میں تبدیل کر لیا تھا۔ انہوں نے اقتدار لینے کے بعد بھی کافی عرصہ تک مارشل لاء جاری رکھا۔ اس حقیقت کے باوجود کہ میں نے اور جنرل گل حسن نے انہیں مارشل لاء اٹھانے کے لئے مسلسل کہا تھا۔

سوال ۔ یہ بات آپ نے کب کہی تھی؟

جواب ۔ جب انہوں نے اقتدار لیا تھا۔

سوال ۔ دسمبر میں کہی تھی یا اس کے بعد؟

جواب ۔ دسمبر میں کہا' جنوری میں کہا۔

سوال ۔ فوج سے آپ لوگوں کی علیحدگی تو فوری ہو گئی تھی جب مسٹر بھٹو نے اقتدار حاصل کیا تھا؟

جواب ۔ ہم مارچ میں علیحدہ کر دئے گئے تھے۔

سوال ۔ جب آپ لوگ ان سے مارشل لاء اٹھانے کے لئے کہا کرتے تھے تو ان کا ردعمل کیا ہوتا تھا؟

جواب ۔ وہ کہتے تھے کہ میرے لئے مارشل لاء جاری رکھنا ضروری ہے۔

سوال ۔ آپ لوگوں کا کیا ردعمل ہوتا تھا؟

جواب ۔ ہمارا خیال تھا کہ کوئی جواز نہیں ہے۔

سوال ۔ آپ کے خیال میں انہوں نے مارشل لاء کو کیوں جاری رکھا۔

جواب ۔ زیادہ اختیارات کے لئے۔ مارشل لاء لامحدود اختیارات دیتا ہے۔ وہ غیر آئینی اختیارات چاہتے تھے۔ اگر وہ چاہتے تو اس ملک کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جمہوریت دے سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ انتخابات میں دھاندلیوں کے بارے میں انہیں علم تھا یا نہیں۔ یہ مجھے معلوم نہیں لیکن مجھے معلوم ہے کہ انتخابات میں دھاندلیاں ہوئی تھیں۔ میں اگر ان کی جگہ ہوتا تو ملک میں جمہوریت قائم کرنے کے لئے دانستہ طور پر شکست کو گلے لگا لیتا اور کہتا کہ ٹھیک ہے کوئی اور آکر حکومت کرے۔

سوال ۔ لیکن آپ تو اتنے یقین سے کہہ رہے ہیں جیسے دھاندلی ہوئی ہو جبکہ آپ تو ملک سے باہر تھے؟

جواب ۔ میں باہر تھا لیکن مجھے پکا بتایا گیا کہ دھاندلیاں ہوئی ہیں۔ میں نے اس بات کی تصدیق کرنے کے بعد ہی مارچ ۷۷ء میں سفارت سے استعفیٰ دے دیا تھا۔

سوال ۔ کیا کسی سفیر کا یہ قدم درست تھا کہ وہ ملک میں ہونے والے معاملات پر اس طرح کے رد عمل کا اظہار کرے؟

جواب ۔ کیوں نہیں، جب لوگ مجھ سے پوچھتے تھے کہ کیا دھاندلی ہوئی ہے تو کیا میں جھوٹ بولتا۔

سوال ۔ آپ اسپین میں سفیر تھے؟

جواب ۔ جی ہاں۔

سوال ۔ آپ نے استعفیٰ دینے سے قبل مسٹر بھٹو یا دفتر خارجہ سے کوئی رابطہ قائم کیا تھا؟

جواب ۔ نہیں۔

سوال ۔ یہ تصدیق کرنے کے بعد کہ دھاندلی ہوئی ہے آپ نے استعفیٰ دیا یا وہ کوئی جذباتی فیصلہ تھا؟

جواب ۔ یہ جذباتی فیصلہ نہیں تھا بلکہ disillusionment on Mr. Bhutto تھا۔

سوال ۔ آپ مسٹر بھٹو کو کب سے جانتے تھے۔

جواب ۔ جب وہ ۱۹۵۸ء میں وزیر تجارت بنے تھے۔

سوال ۔ کیا آپ دونوں ایک دوسرے کے قریب تھے۔

جواب ۔ نہیں۔ جب انہوں نے ایوب کی کابینہ سے استعفیٰ دیا تو انہوں نے کراچی میں میرے پاس آنا جانا شروع کر دیا تھا۔

سوال ۔ آپ نے جب یحییٰ خان سے مسٹر بھٹو کو اقتدار منتقل کرایا تھا تو آپ کے پیش نظر کیا محرکات تھے؟

جواب ۔ یہی کہ ملک میں انتخابات ہوگئے ہیں مسٹر بھٹو کی پارٹی نے مغربی پاکستان میں اکثریت حاصل کی ہے۔ درحقیقت جنرل یحییٰ خود مسٹر بھٹو کو اقتدار منتقل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ میں مسٹر بھٹو کو کتنی جلدی یہاں لاسکتا ہوں۔ میں نے جواب دیا تھا کہ جتنی جلدی وہ واپس آنا چاہیں۔

سوال ۔ ایئر مارشل صاحب اسی معاملے کو دوسرے رخ سے دیکھیں۔ جب شیخ مجیب الرحمٰن نے قطعی اکثریت حاصل کر لی تھی تو آپ لوگوں نے یحییٰ خان کو کیوں مجبور نہیں کیا تھا کہ اقتدار مجیب الرحمٰن کے حوالے کر دیں؟

جواب ۔ انصاف کی بات یہی ہے کہ اقتدار شیخ مجیب الرحمٰن کو دے دیا جانا چاہئے تھا۔ لیکن میں اس وقت بھی ملک سے باہر تھا اور جنرل یحییٰ خان مسلح افواج کی بات اتنی نہیں سن رہا تھا۔ جتنی مسٹر بھٹو کی بات مان رہا تھا۔ مسٹر بھٹو اس بات کے لئے تیار نہیں تھے۔ وہ مشرقی پاکستان جانے کے

لئے تیار نہیں تھے۔ انہوں نے دھمکی دی تھی کہ جو مشرقی پاکستان جائے گا اس کی ٹانگ توڑ دی جائے گی۔

سوال ۔ آپ لوگوں سے کبھی کوئی مشورہ لیا گیا تھا؟

جواب ۔ ایئر فورس سے تو ویسے بھی کوئی مشورہ نہیں لیا جاتا ہے۔ میں تو ویسے بھی پشاور میں رہتا تھا۔ جو جنرل مشورہ دیتے ہوں گے وہ دیتے ہوں گے۔

سوال ۔ جب مارشل لاء نافذ کیا جاتا ہے تو ایئر فورس کے سربراہ کو اعتماد میں لیا جاتا ہے؟

جواب ۔ نہیں۔

سوال ۔ کیا چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر اقتدار میں آنے کے بعد اطلاع دیتا ہے۔

جواب ۔ جی ہاں۔

سوال ۔ گذشتہ تینوں مارشل لاء میں ایسا ہی ہوا؟

جواب ۔ میرے خیال میں ایسا ہی ہوا۔ لیکن ایئر چیف مارشل ذوالفقار علی خان سے بھی پوچھو۔

سوال ۔ اس صورت میں اس بات کا خدشہ نہیں پیدا ہوتا ہے کہ سربراہ یا اس کی فورس بغاوت کر دے؟

جواب ۔ ایئر فورس کے سیاسی محرک تو ہوتے نہیں ہیں۔ یہ قطعی ایک پیشہ ور فورس ہوتی ہے اور اس نے گذشتہ دو جنگوں میں اپنی اہمیت کا احساس دلایا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس نے پاکستان کو دو مرتبہ بچایا ہے۔

سوال ۔ آپ نے کہا کہ دو مرتبہ پاکستان کو بچایا ہے وہ کس طرح؟

جواب ۔ ہاں دو مرتبہ بچایا ہے۔

سوال ۔ لیکن مبصرین کہتے ہیں کہ ہم نے ایئر فورس کی وجہ سے ۱۹۷۱ء کی جنگ میں شکست کھائی ہے۔ آپ نے اپنے ایک انٹرویو میں ایئر فورس کا دفاع کرتے ہوئے یہ بات کہی ہے کہ ہمارے پاس کوئی سہولت نہیں تھی۔ ایئر پورٹ تباہ ہو گیا تھا وغیرہ وغیرہ۔

جواب ۔ یہ تو مشرقی پاکستان کی بات ہے مگر مغربی پاکستان کو تو بچایا تھا۔

سوال ۔ مغربی پاکستان میں تو ۱۹۶۵ء کی جنگ ہوئی تھی اور اس لحاظ سے آپ کا دعویٰ ٹھیک ہے۔

جواب ۔ ۱۹۷۱ء میں بھی ایئر فورس نے مغربی پاکستان کے لئے کام کیا تھا۔

سوال ۔ ۱۹۷۱ء کی جنگ کے بارے میں تو کہا جاتا ہے کہ یہ امریکہ کے صدر نکسن کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ مغربی پاکستان کو بچا لیا گیا تھا کہ انہوں نے بھارت کو متنبہ کیا تھا کہ مغربی پاکستان میں جنگ نہ کرے۔

جواب ۔ مجھے نہیں معلوم لیکن میرا خیال ہے کہ آپ لوگوں کو اپنی معلومات میں اضافہ کرنا چاہئے۔ ۱۹۷۱ء کی جنگ میں بھارت کے ایک سو چار جہاز تباہ ہوئے تھے جبکہ ہمارے چھبیس جہاز گرے تھے۔

سوال ۔ مغربی پاکستان میں یا پورے پاکستان میں۔

جواب ۔ میں پورے پاکستان کی بات کر رہا ہوں۔ بھارتیوں نے اعتراف کیا ہے کہ ان کے ایک سو جہاز تباہ ہوئے تھے جبکہ ہم نے دعویٰ کیا تھا کہ ایک سو چار جہاز تباہ ہوئے ہیں۔ ایئر مارشل جنرل یگر (General Yeager) کی کتاب نکالتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جنرل یگر جو ایک ہیلی کاپٹر میں ایک ٹیم کے ہمراہ جنگ دیکھ رہے تھے لکھتے ہیں کہ پاکستان ایئر فورس نے بھارتی ایئر فورس کی ہوا میں وہ پٹائی کی ہے میں خود حیران رہ گیا۔ لیکن زمین پر معاملہ بر عکس تھا۔

سوال ۔ پاکستان ایئر فورس کی جب یہ قوت تھی اور اتنی مہارت تھی تو اس کے باوجود مشرقی پاکستان میں ہماری شکست کے کیا اسباب تھے؟

جواب ۔ مشرقی پاکستان میں ہمارا صرف ایک اسکواڈرن تھا۔ اور ایئر فیلڈ بھی ایک تھا۔ جب بھی ایئر فورس نے رقم کا مطالبہ کیا کہ دوسرا ایئر فیلڈ بنانا ہے کیونکہ ایک ایئر فیلڈ سے کوئی فورس جنگ نہیں لڑ سکتی تو آرمی کہتی تھی کہ ہمیں وہاں (مشرقی پاکستان) ایئر فیلڈ بنانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ان کا استدلال یہ ہوتا تھا کہ ویت نام میں امریکی ایئر فورس نے کچھ نہیں کیا۔ جنگلات میں ایئر فورس کچھ نہیں کر سکتی ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ویت نامیوں کے انداز میں جنگ لڑیں گے۔ جب ۱۹۷۱ء میں بھارتیوں نے ہمارا وہاں ایئر فیلڈ تباہ کر دیا تو اس وقت جنرل کہتے تھے کہ ہماری ایئر فورس نہیں ہے اس لئے ہم نہیں لڑ سکتے اس پر میں نے جواب دیا تھا کہ آپ لوگ تو ویت نامیوں کی طرح جنگ لڑنے کا عزم رکھتے تھے اب آپ کیوں نہیں لڑ سکتے۔

سوال ۔ آپ کی یہ گفتگو کن لوگوں میں ہوئی تھی؟

جواب ۔ یہ گفتگو جنرل یحییٰ کے سامنے ہوئی تھی جب ان کے پاس دس جنرل بیٹھے ہوئے تھے۔

سوال ۔ کیا ایئر فورس کو ضروریات کی رقم آرمی دیتی ہے؟

جواب ۔ جی ہاں۔

سوال ۔ ایئر فورس اور نیوی کا بجٹ آرمی کے ذریعے ملتا ہے؟

جواب ۔ علیحدہ نہیں ہوتا ہے۔ علیحدہ کون دے گا۔ امریکہ تو تقسیم نہیں کر سکتا۔ یہ تو یہیں آ کر تقسیم ہوتا ہے۔

سوال ۔ ایک ائیر فیلڈ ڈھاکہ میں تھا۔ آپ دوسرا کہاں تعمیر کرنا چاہتے تھے۔

جواب ۔ کسی اور جگہ، تین چار ہوتے تو ایک تباہ ہو جاتا تو دوسرے سے کام چلاتے یہ تو بنیادی

وجہ تھی۔ ہمارے پاس ریڈار بھی نہیں تھے۔
سوال ۔ اگر یہ سہولتیں ہوتی تو؟
جواب ۔ یہ سہولتیں ہونے کے باوجود ہم وہاں نہیں لڑ سکتے تھے کیوں کہ "لائن آف کمیونیکیشن" بہت لمبی ہو جاتی ہے۔ دو تین ہزار میل دور جا کر "ری انفورس" کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ امریکہ ویٹ نام میں نہیں لڑ سکا۔ اتنا بڑا ملک ہے۔ اتنی بڑی طاقت ہے تو ہم مشرقی پاکستان میں کیسے لڑتے۔
سوال ۔ بری فوج کے ساتھ جو کچھ مشرقی پاکستان میں ہوا اس کی کیا وجہ ہے؟
جواب ۔ وہ بھی اسی وجہ سے ہوا لیکن پھر بھی بری فوج کو چاہئے تھا کہ وہ تین ماہ زمین پر لڑ سکتے تھے ان کے پاس دو تین مہینے تک لڑنے کی قوت موجود تھی۔ بشرطیکہ وہ اپنے دفاع کو بہتر طور پر منظم کرتے۔
سوال ۔ میں یہ پوچھ رہا تھا کہ مارشل لاء کو روکنے کی اور کیا تدابیر ہو سکتی ہیں آپ کے ذہن میں صرف سیاست دانوں والا نکتہ ہے یا کوئی اور تجویز بھی؟
جواب ۔ یہ تو بڑا مشکل سوال ہے۔ ایک شخص صرف یہ توقع کر سکتا ہے کہ ہمارے ملک میں پھر مارشل لاء نہ لگے۔
سوال ۔ لیکن توقعات سے کام تو نہیں چلتا ہے؟
جواب ۔ جب تک ملک میں جمہوری نظام نہیں آئے گا مارشل لاء کا ہونا کوئی لازمی تو نہیں ہے لیکن اس کا نفاذ ممکنات میں سے ایک رہتا ہے۔
سوال ۔ مگر بھارت میں ایسا کیوں نہیں ہوتا ہے؟
جواب ۔ وہاں جمہوریت ہے۔ جمہوریت انتہائی دھچکے برداشت کر سکتی ہے۔ مشرقی پنجاب میں انتہائی ہنگاموں کے باوجود جمہوریت صورتحال کو بچا رہی ہے۔
سوال ۔ اس کے علاوہ کوئی اور تجویز؟
جواب ۔ میں اس قابل نہیں ہوں کہ جواب دے سکوں۔ میرا خیال ہے جب تک جمہوریت نہیں ہوگی۔ ملک میں مارشل لاء لگنے کا خطرہ موجود رہتا ہے۔
سوال ۔ آپ نے کہا کہ سیاست دانوں کو ایماندار ہونا چاہئے سمجھ بوجھ والا ہونا چاہئے۔ آپ دوسرے مارشل لاء میں قریب رہے ہیں آپ نے مسٹر بھٹو کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ دوسرے سیاست دانوں سے بھی ملاقاتیں رہی ہوں گی۔ آپ کا سیاست دانوں کے بارے میں کیا رائے ہے؟
جواب ۔ حقیقت میں، میں زیادہ سیاست دانوں سے تو واقف ہی نہیں ہوں۔ میں اپنی مدت کے دوران بہت زیادہ مصروف تھا۔ مجھے جنگ کی تیاری کرنا تھی۔ میں نے ۱۹۶۹ء میں ایئر فورس

کے سربراہ کی حیثیت سے چارج سنبھالا تھا اور ۱۹۷۱ء میں جنگ لڑنا پڑی۔ میرے پاس سیاست دانوں سے ملاقاتوں کے لئے وقت ہی نہیں تھا۔ یہ سوال تمہیں ان جنرلوں سے کرنا چاہئے جو سیاست دانوں کے ساتھ رابطہ میں تھے۔

سوال ۔ ہمارے ملک میں بار بار مارشل لاء نافذ ہوتا رہا۔ لیکن حالات کبھی بھی درست نہیں ہوئے ہیں تو پھر مارشل لاء نافذ کرنے کا اعادہ کیوں کیا جاتا ہے؟

جواب ۔ ہر بار مختلف جنرل آتے رہے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ حالات کو بہتر کر دیں گے وہ بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کریں گے۔

سوال ۔ افواج کی ذمہ داری تو جغرافیائی حدود کی حفاظت کرنا ہوتی ہے لیکن کہا جاتا ہے کہ ہم ملک کی نظریاتی سرحدوں کا بھی دفاع کرتے ہیں۔ آپ کے خیال میں یہ صحیح سوچ ہے؟

جواب ۔ میرے خیال میں ہمیں پاکستان کے نظریات کا دفاع کرنے کی ذمہ داری نہیں لینی چاہئے۔ مسلح افواج کی طرح دوسرے پاکستانی بھی محب وطن ہیں۔ یہ صرف مسلح افواج کی ذمہ داری نہیں ہونی چاہئے۔

سوال ۔ آپ کی ایئرفورس سے علیحدگی کے بعد بڈبیر والا کیس ہوا تھا اس کا کیا پس منظر ہے؟

جواب ۔ یقین جانو مجھے اس کا علم نہیں ہے کہ میں ملک میں موجود نہیں تھا۔

سوال ۔ سفارتی عہدہ اور مقام آپ کی پسند کا تھا یا مسٹر بھٹو کی پسند کو دخل تھا؟

جواب ۔ یہ بھٹو صاحب کی پسند تھی۔

سوال ۔ آپ جانا چاہتے تھے یا نہیں۔

جواب ۔ جب مجھے پیش کش کی گئی تو میں نے اسے قبول کر لیا۔ انہوں (مسٹر بھٹو) نے کہا تھا کہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے کہ تم ملک سے باہر چلے جاؤ۔

سوال ۔ وہ آپ اور جنرل گل حسن سے کیوں خوفزدہ تھے؟

جواب ۔ (ہنستے ہوئے) مجھے نہیں معلوم۔

سوال ۔ کیا کوئی خوف تھا یا کسی اور لابی نے آپ کے خلاف کام کیا تھا۔ حالانکہ آپ کے تعلقات تو مسٹر بھٹو کے ساتھ بہت اچھے تصور کئے جاتے تھے؟

جواب ۔ میں نے جب ان سے وجہ معلوم کی تھی تو انہوں نے کہا تھا کہ میرے مشیر کہتے ہیں کہ مجھے تمام پرانے جنرلوں سے جان چھڑا لینی چاہئے۔ حالانکہ جنرل گل حسن پرانے نہیں تھے وہ نئے کمانڈر انچیف تھے۔ انہوں نے ان کی بھی نشان دہی کرتے ہوئے کہا تھا کہ انہوں نے بھی جانا ہے جبکہ وہ تسلیم کرتے تھے کہ وہ نئے کمانڈر ہیں۔

(یہ انٹرویو اگست ۱۹۸۶ء میں راولپنڈی میں ریکارڈ کیا گیا)

"تو آپ جیسا بھی آئین چاہیں بنائیں لیکن اس میں ایسی شق جو اسی آئین کی خلاف ورزی کے سلسلے میں ہے یعنی جو آئین کو منسوخ کرے گا اسے سزائے موت دے دیں گے مار دیں گے۔ اس پر تو عمل درآمد ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ "ٹیک اوور" کرنے والا آپ کو کہاں اجازت دے گا کہ اسے پھانسی دے دی جائے۔"

راؤ فرمان علی خان

میجر جنرل (ریٹائرڈ)، سابق وفاقی وزیر (ضیاء دور)، رہنما نیشنل پیپلز پارٹی

مشرقی پاکستان کے بحران کے دوران اور بعد میں جس جنرل کا نام سب سے زیادہ متنازعہ بنا وہ راؤ فرمان علی خان تھے۔ میجر جنرل فرمان مشرقی پاکستان کے آخری دنوں کے لمحے لمحے کے عینی شاہد ہیں۔ سیاسی جوڑ توڑ، اکھاڑ پچھاڑ، تقرری، تنزلی اور تقریوں، یعنی سب کچھ انہوں نے نہایت قریب سے دیکھا ہے۔ بنگالیوں کی محبت اور نفرت کا قریبی مشاہدہ رکھتے ہیں۔ مشرقی پاکستان سے واپسی کے بعد بھٹو حکومت نے انہیں فوجی فاؤنڈیشن کا مقرر کر دیا، جنرل ضیاء الحق جب الیکشن کرانے کی تیاری کر رہے تھے تو الیکشن سیل میں جنرل فرمان ان کی مشاورت کر رہے تھے۔ ۱۹۸۵ء میں قومی اسمبلی کی رکنیت کے لئے انتخابات میں حصہ لیا لیکن ایک لاکھ سینتیس ہزار سے زائد ووٹوں میں سے اکسٹھ ہزار چار سو تراسی ووٹ حاصل کرنے کے باوجود صرف تین ہزار چار سو چھ ووٹوں سے ناکام رہے۔ غلام مصطفیٰ جتوئی نے جب پیپلز پارٹی سے علیحدگی اختیار کرنے کے بعد نیشنل پیپلز پارٹی کی بنیاد رکھی تو میجر جنرل راؤ فرمان علی خان (ریٹائرڈ) بھی نئی پارٹی میں شمولیت اختیار کرنے والوں میں شامل تھے۔

علی حسن ۔ مسلح افواج کن اسباب کی بناء پر ملک میں مارشل لاء نافذ کرتی ہیں؟
میجر جنرل راؤ فرمان علی خان ۔ یہ چونکہ پیچیدہ مسئلہ ہے اس لئے اس کا سادہ جواب دینا بہت مشکل ہے، جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ مارشل لاء عام طور پر ترقی پذیر ممالک میں لگتا ہے۔ آپ کسی ترقی یافتہ ملک میں مارشل لاء لگتے ہوئے نہیں دیکھیں گے۔ ترقی پذیر ممالک کے حالات ایسے ہوتے ہوں کہ فوج یا وہاں کا حکمران بھی مارشل لاء لگا دیتا ہے۔ مارشل لاء کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ فوج اقتدار پر قابض ہو بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ مارشل لاء کی طاقت سے ایک حکومت چلائی جاتی ہے۔ ہمارے ملک میں بھی مارشل لاء لگا جو سویلین نے لگوایا، بھٹو صاحب نے خود لگوایا۔ اس سے پہلے بھی ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء صدر مملکت نے پہلے دن لگوایا تھا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ فوج کے "ٹیک اوور" نہ کرنے کے باوجود مارشل لاء لگ سکتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہوتی ہے کہ ملک میں ادارے یا تو کمزور ہوتے ہیں، یا ان کی کمی ہوتی ہے۔ کسی بھی ملک میں حکومت ایک طریقہ کار کے مطابق چلائی جاتی ہے۔ عموماً ایک طریقہ کار ہوتا ہے جو مستقل بنیادوں پر استوار ہوتا ہے۔ آپس میں اس پر سمجھوتہ ہوا ہوتا ہے اس سمجھوتے کو دستور کہا جاتا ہے۔ اب اگر کسی ملک میں ادارے نہ ہوں۔ پارلیمینٹ صحیح طریقے سے کام نہ کر رہی ہو، سیاسی ادارے اور جماعتیں صحیح طریقے سے کام نہ کر رہے ہوں، عدلیہ اپنے فرائض صحیح طریقے سے انجام نہ دے رہی ہو، عوام کو انصاف نہ مل رہا اور دیگر ادارے، میں پریس کو بھی اس میں شامل کرتا ہوں یہ تمام چیزیں مل کر مارشل لاء کو دعوت دیتی ہیں۔ مارشل لاء اس وقت لگتا ہے جب جمہوریت اپنا کام کرنے میں ناکام ہو جائے۔ سویلین حکومت یا جو جمہوری حکومت قائم ہوتی ہے اگر وہ مسائل کو سیاسی طور پر حل کر سکے تو فوج کو مارشل لاء لگانے کا موقع نہیں ملتا ہے۔ لیکن اگر سیاسی رہنما مسائل کا کوئی حل تلاش نہ کر سکیں تو قوت ان کے پاس چلی جاتی ہے جو کوئی قدم اٹھانے کی پوزیشن میں ہوتے ہیں۔ جو کسی بات پر عمل کی قوت رکھتے ہیں۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ یہ جو نئی ابھرتی ہوئی قومیں ہیں جو ترقی پذیر ممالک ہیں یہ عموماً پہلے نو آبادیاں ہوتی تھیں اور انہوں نے کسی حاکم کے جانے کے بعد حکومت سنبھالی ہے جب وہ حاکم یہاں پر تھا فرض کر لیں کہ ہمارے ہاں انگریز تھا تو انہوں نے چند ایک ادارے بنائے اور ان کا مقصد اپنی حکومت کو برقرار رکھنا تھا۔ یہاں پر جو طریقہ کار انہوں نے دیا وہ ان کی موجودگی میں اتنا زیادہ پھل پھول نہ سکا کہ اس پر کاروبار حکومت چلتا رہتا۔ جب ایک نئی حکومت قائم ہو جاتی ہے تو اس طبقہ کا اثر بڑھ جاتا ہے جو سب سے زیادہ منظم ہوتا ہے اور دوسرے طبقات غیر منظم ہوتے ہیں چونکہ آرمی، سیاست، سیاسی جماعتیں انگریزوں کی دی ہوئی چیزیں تھیں دونوں ان کے طریقہ کار پر چلتی تھیں ان میں سے جو زیادہ منظم رہی اس نے حکومت کا کاروبار سنبھال لیا جب کبھی بھی موقع ملا یا جب کبھی دوسری پارٹی انتشار کا شکار ہوئی۔
پاکستان کے اندر میرا اپنا نکتہ نظر ہے دوسروں کے لئے اس سے اتفاق کرنا ضروری نہیں

ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ اتفاق نہ کریں کہ یہاں پر کبھی کوئی انقلابی مارشل لاء نہیں لگا۔ یہاں کبھی کوئی coup de'tat نہیں ہوا۔ کسی نے طاقت کے بل پر زبردستی حکومت پر قبضہ نہیں کیا۔ یہاں حکومت ہاتھ میں آ گئی۔ پکا ہوا پھل ان کی جھولی میں گر گیا۔ کسی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے بغاوت کر کے ملک پر قبضہ نہیں کیا۔

سوال ۔ جنرل صاحب قطع کلامی کی معذرت، پہلے دو مارشل لاءز کے بارے میں کسی حد تک تو یہ بات صحیح ہے لیکن تیسرے مارشل لاء میں تو صورت حال مختلف تھی۔

جواب ۔ تیسرے مارشل لاء میں بغاوت نہیں ہوئی تھی۔ ایک آدمی نے جو کہ چیف آف آرمی اسٹاف تھا صرف "ٹیک اوور" کر لیا تھا۔ اس حکومت کو جو کہ قائم تھی۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ عراق میں انقلاب آیا۔ وہاں پر وزیر اعظم کو سڑکوں پر گھسیٹا گیا۔ ہزاروں آدمی قتل ہوئے، افغانستان میں داؤد کو قتل کیا گیا ایک ایک بچے کو قتل کر دیا گیا۔ بہت سی جگہوں پر جونیئر افسر یعنی بریگیڈیئر، لیفٹیننٹ کرنل کی سطح کے کسی شخص نے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ یہاں پر ایسا نہیں ہوا۔ یہا ں صرف "ٹیک اوور" ہوا ہے۔ حکومت لے لی جاتی ہے۔ اگرچہ وہ بھی مارشل لاء ہے لیکن اس مارشل لاء میں اور دوسرے مارشل لاء میں تشدد کا فقدان ہے۔ خیر آپ نے سوال پوچھا ہے کہ کیوں لگتا ہے۔ مارشل لاء اس وجہ سے لگتا ہے کہ ادارے کمزور ہوتے ہیں اور ایک دفعہ سویلین سربراہ نے اپنے لئے فوج کو استعمال کیا۔ جیسے کہ اسکندر مرزا نے یا بھٹو صاحب نے کراچی اور دوسرے شہروں میں جزوی مارشل لاء لگوایا، کراچی میں ۲۱ دن تک مارشل لاء رہا۔ جب مارشل لاء لگتا ہے تو خواہشات بڑھ جاتی ہیں۔ جب طاقت آتی ہے تو طاقت اندھا کر دیتی ہے۔

میں نے ایک دفعہ لکھا تھا کہ فوجی حکام جب تک سویلین سے علیحدہ رہتے ہیں ان کے دل میں ان کا خوف رہتا ہے کوئی قدر ہوتی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ سیاست دان ہوشیار ہوں گے، قابل ہوں گے لیکن جب وہ ان کے سے ملتے ہیں تو فرض کریں کہ وزیر اعظم یا وزیر اعلیٰ اجلاس کر رہے ہیں اور اس میں فوجی بھی بیٹھے ہیں تو پھر وہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو ہمارے جیسے ہی ہیں اب یہ حکومت چلا نہیں پا رہے ہیں یہ ہم سے کام لے رہے ہیں کیوں نہ ہم خود چلائیں۔ جب اس نظام کو جو انہوں نے خراب کر دیا ہے ہم سے ٹھیک کروانا چاہتے ہیں تو پھر ہم خود ہی کیوں نہ ٹھیک کر کے چلائیں۔ تو اس صورت میں وہ مارشل لاء کے بارے میں سوچنے لگتے ہیں۔

سوال ۔ کسی بھی فوجی کے ذہن میں یہ بات کیوں آتی ہے کہ سیاست دان ناکام رہے ہیں تو ہم یہ کام کریں حالانکہ امن وامان بحال کرانے کے لئے سول پاور کی مدد کرنا فوج کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔

جواب ۔ جب تک آپ فوج کو سول پاور کی مدد کرنے کے لئے بلائیں گے حالات درست رہیں گے کیونکہ جو فیصلے ہوتے ہیں وہ سول انتظامیہ کے اختیار میں ہوتے ہیں مثلاً گولی چلانی ہے تو مجسٹریٹ

حکم دے گا۔ جب آپ مارشل لاء لگائیں گے تو سول کا تمام انتظام ختم ہو جاتا ہے پھر لاء مارسل لاء کا ہو جاتا ہے۔ اس لئے اگر سول حکومت فوج کو امن وامان بحال کرنے کے لئے طلب کرتی ہے اور وہ اسے طلب کر سکتی ہے تو اسے چاہئے کہ وہ سول انتظامیہ کی مدد کے لئے طلب کرے پھر اسے حکم دے کہ یہ کرو یہ نہ کرو۔ لیکن جب مارشل لاء لگا دیتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ کیوں مارشل لاء لگا دیتے ہیں؟ وہ زیادہ اختیارات لینا چاہتے ہیں۔ سویلین سمجھتے ہیں کہ مارشل لاء میں ہم جلدی جلدی سزائیں دیں گے' فوجی عدالتیں قائم کر دیں گے اور اس میں جس کو چاہیں گے سزا دلوادیں گے۔ جو لوگ ان کے کہنے پر عمل کرتے ہیں تھوڑے دن بعد وہی سوچتے ہیں کہ یہ ہم سے فیصلے کروا رہے ہیں ہم یہ سب کچھ خود کیوں نہ کریں۔ یہ بات اپنی جگہ یکدم درست ہے کہ فوج کا کام ہے کہ جو حکومت قائم ہے اس کی مدد کرے۔

سوال ۔ فوج' حکومت کا ایک قانونی بازو ہوتی ہے۔ فرض کرلیں کہ سول سربراہ مارشل لاء لگوا دیتا ہے تو کیا فوج کو اقتدار پر قبضہ کر لینا چاہئے۔

جواب ۔ فوج کو ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ دیکھیں آپ نے سوال کیا تھا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے اب آپ پوچھ رہے ہیں کہ ہونا چاہئے یا نہیں۔ میں کہتا ہوں ایسا نہیں ہونا چاہئے' دیکھیں نا اس معاملے میں ان افراد کا کردار بھی ہے جو حکومت کرتے ہیں۔ آپ فوج سے امن وامان بحال تو کرا سکتے ہیں لیکن سیاسی جماعتوں کو تباہ کروانے کی ضرورت نہیں ہونی چاہئے۔ انہیں فوج کو اس طرح استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ اپنی سیاسی اپوزیشن کو فوج سے فتح کروانا تو ٹھیک نہیں ہے۔ پاکستان میں اگر کسی صوبے کے لوگ بہت ہی زیادہ سیاسی شعور رکھتے تھے اور سیاسی طور پر باشعور تھے وہ بنگالی تھے۔ آج وہاں بھی مارشل لاء لگا ہوا ہے۔ میرا خیال ہے جس دن سے مجیب کو مارا گیا ہے وہاں مارشل لاء ہی رہا ہے۔ میرا خیال ہے مسلم ممالک میں سوائے انڈونیشیا اور ملائشیاء فوج کی بڑی مضبوط حکومتیں ہیں ان کے بارے میں بھی ہمیں سوچنا ہے۔ ہمیں اپنی تاریخ پر بھی نگاہ ڈالنی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ہمارے تقریباً سارے سپہ سالار خالد بن ولید' طارق بن زیاد' کمال اتاترک وغیرہ وغیرہ یہ سارے جرنل تھے' بابر جرنل تھا' محمد بن قاسم جرنل تھا۔ ہماری تاریخ میں لیڈر شپ اور جرنیلی تقریباً ایک ہی چیز گنی گئی ہے۔ ہونا چاہئے یا نہ ہونا چاہئے یہ ایک علیحدہ بات ہے لیکن آپ خطبے سنیں اس میں یہی کہا جاتا ہے کہ ہم نے کس طرح فتوحات حاصل کیں۔ اور دیکھیں کہ وہ سارے لوگ حاکم بھی ہوئے۔ حکومتیں ان کے اختیار میں تھیں جن کے ہاتھ میں تلوار تھی۔ تاریخی پس منظر یہ ہے جہاں تک جمہوریت کا تعلق ہے یہ ہمارے خمیر میں ہے۔ اگرچہ میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ ایسا ہونا چاہئے۔ اس کو ہمیں ختم کرنا چاہئے۔ لیکن چونکہ ہمارا زیادہ طبقہ پڑھا لکھا نہیں ہے۔ ہمارے عوام کی لبرل ایجوکیشن نہیں ہوئی ہے ہماری ایجوکیشن بڑی محدود ہوئی ہے۔ تعلیم کے ذریعے ہمیں مخصوص خیالات دیئے جا رہے ہیں' چاہے وہ دینی ہوں یا دنیاوی ہوں۔ ان

کو محدود کیا جارہا ہے جب تعلیم محدود ہو گی تو ناخواندہ طبقہ انہی خیالات سے متاثر ہو گا جو اس نے سنے ہیں یا جن کے متعلق پروپیگنڈا کیا جارہا ہو یا کیا جاتا ہے۔ سیاست ہم نے انگریزوں سے سیکھی ہے' ان کے بتائے ہوئے طریقوں پر ہمارے سیاسی ادارے قائم ہوئے لیکن سیاست کے جو وازمات ہوتے ہیں ہم نے ان میں سے کوئی نہیں اپنایا۔ جمہوریت کا ایک بنیادی اصول ہے کہ اکثریت اقلیت پر حکومت کرنے کا حق رکھتی ہے۔ آپ الیکشن کروائیں اور پارٹی میں جو جیت جائے وہ پارٹی کا صدر ہو گا۔ دوسرے اسی پارٹی میں شامل رہیں گے۔ لیکن ہمارے ملک میں ایسا نہیں ہوتا جونہی ہارے ایک نئی پارٹی تشکیل دے دی۔ جمہوریت میں جس سیاسی جماعت کی حکومت بن جاتی ہے وہ دوسری سیاسی جماعتوں کو فتح نہیں کرتی۔ ہمارے یہاں پہلا کام یہ کیا جاتا ہے کہ حزب اختلاف کو کیسے رگڑا جائے' جب آپ حزب اختلاف کو ختم یا تباہ کر دیں گے تو وہ کسی اور کا سہارا لے گی' پھر وہ آپ کو سیاسی طریقے سے ختم نہیں کرے گی' بلکہ غیر سیاسی طریقے سے ختم کرے گی۔ جب غیر سیاسی حربے استعمال ہوں گے تو وہ فوج کے افسروں سے رابطہ قائم کرے گی۔ کہ آپ ہماری مدد کریں' ہم اس ملک میں جمہوریت لانا چاہتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ بڑے بڑے سیاسی رہنماؤں نے جرنیلوں سے ہمیشہ تعلقات قائم رکھے ہیں۔ فیلڈ مارشل ایوب سیاسی سہارے پر چلتے رہے۔ یحییٰ خان کو بھی سہارا دیا گیا۔ ایڈ منسٹریٹر زیادہ دن نہیں چل سکتے۔ میری اپنی ذاتی رائے ہے کہ مارشل لاء لگاتے وقت بھی جرنل کچھ نہ کچھ کسی نہ کسی سیاسی قوت سے بات ضرور کرتے ہیں۔

سوال ۔ لیکن سیاسی سہارا تو مارشل لاء نافذ ہونے کے بعد ملتا ہے۔

جواب ۔ جب ایوب خان کا مارشل لاء لگا تو اس سے قبل ملک کے اندر روز یہ پوچھا جاتا تھا کہ مارشل لاء کب لگے گا۔

سوال ۔ اس وقت آپ کا کیا عہدہ تھا۔

جواب ۔ میں لیفٹیننٹ کرنل تھا۔ لیاقت علی خان کے انتقال کے بعد جب حکومتیں روزانہ تبدیل ہوا کرتی تھیں اور ایک عجیب انتشار تھا تو میں نے خود بہت سے سویلین سے یہ سنا تھا کہ فوج کیا دیکھ رہی ہے "ٹیک اوور" کیوں نہیں کرتی۔ فیلڈ مارشل نے بھی یہ کہا تھا کہ میں اس mess کو صاف کرنا چاہتا ہوں۔

سوال ۔ کیا فیلڈ مارشل نے یہ بات ۱۹۵۸ء سے قبل کہی تھی۔

جواب ۔ نہیں "ٹیک اوور" کے بعد کہی تھی۔ انہوں نے خود ایک دفعہ جب میں ۱۹۵۲ء میں اسٹاف کورس کر رہا تھا اور وہ سوئٹزر لینڈ گئے ہوئے تھے اور ابھی کمانڈر انچیف نہیں بنے تھے' البتہ نامزد ہو گئے تھے۔ جنرل گریسی ابھی موجود تھے میں لندن کے اسٹاف کالج میں کورس کر رہا تھا۔ انہیں توپخانے کے لئے اسلحہ خریدنا تھا۔ انہیں ایک گنر کی ضرورت تھی تو مجھے اپنے ساتھ

سوئٹزرلینڈ لے گئے۔ اور جس دن ہم وہاں پہنچے تھے اسی دن جنرل نجیب نے شاہ فاروق کی حکومت کا تختہ الٹا تھا۔ تو وہاں پر جب ناشتہ کی میز پر آئے۔ اور نگزیب ان کے اے۔ ڈی۔ سی تھے اور بعد میں ان کے داماد بنے۔ فیلڈ مارشل نے پوچھا کہ کیا خبریں ہیں۔ میں نے جواب دیا سر بہت اچھی خبر ہے کہ نجیب نے مصر میں اقتدار سنبھال لیا ہے۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ ہاں بہت اچھی خبر ہے۔ انہوں نے پھر کہا کہ دیکھو آرمی صرف ایک کام کر سکتی ہے وہ یہ کہ یا تو وہ ملک چلائے یا اپنے آپ کو چلائیں۔ انہیں یہ کبھی نہیں سوچنا چاہئے کہ فوج سیاست میں حصہ لے سکتی ہے۔

سوال ۔ کیا مطلب ہوا ہے یا تو ملک چلائیں یا اپنے آپ کو چلائیں۔

جواب ۔ نجیب فوجی تھا' فیلڈ مارشل کا پہلا تبصرہ یہ تھا کہ نجیب یا تو فوج کو چلائے یا ملک چلائے۔ دونوں کام ایک ساتھ نہیں کر سکتا۔ فیلڈ مارشل نے جب خود "ٹیک اوور" کیا تو ین دن پاکستان بری فوج کا نیا کمانڈر انچیف نامزد ہو چکا تھا۔ آپ نے سوال کیا تھا کہ فوج کو "ٹیک اوور" نہیں کرنا چاہئے' میں تسلیم کرتا ہوں لیکن ایسا ہو جاتا ہے کہ وہ "ٹیک اوور" کر لیتے ہیں۔

سوال ۔ آپ نے بجیب کے اقتدار سنبھالنے کو اچھی خبر اور جنرل ایوب نے بہت اچھی خبر قرار دیا تھا؟

جواب ۔ شاہ فاروق بہت بدعنوان آدمی تھا۔ اس زمانے میں جب بھی عربوں کو اسرائیل سے شکست ہوئی تھی۔ اس میں ان بادشاہوں کی سازشوں کو زیادہ دخل ہوتا تھا۔ آپ حیران ہوں گے کہ عرب ایک دوسرے کی شکست پر خوش ہوتے تھے۔

سوال ۔ ہم جو بات کر رہے تھے وہ سیاست دانوں اور فوجیوں کے مابین رابطے کی تھی۔ عموماً مارشل لاء لگنے کے بعد سیاست دانوں سے رابطہ قائم کیا جاتا ہے۔

جواب ۔ ایوب خان تو وزیر دفاع بن گئے آپ کہہ سکتے ہیں کہ اسکندر مرزا سیاست دان نہیں تھا لیکن سیاست میں تو تھا۔ کیونکہ ایک سیاسی جماعت جیسی بھی تھی۔ اس کے ساتھ تھی اب بھی مسلم لیگ سرکاری ہے' اس وقت بھی مسلم لیگ سرکاری تھی' یہ چاہتے تھے کہ ان کا قبضہ رہے آپ پیلو مودی کی "زلفی مائی فرینڈ" اور جی ڈبلیو چوہدری کی کتاب "لاسٹ ڈیز آف یونائیٹڈ پاکستان" کو پڑھ کر دیکھیں۔ چوہدری لکھتا ہے کہ چونکہ جنرل پیرزادہ کو ایوان صدر سے نکال دیا گیا تھا اس لئے پیرزادہ جو بھٹو کا دوست تھا۔ یحییٰ خان کا دوست تھا اس نے ان دونوں میں تعلقات استوار کرائے' اور پیلو مودی کہتا ہے کہ ۱۸ر فروری کو مجیب رہا ہوا۔ مجیب پنڈی آیا' مجیب بھی یحییٰ خان سے ملنے گیا' اور بھٹو صاحب کی بھی یحییٰ خان سے ملاقات ہوئی۔ اور اس نے ان دونوں سے سیاسی سپورٹ کا خیال لے کر اپنا قدم اٹھایا۔ مجیب نے ایوب کی بلائی گئی گول میز کانفرنس کو فیل کیا۔ کیونکہ اگر وہ یحییٰ خان سے ملاقات نہ کرتا تو کانفرنس کامیاب کرنے میں مدد دیتا۔ یحییٰ خان کو بھٹو صاحب کی سپورٹ حاصل نہ ہوتی تو یحییٰ خان کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

سوال ۔ آپ کا خیال تھا کہ بھٹو صاحب اور یحییٰ خان میں ذہنی ہم آہنگی نہ ہوتی تو؟

جواب ۔ مارشل لاء نہیں لگ سکتا تھا۔ ایوب کا تختہ نہیں الٹا جاتا۔ اور اس کے بعد دوسرا مارشل لاء لگ گیا اس شرط پر کہ جلد سے جلد انتخابات کرائیں گے۔

سوال ۔ بھٹو صاحب کے اس زمانے میں تو یحییٰ خان سے زیادہ تعلقات نہیں تھے۔

جواب ۔ بہت اچھے تعلقات تھے۔ ان کے درمیان بہت ملاقاتیں ہوتی تھیں۔

سوال ۔ اگر بھٹو صاحب کے یحییٰ سے تعلقات نہ ہوتے تو کیا یحییٰ خان پھر بھی یہی سب کچھ نہ کرتے؟

جواب ۔ کیسے کرتے؟ کچھ نہ کچھ تو ہاتھ میں ہونا چاہیئے۔ بغیر کسی سپورٹ کے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر "ٹیک اوور" نہیں کر سکتا ہے۔ اسے صورت حال کو قابو میں رکھنے کے لئے کسی نہ کسی قوت کی سپورٹ کی ضرورت ہوتی ہے۔

سوال ۔ "ٹیک اوور" کے بعد بھی سیاسی عنصر کی مدد کی جاتی ہے۔ یہ وہی عناصر ہوتے ہیں جن کے بارے میں کمانڈر یا چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر یہ کہتا ہے کہ ملک کو چلانے میں ناکام رہے' جمہوریت کی نشوونما کرنے میں ناکام رہے' امن وامان بحال رکھنے میں ناکام رہے' لیکن ان سے ہی تعاون کیوں حاصل کیا جاتا ہے۔ جبکہ وہ ملک کی مجموعی صورتحال کی ابتری کے ذمہ دار قرار دیئے جا چکے ہوتے ہیں؟

جواب ۔ ان کے بغیر کاروبار چل نہیں سکتا ہے۔ آپ یہ کہنا چاہتے ہیں تو پھر ایسے مارشل لاء کا فائدہ کیا۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ میری ذاتی رائے ہے کہ مارشل لاء کو پندرہ بیس دن سے زیادہ نہیں ہونا چاہیئے۔ مارشل لاء کو جب طول دیا جاتا ہے تو سیاسی جماعتوں اور عناصر کی ضرورت پڑتی ہے۔ جب آپ ان کی مدد لیتے ہیں تو پھر آپ کو سمجھوتے کرنے پڑتے ہیں' اور ان ہی سمجھوتوں کی وجہ سے تو سیاسی جماعتیں ناکام ہوتی ہیں۔ کسی کو خوش کرنا ہے کسی کو چھوڑنا ہے' کسی کو اندر کرنا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور اسی طرح مارشل لاء کمزور ہوتا چلا جاتا ہے۔ بہت ہی کمزور' مارشل لاء جتنا عرصہ رہے گا' اتنا زیادہ کمزور ہو گا۔ اس ملک کا المیہ یہ ہے کہ جب مارشل لاء آتا ہے تو وہ ڈیموکریٹ ہو جاتا ہے اور جب ڈیموکریسی آتی ہے تو وہ ڈکٹیٹر ہو جاتی ہے۔ اگر مارشل لاء مارشل لاء رہے تو وہ تھوڑا عرصہ ہی رہ سکتا ہے۔ لمبا مارشل لاء' مارشل لاء نہیں ہے بلکہ شخصی حکومت ہے جس میں وہ فوج کو بھی استعمال کرتا ہے۔ ہونا یہ چاہیئے کہ گورنر علیحدہ نامزد کر دیئے جائیں اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر علیحدہ۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ جنرل صاحبزادہ یعقوب علی خان اور وائس ایڈمرل ایس ایم احسن کے درمیان بھی اختلافات تھے حالانکہ دونوں کا تعلق فوج سے تھا' ایک گورنر اور دوسرا مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تھا۔ میں کہتا ہوں کہ مغربی پاکستان کی مثال لیں۔ امیر محمد خان گورنر تھے اور بختیار رانا مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تھے لیکن ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں

تھا۔ اس زمانے میں لوگ امیر محمد خان کے خلاف بات کرتے تھے' لیکن مارشل لاء کے خلاف کچھ نہیں بولتے تھے۔ آپ ایسی صورت میں افراد کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں' ادارے کو نہیں۔

سوال ۔ کیا بختیار رانا برائے نام مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تھے؟

جواب ۔ ہاں برائے نام تھے۔ سویلین گورنر جب کسی کو سزا دلوانا چاہتے تھے تو رانا کو مقدمہ بھیج دیتے تھے' لیکن کوئی اور کام جو ان کے اختیار میں ہوتا تھا' فوج کو نہیں دیتے تھے اور فوج کوئی کام اپنے اختیار سے کر بھی نہیں سکتی تھی۔

سوال ۔ مشرقی پاکستان میں صاحب زادہ یعقوب خان اور ایس ایم احسن کے اختلافات کی کیا وجہ تھی؟ کیا شخصیات کا ٹکراؤ تھا یا دونوں اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کے حامل تھے؟

جواب ۔ یہ تو تھا۔ دونوں بہت ہی اچھے آدمی ہیں۔ دونوں نہایت ہی شریف آدمی ہیں۔ لیکن دونوں اپنے اپنے دائرے میں موقف اختیار کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ان کے درمیان اختلافات بھی کھل کر سامنے نہیں آسکے۔ لیکن ایسا محسوس ہوتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ احسن گورنر تھے بعد میں آپ حیران ہوں گے کہ جب یعقوب تین دن کے لئے گورنر بنے تو ان کے خیالات بھی وہ ہی تھے جو احسن کے تھے وہ یہ کہ مجیب کے ساتھ گفتگو کرنا پڑے گی۔

سوال ۔ اس کے بعد ہی صاحب زادہ صاحب نے بھی استعفےٰ دے دیا تھا۔

جواب ۔ جی ہاں۔

سوال ۔ یعقوب صاحب نے جب یہ کہا تھا کہ سارے مسئلے کو (مشرقی پاکستان کی صورتحال)' سیاسی سطح پر حل کرو اس پر چیف یا جی ایچ کیو کا کیسا ردعمل تھا۔؟

جواب ۔ کہانی سنا دیتا ہوں' ۲۸ر فروری کو جب اعلان ہوا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کیا جاتا ہے۔ تو پہلی مارچ کو غدر مچ گیا۔ دوپہر کو کرکٹ کا میچ ہو رہا تھا' انہوں نے سب کچھ جلا دیا تھا۔ رات کے وقت ہم تینوں یعقوب' احسن اور میں بیٹھے ہوئے تھے۔

سوال ۔ کیا آپ میجر جنرل ہو گئے تھے۔؟

جواب ۔ نہیں میں بریگیڈیئر تھا۔ میں احسن کا اسٹاف آفیسر تھا۔ میں فوج میں سول سائڈ میں رہا ہوں۔ ہماری مجیب' کمال' تاج الدین وغیرہ سے بات چیت ہوئی۔ جب مجیب اکیلا رہ گیا تو اس نے کہا کہ قومی اسمبلی کے اجلاس کی نئی تاریخ کا اعلان کر دو صورتحال سنبھال لوں گا۔ ہم نے احسن کے ہاتھ سے لکھا ہوا ایک پیغام ٹیلیکس کے ذریعے مغربی پاکستان روانہ کیا وہ پیغام یہ تھا'

I beg you to announce a fresh date tonight, tomorrow will be too late.

انہوں نے نئی تاریخ نہیں دی تھی اور اجلاس غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کر دیا تھا۔ یعقوب نے کہا کہ صدر کو یہاں آنا چاہئے۔

سوال ۔ اس وقت یعقوب صاحب بھی آپ لوگوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔

جواب ۔ ہوا یہ کہ ٹیلیکس آیا تھا کہ یعقوب صاحب "ٹیک اوور" کر لیں اور احسن صاحب کی چھٹی۔

سوال ۔ ٹیلیکس کا یہ جواب آیا۔

جواب ۔ ٹیلیکس کے جواب میں فون آیا۔ اور بہر حال یعقوب صاحب نے "ٹیک اوور" کر لیا۔ اور انہوں نے دیکھا کہ واقعی احسن ٹھیک کہہ رہے تھے۔

سوال ۔ اچھا احسن صاحب نے اسی وقت راضی خوشی استعفیٰ لکھ کر جان چھڑالی۔

جواب ۔ جی ہاں اسی وقت۔

سوال ۔ کیا وہ استعفے دیتے وقت خوش تھے۔

جواب ۔ ایسے موقع پر کون خوش ہوتا ہے۔ اس پر البتہ خوش تھے کہ پیچیدہ صورتحال سے جان چھوٹ رہی ہے۔ ایک طرف ان کا کہنا نہیں مانا جا رہا تھا۔ اور دوسری طرف وہ ذمہ دار بھی تھے۔ تیسرا راستہ ہی نہیں تھا۔ اس لئے انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے جیسا آپ چاہتے ہیں ایسی صورت میں وہ کر بھی کیا سکتے تھے۔ اصل حکم تو اس کا چلتا ہے جس کے پاس اتھارٹی ہوتی ہے۔ خاص طور پر مارشل لاء میں' بات یہ ہو رہی تھی کہ یعقوب نے ٹیلی گرام روانہ کیا کہ صدر پاکستان کو ڈھاکہ آنا چاہئے۔ انہوں نے لکھا تھا کہ

by the time, the decisions are received on our recommendations, situation may have changed.

Either I should be allowed to take decisions on my own or the President of Pakistan should come to Dacca.

مغربی پاکستان سے جواب آیا کہ آپ جو فیصلہ کرنا چاہیں کر لیں۔ جواب یہ تھا۔

We have full faith in your ability and discretion, you can take any decision you like if communications fails.

یہ کیا بات ہوئی۔ ہمارا رابطہ تو بھی نہیں ٹوٹا تھا۔ حالانکہ حقیقت میں" "کمیونیکیشن" فیل ہو چکی تھی کہ صدر پاکستان وہاں نہیں جا سکتے تھے اور ہم یہاں نہیں آ سکتے تھے۔ شام کو ہم احسن صاحب کو چھوڑ کر یعقوب صاحب کے گھر گئے' وہاں میں' جنرل خادم اور یعقوب صاحب اکٹھے تھے۔ ہم نے ایک ساتھ کھانا کھایا۔ بیگمات بھی تھیں' تینوں خواتین ایک طرف جا کر بیٹھ گئیں اور ہم تینوں ٹیبل پر بیٹھے بات چیت کر رہے تھے کہ فون کی گھنٹی بجی' جنرل پیرزادہ صاحب دوسری طرف لائن پر تھے' ہم نے جو سنا وہ یہ تھا کہ

in that case accept my resignation.

ہم نے کہا کہ سر ہمارے استعفوں کے بارے میں بھی کہہ دیں۔ بات یہ تھی کہ مسئلہ کو

سیاسی طور پر حل نہیں کیا جا رہا تھا خیر انہوں نے کہا کہ نہیں تم لوگوں کا استعفے نہیں ورنہ وہ بغاوت تصور کیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ تم لوگوں کے استعفے کے بارے میں انہیں مطلع نہیں کر سکتا کیونکہ اجتماعی استعفے بغاوت تصور کیا جاتا ہے اور پھر کورٹ مارشل ہوتا ہے' پھر پندرہ منٹ بعد ٹیلیفون آیا کہ فرمان کو یہاں (مغربی پاکستان) بھیج دو۔ میں نے کہا میں مغربی پاکستان جا کر کیا کروں گا۔ میں تو مجیب سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے یہ بات یعقوب صاحب سے اس لئے کہی کہ وہ ابھی تک کمانڈر تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر آپ اجازت دے دیں تو میں مجیب سے ملاقات کر لوں۔

سوال ۔ یعقوب صاحب جنرل آفیسر کمانڈنگ تھے۔

جواب ۔ وہ سب کچھ تھے' گورنر' مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر' اور جی او سی۔

سوال ۔ وہاں جی او سی ہوتا تھا؟

جواب ۔ جی او سی ہوتا تھا' لیکن وہ تو میرا اسپیریئر نہیں تھا۔

سوال ۔ یعقوب صاحب کی آرمی پوزیشن کیا تھی۔

جواب ۔ وہ کور کمانڈر تھے جس کی کوئی کور نہیں تھی۔ ایک ڈویژن تھا۔ لیکن ایک کور بنا دی گئی تھی۔ تاکہ اگر آئندہ ضرورت ہو تو ایک ڈویژن اور آجائے۔

سوال ۔ ایک کور میں کتنے ڈویژن ہوتے ہیں۔

جواب ۔ کم از کم دو ہونے چاہئیں۔ دو کے اوپر ہی تو ایک کور کمانڈر ہو گا۔ ایک ڈویژن کا سربراہ تو جنرل آفیسر کمانڈنگ (جی او سی) ہوتا ہے۔ کسی اخبار نے لکھا ہے کہ وہاں چودہ ڈویژن تھے جبکہ وہاں صرف ایک چودھواں ڈویژن تھا۔ بحر حال مجھے یہاں بلا لیا گیا اور میں نے انہیں صورتحال بتائی وہ ایک علیحدہ قصہ ہے۔

سوال ۔ جب آپ یہاں پہنچے تو کیا ان لوگوں نے آپ سے فوراً ملاقات کی یا کہا کہ آرام سے گفتگو کریں گے۔

جواب ۔ نہیں نہیں' رات گیارہ بجے تھے' جب حکم ملا کہ مجھے طلب کیا گیا ہے۔ وہاں سے ایک جہاز آتا تھا' میں نے جی او سی سے کہا کہ جہاز کو روکیں' کور کمانڈر سے اجازت لی کہ کیا میں مجیب سے ملاقات کر سکتا ہوں۔ میں ایک چھوٹی سی کار چلا کر وہاں پہنچا۔ چاروں طرف سے فائرنگ ہو رہی تھی۔ میں تنہا تھا' میری مجیب سے ملاقات ہوئی۔

سوال ۔ فائرنگ دھان منڈی (وہ علاقہ جہاں شیخ مجیب کا گھر تھا) میں ہو رہی تھی۔

جواب ۔ ہاں جی چاروں طرف سے فائرنگ ہو رہی تھی۔

سوال ۔ فائرنگ فوج کے خلاف ہو رہی تھی۔

جواب ۔ بہت بری حالت تھی' خیر میں مجیب کے گھر پہنچ گیا اکیلا۔ میں نے کہا کہ میرے پاس

وقت نہیں ہے' برائے مہربانی مجھے بتاؤ کہ کیا پاکستان کو بچایا جاسکتا ہے اس نے جواب دیا تھا کہ ہاں۔

سوال ۔ آپ یہ بات اس سے ۲ مارچ کو کر رہے ہیں۔

جواب ۔ نہیں ۴ مارچ کو۔

سوال ۔ آپ نے اس کے ساتھ اتنے تعلقات استوار کر لئے تھے کہ آپ کا اس طرح آنا جانا تھا۔

جواب ۔ ہاں جی۔ میں تو کہتا ہوں کہ میرا دوست تھا۔ اگرچہ اس نے بعد میں میرے خلاف بہت بیانات دیئے تھے۔ کیونکہ اس کو غلط فہمی ہو گئی تھی۔ اس کو قید کرنے کے بعد غلط بریفنگ کی گئی تھی۔ اور ان کی بیوی ایک غلط فہمی کی بناء پر مجھ سے ناراض ہو گئی تھیں۔ ہوا یہ کہ جب فوجی ایکشن ہوا تو وہ بیچاری بھاگ گئی اور جاکر کسی اور کے گھر میں پناہ لی تھی' اور میں نے شروع میں یہ کہا تھا کہ اگر آپ جانا چاہیں تو اپنے گھر میں چلی جائیں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں مجھے' مجیب کی یاد ستائے گی۔ چند دنوں کے بعد کہنے لگیں کہ میں اپنے گھر جانا چاہتی ہوں۔ اسی اثناء میں ہمیں ایک رپورٹ ملی تھی کہ انہوں نے ایک سفارت خانے سے جو ان کے پڑوس میں واقع تھا' رابطہ کر لیا ہے اور یہ طے ہو گیا ہے کہ وہ اپنے گھر سے رات کے وقت ان کے دفتر میں داخل ہو جائیں گی اور سیاسی پناہ لے لیں گی جب انہوں نے اپنے گھر جانے کی رضامندی ظاہر کی تو میں نے اس اطلاع کی روشنی میں کہا کہ نہیں جی اب آپ کو جانے کی اجازت نہیں ہے۔ سوال ۔ وہ سفارت خانہ کس ملک کا تھا؟

جواب ۔ نام لینا نہیں چاہتا ہوں۔

سوال ۔ کیا انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ ان کو پناہ دے دیں گے۔

جواب ۔ ہماری اطلاعات تو یہی تھیں۔

سوال ۔ اچھا یہ بات غلط فہمی کا سبب بنی۔

جواب ۔ ان کو غلط فہمی ہو گئی کہ یہ ہمارے خلاف ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ سیاست دان اس لفظ کا برا مانیں گے جو میں استعمال کرنا چاہتا ہوں' مجیب کو "ہینڈل" کیا جاسکتا تھا وہ ایک بہت اچھا مقرر تھا۔ ایسا مقرر تھا جس کو انگریزی میں "demagogue" کہتے ہیں ایسا شخص جس میں عقل کی کمی ہو لیکن تقریر بہت اعلے کرتا ہو' عوام کو ادھر سے ادھر لے جائے۔ بہت ہی اعلے تقریر کرتا تھا لیکن وہ اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کا مالک نہیں تھا۔ مجیب سے کافی گفتگو رہی۔

سوال ۔ جب آپ مجیب کے گھر پہنچے تو کیا باتیں ہوئیں؟

جواب ۔ شیخ مجیب نے کہا تھا کہ ہاں پاکستان کو بچایا جاسکتا ہے۔ لیکن حالات بہت خراب ہیں۔ چاروں طرف قتل عام ہو رہا ہے' ان حالات میں پاکستان کو بچانا بہت مشکل ہے۔ ابھی اس نے

اتنی بات کہی تھی کہ میں نے کمرے کے باہر دیوار کے ساتھ ایک سایہ دیکھا۔ میں نے مجیب سے کہا کہ کوئی ہماری بات سن رہا ہے' اس نے نفی میں جواب دیا' تھوڑی دیر بعد میں نے پھر شکایت کی تو وہ اٹھ کر باہر گیا اور دیکھا کہ تاج الدین ہماری گفتگو سن رہا تھا۔ وہ اسے اپنے ساتھ کمرے میں لے آیا اور اس سے کہا "تاج الدین بھائی فرمان صاحب کہتے ہیں کہ پاکستان کو کس طرح بچایا جاسکتا ہے"۔ تاج الدین نے جواب دیا کہ قومی اسمبلی کے ایوان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیں' دو آئین بنائیں' پھر مل کر بعد میں ایک آئین تشکیل دیا جائے۔ یہ کنفیڈریشن کا آئیڈیا تھا۔ تاج الدین نے مزید کہا کہ ہم اس چھت کے نیچے نہیں بیٹھ سکتے جس کے نیچے بھٹو بھی بیٹھا ہو۔ وہ قاتل نمبر ایک ہے۔

سوال ۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں جیسا کہ آپ نے ابھی کہا ہے کہ مارشل لاء ڈیموکریٹ بننے کی کوشش کرتا ہے۔ آخر چیف کے ذہن میں مارشل لاء نافذ کرنے "کو" لانے کے بعد یہ بات کیوں آتی ہے کہ وہ ڈیموکریٹ بن جائے یا سویلین بن جائے؟

جواب ۔ آپ حکومت کرتے ہیں' حکومت میں حکم دیئے جاتے ہیں' حکم قابل قبول ہونا چاہئے' آپ میری بات اسی وقت مانیں گے جب وہ بات آپ کے لئے قابل قبول ہو۔ جو حکم ڈنڈے سے زبردستی منوایا جاتا ہے وہ عارضی ہوتا ہے اور اس ڈنڈے کی مزاحمت بھی ہوتی ہے۔ اس کے خلاف آدمی کھڑا بھی ہو سکتا ہے۔ یا مخالفت شروع ہو جاتی ہے۔ لیکن وہ احکامات جن کو تسلیم کر لیا جائے' دل سے قبول کر لیا جائے' وہ فرمانبرداری اور اطاعت گزاری ہوتی ہے۔ آپ کس طریقے سے ایک شخص کو تیار کرتے ہیں' ترغیب دیتے ہیں رضامند کرتے ہیں کہ اس کے دماغ پر اثر انداز ہو جائے' اور آپ کی بات کو وہ تسلیم کر لے اور جب آپ حکم دیں تو اس کو بھی وہ تسلیم کرلے اس کا ایک ہی طریقہ ہے وہ سیاسی ہے کہ آپ اس کے ساتھ گفتگو کریں۔ بات چیت کا راستہ اختیار کریں اس کو سمجھائیں اور وہ چونکہ یہ آپ خود نہیں کر سکتے اس لئے آپ سیاسی جماعتوں کا سہارا لیتے ہیں۔

سوال ۔ لیکن ہمارے ملک میں تو دونوں صورتیں ہیں۔ یحییٰ خان مذاکرات سے بھاگتے رہے' ٹالتے رہے جبکہ جنرل ضیاء الحق نے مذاکرات کا دروازہ کھلا رکھا اور اپنے اقتدار کو طول دیتے رہے ہیں' آخر ایسا کیوں؟

جواب ۔ دونوں صورتیں ہیں' ایک کامیاب' دوسری ناکام۔

سوال ۔ کیا آپ جنرل ضیاء الحق کے اس سارے نظام کو کامیاب کہتے ہیں۔؟

جواب ۔ نہیں نظام کامیاب نہیں ہے' لیکن وہ کامیاب ہیں۔ نظام تو ہے ہی غلط' میں انہیں کامیاب نہیں کہہ رہا ہوں البتہ ان کی اپنی کامیابی اس میں ہے کہ وہ مزاحمت کو دعوت نہیں دیتے ہیں۔ آپ دیکھیں کہ اگر کوئی ان کے ساتھ نہیں ہے تو لوگ ان کے خلاف بھی نہیں ہیں اتنے

خلاف نہیں ہیں کہ مرنے مارنے پر تیار ہو جائیں۔ بھٹو صاحب کے خلاف لوگ اس لئے تھے کہ وہ دوٹوک کارروائی کرتے تھے' اور ایسی صورت میں ہی تو ردعمل لازمی ہوتا ہے جبکہ یہ تکمل سے کہیں زیادہ سیاسی طور پر "ڈیل" کرتے ہیں۔

سوال ۔ وردی پہن کر جن لوگوں نے سیاست دانوں سے "ڈیل" کیا ہے ان میں آپ بھی ہیں۔ آپ کا ہمارے سیاست دانوں کے بارے میں عمومی تاثر کیا ہے؟

جواب ۔ میری کوئی رائے نہیں ہے' لیکن میں نے جو لکھا ہے وہ یہ ہے کہ جب فوجی سیاست دانوں سے رابطہ قائم کرتے ہیں یا معاملہ کرتے ہیں تو وہ سوچتے ہیں کہ ان سے تو ہم بہتر ہیں۔

سوال ۔ یہ بات آپ نے کسی خط میں لکھی ہے؟

جواب ۔ نہیں' نہیں۔ میں نے اردو ڈائجسٹ کے مارچ اور اپریل ۱۹۷۸ء کے شماروں میں یہ ساری باتیں لکھی ہیں۔ یہ بھی لکھا تھا کہ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اقتدار دیا نہیں کرتے ہیں بلکہ وہ سول صدر بن جاتے ہیں۔ جس پر دنیا نے یہ سمجھا کہ میں نے یہ بات جنرل ضیاء الحق کے کہنے پر لکھی ہے۔ حالانکہ اس پر وہ ناراض تھے کیونکہ اس بات سے ان کے مستقبل کے منصوبوں کی نشاندہی ہوتی تھی' جبکہ مجھے قطعاً کچھ پتہ نہیں تھا۔ یہ میرا اپنا مشاہدہ تھا۔ کسی نے کہا کہ آپ کو گرفتار کیوں نہیں کیا گیا۔ میں نے کہا کہ کس بات پر: یہ بات تو میرا بنیادی حق ہے کہ میں جو کچھ سوچتا ہوں وہ لکھوں۔

سوال ۔ اس کے بعد آپ الیکشن سیل کے رکن بنا دیئے گئے۔ حالانکہ لوگ آپ کی گرفتاری کا اندیشہ رکھتے تھے۔

جواب ۔ ہاں چند ایک نے یہ بات پوچھی تھی' میں نے کسی کے خلاف تو لکھا نہیں تھا اپنی سوچ کا اظہار کیا تھا' پہلے بھی کرتا رہا ہوں' ڈھاکہ میں بھی کہتا اور کرتا رہا تھا کہ بھئی سیاسی حل تلاش کرو' مجیب کو اقتدار دے دو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

سوال ۔ آپ الیکشن سیل کے رکن تھے' سیل کی ذمہ داری کیا تھی؟

جواب ۔ ہمارا ایک ہی کام تھا وہ یہ کہ الیکشن منعقد کرانے کی تجاویز پیش کریں۔ سیاسی رہنماؤں سے ملاقات کرکے صدر کو ان کے خیالات سے آگاہ کردیں۔ الیکشن منعقد کرانے کے سلسلے میں کوئی پالیسی بنانا ہماری ذمہ داری نہیں تھی۔

سوال ۔ کیا اس سیل نے انتخابات ملتوی کرنے کی سفارش کی تھی؟

جواب ۔ نہیں' کبھی نہیں' انتخابات الیکشن سیل کی سفارش پر ملتوی نہیں ہوئے تھے' سیل کی تو خواہش تھی کہ الیکشن ہونے چاہئیں' اور فوری ہونے چاہئیں۔ میرے لئے تو یہ بات مشہور کر دی گئی تھی کہ یہ مشرقی پاکستان کے حالات سے ڈرتے ہیں۔ سیل کے سربراہ جنرل چشتی صاحب نے تو تحریر میں یہ بات کہہ دی تھی کہ الیکشن فوری ہونے چاہئیں۔

سوال ۔ الیکشن سیل کے رکن کی حیثیت سے اور دوسری حیثیتوں میں آپ کا سیاست دانوں سے رابطہ رہا ہے کن کن سیاست دانوں نے آپ کو متاثر کیا اور کن لوگوں سے آپ مایوس ہوئے۔

جواب ۔ یہ بڑا مشکل سوال ہے۔ دنیا میں کوئی اپنے آپ کو کم عقل نہیں سمجھتا ہے' سب اپنے آپ کو نپولین تصور کرتے ہیں۔ یہ ایسا سوال ہے جس کے جواب میں ہر آدمی ہی retaliate کرے گا۔ ہمارے معاشرے میں ایک بات تو عام ہو گئی ہے کہ ہر شخص پبلک ریلشنگ پر توجہ دیتا ہے۔ ہر شخص کی توجہ ذاتی "پروجیکشن" پر ہے۔ میل ملاپ بڑھانے' تعلقات بنانے میں ہم اپنا وقت ضائع کرتے ہیں اور جو لوگ بھی ٹھوس کام کرتے ہیں' محنت کرتے ہیں ہم ان کے خلاف ہو جاتے ہیں۔ ان کے خلاف محاذ بنا لیتے ہیں۔

سوال ۔ کیا آپ بھی یہ محسوس کرتے ہیں کہ سیاست دان فوجیوں سے کم جانتے ہیں۔

جواب ۔ دیکھئے دو قسم کی عقل ہوتی ہے۔ بنیادی طور پر آئی کیو سب کے پاس ہوتا ہے لیکن "اسپیشلائزیشن" اور چیز ہوتی ہے' فوجی فوج کے متعلق زیادہ جانتا ہے۔ سیاست دان سیاست کے متعلق۔ آپ کا ایک سوال تھا کہ کیا وجہ ہے کہ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سیاست دانوں سے مدد لیتے ہیں۔ اس میں ہی اس کا جواب موجود ہے' کہ فوجی سیاست میں اتنے ہوشیار نہیں ہوتے ہیں جتنے سیاست دان ہوتے ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ جہاں تک سیاست کا تعلق ہے ہمارے سیاست دان "سپریئر" ہیں۔

سوال ۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ جن لوگوں سے آپ نے "ڈیل" کیا ان کے بارے میں کیا رائے ہے' مثلاً مجیب ہوئے بھٹو مرحوم ہوئے' مفتی محمود مرحوم ہوئے' پیر صاحب پگارا ہوئے اور غلام مُصطفےٰ جتوئی ہوئے وغیرہ۔

جواب ۔ غلام مُصطفےٰ جتوئی تو میرا لیڈر رہے' اور لیڈر آدمی اسے ہی مانتا ہے جسے بہتر سمجھتا ہے۔

سوال ۔ دوسروں کے بارے میں کیا تاثر ہے؟

جواب ۔ ان کو اگر میں بہتر سمجھ سکتا تو ان کے ساتھ چلا جاتا۔ دیکھیں کسی نہ کسی کے ساتھ آپ کا قارورہ ملنا چاہئے۔ سارے اپنے اپنے فن میں ماہر ہیں' سیاست میں بہت ماہر ہیں پیر پگارا صاحب بہت ماہر ہیں مجیب تو بہت آمرانہ مزاج کا آدمی تھا' اگر اسے حکومت مل جاتی تو جو کچھ جمہوریت تھی اس نے اس کو بھی نہیں چھوڑنا تھا۔

سوال ۔ یہی وجہ تو نہیں تھی کہ یحییٰ خان اور ان کے ساتھی مجیب کو اقتدار نہیں دے رہے تھے؟

جواب ۔ میرا خیال ہے کہ فوجی اور یحییٰ خان ایک بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ بات یہ تھی کہ پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ اقتدار بنگالیوں کو اس لئے جانا تھا کہ وہ آبادی میں زیادہ تھے۔ قومی اسمبلی میں ان کی نشستیں زیادہ تھیں لیکن پاکستان میں ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا تھا جس نے میرے

سامنے کبھی یہ بات کہی تھی کہ ہم ان حرامزادوں کو اقتدار نہیں دیں گے اس پر میں نے کہا تھا۔

they are bastard to us then we are bastard to them.

یہ خیال پیدا ہو گیا تھا۔

سوال ۔ یہ جو ٹولہ تھا اس میں کون لوگ تھے؟

جواب ۔ بہت سے لوگ تھے۔

سوال ۔ یہ بات کس نے کہی تھی۔

جواب ۔ یحییٰ کے زمانے میں ایک جنرل اکبر تھے جو اب مرحوم ہو گئے ہیں برطانیہ میں پاکستان کے سفیر بھی رہے تھے۔ انہوں نے کہی تھی۔

سوال ۔ کیا اسی ٹولے کی وجہ سے جنرل یحییٰ خان مجبور ہو گئے تھے کہ انہوں نے اقتدار مجیب کے حوالے نہیں کیا۔

جواب ۔ یہ میں نے ان سے کہا تھا کہ مجیب نے مجھے بتایا تھا کہ جب مجیب کی بھٹو صاحب سے جنوری میں ملاقات ہوئی تھی تو مجیب کو بھٹو نے بتایا تھا کہ میرے ساتھ گیارہ جنرل ہیں۔ میں نے یحییٰ خان سے کہا تھا کہ ~~اس کے ساتھ گیارہ جنرل ہیں یہ مجیب کہتا ہے مجھے نہیں پتہ ہے~~۔ کیونکہ ہم تو مشرقی پاکستان میں تھے اور جرنیل تو مغربی پاکستان میں بیٹھے تھے۔ میں وہاں ۱۹۶۷ء میں گیا تھا میں اپنے بیس (base) سے بہت عرصہ دور رہا base سے جو دور رہتا ہے وہ کمزور ہو جاتا ہے اور اس کے خلاف کافی مواد جمع کر لیا جاتا ہے۔ پھر یہ افواہ پھیلائی گئی تھی کہ یحییٰ کو ہٹا دیا گیا ہے۔ جنرل عبدالحمید خان نے اقتدار پر قبضہ کر لیا ہے یہ تو آپ لوگوں نے بھی سنی ہوگی۔ یہ سب کچھ یحییٰ کو ڈرانے کے لئے کیا گیا تھا۔

سوال ۔ آپ نے کہا کہ جو base سے دور ہوتا ہے کمزور ہو جاتا ہے اور اس کے خلاف خاصا مواد اکھٹا کر لیا جاتا ہے کیا آپ کے خلاف بھی یہی کچھ ہوا تھا؟

جواب ۔ یہ ہی افواہ کہ سقوط ڈھاکہ کے وقت میں ہی سب کچھ تھا۔ وہاں پر سب سے سینئر آدمی جنرل نیازی تھا۔ نمبر دو جنرل جمشید تھا۔ نمبر تین جنرل رحیم تھا۔ نمبر چار جنرل نذر حسین تھا نمبر پانچ جنرل محمد حسین انصاری تھے۔ میرا نمبر چھٹا تھا۔

سوال ۔ جنرل انصاری کون سے؟

جواب ۔ وہ جو آج کل جمعیت علماء پاکستان میں ہیں۔ (میجر جنرل (ریٹائرڈ) محمد حسین انصاری ۱۹۸۸ء کے انتخابات میں قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے ہیں جو ادارہ ترقیات لاہور کے سربراہ تھے) بہت اعلیٰ آدمی ہے۔ بہت بہادر آدمی ہے۔ جب یہ پانچ ختم ہو جاتے تب فرمان کی باری آتی یہاں یہ بات اخبارات میں شائع ہو گئی کہ "جنرل مانک شا کا پیغام جنرل فرمان کے نام"۔ "جنرل فرمان کمانڈر افواج پاکستان ان مشرقی پاکستان"۔ ان سب باتوں میں کوئی حقیقت نہیں

تھی میں تو سویلین تھا میرے پاس تو کچھ بھی نہیں تھا۔ گورنر استعفیٰ دے گیا تب میری حیثیت ختم ہو گئی تھی۔

سوال ۔ ۱۹۶۷ء میں جب آپ مشرقی پاکستان گئے تھے تو فوج کی کس پوزیشن میں گئے تھے؟

جواب ۔ میں کمانڈر آرٹیلری کی حیثیت میں گیا تھا۔

سوال ۔ جب مارشل لاء لگا تھا تو آپ کی خدمات گورنر کے حوالے کر دی گئیں تھیں؟

جواب ۔ جی ہاں کیونکہ میں نے ایڈ منسٹریٹو اسٹاف کورس کیا ہوا ہے اور مجھے سول ایڈ منسٹریشن کا مکمل علم تھا۔ ۱۹۶۳ء میں ایک دفعہ گورنر امیر محمد خان نے مجھے کمشنر کی حیثیت سے متعین کرنے کے لئے مانگا بھی تھا۔ میں نے پورے کالج میں پہلی پوزیشن حاصل کی تھی۔ سول کورس میں فوجی اول آئے بڑی بات تھی۔

سوال ۔ فرمان صاحب اس تمام صورتحال کے بعد آپ کیا طریقہ تجویز کرتے ہیں کہ مارشل لاء کے نفاذ کو آئندہ کس طرح روکا جائے۔ حالانکہ اس مقصد کے لئے ۱۹۷۳ء کے آئین میں باضابطہ طور پر ایک شق رکھی تھی کہ جو بھی شخص طاقت کی بنیاد پر آئین کو منسوخ کرے گا اس کا یہ فعل بغاوت تصور کیا جائے گا۔ لیکن پھر بھی!

جواب ۔ چونکہ اس کا تعلق ایک بہت ہی اہم مسئلہ سے ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اداروں کو مضبوط کیا جائے یعنی ادارے جیسے بھی ہوں ان کے مطابق کام کیا جائے۔ اب ۱۹۷۷ء میں جو مارشل لاء لگا اس کی ایک وجہ جنرل ضیاء بتاتے ہیں کہ اگر صدر ''ٹیک اوور'' کر لیتا تو مارشل لاء لگانے کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ ملک کا وزیراعظم غیر آئینی طور پر behave کر رہا تھا۔ یہ ریکارڈ پر موجود ہے کہ اس نے انتخابات اس طریقے سے کرائے کہ اس میں دھاندلی ہوئی اور چونکہ خود ملوث تھا اس لئے rectify کرنا نہیں چاہتا تھا۔ تاخیری حربے استعمال کر رہا تھا۔ تو آپ جیسا بھی آئین چاہیں بنائیں لیکن اس میں ایسی شق جو اسی آئین کی خلاف ورزی کے سلسلے میں ہے یعنی جو آئین کو منسوخ کرے گا اسے سزائے موت دے دیں گے' مار دیں گے اس پر تو عمل درآمد ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ ''ٹیک اوور'' کرنے والا آپ کو کہاں اجازت دے گا کہ اس کو پھانسی دے دی جائے۔ موثر شق یہ ہونی چاہئے تھی کہ وزیراعظم کے علاوہ کوئی اور شخص بھی قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے بگڑے حالات کو سدھار سکتا ہے تو وہ ترمیم اب ہو گئی ہے۔ کہ اگر حالات خراب ہوں تو صدر ''ٹیک اوور'' کر سکتا ہے۔ دوسرا یہ کرنا چاہئے کہ کسی چیف آف آرمی اسٹاف کی مدت ملازمت میں توسیع نہیں کی جائے۔ تین سال کی مدت ہے تو وہ تین سال کے بعد ریٹائر ہو جائے۔ تیسری بات یہ کہ فوج کی خلاف اتنی باتیں نہ کریں جتنی کہ اب کی جا رہی ہیں یعنی اسمبلی میں فضول باتیں کہ فلاں جنرل نے یہ کر دیا۔ بھئی جنرل کیا دوسروں نے بھی تو کیا ہے۔ آپ جنرل کی نشاندہی کیوں کرتے ہیں۔ جنرل مجیب الرحمٰن نے یہ کام کیسے کر دیا' کتنے جنرل سفیر

ہیں، کتنے جنرلوں کو زمینیں ملی ہیں۔ آخر یہ سب کچھ کیوں۔ آپ پوچھیں کتنے ملازمین کو سفیر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ کتنے سرکاری ملازمین کو زمین الاٹ کی گئی ہیں۔ اس سوال میں آپ کو جنرلوں کے نام بھی مل جائیں گے۔ اگر آپ ان کو بدنام کریں گے تو ان کے دلوں میں جذبہ عناد اور مزاحمت پیدا ہو گا۔ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ بھی نہ کریں۔ اب دیکھیں کہ پیپلز پارٹی نے اقتدار میں آتے ہی کہا کہ جنرلوں کے دماغوں میں بھوسہ بھرا ہوا ہے۔ بے وقوف ہیں۔ گدھے ہیں۔ بھوسہ بھرا ہوا کہنا۔ بے وقوف کہنا جانور بتانا یہ کوئی اچھی بات نہیں تھی۔ یہ باتیں کر کے آپ دوستی تو پیدا نہیں کر سکتے۔ ان کے دلوں میں آپ کی قدر و منزلت نہیں ہوگی۔ ہمیں دونوں طرف سے یعنی سیاست دانوں کو فوجیوں کی عزت اور قدر کرنی چاہئے۔ اور فوجیوں کو سیاست دانوں کی عزت اور قدر کرنی چاہئے اور عوام کی بھی قدر کرنی چاہئے۔ اگر آپ پر امن دور میں جس میں مارشل لاء نہ ہو لگاتار حملہ کرتے رہیں گے تو اس سے صحیح ماحول پیدا نہیں ہو گا۔ چوتھی بات یہ ہے کہ آپس میں سمجھوتہ کرنے کی عادت ڈالیں آپ دیکھیں کہ ہندوستان میں مارشل لاء کیونکہ نہیں لگتا اس کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ بہت بڑا ملک ہے ہر زبان، رنگ و نسل کے تیس چالیس جنرل ہیں۔ بنگال کے ہیں، بہار کے ہیں۔ یہاں پر صرف دو علاقے ہیں پنجاب اور سرحد کے ہیں ان میں cohesion پیدا ہو گیا ہے اس cohesion کو بھی disperse کرنا چاہئے۔

سوال ۔ لیکن مدت ملازمت پوری ہونے سے قبل ہی کوئی "ایڈوینچر" کر دے؟

جواب ۔ تین سال میں نہیں کر سکتا۔ اس عرصے میں تو وہ تعلقات کو استوار کرتا ہے۔ اپنے آپ کو "ڈیولپ" کرتا ہے۔ ذہنی ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔

سوال ۔ جنرل ضیاء الحق تو ایک سال کچھ مہینہ کے بعد ہی مارشل لاء لے آئے۔

جواب ۔ یہ کب آئے تھے۔

سوال ۔ مارچ ۱۹۷۶ء میں آئے تھے اور جولائی ۱۹۷۷ء میں سول حکومت ختم ہو گئی تھی۔

جواب ۔ انہوں نے شاید جلدی کر لیا ہو لیکن عام طور پر ذرا مشکل ہوتا ہے۔ ان کے معاملے میں حالات کا بھی دخل تھا۔ ایجی ٹیشن ہو گیا تھا اور اس وجہ سے کر سکے ہوں گے۔ ورنہ ایک پلان پر عمل کرنے کے لئے کافی عرصہ درکار ہوتا ہے۔

سوال ۔ فوجی انقلاب لانے کے لئے کسی پلان کی ضرورت ہوتی ہے؟

جواب ۔ "انڈر اسٹینڈنگ" کی تو ضرورت ہوتی ہے۔

سوال ۔ ہمارے ملک میں ایسا کس طرح ممکن ہے کہ جس طرح آپ نے کہا کہ cohesion کر سکیں؟

جواب ۔ آپ دوسروں کو لائیں اب سول حکومت کو کون روک رہا ہے کہ دوسرے علاقوں سے

بھی لوگوں کو فوج میں بھرتی نہ کریں۔

سوال ۔ سوال یہ ہے کہ آج بھرتی کریں لیکن جنرل بننے میں تو ۲۵ سال لگتے ہیں۔

جواب ۔ ۲۵ سال تو لگتے ہیں لیکن کسی دن تو حالات ٹھیک ہوں گے۔ ہاں میں یہ کہہ رہا تھا کہ بھارت میں سمجھوتہ کرنے کا بہت سلیقہ ہے۔ اور ان کی نفسیات اس طریقے سے بنی ہے کہ وہ بہت جلدی سمجھوتہ کر لیتے ہیں۔ صرف ایک جگہ سمجھوتہ نہیں کیا وہ سکھوں کا مسئلہ ہے اور وہیں پر آپ دیکھ لیں کیا ہوا۔ فوج کے ساتھ کیا ہوا۔ ورنہ عام طور پر ہندو سمجھوتہ کر لیتے ہیں۔ جہاں تھوڑا سا ایجی ٹیشن ہوا سمجھوتہ کر لیا۔ ہمارا غیر لچکدار رویہ ہوتا ہے۔ اپنی اپنی پوزیشن لے کر ہم بیٹھ جاتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ یہ ہی درست ہے۔ جب تک ہم اپنے اندر سمجھوتہ کرنے کی صلاحیت پیدا نہین کریں گے صورتحال ابتر رہے گی۔ دوسرے کا نکتہ نظر سنیں اور اپنا نکتہ نظر سنائیں۔ اس صورت میں فوج کو کبھی بھی مداخلت کرنے کا موقع نہیں مل سکتا۔ ٹیک اوور کرنے کے اسباب ہی پیدا نہیں ہوں گے۔

سوال ۔ آپ کا مقصد کن لوگوں کے درمیان سمجھوتہ سے ہے؟

جواب ۔ سیاست دانوں کے درمیان

سوال ۔ سیاست دان آپس میں سمجھوتہ کریں؟

جواب ۔ جی ہاں اب دیکھیں اس وقت جمہوریت کو موقع دیا گیا ہے۔ جہاں تک انتظامی معاملات کا تعلق ہے ضیاء مداخلت نہیں کرتے ہیں۔ اس سربراہ حکومت کو دیکھیں کہ کس طرح کام چلا رہے ہیں۔ کیا یہ جمہوریت کو ترقی دینے والا کام ہے کہ تمام ارکان قومی و صوبائی اسمبلی کو پیسے دے دیئے گئے۔ کیا یہ جمہوریت کو ترقی دینے والا کام ہے کہ وہ تمام رہائشی پلاٹوں کو الاٹ کریں۔ تمام ملازمتیں وہ دیں۔ تمام ملازمین کو ترقی وہ دیں۔ سارے لائسنس وہ جاری کریں۔ ان کو بھی ہتھیاروں کے لائسنس جاری کر دیں جو بدمعاش ہیں۔ کیا جمہوریت کو ترقی دینے والے اقدامات ہیں کہ آپ کوشش کر رہے کہ دوسری سیاسی جماعتیں پنپنے نہ پائیں آپ کو یہ موقع ملا ہے کہ اس میں آپ ایسی ایڈ منسٹریشن دیتے کہ عوام مارشل لاء کو بھول جاتے۔ آپ بیشک جتنا پروپیگنڈہ کریں لیکن آج بھی عوام میں ایسے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اس سے بہتر تو مارشل لاء کا نظام تھا۔ آج بھی عوام میں ایسے لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ انگریز بہت اچھا تھا۔ وہ دوسرے ملک کے حاکم تھے۔ کیوں اچھے تھے کہ انہوں نے ایک اچھی حکومت دی تھی۔ اگر آپ کو جمہوریت کو فروغ دینا ہے تو آپ ایک اچھی حکومت قائم کریں اچھی حکومت اور اچھی انتظامیہ کے چند لوازمات ہیں۔ انہیں آپ پورا کریں تو آپ کو عوام کا تعاون حاصل رہے گا۔ ابھی تک تو مجھے فوج میں کوئی دلیر افسر نظر نہیں آیا کہ وہ عوام کی خواہشات کے برخلاف کوئی کام کرے۔ حکومت "ٹیک اوور" کرنے کے بعد تو وہ mould کر لیتا ہے۔ اس سے پہلے کا پتہ نہیں۔ آپ نے تو

ایسے اقدامات کرنے ہیں کہ مارشل لاء نافذ نہ ہوسکے۔ جب ایک دفعہ کوئی جنرل آجاتا ہے تو پھر اس کے پاس اختیارات اتنے ہوتے ہیں کہ وہ اپنی مرضی سے کھیلتا رہتا ہے۔

سوال ۔ آپ کا خیال ہے کہ آئین میں جو شق وغیرہ رکھی گئی تھیں یہ اس کا مداوا نہیں کرتے۔

جواب ۔ یہ تو شق ہی فضول ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ شق انتخابات میں تاخیر کا سبب بنی ہے۔ اگر یہ نہیں ہوتی تو ہمارے الیکشن بہت پہلے ہو جاتے۔

سوال ۔ مولانا کوثر نیازی اور دوسرے حضرات جو ۱۹۷۷ء کے مذاکرات میں شریک تھے' کہتے ہیں کہ معاہدہ ہونے جارہا تھا کہ فوج نے "ٹیک اوور" کر لیا۔

جواب ۔ مجھے اس کا علم نہیں ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے کہ انہوں نے "ٹیک اوور" کر لیا تھا لیکن یہ بھی نہیں معلوم کہ کس نے "ٹیک اوور" کیا تھا یہ اعلان بھی بعد میں ہوا تھا۔ سوال ۔ آپ کو دسمبر ۱۹۷۱ء کو بھٹو صاحب کی تقریر کے بعد ریٹائر کر دیا گیا تھا۔

جواب ۔ میں نے اکتوبر ۱۹۷۶ء میں خود استعفیٰ دیا تھا۔

سوال ۔ کیوں؟

جواب ۔ بس میرا ایک خیال تھا۔ یہ بات میرے (اس وقت کے) افسر تعلقات عامہ سے پوچھئے گا۔ اکتوبر ۷۶ء میں' میں نے اسے بلایا اور کہا کہ میرا خیال ہے کہ اپریل ۱۹۷۷ء تک کچھ ہونے والا ہے۔ اس واسطے میں نے استعفیٰ دے دیا۔ کیونکہ دوسری صورت میں اس میں شامل ہو جاتا۔

سوال ۔ آپ کو یہ خیال کس طرح آیا کہ اپریل ۱۹۷۷ء تک کچھ ہونے والا ہے؟

جواب ۔ میں حالات کو اسٹڈی کر رہا تھا۔

سوال ۔ آپ کیا محسوس کر رہے تھے؟۔

جواب ۔ یہ محسوس کر رہا تھا کہ پیپلز پارٹی جس ڈگر پر جارہی ہے یہ زیادہ دن نہیں چل سکے گی۔

سوال ۔ اکتوبر ۱۹۷۶ء میں تو حالات نارمل تھے۔

جواب ۔ بالکل نارمل تھے۔ بلکہ بھٹو صاحب پورے اقتدار میں تھے۔ آپ لگاتار کارروائی کرتے رہیں جس سے خوف اور دہشت کی ایک فضاء پیدا ہو جائے اور ماحول پیدا ہو جائے تو اس کا ردعمل ہوتا ہے۔ جو کمزور اور ڈرپوک آدمی ہوتا ہے وہ زیادہ ظالم ہوتا ہے۔ دلیر آدمی ظلم نہیں کرتا۔ عوام ظالم آدمی کو زیادہ برداشت نہیں کرتے ہیں اس لئے ردعمل متوقع تھا۔

سوال ۔ آپ نے اکتوبر ۱۹۷۶ء میں مشاہدہ کر لیا تھا کہ یہ سب کچھ ہو گا؟

جواب ۔ نہیں یہ نہیں پتہ تھا کہ یہ سب کچھ ہو گا۔

سوال ۔ پھر آپ نے استعفیٰ دے دیا؟

جواب ۔ جی ہاں۔

سوال ۔ ہیڈ کوارٹر نے وجوہات نہیں معلوم کیں؟
جواب ۔ ہوا یہ تھا کہ ۱۹۷۵ء میں مجھے فوجی فاؤنڈیشن میں بھیج دیا گیا اور ضیاء نے مجھے سپر سیڈ کر دیا۔ بحالانکہ میں ان سے دو سال سینئر تھا۔
سوال ۔ یعنی ضیاء صاحب لیفٹیننٹ جنرل بن گئے۔
جواب ۔ جی ہاں۔
سوال ۔ آپ دونوں ایک ہی ساتھ تھے؟۔
جواب ۔ میں ان سے دو سال سینئر تھا۔
سوال ۔ آپ دونوں آرٹیلری میں تھے۔ ؟
جواب ۔ نہیں وہ آرمڈ کور میں تھے میں آرٹیلری میں تھا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ پانچ افسران کو ترقی دے دی گئی اور میرے بارے میں کہا گیا کہ افسر فوج کی ڈیوٹی سے علیحدہ رہا ہے اس لئے اس کو ترقی دینے کے معاملے پر ابھی غور نہیں کیا جا سکتا۔ الیگزنڈر ہیگ آٹھ سال فوج سے علیحدہ رہا وہ صدر نکسن کا چیف آف اسٹاف تھا جیسے میں گورنر کا چیف آف اسٹاف تھا وہ آٹھ سال بعد چیف آف آرمی اسٹاف مقرر کیا گیا لیکن میری دلیل کسی کام کی نہیں تھی۔ اور ان کی اس دلیل میں بھی کوئی وزن نہیں کیونکہ آپ نے خود میری تعیناتی اس جگہ کی تھی۔ میں خود تو نہیں گیا تھا۔
سوال ۔ اس وقت سلیکشن کا کیا طریقہ تھا؟
جواب ۔ یہ سب سیاسی تھا۔ یہ تو سیاسی فیصلہ ہوتا ہے۔
سوال ۔ یہ فیصلہ کس نے کرنا تھا؟۔
جواب ۔ بھٹو صاحب کو۔
سوال ۔ کیا میجر جنرل سے لیفٹیننٹ جنرل کے عہدے پر ترقی دینے کا فیصلہ ان کو کرنا تھا؟
جواب ۔ یہ ہمیشہ حکومت کا سربراہ کرتا ہے۔ میجر جنرل تک جو بھی ترقی پا لے تو پھر وہ کما نڈر انچیف ے اا ہل صور یا اتا ہے۔ جو میجر جنرل ہو گیا ہ جنرل مانڈنگ افیسر ہوتا ہے۔ اس ے بعدی ھی پروموشن ہوتی یں وہ سیاسی ہوتی ہیں۔
سوال ۔ آج کل جو فیصلے ہو رہے ہیں کیا وہ وزیر اعظم رر ہے ہوں ے؟
جواب ۔ جی ہاں وزیر اعظم کر رہے یں۔
سوال ۔ یہ جو عارف صاحب (جنرل خالد محمود عارف' وائس چیف آف آرمی اسٹاف ضیاء دور) کی ریٹائرمنٹ ہے؟
جواب ۔ یہ سب وزیر اعظم نے کیا ہے۔
سوال ۔ یا صدر نے یہ فیصلہ کیا ہو گا؟
جواب ۔ چیف کے بارے میں فیصلہ صدر کو کرنا ہوتا ہے اس سے نیچے والوں کے فیصلے وزیر اعظم

کو کرنے پڑتے ہیں۔ موجودہ آئین کے تحت یہ طریقہ ہے۔ ۱۹۷۳ء کے آئین میں یہ سب کچھ وزیراعظم کو کرنا ہوتا تھا۔

سوال ۔ ۱۹۸۵ء کے آئین میں کیا صورتحال ہے؟۔

جواب ۔ اس میں یہ ہے کہ چاروں چیف یعنی چیئرمین 'جوائنٹ چیف آف اسٹاف کمیٹی' چیف آف آرمی اسٹاف' چیف آف نیول اسٹاف اور چیف آف ایئر اسٹاف کی تقرریاں صدر کرے گا باقی سب وزیراعظم کرے گا۔

سوال ۔ لیفٹیننٹ جنرل کے عہدے پر جتنی ترقیاں دی جائیں گی ان کا فیصلہ وزیراعظم کرتے ہیں؟۔

جواب ۔ جی ہاں۔

سوال ۔ اس سلسلے میں صدر کی سفارشات تو ہوں گی۔

جواب ۔ نہیں۔ چیف آف آرمی اسٹاف کی سفارشات ہوں گی۔

سوال ۔ تو کیا وزیراعظم انہیں رد کر سکتے ہیں؟

جواب ۔ ہاں مشورہ کر لیتے ہیں۔

سوال ۔ یہ ایک عام رجحان بن گیا ہے کہ فوجی ریٹائرمنٹ کے بعد سیاست میں آ جاتے ہیں اس سلسلے میں آپ کیا کہنا چاہیں گے۔

جواب ۔ ایک تو یہ کہ یہ رجحان صحت مند ہو سکتا ہے کہ سیاست دانوں کے اندر ایک نیا خون آ جائے جس کے خیالات اسی ڈگر پر نہ چل رہے ہوں۔ ایک رٹ ہو جاتی ہے۔ سوچ میں بھی ایک رٹ ہو جاتی ہے۔ اگر باہر سے نئے خیالات آئیں تو بحث و مباحثہ میں نئی بات آنا لازمی ہے۔ سیاست میں دو چیزیں ہیں ایک خیالات دوسرا عمل۔ آپ ایک پالیسی بنا رہے ہیں فیصلہ کر رہے ہیں اس میں باہر سے آنے والے یعنی فوجی کافی contribution کر سکتے ہیں لیکن عوام کے ساتھ کس طرح deal کیا جائے۔ اس میں جو باہر سے آتے ہیں ان کی contribution بہت کم ہوتی ہے دوسرے یہ کہ ریٹائرمنٹ کے بعد فوجی بھی عام شہری ہو جاتے ہیں تو ان کے خلاف اس طرح نہیں سوچنا چاہئے کہ وہ کیوں آتے ہیں۔ انہیں عوام انتخابات میں رد کر دیں۔ تیسرے یہ کہ جب وہ فوج میں ہوتے ہیں تو اخبارات وہ پڑھتے ہیں۔ سیاست دانوں سے ان کی ملاقاتیں ہوتی ہیں۔ ہمارے تمام فوجی کورسوں میں ملک کی معاشی' سیاسی اور سماجی موضوعات پر مضامین ہوتے ہیں جنہیں ہمیں پڑھنا ہوتا ہے ان پر پیپر لکھنا ہوتا ہے اس طرح ہم تمام صورتحال سے بہرہ ور ہوتے ہیں صرف کمی عوام سے تعلق پیدا کرنے کی ہے۔ اگر وہ تنہا سیاسی جماعت چلانا چاہے تو اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جیسے ایئر مارشل اصغر خان ہیں انہیں مشکلات کا سامنا رہتا ہے۔ لیکن آپ اگر کسی اور سیاست دان کے ساتھ مل کر کوئی سیاسی

کارروائی کرانا چاہیں تو کارروائی وہ کریں گے خیالات آپ کے ہوسکتے ہیں یا contribution آپ کا ہوسکتا ہے۔ میں نہ تو رجحان کے خلاف کہوں گا نہ یہ کہوں گا کہ یہ ایک ایسا میدان ہے جس میں ہر ایک کو آ جانا چاہیئے۔ یا ہر ایک آ سکتا ہے۔ لیکن چونکہ آخری فیصلہ تو عوام کو دینا ہے اس لئے آپ فیصلہ ان پر چھوڑ دیں۔ آپ کیوں اعتراض کرتے ہیں کہ فوجی آ رہے ہیں۔ اگر نہیں چل سکے تو رد ہو جائیں گے اور خود بخود میدان سے چلے جائیں گے۔

سوال ۔ آپ نے ۱۹۸۵ء کے انتخابات میں حصہ لیا تھا۔ کون آپ کے مدمقابل تھا؟

جواب ۔ وہ وزیر ہو گئے ہیں میاں محمد زمان۔

سوال ۔ آپ نے اوکاڑہ سے انتخاب کیوں لڑا تھا؟

جواب ۔ میں وہیں کا رہنے والا ہوں۔ ہم ۱۹۲۲ء سے وہاں آباد ہیں۔ میرے والد صاحب ۱۹۲۰ء میں آئے تھے میں ۱۹۲۲ء میں پیدا ہوا۔

سوال ۔ والد صاحب کہاں سے آئے تھے۔

جواب ۔ ضلع روہتک سے آئے تھے۔ میری تعلیم و تربیت وغیرہ سب کچھ ہی اوکاڑہ کے قریب ایک گاؤں میں ہوئی ہے۔ اور پنجابی اتنی ہی بول سکتا ہوں جتنی ایک پنجابی کو بولنی چاہیئے۔

سوال ۔ فوجی زرعی زمین، رہائشی پلاٹ، پنشن وغیرہ اور دیگر سہولتوں کے ملنے کے بعد سیاست کرنے آ جاتے ہیں اور پھر اقتدار میں آنا چاہتے ہیں یہ میدان سیاست دانوں کے لئے کیوں نہیں چھوڑتے ہیں جو پڑھے لکھے اور سیاست سے واقف لوگوں کا کام ہے۔

جواب ۔ آپ نے دو تین باتیں کہہ دی ہیں۔ پہلے تو یہ کہ پہلے سوال کا جواب پورا نہیں ہوا تھا۔ میں نے اکسٹھ ہزار ووٹ حاصل کئے تھے۔ یہ کافی ووٹ ہوتے ہیں۔ ووٹروں نے کچھ سمجھ کر ہی ووٹ دیا ہو گا۔ میں نے تقاریر کیں۔ میں نے ان سے ملاقاتیں کیں انہیں میری کوئی بات پسند آئی ہو گی۔ اس لئے انہوں نے مجھے ووٹ دئیے۔ اکسٹھ ہزار ووٹ کراچی میں چھ ارکان قومی اسمبلی کے مشترکہ ووٹ کے برابر ہیں۔ یہاں تو لوگ آٹھ آٹھ ہزار ووٹ میں کامیاب ہوتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ سے زیادہ ہر پارٹی سے ایک جنرل امیدوار ہو گا۔ اب دیکھیں نیشنل پیپلز پارٹی میں صرف میں ہوں۔ جمعیت علمائے پاکستان میں اظہر صاحب (جنرل کے ایم اظہر) اور انصاری صاحب (محمد حسین انصاری) ہیں۔ پاکستان پیپلز پارٹی میں ایک جنرل ٹکا خان ہیں۔ کسی زمانے میں ولی خان کے ساتھ بھی جنرل جیلانی ہوتے تھے۔ لیکن اب کوئی بھی نہیں ہے۔ باقی سیاسی جماعتوں میں جماعت اسلامی میں جنرل امراؤ خان ہوا کرتے تھے اب وہ بھی نہیں رہے اور کوئی جنرل نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ تین یا چار جنرل انتخابات میں حصہ لیں گے تو اس سے کسی کا حق نہیں مارا جاتا۔

سوال ۔ ملک میں ایک طبقہ کا خیال ہے کہ سیاسی جماعتیں جنرلوں کو اس لئے ساتھ رکھتی ہیں

کہ فوج سے کچھ نہ کچھ رابطہ رہے۔

جواب ۔ نہیں میرا تو کسی سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ میں کبھی کسی فوجی کے ساتھ سیاست پر بات بھی نہیں کرتا ہوں۔ میں کوئی رابطہ نہیں رکھتا ہوں۔ فوج سے رابطہ تو وہ رکھے جو فوج کو لانا چاہتے ہوں۔ جو سیاسی جماعتیں فوج کو علیحدہ رکھنا چاہتی ہیں وہ رابطہ کیوں رکھیں گی۔

سوال ۔ آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ فوج سے انہیں رابطہ رکھنا ہی نہیں چاہیئے۔

جواب ۔ فوج کے کام سے واقفیت تو ہونی چاہیئے۔ لیکن یہ نہیں ہونا چاہیئے۔ کہ فوج کو کیسے استعمال کرنا ہے یا ہماری مدد کس طرح کرے گی۔ اگر آپ اس سے مدد لیں گے تو وہ ''ٹیک اوور'' کرے گی۔

سوال ۔ آپ نے اتنی ساری پارٹیوں کی موجودگی کے باوجود نیشنل پیپلز پارٹی میں کیوں شمولیت اختیار کی۔ جب کہ وہ نوزائیدہ پارٹی ہے۔

جواب ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر انسان اپنے تجربہ یا ماضی کی روشنی میں کام کرتا ہے۔ میں چونکہ مشرقی پاکستان میں تھا وہاں کے حالات نے اور سیاسی نشو و نما نے میرے ذہن پر اثرات مرتب کئے تھے۔ ان کی وجہ سے جو کچھ نتیجہ میں نے اخذ کیا وہ یہ تھا کہ مشرقی پاکستان میں ایک شخصیت تھی مجیب کی۔ مجیب کی پارٹی میں گروہ بندی تھی۔ اصل میں تین گروپ تھے۔ ایک گروپ مشتاق خوندکر کی سربراہی میں تھا ایک گروپ تاج الدین کے زیر اثر تھا۔ تیسرا گروپ آزاد تھا جو بائیں بازو سے تعلق رکھتے تھے۔ تاج الدین کا گروپ ہندوستان کے ساتھ رابطہ رکھنا چاہتا تھا اور مکمل طور بنگلہ دیش کو آزاد ملک دیکھنا چاہتا تھا۔ مشتاق خوندکر کا گروپ چھ نکات کا حامی تو تھا۔ بنگال کے حقوق چاہتا تھا لیکن وہ پاکستان کے ساتھ رہنا چاہتے تھے۔ شیخ مجیب دونوں کے ساتھ تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ اگر تاج الدین والی بات کامیاب ہوتی ہے تو میں بابائے قوم بن جاؤں گا اور اگر خوندکر مشتاق والی بات کامیاب ہوتی ہے تو میں پاکستان کا وزیر اعظم یا صدر بن جاؤں گا۔

سوال ۔ تیسرا گروہ کیا سوچتا تھا؟

جواب ۔ وہ بائیں بازو سے تعلق رکھتے تھے ان کا اتنا اثر نہیں تھا۔ دو چار آدمی تھے۔ یہ سارے کے سارے تقریباً بائیں بازو کے حامی تھے۔ اس زمانے میں وہاں کوئی اتنا امیر آدمی تو تھا نہیں۔ میں نے یہاں دیکھا کہ سب سے بڑی سیاسی جماعت پیپلز پارٹی تھی۔ ان میں بھی دو گروہ پیدا ہوگئے ایک گروہ نے واضح طور پر اعلان کیا کہ کنفیڈریشن بننی چاہیئے۔ یعنی وہ ہی چھ نکات اور اس گروہ کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی تقریباً چھ ماہ تک نہیں کی گئی۔ دوسرا گروہ تھا وہ کہتا تھا کہ ہم پاکستان کے خلاف کوئی بات نہیں سن سکتے۔ وفاق چاہیئے۔ لیکن سندھ کے حقوق ملنے چاہئیں۔ اور اس پر کسی پاکستانی کو اعتراض بھی نہیں ہے۔ یہ صورتحال چلتی رہی۔ پھر میں نے اخبار میں پڑھا کہ مخدوم خلیق الزمان صاحب سندھ کے صدر ہوگئے اور بے نظیر صاحبہ کے ساتھ دوروں

میں رہے۔ انہوں نے تقریریں کیں اور اگر اخبارات میں شائع ہونے والی تقریریں صحیح ہیں تو پھر انہوں نے یہ کہا تھا کہ اگر بے نظیر کو پنجاب نے وزیر اعظم نہ بنایا تو ہم سندھو دیش مانگیں گے۔ اب مجھے آپ (علی حسن) کے سیاسی نظریات کا کچھ علم نہیں ہے۔ نہ ہی میں اس پر بحث کر رہا ہوں میں تو حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ بے نظیر صاحبہ کی صدارت میں ہونے والوں جلسوں میں یہ بات کہی گئی لیکن انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ انہیں کہنا چاہئے تھا' اعلان کرنا چاہئے تھا کہ میں وزیر اعظم بنوں یا نہ بنوں لیکن سندھو دیش اور کنفیڈریشن کی کبھی بھی حامی نہیں ہو سکتی۔ مجھے خیال آیا کہ تاج الدین نے بھی کبھی اسی طرح کہا تھا۔ اس نے مجیب سے کہا تھا کہ یہ (مغربی پاکستان والے) تمہیں کبھی بھی وزیر اعظم نہیں بنائیں گے۔ اس نے کہا تھا کہ ہمیں معلوم ہے کہ مغربی پاکستان آئینی طور پر اقتدار ہمارے سپرد نہیں کرے گا اور مجیب کو وزیر اعظم نہیں بنائیں گے۔ اس نے اس وقت بنگلہ دیش کا مطالبہ کر دیا۔ جب مجیب وزیر اعظم بننے میں ناکام ہوا۔ میں نے دیکھا کہ ایک شخص (غلام مصطفیٰ جتوئی) اگر مگر کے بغیر پاکستان اور اس کے وفاق کا حامی ہے وہ وزیر اعظم بننا بھی نہیں چاہتا ہے۔ جہاں تک مس بے نظیر کا تعلق ہے انہوں نے اس بات کا الٹ کیا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ میں نے نیشنل پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کی ہے۔

(یہ انٹرویو میجر جنرل راؤ فرمان علی خان (ریٹائرڈ) سے کراچی میں ۱۱ر اپریل ۱۹۸۷ء کو ریکارڈ کیا گیا)۔

"فوج کا کوئی سیاسی کردار ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ اس کا کردار صرف ایک ہے کہ ملک کی سرحدوں کی حفاظت کریں۔ کوئی اور آئینی کردار کوئی معنی نہیں رکھتا ہے اگر سول حکومت کمزور ہے تو فوج خود بخود اقتدار پر قابض ہو جائے گی اور اگر کمزور نہیں ہے تو فوج کچھ نہیں کر سکے گی۔"

عتیق الرحمن

لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) سابق گورنر مغربی پاکستان' سابق چیئرمین' فیڈرل پبلک سروس کمیشن

جنرل عتیق الرحمٰن...... ملک میں پہلے مارشل لاء (لاہور ۱۹۵۳ء) میں سیکٹر ایڈ منسٹریٹر تھے پھر یحییٰ خان کے مارشل لاء میں مغربی پاکستان کے آخری اور ون یونٹ کے خاتمے کے بعد پنجاب کے پہلے گورنر مقرر ہوئے۔ ۲۴ر جون ۱۹۱۸ء کو مسوری (بھارت) میں پیدا ہونے والے عتیق الرحمٰن کو ۱۹۳۹ء میں فوج میں کمیشن ملا اور ۱۹۷۲ء میں ریٹائر ہو گئے۔ جنرل عتیق اپنے عمل میں اپنی گفتگو میں اور معاملات میں کھرے آدمی ہیں۔ الفاظ کو چبانا نہیں جانتے۔ جنرل صاحب کے کرنل مصطفیٰ مرحوم جو بھٹو مرحوم کے بہنوئی تھے کے ساتھ تعلقات تھے اس ناطے بھٹو سے بھی آشنائی تھی بھٹو مرحوم کے بارے میں ان کی حتمی رائے ہے کہ یہ شخص ہمیں کمال اتاترک کی طرح ۲۱ ویں صدی میں لے جا سکتا تھا لیکن مجھے اس پر رونا آتا ہے کہ اس نے موقع کھو دیا۔ اس کے تکبر اور غرور اور نقصان رساں سوچ نے کچھ بھی نہ کرنے دیا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد سے جنرل صاحب لکھنے پڑھنے کے کام میں مصروف ہیں اور آٹھ نو کتابیں تحریر کر چکے ہیں۔ سندھ کے سیاسی رہنماؤں کے سلسلے میں ان کی تحریر تلخ ہے۔ مہاجروں کے سلسلے میں کہتے ہیں انہوں نے سندھ میں اودھ کا کلچر نافذ کرنے کی کوشش کی ہے جو یہاں نہیں چل سکتا۔ مہاجروں کو سندھ میں ضم ہو جانے کا مشورہ دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ سندھی تہذیب یافتہ قوم ہے اور ان کا کلچر بہت قدیم ہے۔ تاریخ اور مورخ کے سلسلے میں بھی ان کا اپنا ایک نظریہ ہے اور وہ بہت سارے مسائل کے سلسلے میں تاریخ دانوں کو قصوروار قرار دیتے ہیں جنرل صاحب سندھ کے مسائل کا معاشی مسئلہ کے زاویہ سے دیکھتے ہیں۔

عتیق الرحمٰن

علی حسن ۔ مارشل لاء کیا ہوتا ہے اور کیوں کر نافذ کیا جاتا ہے؟۔

جنرل عتیق الرحمان ۔ برصغیر میں مارشل لاء کی ایک طویل داستان ہے۔ ۱۹۲۱ء یا ۱۹۲۲ء میں انگریزوں نے جلیانوالہ باغ میں مارشل لاء نافذ کیا تھا پھر اس کے بعد ۱۹۴۲ء میں سندھ میں مارشل لاء نافذ کر کے حروں کو کچلا گیا تھا۔ مارشل لاء بنیادی ملکی قوانین کی نفی کرتا ہے اور تمام قوانین مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے مرہون منت ہو جاتے ہیں۔ اس دور میں کوئی قانون یا کوئی اپیل کوئی حیثیت نہیں رکھتی ہے۔ بلکہ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے منہ سے نکلا ہوا کوئی بھی لفظ قانون کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ میں یہ بات اس لئے کہہ رہا ہوں کہ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد کسی لاء کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی ہے۔ درحقیقت مارشل لاء کے نفاذ کے بعد سول کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے کیونکہ مارشل لاء کے اپنے ضابطے اور طریقے ہوتے ہیں ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ دوسری صورت میں جمہوریت کی بات ہوتی ہے اور جب جمہوریت کی بات ہوتی ہے تو پھر ضابطوں اور قوانین کو چیلنج کرنے کی بات بھی پیش آتی ہے۔ اس ملک میں عجیب بات دیکھنے میں آئی ہے کہ پہلے ملک میں مارشل لاء نافذ کیا جاتا ہے پھر وہ ہی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر عمومی حالات میں قابل عمل سول لاء کی بات کرتے ہیں حالانکہ میری رائے میں یہ طریقہ یکسر غلط ہے۔ بنیادی طور پر مارشل لاء عوام پر خوف طاری کر کے حالات کو قابو میں لانے کے لئے نافذ کیا جاتا ہے لیکن گورنر سرمائیکل اوڈائر کے وقت سے اب تک مارشل لاء کی ہیئت میں تبدیلی آچکی ہے۔ اب تو مارشل لاء کے نفاذ کا مطلب اپنے آپ کو اقتدار میں رکھنا ہے۔ ملک کی بھلائی کا خیال کم اور اپنے استحکام کا زیادہ خیال ہوتا ہے۔

سوال ۔ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد ملک کے مسائل کے سلسلے میں سول لاء کا سہارا کیوں لیا جاتا ہے اور سول لاء پر عمل کرنے کی کوشش کیوں کی جاتی ہے۔

جواب ۔ سول لاء پر عمل تو اس لئے کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ آہستہ آہستہ صدارت پر مستقل برقرار رہنا چاہتے ہیں۔ سول لاء اور عمومی قوانین کو دل سے لگاتے ہیں یہ ہماری عام سوچ ہے۔ آخر ہم اور آپ ایک ہی معاشرے کے لوگ ہیں۔ ہر ایک کی خواہش اقتدار میں آنے کی ہوتی ہے اور اقتدار میں آنے کے بعد اپنے آپ کو برقرار رکھنے کی خواہش جنم لیتی ہے جس کے لئے "ڈنڈے" کا سہارا لیا جاتا ہے۔ ایوب خان ہو یا بھٹو ضیاء الحق ہو یا کوئی اور بنیادی طور پر حکومت پر قبضہ کرنے کی خواہش ہوتی ہے پھر اس کے بعد حکومت پر مکمل کنٹرول کرنے کی تراکیب تلاش کرتے ہیں۔

سوال ۔ ہمارے ملک کی صورتحال کی روشنی میں یہ بتائیں کہ مارشل لاء کے نفاذ میں نیت کا دخل ہے یا حالات نے مجبور کیا تھا کہ مارشل لاء نافذ کئے جائیں؟۔

جواب ۔ بھئی آپ حالات کی کیا بات کرتے ہیں اس ملک میں تو حالات ایسے رہتے ہیں

کہ مارشل لاء کسی وقت بھی نافذ کیا جاسکتا ہے۔ آج سندھ کے حالات دیکھیں ایک ضلع سے دوسرے ضلع تک سفر کرنا محال ہے۔ مارشل لاء نافذ کرنے کے لئے حالات "سازگار" ہیں لیکن سول لاء چل رہا ہے۔ اصل میں بات یہ ہے کہ ہمارے ادارے مضبوط ہوتے ہیں تو مارشل لاء کا نفاذ نہیں ہوتا۔ ہنگامی قوانین کے تحت حالات پر قابو پایا جاسکتا تھا۔ بہت سارے طریقوں سے حالات پر کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔ فوج کا بنیادی کام سرحدوں کی حفاظت کرنا ہے۔ ملک کا دفاع کرنا ہے۔ حالانکہ جنرل ضیاء الحق آہستہ آہستہ تبدیل ہوتے رہے ہیں۔ اب وہ کہتے ہیں کہ نظریات کا دفاع کرنا بھی فوج کا کام ہے۔ اب ایک نئی چیز متعارف کرائی گئی ہے کہ اگر آپ مخصوص نظریات کو قبول نہیں کرتے ہیں تو آپ کو مار دیا جاتا ہے۔ یہ تو سیاست دانوں کا کام ہے کہ حکومت کس طرح چلائی جائے اور نظریات کا تحفظ کس طرح کیا جائے۔ Politics is ability to stay in power لیکن فوج کو اس میں ملوث نہیں ہونا چاہئے کہ یہ اس کے فرائض کا حصہ ہی نہیں ہے۔ فوج تو صرف حکم ماننے کے لئے ہوتی ہے۔ حکم ملا کہ جلیانہ والا باغ چلے جاؤ شادرہ چلے جاؤ اور سیدھا کر کے واپس آجاؤ۔ پھر جتنے فوجی خصوصاً جنرل سول ڈیوٹی میں لگائے جاتے ہیں وہ بھی اسی رنگ میں رنگ جاتے ہیں آپ دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کہ جنرلوں نے پیسہ نہیں بنایا ہے تو میں آپ کو انعام دینے کے لئے تیار ہوں۔ ہم سب ایک جیسے ہیں۔ صرف ایک بات کا فرق ہے کہ فوج ہر کام کو تیزی سے کر سکتی ہے۔ پھرتی سے کر سکتی ہے۔ ہم ایک حکم دیں تو بیس ہزار افراد چلنے لگتے ہیں کیونکہ ہم لوگ بنیادی طور پر جنگ کے لئے منظم ہوتے ہیں ہمارے پاس ہر چیز ہوتی ہے۔ مارشل لاء کے نفاذ میں ذہنیت کو بنیادی طور پر دخل ہوتا ہے۔ برطانیہ والے کبھی مارشل لاء نافذ نہیں کر سکتے۔ کرامویل کے بعد اب وہ کبھی مارشل لاء نہیں لگائیں گے۔ مارشل لاء کے نفاذ بنیادی طور پر اداروں اور ملک کے عوام کے کمزور ہونے کی عکاسی کرتا ہے اصل میں ہم سے لوگ ڈرتے ہیں۔ میں بھی ڈرتا ہوں۔ جب ہمارے عام شہری فوجی افسر کے پاس جاتے ہیں تو ڈرتے ہیں کہ معلوم نہیں کیا کرے گا حالانکہ وہ بھی ایک عام شہری کی طرح کا انسان ہوتا ہے فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ وردی پہنتا ہے بس اور کچھ نہیں۔ عوام اگر مارشل لاء کے نفاذ کی خواہش کا اظہار نہ کریں تو مارشل لاء کبھی بھی نافذ نہیں کیا جاسکتا ہے۔

سوال۔ ۔ آپ کے خیال میں عوام مارشل لاء کا نفاذ چاہتے ہیں؟۔

جواب۔ ۔ اصل بات اور سچ بات یہ ہے کہ عوام اچھی حکومت چاہتے ہیں کل روس آجائے تو یہ (عوام) ہلیں گے نہیں۔ میرا ملازم وہ ہی کام کر رہا ہو گا جو آج کر رہا ہے۔ خمینی اگر آجائے تو بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ یہ تو مڈل کلاس اور لوئر کلاس کے لوگ جو پڑھے لکھے ہیں اصل میں یہ ان کا مسئلہ ہے۔

سوال ۔ مارشل لاء کو روکنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔

جواب ۔ مضبوط اور مستحکم اداروں کا قیام۔ ذہنی طور پر آپ کو جمہوریت تسلیم کرنی چاہیئے۔ آپ کو یاد ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے درمیان جب چرچل کو جس نے پوری جنگ جیتی بتایا گیا کہ انتخابات میں وہ شکست کھا گئے ہیں اور وہ اب وزیر اعظم بھی نہیں رہے ہیں تو چرچل نے کہا تھا کہ ہم تو یہ لڑائی اسی لئے لڑ رہے ہیں کہ جمہوریت آئے۔ اس نے مارشل لاء نافذ نہیں کیا تھا۔ اس نے نہیں سوچا تھا کہ ہماری حکومت چلی گئی ہے اسے کسی نہ کسی طریقے سے دوبارہ بحال کیا جائے۔ لوگوں کو قید کر دیں یا کوئی اور قدم اٹھائیں۔ یہاں کسی آدمی کو انتخابات میں شکست دیں تو دس ہزار بہانے تراشے جائیں گے کہ انتخابات غلط تھے' دھاندلی ہوئی ہے۔ گنتی غلط ہوئی ہے وغیرہ وغیرہ۔

سوال ۔ آپ کہتے ہیں کہ سیاسی اداروں کو مستحکم بنانا چاہیئے۔ چالیس سال میں کیوں نہیں مستحکم ہوسکے ؟۔

جواب ۔ اس لئے کہ ملک میں زیادہ عرصہ تک مارشل لاء نافذ رہا ہے۔ مارشل لاء ججوں کے ہاتھ پاؤں باندھ دیتا ہے۔ پی سی او کے تحت جنرل ضیاءالحق کے دور میں کیا گیا۔ تراب پٹیل کو نکال دیا گیا۔ انوارالحق بھی چلے گئے۔ ان کی جگہ دوسرے لوگ رکھ لئے گئے۔ عدلیہ کو کمزور کر دیا گیا۔ عدلیہ سے متعلق تمام افراد مستعفی ہو جاتے تو بات بنتی۔ پریس کا حال دیکھیں۔ ملک میں جرائم کی صورتحال کیا ہے لیکن ذرائع ابلاغ سے کچھ نہیں بتایا جاتا ہے۔

سوال ۔ آپ کے خیال میں وہ کونسا مرحلہ تھا جب فوج نے سیاست میں مداخلت کا آغاز کیا؟۔

جواب ۔ درحقیقت جب ایوب خان فوج کے سربراہ کے ساتھ ساتھ وزیر دفاع بنے۔ یہ دونوں عہدے ایک ساتھ کس طرح رہ سکتے تھے۔ اس کے بعد ایوب خان کی مدت ملازمت میں توسیع ہو گئی۔ حالانکہ تین یا چار سال کی ملازمت کے بعد ہر ایک کو گھر روانہ کر دیا جانا چاہیئے۔

سوال ۔ آپ کے خیال میں مدت ملازمت ' (tenure) مقرر کر دینی چاہیئے۔

جواب ۔ بالکل مقرر ہونا چاہیئے اور اس پر عمل ہونا چاہیئے۔ بھارت میں جنرل مانک شا کو صرف تین ماہ کی توسیع اس وقت دی گئی تھی جب اس نے پاکستان (مشرقی) کو فتح کر لیا تھا۔

سوال ۔ مدت ملازمت کس طرح مقرر کی جا سکتی ہے ؟۔

جواب ۔ بھئی آئین کے ذریعے ہو سکتا ہے لیکن یہاں تو آئین بدلتے رہتے ہیں۔ آج آپ ہیں تو آپ کا آئین نافذ ہو جاتا ہے کل کوئی اور ہے اور آئین تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ درحقیقت میں صورتحال سے کافی ناامید اور مایوس ہوں۔ ہم لوگ مرنے سے ڈرتے ہیں۔ اس ملک میں گاندھی جیسے لوگ نہیں ہیں جو مرنے کے لئے تیار ہوں۔

سوال ۔ فوج کا آئینی کردار کیا ہونا چاہیئے۔ کیا اسے ملک کی سیاست میں کوئی مقام دیا جا سکتا ہے ؟۔

جواب ۔ میرے خیال میں فوج کا کوئی سیاسی کردار ہو ہی نہیں سکتا ہے اس کا کردار صرف ایک ہے کہ ملک کی سرحدوں کی حفاظت کریں۔ کوئی اور آئینی کردار کوئی معنی نہیں رکھتا ہے اگر سول حکومت کمزور ہے تو فوج خود بخود اقتدار پر قابض ہو جائے گی اور اگر کمزور نہیں ہے تو فوج کچھ نہیں کر سکے گی۔

سوال ۔ ایوب خان کا مارشل لاء کسی دانستہ کارروائی کا نتیجہ تھا یا اچانک اور غیر متوقع تھا؟

جواب۔ جہاں تک میرے علم میں ہے ایوب کا مارشل لاء معلوم نہیں ان کے دل میں کب سے تھا لیکن جب مشرقی پاکستان میں ڈپٹی اسپیکر پارلیمنٹ میں قتل ہوئے تھے اس واقعہ نے راستہ ہموار کر دیا تھا۔ اس وقت سے یہ سوچ پیدا ہو گئی تھی کہ جمہوریت تو بالکل ہی ختم ہو گئی ہے۔ میرا خیال ہے وہ نکتہ آغاز تھا۔ اسکندر مرزا اور ایوب خان کے دلوں میں کیا تھا اس کا مجھے علم نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ فوج میں یعنی جنرل ہیڈ کوارٹر میں بھی یہ سوچ پیدا ہوئی تھی کہ اس ملک میں مارشل لاء کا نفاذ ناگزیر ہے۔ ایوب بھی یقیناً سوچ رہے ہوں گے کہ مارشل لاء نافذ کرنا ہے۔ صورت حال خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی ہے اور اس وقت سوائے اس کے اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ جب مارشل لاء نافذ ہوتا ہے تو بولتے ہیں کہ بچ گئے۔ ملک بچ گیا وغیرہ اسی طرح اس وقت بھی کہا گیا تھا۔

سوال ۔ پھر یحییٰ خان نے مارشل لاء نافذ کیا۔ اس میں آپ بھی گورنر مقرر ہوئے تھے۔ یہ مارشل لاء کن حالات میں نافذ کیا گیا؟

جواب ۔ اس وقت ملک بھر میں پرابلم تھے۔ کراچی اور دوسرے شہر ہنگاموں کا شکار تھے۔ یہ سب کچھ ایوب خان کے خلاف ہو رہا تھا۔ ایوب نے یحییٰ خان سے کہا تھا کہ حکومت سنبھال لو۔ یحییٰ خان کے ذہن میں کیا تھا یہ مجھے علم نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ یحییٰ نے پہلے سے منصوبہ بندی کی ہوئی تھی۔ لیکن جب آیا تو یحییٰ نے بھی دوسروں کی طرح یہی کہا تھا کہ مارشل لاء نافذ کرنا مجبوری ہے اور یہ مختصر مدت کے لئے ہو گا۔ یہ حیف ہے کہ مارشل لاء مختصر مدت کے لئے نہیں ہوتے ہیں۔

سوال ۔ مارشل لاء کے نفاذ سے کس طرح بچا جا سکتا ہے؟

جواب ۔ ملک میں جمہوری اداروں کو مستحکم ہونا چاہئے۔ پارلیمنٹ کو بہت مستحکم ہونا چاہئے۔ عدلیہ کو مستحکم ہونا چاہئے۔ میں تو کہتا ہوں کہ ہر سول ادارے کو مستحکم ہونا چاہئے۔ تاکہ "ایڈینچرز" کا مقابلہ کیا جا سکے۔ فوج عوام کا حصہ ہوتی ہے۔ یہ عوام کے اختیارات سے تجاوز نہیں کر سکتی ہے۔ عوام اگر مارشل لاء کے نفاذ کی خواہش کا اظہار نہ کریں تو مارشل لاء کبھی بھی کسی حالت میں نافذ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

سوال ۔ چالیس سال میں ادارے کیوں مستحکم نہیں ہو سکے؟

جواب - جو بھی آیا ہے اس نے انہیں توڑ دیا ہے۔ زک پہنچائی ہے۔ نقصان پہنچایا ہے۔ آپ شروع سے لیں۔ لیاقت علی خان نے انتخابات نہیں کرائے۔ میرا خیال ہے کہ اگر لیاقت علی خان الیکشن منعقد کرا کے کوئی آئین بنا لیتے تو آج یہ صورت حال نہیں ہوتی۔ لیکن وہ بیچارے بھی مارے گئے۔ پھر اس کے بعد غلام محمد اور ناظم الدین نے تو اپنی کرسی کو مضبوط کرنے کے اقدامات کئے تھے۔ انہوں نے کبھی اس میں جمہوریت کے فروغ کے بارے میں سوچا تک نہیں۔ میں تو بنیادی طور پر فوجی ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ جمہوریت کو پنپنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔ آپ بتائیں کہ پھر اس کے بعد کون آیا جو جمہوریت کو فروغ دیتا یا جمہوریت پر عمل کرتا۔ مارشل لاء نافذ کیا گیا۔ ایوب خان آیا اس نے اپنا آئین دیا پھر اسی آئین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اقتدار یحییٰ خان کے حوالے کر دیا۔ یہ ملک ایسے ہی چلتا رہا ہے۔ یہی سلسلہ چل رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام منظم نہیں ہیں اگر وہ منظم ہوتے اور یہ احساس کرتے کہ کیا ہو رہا ہے تو صورت حال مختلف ہوتی اور کچھ اور ہی ہوتا۔ اگر عوام منظم ہوں اور اپنے شعور کا مظاہرہ کریں تو فوج مداخلت کر ہی نہیں سکتی لیکن یہاں تو جب مارشل لاء نافذ ہوا سب نے ایک آواز میں مل کر کہا بچ گئے' بچ گئے۔ ہر مارشل لاء کے نفاذ کے موقع پر کہا گیا کہ پاکستان بچ گیا۔ پاکستان بچ گیا۔

سوال - عوام کو کس طرح منظم کیا جا سکتا ہے؟

جواب - سیاسی جماعتیں منظم کر سکتی ہیں لیکن انہیں خود اپنے آپ کو منظم کرنا ہو گا اپنے اخلاص کا مظاہرہ کرنا ہو گا۔ یہ نہیں ہے کہ آپ آج ایک پارٹی میں ہیں کل دوسری پارٹی اور پرسوں تیسری پارٹی میں۔ پارٹیوں کو کسی نظریہ کی بنیاد پر ہی منظم کیا جا سکتا ہے۔ صرف اقتدار حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بنایا جا سکتا ہے اور نہ ہی حصول اقتدار اس کا مقصد ہونا چاہئے۔ یہ تجویز اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب ہم جمہوریت چاہتے ہیں اگر نہیں تو پھر کسی اور نظام حکومت کا تجربہ کیا جا سکتا ہے۔ پالیمانی نظام میں سیاسی جماعتوں کی موجودگی نہایت اہم اور ضروری عمل ہے ان لوگوں سے اتفاق نہیں کرتا جو کہتے ہیں کہ سیاسی جماعتوں کا وجود غیر اسلامی ہے۔ میں اسلام کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں رکھتا ہوں لیکن میرا خیال ہے کہ کہیں بھی یہ تحریر نہیں ہے کہ سیاسی جماعتیں ہونی ہی نہیں چاہئے۔ جب تک مضبوط سیاسی جماعتیں نہیں ہوں گی اور وہ انتخابات کے ذریعے عوام الناس کی رائے حاصل نہیں کریں گی۔ جمہوریت کا فروغ بہت مشکل ہے اور صورت حال پر بھی قابو پانا مشکل ہے۔

سوال - مارشل لاء کے نفاذ کو روکنے کے لئے کوئی اور تجویز!

جواب - ہمارے ملک میں وزارت دفاع کو مضبوط ہونا چاہئے۔ وزارت دفاع اور عوام کے درمیان گہرا رابطہ ہو۔ وزارت دفاع کبھی assert نہیں کرتی ہے۔ اصل میں اس کا تاریخی پس منظر بہت پرانا ہے۔ برصغیر میں وزیر دفاع ہمیشہ کمانڈر انچیف ہوا کرتا تھا۔ انڈین آرمی میں

کمانڈر انچیف ہی وزیر دفاع ہوتا تھا اس کے بعد کچھ عرصے کے لئے انڈین کو وزیر دفاع بنایا گیا یہ صرف دکھاوے کے لئے تھا۔ اور ترقی اور تنزلی کے سلسلے میں اسے کوئی اختیار نہیں تھا بلکہ سارے کام صرف سی این سی ہی کرتا تھا۔ جب پاکستان بنا تو ہمارے سی این سی نے بھی وہ ہی کام کئے جو انڈین آرمی کا سی این سی کرتا تھا۔ وزارت دفاع برائے نام تھی۔ وہ کبھی کسی موقع پر کوئی موقف اختیار نہیں کرتی تھی۔ وہ سی این سی کو کبھی اپنے تابع لانے کی کوشش ہی نہیں کرتی تھی۔ پھر ایوب خود وزیر دفاع بن گئے۔ وزیر دفاع اور وزارت دفاع کو کرنا چاہئے۔ انہیں اپنے اختیارات استعمال کرنے چاہیں۔ جب تک ایسا نہیں ہو گا فوج بے لگام گھوڑے کی طرح رہے گی۔ انہیں صرف بھرتی پنشن وغیرہ کے ساتھ ساتھ ترقیوں کے سلسلے میں کارروائی کرنی چاہئے۔ اپیلوں کی سماعت کرنی چاہئے۔ "اسٹریٹیجک" صورت حال پر فیصلے کرنے چاہئیں۔ وزارت دفاع کو مختلف ذرائع سے یہ معلومات رکھنی چاہئے کہ ہمارے دشمن کیا کر رہے ہیں۔ ہمیں اور کس طرح مقابلہ کرنا ہے کتنی رقم خرچ کرنی ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہاں تو ایسا ہوتا ہے کہ ایئر فورس، نیوی کو علیحدہ رقم دی جاتی ہے اور اپنے طریقے سے خرچ کرتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ درست نہیں ہے۔

سوال ۔ جب آپ مغربی پاکستان کے گورنر تھے آپ کا خیال تھا کہ ادارے اور سیاست دان اس طرح کام نہیں کر رہے تھے کہ مارشل لاء کو روکا جا سکے؟

جواب ۔ ہم اس وقت زیادہ تر پیپلز پارٹی کے خلاف کام کر رہے تھے۔ انہوں نے انتخابات میں کامیابی حاصل کی تھی لیکن یحییٰ اور مرکزی حکومت ایک نہ ایک بہانہ تلاش کر کے انہیں روکنے کی کوشش کر رہے تھے وہ اپنا آئین بنانا چاہتے تھے لیکن انہیں روکا گیا تھا۔ مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ نے کامیابی حاصل کی تھی۔ حکومت نے انہیں اقتدار منتقل نہیں کیا۔ اگر اقتدار انہیں کامیابی کے فوری بعد دے دیا جاتا تو شائد ہم اس بڑی تباہی سے بچ جاتے جو بعد میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی صورت میں ہمارے سامنے آئی۔

سوال ۔ کیا اقتدار دانستہ طور پر منتقل نہیں کیا جا رہا تھا؟

جواب ۔ میرے خیال میں جب کرسی پر قابض رہنے کی خواہش زور پکڑ جائے تو مشکلات ہی پیش آتی ہیں۔ پھر ایسی صورت میں کوئی اقتدار سے علیحدہ ہونا نہیں چاہتا ہے۔ اس کے لئے دباؤ کی ضرورت ہوتی ہے کم از کم پاکستان میں کوئی بھی اقتدار سے اپنی مرضی سے علیحدہ نہیں ہوا ہے خواہ انتخابات ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں اور پھر جب کسی کو کوئی پرواہ ہی نہ ہو تو کوئی اقتدار سے علیحدہ کیوں ہو۔

سوال ۔ سقوط ڈھاکہ کے سلسلے میں آپ فوج یا سیاست دانوں کو ذمہ دار ٹھہراتے ہیں؟

جواب ۔ جنرلوں کو بری الزمہ قرار دینا اور سیاست دانوں کو ذمہ دار ٹھہرانا کس طرح ممکن ہے

جبکہ اقتدار اعلیٰ جنرل یحییٰ کے پاس تھا۔ فوج اقتدار میں تھی۔ حکومت میں مختلف عہدوں پر جنرل متعین تھے۔ ایسی صورت حال میں سیاست دانوں کو کس طرح ذمہ دار ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ فوج کو اپنی ذمہ داری قبول کرنی چاہئے۔ بہرحال میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ مارشل لاء کے اس دور میں سیاسی جماعتیں اقتدار میں زیادہ سے زیادہ حصہ حاصل کر لینا چاہتی تھیں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ بھٹو نے کہا تھا "ہم اس طرف تم اس طرف" اور ملک ٹوٹ گیا۔ میں ذاتی طور پر کسی کو مورد الزام نہیں ٹھہراتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ یہ تاریخ کا سفر ہے جو جاری رہتا ہے۔ جب لوگ ایک ساتھ رہنا نہیں چاہتے ہیں تو وہ علیحدہ علیحدہ رہتے ہیں۔ ڈنڈے سے آپ لوگوں کو ایک ساتھ رہنے پر کچھ عرصے تک تو مجبور کر سکتے ہیں لیکن ہمیشہ نہیں۔ وہ ملک ٹوٹ جایا کرتے ہیں جن کے لوگ اپنے ملک سے محبت نہ کریں۔ ایسا ہر جگہ ہوتا رہا ہے اور ہو سکتا ہے اس میں رنگ و نسل، مذہب اور قوم کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ ہندو ہو یا مسلمان اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں اس بات پر یقین نہیں رکھتا کہ اسلام کوئی "سیمنٹنگ" قوت ہے۔ اسلام نے مشرقی اور مغربی پاکستان کو "سیمنٹنگ" نہیں کیا۔ مشرق وسطیٰ میں اسلام نے مختلف ممالک کو کہاں "سیمنٹ" کیا ہے لوگ آپس میں لڑ رہے ہیں۔ اسلام تو حکومت چلانے کا بہانہ ہے۔ اس میں قومیت "نیشنلزم" بڑی قوت ہے۔

سوال - آپ کے خیال میں کہ اب بھی اسلام پاکستان کے مختلف صوبوں کو "سیمنٹ" نہیں کر پا رہا ہے؟

جواب - میری ذاتی رائے میں اسلام نے مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان تصادم میں کوئی کردار ادا نہیں کیا اور آج بھی اسلام کی وجہ سے کوئی فرق نہیں پڑ رہا ہے۔ ہم ایک ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ ایک جگہ مل کر عبادت کرتے ہیں۔ لیکن اسلام نے کوئی دوری نہیں کی ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ شاہ فیصل والا اسلام ہے یا کیا ہے۔ بہرحال جو بھی ہو۔ ہماری خامیاں ہیں یا غلطیاں یا کچھ اور لیکن آج قومی، فکر اور سوچ وغیرہ ایسے عناصر ہیں جو حاوی ہیں۔ قومیت کا عنصر بڑی قوت کے طور پر سامنے آیا ہے۔ بلوچی کسی اور چیز کے بارے میں متفکر نہیں ہوتے۔ اگر یہاں (لاہور) پر حملہ ہو جائے تو کہتے ہیں کہ یہ پنجابیوں کی لڑائی ہے۔ انہیں ایسا کیوں کر کرنا چاہئے۔ اس حملہ کو پاکستان پر حملہ تصور کرنا چاہئے۔ ہمیں اس جنگ کو پاکستان کے خلاف جنگ تصور کرنا چاہئے۔ وہ ایسا کیوں محسوس کرتے ہیں، ایسی فکر کا مظاہرہ کیوں کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں کبھی اقتدار میں شریک نہیں کیا گیا۔ وہ کبھی بھی اقتدار میں نہیں رہے ہیں۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ جو لوگ قومیت یا مذہب کے بارے میں شور مچاتے ہیں انہیں "لپ سروس" کی بجائے عملی مثالیں قائم کرنی چاہئے۔ میں اور آپ پاکستان میں ہر ایک کے پس منظر سے بخوبی واقف ہیں جو اسلام کے بارے میں زیادہ شور کرتے ہیں وہ ہی حقیقی اسلام کے بڑے مجرم offender ہیں۔

سوال ۔ مثلاً؟

جواب۔ میں کسی کا نام نہیں لوں گا۔ لیکن آپ بھی جانتے ہیں اور میں بھی۔ اسلام کی عملی صورت کے بارے میں کبھی مثالیں قائم نہیں کی گئی۔ ایک طرف لوگ پیوند لگے کپڑوں میں ہیں۔ مفلسی کا شکار ہیں لیکن اسلام کا مطلب یہاں جھنڈے، طلبہ جلوس ہیں۔ لوگوں کو اب مزید بے وقوف نہیں بنایا جاسکتا ہے۔

سوال ۔ اس صورت حال سے چھٹکارے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب۔ بہت طویل وقت درکار ہو گا۔ ذاتی طور پر میں بڑے پیمانے پر غیر ترکیزیت (decentralisation) کا حامی ہوں۔ ضلع کی سطح تک نظم و نسق غیر ترکیزیت ہونا چاہئے۔ انہیں مکمل اختیارات ہونے چاہئے۔ اسی وقت یہ احساس ہو گا کہ انہیں بھی اپنا کردار ادا کرنا ہے۔ انہیں بھی کچھ نہ کچھ "کنٹری بیوٹ" کرنا ہے۔ اگر کوئی غلطی ہوتی ہے یا خامی ہے تو ضلع کی سطح پر احتساب ہونا چاہئے۔ زیادہ سے زیادہ سیاسی، معاشی اختیارات جو آپ دے سکتے ہیں انہیں دے دیں۔

سوال ۔ آپ کا مقصد ہے کہ زیادہ سے زیادہ صوبائی خود مختاری؟

جواب ۔ صوبائی خود مختاری کیا ہوتی ہے۔ میں تو ضلع کی سطح پر خود مختاری کی بات کر رہا ہوں۔ میرے خیال میں ضلع با اختیار ہونے چاہئیں۔ اب جو صورت حال ہے اس میں ایسا لگتا ہے کہ ہر چیز خدا کی طرف سے براہ راست مرکز میں آتی ہے پھر عوام میں آتی ہے۔ مرکز کمزور ہونا چاہئے۔ اس کے پاس زیادہ اختیارات نہیں ہونے چاہئے۔ مرکز کے اتنے اختیارات سے کسی کو کوئی دلچسپی نہیں ہے آپ خود دیکھیں ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر جو خبریں آتی ہیں اس میں ایک صدر، ایک وزیر اعظم، چار گورنر، چار وزیر اعلیٰ کے علاوہ کیا ہوتا ہے۔ امدادی رقومات کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اتنے ارب روپے کی امداد ملی یہ ملا وہ ملا...... ان باتوں سے کس کو دلچسپی ہے۔ میں نے خود ایک ارب نہیں دیکھا، تو ان کو کیا پتہ۔ جوان اور غریب ان باتوں کو سمجھ ہی نہیں پاتے لیکن اس کے برعکس جب ان کے ضلع کی بات ہوگی ان کے علاقے کی بات ہوگی تو انہیں سمجھ میں آئے گی۔ اگر انہیں اپنے ضلع کے بارے میں اطلاعات ہوں تو وہ متاثر ہوں گے۔ میرے خیال میں غیر ترکیزیت ہونی چاہئے مرکز کو صرف چار پانچ شعبے رکھنے چاہئے۔ باقی سارا معاملہ صوبوں کو پھر ڈویژن کی سطح پر اور پھر ضلع کی سطح پر بانٹ دینا چاہئے۔ مکمل با اختیار بنا دینا چاہئے۔ اس وقت ہر شخص اپنے آپ کو ملوث اور شریک محسوس کرے گا۔ آپ سمجھتے ہیں کہ ایک عام شہری حکومت کے معاملات میں اپنے آپ کو شریک محسوس کرتا ہو گا۔ اسے یہ احساس ہو گا کہ وہ حکومت چلا رہا ہے۔ لیکن جب اختیارات اس کے ضلع کے پاس ہوں گے اور اسے یہ معلوم ہو گا کہ اس کے ووٹ کی بھی اہمیت ہے تو اس میں اقتدار میں شرکت کا احساس پیدا ہو گا۔ اگر اس کے ضلع میں پینے

جنرل عتیق الرحمٰن سابق مغربی پاکستان کے آخری گورنر کی حیثیت سے مسٹر جی۔ ڈی۔ میمن فائل پیش کر رہے ہیں۔

کا پانی نہیں ہو گا تو وہ اپنے منتخب نمائندے کو دار پر چڑھا دے گا۔ مرکز میں ہونے والی تمام آمدنی آبادی کی بنیاد پر صوبوں کے درمیان تقسیم کر دینی چاہیے۔ پس ماندہ علاقوں کو تھوڑی زیادہ رقم دی جانی چاہیے۔ میرے خیال میں امریکی نظام حکومت پر اگر عمل کیا جائے تو وہ اس ملک کے لئے ٹھیک رہے گا لیکن یہاں تو ہم اس چکر میں پھنس جاتے ہیں کہ آئین میں یہ دفعہ ہونی چاہیے اور وہ دفعہ نہیں ہونی چاہیے۔

(یہ انٹرویو اگست ۱۹۸۶ء میں لاہور میں ریکارڈ کیا گیا)

جنرل اظہر

"فوج میں مارشل لاء لانے والے ایک دو فرد ہوتے ہیں۔ پوری فوج ان کے ساتھ نہیں ہوتی لیکن چونکہ ڈسپلن فورس ہے اس لئے اپنے کمانڈر انچیف کا حکم ماننا پڑتا ہے۔ دل سے کبھی کوئی فوجی مارشل لاء میں شریک نہیں ہوا ہے' سوائے مٹھی بھر لوگوں کے..... وہ لوگ جو اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔"

جنرل اظہر

خواجہ محمد اظہر' ملک میں جنرل کے ایم اظہر کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ جنرل یحییٰ خان کے مارشل لاء کے دوران صوبہ سرحد کے فوجی گورنر مقرر ہوئے اور ۱۹۷۱ء میں پیپلز پارٹی کے برسراقتدار آجانے کے بعد ۲۳؍ دسمبر کو مستعفی ہو گئے تھے۔ فوج سے ریٹائر منٹ کے بعد جنرل اظہر نے جمعیت علماء پاکستان میں شمولیت اختیار کر لی اور آج کل جمعیت کے مرکزی نائب صدر ہیں۔
یکم اپریل ۱۹۲۰ء کو پیدا ہونے والے کے ایم اظہر ملک میں مارشل لاء کے بار بار نفاذ پر مختلف پیرائے میں سیر حاصل گفتگو کرتے ہوئے ایک اہم ترین نکتہ یہ بیان کر گئے کہ ملک میں سیاست دانوں کو فوج اور اس کے ادارے کے بارے میں معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں اسی لئے سیاست دان فوج اور جنرلوں سے خوفزدہ رہتے ہیں۔

علی حسن : مارشل لاء کے بارے میں آپ کے کیا خیالات ہیں؟
جنرل کے ایم اظہر : مارشل لاء ملک میں اس وقت نافذ کیا جاتا اور نافذ کیا جانا چاہئے جب سول انتظامیہ امن و امان کو برقرار رکھنے میں ناکام ہو جائے۔ لیکن مارشل لاء جب بھی نافذ کیا جاتا ہے یا نافذ کیا جانا چاہئے تو سول انتظامیہ کے تابع ہونا چاہئے۔ انتظامیہ کی مدد کے لئے ہونا چاہئے نہ کہ تمام اداروں پر قابض ہونے کے لئے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ ہمارے ملک میں ابتدائی دور میں ۱۹۵۳ء میں قادیانیوں کے خلاف تحریک کے زمانے میں لاہور میں مارشل لاء نافذ کیا گیا تھا مارشل لاء اس وقت سول حکومت کی مدد کیلئے نافذ کیا گیا تھا جب تحریک نے حکومت کے خلاف رخ اختیار

کر لیا تھا۔ وہ مارشل لاء سول انتظامیہ اور ملک کے اقتدار اعلیٰ کے تابع تھا۔ مارشل لاء حکام کو سول انتظامیہ کے احکامات بجالانے پڑتے تھے کہ سول انتظامیہ نے انہیں اپنی مدد کے لئے طلب کیا تھا۔ حکومت کے پاس حالات کو کنٹرول کرنے کے لئے پولیس اور انتظامیہ ہوتی ہے لیکن اگر حالات بہت زیادہ خراب ہو جائیں اور بے قابو ہو جائیں تو فوج کو بلایا جاتا ہے اور بلانا چاہئے۔ فوج قومی فوج ہے قوم کا ہی ایک ادارہ ہے اس لئے یہ کام سونپا جاسکتا ہے۔

سوال ۔ جیسا کہ آپ نے کہا کہ فوج کو سول انتظامیہ کی مدد کے لئے آنا چاہئے یا بلایا جانا چاہئے۔ لیکن پاکستان میں تو فوج مارشل لاء کے نفاذ کے بعد سپریم ہو جاتی ہے۔ پاکستان میں جو تین مرتبہ ملک بھر میں اور دو مرتبہ مختلف شہروں میں مارشل لاء نافذ کئے گئے ہیں اس میں مارشل لاء کو supreme law of land کی حیثیت رہ گئی ہے اس کی کیا وجوہات تھیں؟

جواب ۔ آزادی کے بعد ملک میں جتنے بھی سیاسی ادارے تھے، مسلم لیگ سمیت، وہ اتنے مضبوط نہیں تھے کہ ملک کے نظام کو اچھی طرح چلا سکیں۔ برصغیر کے مسلمانوں نے جس مسلم لیگ کے پرچم تلے آزادی کی تحریک چلائی تھی جب لوگوں نے یہ دیکھا کہ تحریک کامیابی سے ہمکنار ہونے والی ہے تو بہت سارے مفاد پرست عناصر جو اس وقت تک دوسری جماعتوں میں تھے اور پاکستان کی مخالفت بھی کر رہے تھے وہ سب کے سب اپنے ذاتی مفادات کی خاطر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے تھے۔ دوسری طرف نوکر شاہی جو اس وقت تک غیر ملکی حکمرانوں کی جی حضوری کر رہی تھی جس میں شامل بعض عناصر نے یہ دیکھا کہ مسلمان کامیاب ہونے والے ہیں اور ان کی عافیت اس میں ہے کہ مسلم لیگ کا ساتھ دیں تو راتوں رات مسلم لیگ کے ہمدرد اور خیر خواہ بن گئے۔ اور پھر ملک کے قیام کے بعد اپنے لوگوں کو بڑے بڑے عہدوں پر مقرر کر دیا گیا۔ اس ملک کو اصل نقصان نوکر شاہی نے پہنچایا ہے۔ آپ دیکھیں کہ غلام محمد کا کیا کردار تھا اسکندر مرزا کا کیا کردار تھا۔ ان لوگوں نے اس ملک پر حکومت انگریزوں کے تقسیم در تقسیم کے اصول کے تحت کی۔ جو بھی سیاسی جماعت برسر اقتدار ہو اس میں نفاق ڈالو اور خود حکومت کرو ایک ایسا اصول بن گیا تھا جس پر انہوں نے عمل کیا۔ اس طریقہ کار کے تحت یہاں حالات ایسے ہو گئے کہ روز کرسیاں تبدیل ہوتی رہیں۔ وزارتوں میں اکھاڑ پچھاڑ ہوتا رہا۔ ملک میں افراتفری پھیلتی گئی اور پھر وہ لمحہ بھی آ گیا جب لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ فوج کیوں خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے۔ فوج کیوں نہیں آتی ہے کہ حالات بہتر ہو سکیں۔ اس طرح پہلا مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔

سوال ۔ جب ملک میں پہلا مارشل لاء نافذ کیا گیا تھا آپ کا کیا رینک تھا؟

جواب ۔ میں کرنل تھا اور بعد میں انٹیلی جنس میں تقرری ہوئی تھی۔ اس لئے حالات سے واقفیت تھی۔ مجھے معلوم ہے کہ عوام کیا چاہتے تھے کیا مطالبہ کر رہے تھے۔ کیا خیالات تھے مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ایوب خان کو اسکندر مرزا نے دعوت دے کر مارشل لاء لگوایا تھا۔

سوال ۔ ایوب خان زبردستی نہیں آئے تھے؟۔

جواب ۔ اسکندر مرزا نے دعوت دی تھی کیونکہ وہ انہیں اپنا دوست سمجھتے تھے لیکن...........

سوال ۔ مرزا بھی تو فوجی تھے؟۔

ج ۔ وہ پیشہ ور فوجی نہیں تھے۔ وہ پولیٹیکل سروس کے آدمی تھے نوکر شاہی کے آدمی تھے۔ اصل معنوں میں وہ بیورو کریٹ تھے۔ جب وہ کیپٹن تھے تو وہ انگریزوں کے نظام پولیٹیکل ایجنٹ کی سروس میں چلے گئے تھے۔ یہ محکمہ قبائلی علاقوں کو کنٹرول کرنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ صحیح معنوں میں وہ ایک بیورو کریٹ تھے۔ ان کا ذہن اور طور طریقے بیورو کریٹ والے تھے۔ ان کی پچّیس چھبیس سالہ ملازمت اسی محکمہ میں تھی۔ اسکندر مرزا نے حالات کو قابو میں لانے کے لئے ایوب خان کو دعوت دے کر بلایا تھا۔ آپ کو یاد ہو گا جیسے ہی ایوب خان آئے جلوس نکالے گئے' نعرے لگائے گئے' خوشیاں منائی گئیں۔ فوج کا خیر مقدم کیا گیا تھا۔ مجھے معلوم ہے کہ اس وقت لوگوں میں یہ احساس تھا کہ ملک میں بہتری کا کوئی امکان اس وقت تک نہیں ہے جب تک اسکندر مرزا موجود ہیں۔ میں انٹیلی جنس میں تھا اس لئے مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔ عوام کا یہ واضح مطالبہ تھا کہ اسکندر مرزا کو علیحدہ کیا جائے کیونکہ ملک میں جو کچھ بھی ہوا ہے وہ اس کی بدولت ہوا ہے۔ اس شخص نے ہی یہ سب کچھ کیا ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ آخر کار اسکندر مرزا کو استعفیٰ دینے پر مجبور کہہ لیں' فورس کہہ لیں' پریشرائز کہہ لیں کیا گیا۔

سوال ۔ کہا جاتا ہے کہ مرزا سے گن پوائنٹ پر استعفے لیا گیا تھا؟۔

جواب ۔ نہیں' نہیں۔ گن پوائنٹ پر نہیں تھا۔ یہ غلط ہے۔

سوال ۔ جنرل اعظم' جنرل برکی' جنرل شیخ اور بریگیڈیئر شیر بہادر نے پھر کیا کیا تھا؟۔

جواب ۔ میں اس وقت کرنل تھا۔ میں نے خود ایوب خان سے کہا تھا کہ مرزا انہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر رہا ہے۔ میرے پاس انٹیلی جنس سے خبریں آتی تھیں۔ میرا یہ اندازہ تھا کہ ایوب خان کی حکومت تھوڑے عرصے کے لئے آئی ہے اور وہ حالات درست ہوتے ہی واپس چلے جائیں گے اور اگر اسکندر مرزا موجود رہے تو عوام کا جنہوں نے فوج کا خیر مقدم کیا تھا رویہ تبدیل ہو جائے گا۔ دوسرے یہ کہ اسکندر مرزا ایوب خان اور فوج کو اپنے عزائم کے لئے استعمال کر رہا تھا۔ اس لئے اس کا ہٹایا جانا ضروری تھا۔

س ۔ اسکندر مرزا اتنی جلدی ایکسپوز ہو گئے تھے؟۔

جواب ۔ میں خود تحقیقات کے بعد اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ اسکندر مرزا اور ایوب خان دونوں ایک ساتھ مل کر حکومت نہیں کر سکتے۔ ایک میان میں دو تلواروں کا سا ماحول پیدا ہو رہا تھا۔ ایوب خان مشرقی پاکستان گئے تھے انہوں نے وہاں ایک پالیسی بیان جاری کیا لیکن شام تک ریڈیو پر اسکندر مرزا کا تردیدی بیان نشر ہو گیا۔ انہوں نے ایوب خان کے بیان کو تقریباً منسوخ کر دیا تھا۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ اسکندر مرزا ایوب خان کو صرف اپنے مفاد کے لئے استعمال کر رہا تھا۔ تحقیقات

مکمل کرنے کے بعد میں خود ایوب خان کے پاس گیا تھا۔ میں نے خود ان سے کہا تھا کہ آپ جب تک اسکندر مرزا کو نہیں ہٹائیں گے اس ملک میں کوئی کام اس ملک کی بہتری کے لئے نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ وہ ہمیشہ آڑے آئے گا۔ اس سلسلے میں، میں نے کئی دلائل بھی دیئے تھے لیکن آپ یقین جانیں کہ وہ میری باتیں سن کر سرخ ہوگئے تھے اور غصہ میں آپے سے باہر ہوگئے اور مجھ پر برس پڑے کہ وہ اسکندر مرزا کے خلاف کوئی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اتنی بری طرح ڈانٹا تھا کہ مجھے آج تک یاد ہے۔ میں نے ہمت کرتے ہوئے گزارش کی کہ میں اپنی معلومات اور تحقیقات آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں آپ قبول کریں یا نہ کریں یہ آپ کا کام ہے۔ میرا فرض ہے کہ آپ کو حالات سے آگاہ رکھوں۔ میں نے پھر ان سے یہ بھی پوچھا کہ یہ بتائیں کہ اسکندر مرزا اپنی ماتحتی میں کس طرح کا وزیر اعظم اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر چاہتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کیا مطلب؟ میں نے جواب دیا کہ کیا وہ صرف ''یس مین'' نہیں چاہتا ہے؟۔ ایوب خان نے کہا کہ yes, I presume so ہاں میرا بھی یہ ہی خیال ہے یہ ان کے اپنے الفاظ تھے۔ میں نے پھر پوچھا کہ کیا آپ ''یس مین'' ہیں؟ انہوں نے کہا کہ نہیں.......... میں نے اس کے جواب میں پوچھا کہ پھر کیا ہو گا۔ آپ دونوں میں سے پہلے کون جائے گا؟ پہلے آپ کو جانا ہو گا قبل اس کے کہ آپ اسے نکال باہر کریں۔ میں نے اپنی بات میں مزید اضافہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے خود کہا ہے کہ وہ ''یس مین'' چاہتا ہے اور ایسا آدمی چاہتا ہے جو اس کی پالیسی پر عمل کرے۔ وہ ایسا آدمی چاہتا ہے جو اس کے مفادات کے لئے کام کرے۔ کیا آپ ایسا کردار ادا کریں گے؟ ایوب خان کا جواب نہیں میں تھا تو پھر میں نے کہا کہ آپ دونوں میں سے ایک کا جانا ٹھہر گیا ہے کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ اسکندر مرزا نے اس سمت میں کام شروع کر دیا ہے۔

سوال ۔ کیا ایک کرنل کو ایک جنرل وہ بھی کمانڈر انچیف کے ساتھ اس قسم کی گفتگو کا حق حاصل تھا؟۔

جواب ۔ میں انٹر سروسز انٹیلی جنس کا سربراہ تھا اور براہ راست ان کے پاس جا سکتا تھا۔

سوال ۔ اس زمانے میں کرنل آئی ایس آئی کے سربراہ ہوا کرتے تھے؟

جواب ۔ میں قائم مقام ڈائرکٹر تھا کیونکہ ڈائرکٹر جنرل سینٹو کے ایک اجلاس میں شرکت کے لئے ملک سے باہر گئے ہوئے تھے۔

سوال ۔ وہ کون سے ذرائع تھے یا اطلاعات تھیں جن کی بنیاد پر آپ نے اسکندر مرزا کے عزائم کو بھانپ لیا تھا اور نیت سمجھ لی تھی؟

جواب ۔ ان ذرائع کو آج تک خفیہ رکھا گیا ہے اور اب اتنے عرصے بعد انہیں ظاہر کرنا بے معنی ہو گا۔

سوال ۔ میرا مطلب ہے کہ یہ آپ کے ذاتی مشاہدے کا نتیجہ تھا یا مخصوص اطلاعات تھیں؟۔

جواب ۔ میں نے تحقیقات کی تھیں۔ مجھے اس کا حکم دیا گیا تھا۔

سوال ۔ تحقیقات کا حکم ایوب خان نے دیا تھا؟۔

جواب : جی ہاں۔ ایک واقعہ ہو گیا تھا جس میں فوج کے "ٹیک اوور" کو سبوتاژ کرنے اور رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوششیں کی گئی تھیں۔

سوال ۔ سات روز کے اندر اندر؟۔

جواب ۔ نہیں۔ پہلے روز ہی ایسا ہوا تھا۔ جس روز "ٹیک اوور" کرنے والے تھے اس روز رات کو ایسا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ جب فوج کو اسکندر مرزا کے احکامات کے تحت متعین کیا جا رہا تھا عین اسی وقت اس کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔

سوال ۔ یہ کہاں ہوا تھا؟۔

جواب ۔ کراچی میں ہوا تھا۔

سوال ۔ اس کارروائی کی قیادت کون کر رہا تھا؟۔

جواب ۔ تحقیقات میں جو بات سامنے آئی تھی اس کے مطابق ایئر فورس کو بھی اس کارروائی میں ملوث کرنے کی کوشش کی گئی تھی ان سے کہا گیا کہ جتنے بھی سینئر ملٹری جنرلز ہیں سب کو گرفتار کر لیں۔

سوال ۔ یہ واقعہ سات اکتوبر (۱۹۵۸ء) کو ہوا تھا؟۔

جواب ۔ جی ہاں۔ لیکن آپ تفصیل میں نہ جائیں۔ میں آپ کو جو بتا رہا ہوں وہ میری تفصیلی تحقیقات کا ماخذ ہے۔ میں نے تنہا تحقیقات کی تھی اور اسے عوام الناس کے لئے جاری نہیں کیا جا سکتا تھا۔

سوال ۔ (یہ سوال میرے محترم اور سینئر ساتھی شیخ محمد مبین جو میرے ہمراہ انٹرویو لینے گئے تھے نے کیا) بلاشبہ اس تحقیقات کو عام نہیں کیا جا سکا لیکن تاریخ کا ایک اہم حصہ ہونے کی بناء پر آپ ہی روشنی ڈالیں؟۔

جواب ۔ جی ہاں۔ تاریخ کا اہم حصہ تو ہے۔ اور اہم حصہ یہ ہے کہ اسکندر مرزا کو مٹا دیا گیا۔

سوال ۔ یہ بات بھی مشہور ہے کہ اسکندر مرزا نے جنرل موسیٰ کو اعتماد میں لیا تھا لیکن جنرل موسیٰ نے ایوب خان کو آگاہ کر دیا تھا؟۔

جواب ۔ جنرل موسیٰ کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ میں تحقیقاتی افسر تھا۔ موسیٰ ایوب خان کو اطلاع دے بھی نہیں سکتے تھے۔ بات یہ ہے کہ میں نے آگاہ کیا تھا۔ میں نے یہ شکوک ظاہر کئے تھے۔ اپنی تحقیقات کی روشنی میں عوام کے مطالبہ کے پیش نظر اور تیسری چیز وہ یہ تھی کہ ایوب خان نے جو پالیسی بیان دیا تھا جس کو ادھر (مغربی پاکستان) سے اس کی تردید کر دی گئی۔ ان تین چیزوں کی بنیاد پر..........

سوال ۔ جب ایوب خان کو اسکندر مرزا نے ہی بلایا تھا اور مارشل لاء نافذ کرایا تھا تو پہلے روز ہی رکاوٹ کھڑی کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟۔

جواب ۔ ایوب خان کمانڈر انچیف۔ اسکندر مرزا فوج کو کمانڈر انچیف کی مرضی کے بغیر استعمال نہیں کر سکتا تھا اور وہ بھی جانتا تھا کہ ایوب خان "یس مین" نہیں ہے ممکن ہے وہ چاہتا ہو کہ کوئی "یس مین" مل جائے۔ یہ قیاس ہے کہ اسکندر مرزا نے سوچا ہو کہ فوج کے "ٹیک اوور" کرنے کے بعد وہ آیوب خان کو علیحدہ کر دے گا اور کسی ایسے شخص کو ان کی جگہ مقرر کر دے گا جو اس کے اشاروں پر ناچتا رہے۔ یہ صرف قیاس ہے کیونکہ اس کی کوئی شہادت نہیں ملی تھی۔ البتہ اتنی شہادت ضروری ملی تھی کہ اس کارروائی کے ذمہ دار کون لوگ تھے۔ میری نظر میں سات افراد تھے۔ وہ مشتبہ تھے لیکن تحقیقات کے نتیجے میں وہ بے گناہ ثابت ہوتے رہے۔

سوال۔ ۔ وہ سارے لوگ کن پوزیشن پر تھے؟

جواب ۔ وہ ہائی پوزیشن پر تھے۔

سوال ۔ ان کے نام بتائیں گے؟

جواب ۔ نہیں۔ نام نہیں۔ (قہقہہ) اب ضرورت نہیں ہے۔ میں خود انہیں eliminate کیا تھا۔ اب میں ان کا نام لوں۔ ان میں سے بعض ابھی زندہ ہیں۔ بعض بیچارے مر گئے ہیں۔ اب ان کا نام لینا اچھی بات نہیں ہے۔ یہ تو سات افراد کی فہرست میں نے خود تیار کی تھی۔ باری باری ہر ایک سے خود جرح کی تھی۔ تحقیقات کی تھی کہ یہ کہاں تھے۔ کس جگہ تھے۔ کن کن افراد سے ان کا رابطہ تھا؟ کیا یہ ایسا کر سکتے تھے؟۔

سوال ۔ یہ تو اس سوال کا جواب ہو گیا کہ آپ کی اطلاعات کے ذرائع کیا تھے؟ پھر آپ نے ایوب خان سے یہ بات کہی کہ کیا وہ "یس مین" ہیں اور انہوں نے جواب میں انکار کیا۔ اس کے بعد کیا ہوا؟۔

جواب ۔ اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ اگر آپ "یس مین" نہیں ہیں تو آپ کو اسے علیحدہ کرنا چاہئے۔ میں نے کہا کہ پوری قوم اس کو ان تمام حالات کا ذمہ دار اور قصوروار قرار دیتی ہے۔ اس کی بیوی کو کرپٹ کہتی ہے؟۔

سوال ۔ کیا واقعی ایسا تھا؟۔

جواب ۔ میں اب اس کی تصدیق کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں لیکن اس وقت الزامات اسی قسم کے تھے۔ لوگ کھلے عام بات کرتے تھے۔ میاں بیوی دونوں کے بارے میں عوام کی رائے یہی تھی۔ لوگ برملا کہتے تھے کہ یہ شخص ہے جس نے قوم کا بیڑہ غرق کیا ہے۔ اس نے ری پبلکن پارٹی بنائی۔ ون یونٹ بنایا۔ ہر جگہ اس کے خلاف مواد بہت تھا اس نے جو کچھ حرکتیں کیں جو جوڑ توڑ کیا۔ جو بار بار وزارتیں بدلیں۔ وزراء کو وزراء اعظم کے خلاف بھڑکایا۔ بہر حال ایک گھنٹے کے

بحث و مباحثہ کے دوران وہ زچ ہوگئے اور چیخ کر کہا کہ دوسری مرتبہ اگر اسکندر مرزا کے خلاف بات کرنا ہو تو میرے پاس مت آنا۔ اس تمام واقعہ کو دہرانے کا مطلب یہ ہے کہ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ایوب خان اسکندر مرزا کو ہٹانا نہیں چاہتا تھا۔ یہ ایک حقیقت ہے کیونکہ دونوں کے درمیان گہرے تعلقات تھے اور ان کے دل میں اس کے لئے احترام بھی تھا۔ وہ اسکندر مرزا کو صحیح طریقہ سے پرکھ نہیں سکے تھے۔ ان میں یہی کمزوری تھی کہ لوگوں کو صحیح طریقہ سے نہیں پرکھ پاتے تھے۔ بعض لوگوں میں یہ خامی ہوتی ہے۔ بہرحال اسی اثناء میں میرے باس واپس آگئے۔ اور یہی کام وزراء کے ذریعے کرایا گیا۔

سوال ۔ آپ کے باس کون تھے؟۔

جواب ۔ وہ ڈائرکٹر جنرل تھے۔ وہ بریگیڈیئر تھے۔ آج کل اس عہدے پر لیفٹیننٹ جنرل ہوتے ہیں۔ میں نے ان کو بریف کیا۔ میں نے یہ بھی بتایا کہ میں نے ایوب خان کو کیا کیا بتایا تھا لیکن ایوب خان اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اس کے بعد ڈی جی ایوب کے سینئر وزراء کے پاس گئے اور انہیں اپنے اندیشوں سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ میری اور اظہر کی تو ایوب خان نے بات نہیں سنی شائد آپ لوگ ایوب خان کو سمجھا سکیں۔

سوال ۔ پھر کیا ہوا؟۔

جواب ۔ آئی ایس آئی کے ڈی جی جنرل اعظم، جنرل برکی، جنرل شیخ کے پاس گئے اور ان تینوں کو انہوں نے قائل کیا تھا۔ پھر یہ تینوں افراد جن پر ایوب اعتماد بھی کرتے تھے ایوب کے پاس گئے اور ان کو سمجھانے کی کوشش کی کہ اسکندر مرزا سے استعفیٰ دینے کے لئے کہا جائے۔ ان کو بھی ایوب خان نے انکار کر دیا۔ میرا خیال ہے کہ پھر ان تینوں نے ایوب خان سے کہا تھا کہ ہمیں معاف کریں۔ آپ پھر تمام کاروبار خود چلائیں۔ اس کے بعد ایوب خان نے ان سے کہا تھا کہ جو کچھ تم لوگ کرنا چاہتے ہو کرو۔ اس میں بھی ایوب خان کی رضامندی شامل نہیں تھی۔

س ۔ اب دیکھیں۔ مسلح افواج کو ملک کے حالات بہتر بنانے کے لئے طلب کیا گیا تھا لیکن جنرل ایوب نے ہاتھ پاؤں اس طرح پھیلائے کہ انہیں حالات سدھارنے میں دس سال لگ گئے؟۔

ج ۔ انہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔

سوال ۔ لیکن دس سال بعد جب وہ گئے تو ملک اسی مقام پر کھڑا تھا انہیں حالات میں گھرا ہوا تھا جہاں سے چلے تھے؟۔

جواب ۔ میں متفق ہوں۔ میرا اپنا تجزیہ بھی یہی ہے۔ میں نے ان کے نظریہ کے مطابق مشورے دے دیتا تھا۔ جس پر وہ اکثر خفا ہوتے تھے۔ بعد میں میرے اور ان کے اختلافات بھی اسی وجہ سے ہوئے تھے۔ میرا اس وقت بھی اور آج بھی یہی تجزیہ اور اندازہ تھا کہ اس فوج کو صرف ایک

دو سال کے لئے آنا چاہئے۔ حالات کو درست کرا کے 'الیکشن کرا کے واپس چلا جانا چاہئے تھا۔ ایوب خان کو یہی مشورہ دیا گیا تھا۔ انہوں نے ایک چیز اس مارشل لاء (۱۹۷۷ء میں جنرل ضیاء کا مارشل لاء) سے بہتر کی کہ انہوں نے افواج کو بہت جلدی واپس بیرکس میں بھیج دیا تھا خود تو مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر رہے۔ اپنی کابینہ میں انہوں نے سویلین کے ساتھ ساتھ فوجی بھی رکھے۔ تمام سویلین گورنر مقرر کئے۔ وہ فوجی کنٹرول میں نہیں تھے۔

سوال ۔ فوج نے واپس ہونے میں اندازاً کتنا وقت لیا ہو گا؟۔

جواب ۔ یہ تیسرے سال میں چلی گئی تھی۔ آپ کو یاد ہو گا کہ مارشل لاء عدالتوں سے بھی مقدمات واپس لے کر سول عدالتوں کو دے دیئے گئے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمارے دلائل بہت مضبوط تھے۔ پہلی یہ کہ فوج کو سیاست میں ملوث نہ کریں۔ کیونکہ اس کے اثرات فوج پر مرتب ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ فوج کو تربیت کے لئے آزاد رہنا چاہئے۔ آپ اگر فوج کو ان کاموں میں ملوث کر دیں گے تو وہ اپنے آپ کو ٹرین نہیں کر سکیں گے۔

سوال ۔ بعض کتابوں میں اور خود ایوب خان کی کتاب "فرینڈز ناٹ ماسٹرز" میں یہ تاثر ملتا ہے کہ ایوب خان اقتدار میں آنا چاہتے تھے اور شواہد موجود ہیں کہ وہ ۱۹۵۴ء سے ایسا سوچ رہے تھے۔ آپ جو کہہ رہے ہیں کہ اسکندر مرزا نے مجبور کیا۔ حالات نے مجبور کیا وغیرہ وغیرہ اس کا ان شواہد کی روشنی میں کیا جواز ہے؟

جواب ۔ اسکندر مرزا نے مجبور نہیں کیا۔ وہ تو دونوں گہرے دوست تھے۔ ہمیشہ ایک ساتھ رہتے تھے۔ ہمیشہ تبادلہ خیال کرتے ہوں گے کہ اسکندر مرزا سیکرٹری دفاع تھے اور یہ کمانڈر انچیف تھے۔ ان کے خیالات میں ہم آہنگی تھی۔ ہم آہنگی اس معاملے میں تھی کہ سیاست دان اس ملک کا ستیاناس کر رہے ہیں یہ بات تو ایوب خان کے دماغ سے آخری دم تک نہیں نکلی۔ یہ بات کہ سیاست دانوں نے ملک کو نقصان پہنچایا ہے ان کے دماغ میں شروع سے آخر تک رہی۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر کسی نے اس ملک کو نقصان پہنچایا ہے تو وہ مفاد پرست سیاست دان ہیں۔ اس لئے انہوں نے تمام سیاسی جماعتیں ختم کر دی تھیں۔ تمام سیاست دانوں کو ایبڈو کر دیا تھا۔ ان کے سیاست میں حصہ لینے پر پابندی عائد کر دی تھی۔ ضیاء الحق کی طرح ایوب خان بھی مارشل لاء کو برقرار رکھ سکتے تھے۔ وہ صدر بن گئے تھے۔ فوج کو drag کر سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے اپنی پارٹی بنائی۔ اپنا آئین بنوایا چاہے وہ غلط ہی بنا ہو لیکن اسے بنوایا۔ وہ پارلیمانی نظام حکومت کے خلاف تھے کہ اس ملک میں سیاسی ادارے مستحکم نہیں تھے اور سیاست دان مفاد پرست ہیں وہ کبھی پارلیمانی نظام کو پنپنے نہیں دیں گے۔ اس لئے صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ یہاں صدارتی نظام حکومت ہو۔ وہ (صدر) اس کا نظام چلائے۔ اب یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ان کے دماغ میں یہ سب کچھ نہیں تھا۔ وہ شروع سے اینٹی سیاست دان تھے کہ وہ ان کو بہت قریب سے دیکھ چکے تھے۔

سوال ۔ آپ کا کیا خیال ہے ایوب خان کی یہ رائے درست تھی؟۔
جواب ۔ جو حالات اس وقت مفاد پرست سیاست دانوں نے پیدا کر دیئے تھے اس کے تناظر میں درست تھا۔ جن سیاست دانوں نے ملک بنایا انہیں دبا دیا گیا۔ ابھرنے نہیں دیا گیا۔ عبدالرب نشتر جیسے شخص کو ٹھکرا دیا گیا۔
سوال ۔ آپ نے یہ بات خود فرمائی ہے کہ نوکر شاہی تباہی کی ذمہ دار تھی۔ غلام محمد وغیرہ کا ٹولہ ؟۔
جواب ۔ بات ان پر آتی ہے لیکن سیاست دان بھی غیر ذمہ دار تھے۔ میں خود گواہ ہوں کہ ایک دفعہ میں صدر (اسکندر مرزا) کے پاس گیا۔ تین وزیر بیٹھے تھے مجھے اور ایک سولین افسر کو بلایا گیا تھا۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ وہ وزراء صدر سے وزیر اعظم کے خلاف سخت قابل اعتراض گفتگو کر رہے تھے۔ میرے کان سرخ ہو گئے تھے۔ شرم کے مارے میرا سر جھک گیا تھا۔ یہ مارشل لاء سے قبل کا واقعہ ہے۔ نہایت غیر اخلاقی اور حد سے گری ہوئی گفتگو تھی۔ یہ سازشوں کا حال تھا۔
سوال ۔ اس قسم کی صورتحال تو آج مہذب معاشروں میں بھی ہوتی ہے اور آپ برا نہ مانیں تو فوج کے بعض لوگ بھی اسی قسم کی گفتگو اور حرکتیں کرتے رہے ہیں۔ غیر اخلاقی' غیر اسلامی حرکتیں' کرپشن وغیرہ تو آج خاصا بن گیا ہے۔ لیکن میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ جنرل یا فوج کو یہ اختیار ہے کہ وہ یہ کہیں یا سوچیں کہ سیاست دان ملک کو خراب کر رہے ہیں؟۔
جواب ۔ بالکل نہیں۔ دیکھئے فوج کی کچھ ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ وہ نہ صرف بیرونی حملوں سے بچانے' کے لئے ہوتی ہے بلکہ اندرونی حملوں کا دفاع بھی اس کی ذمہ داری کا حصہ ہوتا ہے۔ یہ فوجی رول ہے ہر ملک کی فوج کا یہی کردار ہے۔ جب ملک کو خطرہ پیدا ہوتا ہے ان کا ذمہ ہے کہ ملک کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے فرائض میں سے ایک فرض بنتا ہے۔ دوسری چیز کبھی نہ بھولیں کہ فوج میں زیادہ تر' میں تمام کے لئے نہیں کہتا ہوں' ایسے لوگ فوج میں آتے ہیں جو ملک کی حفاظت کے لئے جان دینے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ یہ حب الوطنی کا اعلیٰ ترین جذبہ ہوتا ہے۔ فوج میں نظم ہوتا ہے فوج میں مارشل لاء لانے والے ایک دو فرد ہوتے ہیں پوری فوج ان کے ساتھ نہیں ہوتی لیکن چونکہ ڈسپلن فورس ہے اس لئے اپنے کمانڈر انچیف کا حکم ماننا پڑتا ہے اسی لئے وہ اس میں شریک ہوتے ہیں۔ دل سے کبھی کوئی فوجی مارشل لاء میں شریک نہیں ہوا ہے سوائے مٹھی بھر لوگوں کے۔ وہ لوگ جو اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مارشل لاء لگ جانے کے بعد کچھ افسروں کو ایسے عہدے مل جاتے ہیں جہاں وہ اپنا رعب' دبدبہ دکھا سکتے ہیں۔ ان کو چسکا لگ جاتا ہے تو وہ شائد تھوڑے سے ہیں۔ لیکن فوج ننانوے اعشاریہ نو فیصد بلکہ اس سے بھی زیادہ' میں تو کہوں گا کہ دس ہزار میں سے ایک ایسا ہو گا جو مارشل لاء کا خواہاں ہو گا۔ باقی سب کے سب اپنے فرائض انجام دینے کے خواہاں اور وہ اپنے فرائض انجام دینا چاہتے ہیں اور ان کے فرائض وہ ہی ہیں کہ ملک

کی حفاظت اور قوم کی حفاظت۔

سوال ۔ یہ ملک کی حفاظت کا جو تصور ہے وہ فوج کی ذمہ داری ہے لیکن فوج سیاست دانوں پر دباؤ ڈال کر بھی ملک کے حالات کو درست کرا سکتی ہے۔ وہ مارشل لاء کیوں نافذ کر دیتی ہے؟۔

جواب ۔ آپ یہ دیکھیں کہ اب تک سوائے ایک مارشل لاء کے تمام کے تمام اس شخص نے لگائے ہیں جو کہ صدر یا سربراہ مملکت تھا۔ اسکندر مرزا نے ایوب خان کو بلایا۔ خواہ جوڑ توڑ ہی ہوا ہو لیکن اتھارٹی اسکندر مرزا کے پاس تھی۔ ایوب خان نے اقتدار یحییٰ خان کے حوالے کر دیا۔ ان لوگوں کو احکامات دیئے گئے وہ آئے اور اپنی سوچ کے مطابق کام کیا۔ ایوب خان سیاست دانوں کے یکسر خلاف تھا۔ ان کو بہت برا سمجھتا تھا یہ سوچ غلط ہو یا صحیح ہو۔ الگ بات ہے۔ میں ان کی اس سوچ سے کبھی متفق نہیں رہا۔ میں ان خیالات کو غلط سمجھتا ہوں۔ سیاست دانوں میں بہت اچھے لوگ بھی ہیں لیکن چونکہ وہ ان کو برا سمجھتا تھا اس نے سیاسی اداروں کو ہی ختم کرنے کی کوشش کی۔

سوال ۔ آپ کے یہ خیالات بعد میں تبدیل ہوئے ہیں یا پہلے بھی یہی تھے؟۔

جواب ۔ پہلے بھی یہی تھے۔ میں نے انہیں کئی مرتبہ مشورہ دیا تھا۔ آپ میری رپورٹیں دیکھ سکتے ہیں۔ میں بہت جونیئر تھا۔ میں ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتا تھا کہ ان کے خیالات تبدیل کر دیتا۔ اس ملک کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ مفاد پرست عناصر اقتدار پر موجود شخص کو گھیر لیتے ہیں اور پھر اسے غلط راستہ پر لگا دیتے ہیں۔

سوال ۔ آپ جو مارشل لاء کے بارے میں بتا رہے تھے وہ کون سا مارشل لاء ہے جس میں سب سے اوپر والا شخص ملوث نہیں ہوا ہے؟۔

جواب ۔ میرا مقصد یہ تھا کہ حکومت کی جانب سے مارشل لاء نہیں لایا گیا ہو اور وہ جنرل ضیاء الحق کا مارشل لاء ہے۔ بھٹو صاحب نے ضیاء الحق کو نہیں کہا تھا کہ آپ مارشل لاء لگائیں۔

سوال ۔ لیکن جب پاکستان قومی اتحاد کی تحریک چل رہی تھی تو لاہور، کراچی، حیدر آباد، ملتان وغیرہ میں مارشل لاء نافذ کیا گیا تھا؟۔

جواب ۔ وہ حکومت نے لگائے تھے۔

سوال ۔ وہ کیا حالات تھے جن میں یحییٰ خان نے ملک میں مارشل لاء نافذ کیا؟

جواب ۔ یحییٰ خان نے خود ملک میں مارشل لاء نافذ نہیں کیا تھا۔ بلکہ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے بحیثیت صدر ان کو یہ ذمہ داری سونپی تھی اور اپنے اختیارات ایک تحریری حکم کے تحت منتقل کئے تھے اس کی وجہ ملک میں ایوب خان کے خلاف جلوس اور توڑ پھوڑ کی تھی جن کا زیادہ تر زور لاہور، راولپنڈی اور کراچی میں تھا۔ ایوب خان نے پہلے یحییٰ خان کو صرف ان شہروں میں مارشل لاء لگانے کی ہدایت کی تھی۔ جہاں اس کی مخالفت زوروں پر تھی مگر یحییٰ خان نے یہ کہہ کر کہ صرف دو تین شہروں میں مارشل لاء لگانے سے حالات پر قابو نہیں پایا جا سکتا لہٰذا اگر امن و امان بحال کرنا

مقصود ہے تو پورے ملک میں مارشل لاء نافذ کیا جاوے۔

سوال ۔ ایوب خان نے اقتدار اسپیکر کے حوالے کرنے کی بجائے یحییٰ خان کے حوالے کیوں کیا تھا؟ کیا فوج کی طرف سے دباؤ تھا یا یحییٰ خان کی خواہش تھی؟

جواب ۔ یہ درست ہے اس وقت کے آئین کے تحت جسے ایوب خان نے خود تشکیل کیا تھا اقتدار اسپیکر کے حوالے کیا جانا چاہئے تھا۔ لیکن ایوب خان سیاست دانوں سے بہت الرجک تھے۔ ان کے نظریئے کے مطابق تمام خامیوں' برائیوں اور ملک کے غیر یقینی حالات کے ذمہ دار سیاست دان تھے۔ یہ نظریہ انہوں نے لیاقت علی خان کی وفات کے بعد جو غیر یقینی حالات ملک میں سیاست دانوں نے پیدا کر دیئے تھے۔ اور ایوب خان کے اقتدار حاصل کرنے تک جاری رہنے کی وجہ سے قائم کیا تھا۔ باوجودیکہ اس کے کہ انہوں نے خود ایک جماعت بنائی لیکن سیاست دانوں پر ان کا اعتماد آخری دم تک بحال نہ ہو سکا میری جب کبھی بھی ان سے ان مسئلوں پر بات چیت ہوئی مجھے یہی محسوس ہوا کہ آخری دم تک ان کے دل میں یہ بے اعتمادی دور نہ ہو سکی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اقتدار اسپیکر کے بجائے جنرل یحییٰ خان کے حوالے کیا۔ ان کو یہ بھی احساس تھا کہ فوج کی مداخلت کے بغیر اس وقت کے ملکی حالات پر قابو پانا مشکل تھا لہٰذا اسپیکر بھی حالات کو درست کرنے میں ناکام ثابت ہوں گے۔

سوال ۔ کیا آپ نے کبھی یحییٰ خان کے سامنے اس بات پر ناراضگی کا اظہار کیا تھا کہ مارشل لاء کیوں نافذ کیا گیا۔ یا اسے فوری طور پر ہٹا لیا جائے۔ آپ تو ان کے گورنر بھی تھے۔

جواب ۔ شروع میں میں نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ کیونکہ یحییٰ خان کو مارشل لاء لگانے کے اختیارات ایک با اختیار صدر نے دیئے تھے دوسرا فوج ایک ایسا ادارہ ہے جس کی بنیاد ڈسپلن پر رکھی جاتی ہے۔ جہاں ہر افسر اور سپاہی کو بھرتی کے دن سے لے کر ریٹائر ہونے تک یہی تربیت دی جاتی ہے۔ کہ افیسر بالا کے حکم پر فوراً عمل کیا جاوے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ جنگ کے دوران بعض مواقع ایسے پیش آتے ہیں کہ جہاں جان کو ہتھیلی پر رکھ کر گولیوں کی بوچھاڑ میں کودنا پڑتا ہے۔ اگر ایسی ٹریننگ نہ دی جائے کہ بغیر جھجک احکام بالا کو عملی جامہ پہنایا جائے تو ایسی فوج کبھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔ لیکن بعد ازاں جب میں جنرل ہیڈ کوارٹر میں بطور پرنسپل سٹاف آفیسر یعنی کوارٹر ماسٹر جنرل تعینات ہوا تو میں نے علیحدگی اور دوسروں کے روبرو بھی یہی رائے دی کہ فوج جتنی جلدی ہو سکے ملکی سیاست میں مداخلت سے کنارہ کشی اختیار کر لے۔ گورنر کے طور پر بھی میں نے کئی بار تجویز پیش کی کہ مشرقی پاکستان کے تنازعہ کو فوج کے استعمال کی بجائے سیاسی طور پر حل کیا جائے لیکن افسوس کہ میرے مشوروں پر کسی نے دھیان نہیں دیا۔

سوال ۔ سقوط ڈھاکہ کے آپ کے خیال میں کیا اسباب تھے؟

جواب ۔ سقوط ڈھاکہ کے کئی اسباب تھے اور اس کی ذمہ داری ہر پاکستانی پر عائد ہوتی ہے ایسا

لگتا ہے کہ پہلے ہی دن سے مغربی پاکستان خصوصاً پنجاب کے سیاست دان مشرقی پاکستان کی اکثریت کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے اور بار بار اعلانیہ اظہار کرتے رہے کہ اگر ایک آدمی ایک ووٹ کے اصول پر قائم رہے تو بنگالی اپنی اکثریت کی بنیاد پر پورے ملک پر چھا جائیں گے اور حکومت ان کے ہاتھوں میں ہمیشہ کے لئے چلی جائے گی۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مشرقی پاکستان کے مکینوں کو اپنے بھائی نہیں سمجھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ مشرقی پاکستان والے اپنی اکثریت کے بل بوتے پر مغربی پاکستان پر حکومت کریں گے اور وہ بنگالیوں کے غلام بن کر رہ جائیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ قانون ساز اسمبلی میں مغربی پاکستان اور خصوصاً پنجابیوں نے سیاسی برابری (political parity) کا سوال اٹھایا۔ جس سے مراد تھی مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے نیشنل اسمبلی میں برابر برابر نمائندہ ہونے چاہئیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ ہم نے مشرقی پاکستان کو اپنا بھائی نہ سمجھا بلکہ غیر سمجھا۔ یعنی نظریہ پاکستان کی نفی ہم نے خود کی۔ آج اگر پانچ قومیتوں کا مسئلہ اٹھ رہا ہے تو اس کی بھی یہی وجہ ہے یہ پہلا مرحلہ تھا جس سے شکوک و شبہات ابھرے جو آخر میں جا کر نفرت میں تبدیل ہو گئے۔ پاکستان دو قومی نظریہ پر قائم ہوا تھا۔ قائداعظم اور ان کے ساتھیوں نے دعویٰ کیا تھا۔ کہ برصغیر کے تمام مسلمان ایک قوم ہیں یعنی بھائی بھائی ہیں۔ اس لئے ان کو برصغیر میں ایک الگ خطہ چاہئے۔ جہاں وہ اسلام کے تقاضوں اور اصولوں کے مطابق زندگی بسر کر سکیں آخر میں فیصلہ بھی اسی بنیاد پر ہوا۔ جن علاقوں میں مسلمان اکثریت میں تھے۔ ان کو الگ کر کے ایک اسلامی مملکت قائم کی گئی۔ اگر ہم لوگ اسی نظریئے پر کاربند رہتے اور برصغیر کے مسلمان اپنے آپ کو ایک قوم سمجھتے اور ایک دوسرے کو بھائی کا درجہ دیتے تو یہ سوال کہ کون کس پر حکومت کرے گا۔ کبھی نہ اٹھتا۔ اختلافات کی پہل یہاں سے ہوئی جو بڑھتے بڑھتے نفرتوں میں تبدیل ہو گئی۔

ایوب خان کے مارشل لاء نافذ کرنے سے مشرقی پاکستانیوں میں محرومیت کا احساس بڑھ گیا۔ باوجودیکہ ایوب خان نے مشرقی ونگ میں ترقی کی خاطر اور محرومی کے احساس کو دور کرنے کے لئے پہلے سے زیادہ ترقیاتی فنڈ میں اضافہ کیا اور ڈھاکہ میں سیکنڈ کیپٹل قائم کیا لیکن مفاد پرست سیاست دانوں نے جو علاقائی تعصب کو ابھار کر ووٹ حاصل کرنا چاہتے تھے ملک کی یک جہتی کو درہم برہم کر کے رکھ دیا اور لوگوں کے دلوں میں نفرتیں بھر کر دونوں ونگوں میں نظریاتی فاصلے پیدا کر دیئے جو جغرافیائی فاصلوں سے بھی زیادہ ہو گئے جس کا اثر یحییٰ خان کے دور میں واضح طور پر سامنے آیا۔ یحییٰ خان نے جو اس وقت بعض مفاد پرست سیاست دانوں کے گھیراؤ میں تھے پولیس ایکشن کر کے نفرتوں کو دشمنی میں تبدیل کر دیا جو آخر میں سقوط ڈھاکہ پر منتج ہوا۔

سوال ۔ سقوط ڈھاکہ کی ذمہ داری فوج پر عائد ہوتی ہے یا سیاست دانوں پر؟

جواب ۔ سقوط ڈھاکہ کی ذمہ داری مشترکہ فوج اور سیاست دانوں پر عائد ہوتی ہے فوج پر

ذمہ داری اس لئے کہ یہ سانحہ جب پیش آیا تو اس وقت ایک فوجی کے ہاتھ میں اقتدار تھا اور مارشل لاء نافذ تھا۔ سیاست دانوں پر اس لئے کہ اس مسئلہ کے حل کے لئے انہیں کئی مواقع فراہم کئے گئے تھے لیکن وہ ذاتی مفادات کے پیش نظر اس مسئلہ کا سیاسی حل تلاش کرنے سے گریز کرتے رہے۔ اگر بھٹو۔ مجیب میٹنگ میں اس مسئلہ کا حل تلاش کر لیا جاتا تو پولیس ایکشن کی قطعاً کوئی ضرورت نہ تھی جس سے نفرتیں زیادہ بڑھتی گئیں۔ جہاں تک مجھے علم ہے پولیس ایکشن سے پہلے ان سیاست دانوں میں بعض نے جو اس وقت ڈھاکہ میں موجود تھے بعض سے یحییٰ خان نے مشورہ کیا تھا۔ پولیس ایکشن کے حق میں مسٹر بھٹو، جماعت اسلامی اور پرانے مسلم لیگی پیش پیش تھے بلکہ پولیس ایکشن کے اعلان کے بعد کوئی سیاسی لیڈروں نے اپنے بیانات میں اس کو سراہا اور کہا کہ اس ایکشن سے پاکستان کو بچا لیا گیا ہے۔ یہ بیانات اخبارات کے ریکارڈ روم میں موجود ہیں۔ بعض سوجھ بوجھ رکھنے والے سیاست دان اور میرے علاوہ کچھ اور فوجی جنرل بھی پولیس ایکشن کے خلاف تھے اور انہوں نے بہت کوشش کی کہ اس مسئلہ کو سیاسی حکمت عملی سے حل کیا جائے لیکن ان کی تجویز کو کوئی اہمیت نہ دی گئی البتہ جو یحییٰ خان کے نزدیکی حلقوں سے تعلق رکھتے تھے کو زیادہ اہمیت دی گئی جس سے پولیس ایکشن کا حکم صادر کر دیا گیا اس کے بعد مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) اور مغربی پاکستان میں مفاہمت ناممکن ہو گئی اور ہندوستان کو مشرقی پاکستان میں مداخلت کا جواز مل گیا۔

سوال ۔ آپ مشرقی پاکستان میں آخری دنوں میں گئے تھے وہاں آپ کی جنرل نیازی سے ان کی جنگی حکمت عملی پر بات چیت ہوئی تھی وہ ٹھیک حکمت عملی تھی؟

جواب ۔ ہاں۔ میں جولائی کے آخر میں گیا تھا اور ۳ر اگست ۱۹۷۱ء کو واپس آ گیا تھا۔ یہ دیکھ کر کہ مغربی پاکستان کے سیاست دانوں، صدر اور ان کے ساتھیوں نے مشرقی پاکستان جانا ترک کر دیا ہے میں نے جانے کا پروگرام بنایا۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ اگر میں بحیثیت گورنر سرحد وہاں جاتا ہوں تو شاید یہ رابطہ دوبارہ قائم ہو جائے اور دوسرے لوگ یعنی سیاست دان بھی وہاں جانا شروع کر دیں اس طرح ممکن ہے دونوں ونگوں کے سیاست دان، حکومت اور مجیب الرحمان میں دوبارہ باہمی گفت و شنید ہو سکے۔ جنرل یحییٰ خان نے بھی میرے جانے کے فوراً بعد مشرقی پاکستان آنے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر بعض مصروفیات اور وجوہات کی وجہ وہ نہ آ سکے۔ واپسی پر ان کی ان ہی مصروفیات کی بناء پر میری ان سے ملاقات نہ ہو سکی ورنہ میں مشرقی پاکستان کے حالات اور حکمت عملی سے انہیں ضرور آگاہ کرتا اور ان کو اس میں تبدیلیاں لانے کی رائے دیتا۔

میں نے مشرقی پاکستان پہنچ کر سب سے پہلے وہاں کی تمام سرحدوں کا دورہ کیا تھا۔ میرا دورہ کرنے کا اصل مقصد حالات سے آگاہی حاصل کرنا تھی اس کی وجہ جواز میں نے یہ پیش کی تھی وہ یہ تھی کہ کیونکہ سرحد سے پولیس اور کنسٹبلری کے دستے مشرقی پاکستان میں تعنیات ہیں اور پنجاب رجمنٹ جس کا میں کرنل کمانڈنٹ تھا کی بہت سی بٹالین سرحدوں پر موجود ہیں اس لئے میرا

جانے کا مقصد جوانوں کی حوصلہ افزائی کرنا تھا اور اگر ان کو کوئی مشکلات درپیش ہوں تو ان کا ازالہ کر سکوں۔ میں نے جنرل یحییٰ خان سے بھی وہاں جانے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے یہی جواز پیش کیا تھا۔ سرحد پر یونٹوں کو مورچوں میں دیکھ کر مجھے یہ احساس ہوا کہ ان کو بہت زیادہ پھیلا دیا گیا ہے اور کسی جگہ بھی وہ اس قابل نہیں کہ ہندوستانی فوج کو مداخلت سے روک سکیں۔ میرے خیال میں یہ غلط حکمت عملی تھی کیونکہ مجھے یقین تھا کہ ہندوستان نے موسم برسات ختم ہوتے ہی مشرقی پاکستان میں مداخلت کرنی ہے اس کے لئے وقت بہت کم ہے میرا خیال تھا کہ اگر ہم ہندوستانی مداخلت کو روکنا چاہتے ہیں تو ہمارے لئے مفید ہے کہ افواج کو کچھ اہم مقامات اور راستوں پر اچھے موثر انداز میں تعنیات کریں تا کہ ہندوستانی افواج ایسے اہم مقامات یا راستوں پر آسانی سے قابض نہ ہو سکیں جس سے انہیں پیش قدمی کی سہولت میسر ہو۔ واپسی پر میں نے جنرل نیازی کو ان حالات سے آگاہ کیا اور ہدایت کی کہ جلد سے جلد وہ اپنی فوج کو اہم جگہوں پر concentrate یعنی اکھٹا کریں تا کہ وہ ہندوستانی افواج کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکیں میں نے ان کو یہ بھی مشورہ دیا تھا کہ اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ ہندوستانی فوج کی پیش قدمی روکنا مشکل ہو جائے تو ایسی حکمت عملی پر عمل پیرا ہوں، کہ اگر انہیں پسپا ہونا پڑے تو وہ ڈھاکہ میں concentrate ہو سکیں اور اس دلیل کے حق میں میں نے یہ کہا تھا کہ۔

Dakha is East Pakistan and East Pakistan is Dakha

جب تک ڈھاکہ پاکستان کی افواج کے قبضہ میں ہو گا تو دنیا تصور کرے گی کہ پورا مشرقی پاکستان سنٹرل حکومت کے کنٹرول میں ہے اس لئے میں نے تاکید کی تھی کہ ڈھاکہ کو کسی صورت میں بھی کھویا نہ جائے میں نے یہ بھی کہا تھا کہ ہندوستان افواج کی مداخلت جلد سے جلد اکتوبر میں اور دیر سے دیر دسمبر میں متوقع ہے اس لئے اس کو روکنے کے لئے ابھی سے تیاری شروع کر دیں۔ انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ ان کے پاس concentrate کرنے کے لئے مکمل پلان موجود ہے اور چٹکی بجاتے ہی افواج کو ایسے مقامات پر اکھٹا کیا جا سکتا ہے۔ مجھے اس بات پر یقین نہیں تھا۔ میں اپنے دورے کے دوران سڑکوں (communication) کی حالت دیکھ چکا تھا وہاں کوئی پل سالم نہیں تھا۔ اور سڑکیں جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھیں۔ جن کو استعمال کر کے افواج کو دیئے ہوئے وقت اور مقام پر اکھٹا کرنا نہ ممکن تھا۔ میں نے ان کو اس کمزوری سے بھی آگاہ کر دیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ جنرل ٹکا خان سے جو اس وقت گورنر تھے، کو ان حالات سے آگاہ کیا تھا اور ان سے بھی درخواست کی تھی کہ وہ بھی جنرل نیازی کو افواج کے فوراً اکھٹا کرنے کی ہدایت کر دیں اور انہوں نے یہ کہہ کر معذوری کا اظہار کیا کہ وہ صرف وہاں کی انتظامیہ کے ذمہ دار ہیں اور افواج کے متعلق ان کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ میں نے انہیں واضح کیا کہ وہ یونیفارم میں ہیں اور سینئر افسر ہونے کے ناطے وہ جنرل نیازی کو صحیح مشورہ دیں اور اگر وہ نہ مانیں تو جنرل ہیڈ کوارٹر کو

آگاہ کر دیں۔ اس پر انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ موقع ملتے ہی وہ نیازی کو اس بات کا مشورہ دیں گے اور کہیں گے کہ فوجی دستوں کو فوراً اکھٹا کرنا شروع کر دیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ٹکا خان۔ نیازی صاحب کو اس طرح کی کوئی ہدایت نہ دے سکے یا نیازی صاحب اس پر عمل کرنے سے گریز کرتے رہے۔ اگر ایسا کیا ہوتا تو ہندوستانی فوج اتنی آسانی سے مشرقی پاکستان پر قبضہ نہ کر سکتی اور پاکستانی افواج کو ایسے خطرناک حالات کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔

مجھے یقین تھا کہ مجوزہ حکمت عملی کو اپنانے سے ہندوستانی افواج کی مداخلت کو ایک یا دو ماہ مزید موخر کیا جا سکتا تھا جس کے دوران U.N.O (یو این او) یا بین الاقوامی رائے کو ہموار کیا جا سکتا تھا تاکہ وہ ہندوستانی افواج کو مشرقی پاکستان سے نکلنے پر مجبور کرتی اور معاملہ کا سیاسی حل تلاش کیا جا سکتا۔

سوال ۔ نیازی کس طرح کے جنرل تھے ان کے جنرل ٹکا خان کے بارے میں کیا رائے تھی؟

جواب ۔ جنرل نیازی میرے بریگیڈ کی ایک بٹالین کے کمانڈنگ آفیسر کی حیثیت سے کام کر چکے تھے اس لئے میں ان کی صلاحیتوں سے پوری طرح واقف تھا میرے نزدیک وہ ایک اچھے tactician تو تھے لیکن وسیع پیمانے پر ان کی جنگی حکمت عملی stategic planning) محدود تھی۔ میرے خیال میں وہ بڑے پیمانے پر حالات کا جائزہ لینا اور اس سے نپٹنے کے لئے صحیح حکمت عملی اختیار کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے اس چیز کا ذکر میں نے ان کی A.C.R. (سالانہ خفیہ رپورٹ) میں واضح طور پر کیا تھا۔ جہاں تک ان کے ٹکا خان کے ساتھ تعلقات کا سوال ہے وہاں کے حالات سے میں نے اندازہ لگایا کہ ان دونوں میں باہمی اعتماد کا فقدان تھا اور یہی وجہ تھی کہ ٹکا خان نیازی کو فوج کے تعیناتی پلان کے بارے میں ہدایت کرنے سے کتراتے تھے باوجودیکہ وہ مشرقی پاکستان میں سینئر جنرل تھے۔

سوال۔ آپ نے مشرقی پاکستان سے واپسی کے بعد یحیٰی خان سے ملاقات کر کے انہیں صورت حال سے آگاہ کیا تھا؟ یحیٰی خان کا ردعمل کیا تھا؟

جواب۔ میرے مشرقی پاکستان جانے سے پہلے میرے اور یحیٰی خان کے درمیان یہ طے پایا تھا کہ میں اندرون مشرقی پاکستان کی سرحدوں کا دورہ مکمل کرنے کے بعد ڈھاکہ میں ان کی آمد کا انتظار کروں۔ کیونکہ انہوں نے وہاں آنے کے پروگرام کے متعلق مجھے مطلع کر دیا تھا۔ جب میں یہ دورہ مکمل کر کے ڈھاکہ آیا تو وہ ابھی تک وہاں نہیں پہنچے تھے۔ ٹکا خان کے مطابق انہوں نے یہاں آنے کا پروگرام ملتوی کر دیا ہے۔ میں نے وہاں تین روز ان کا انتظار کیا اور پھر یہ معلوم ہونے پر کہ وہ کراچی میں آئے ہوئے ہیں ان کو کراچی ملنے کا فیصلہ کیا۔ وہاں پہنچنے پر مجھے معلوم ہوا کہ وہ سندھ میں شکار پر گئے ہوئے ہیں اور ایک دو دن میں کراچی واپس آنے والے ہیں اور میں نے ان کا گورنر ہاؤس سندھ میں جہاں جنرل رحمان گل بحیثیت گورنر سندھ مقیم تھے انتظار کیا۔ لیکن ان

کے آنے کی تاریخ پھر ملتوی ہو گئی۔ اس دوران میری ہمشیرہ ' بہنوئی اور ان کی والدہ اور بچے مانسہرہ سے ایبٹ آباد آتے ہوئے ایک برساتی نالہ میں بہہ گئے سوائے میری ہمشیرہ کے جو بے ہوشی کی حالت میں دستیاب ہوئی۔ کسی دوسرے فرد کا ۲۶۔ ۲۷ گھنٹوں تک کوئی پتہ نہیں چل سکا (بچوں کی لاشیں دو دن کے بعد دستیاب ہوئیں)۔ اس لئے مجھے مجبوراً کراچی سے ایبٹ آباد آنا پڑا۔ لیکن آتے ہوئے میں رحمان گل صاحب کے پاس پیغام چھوڑ آیا تھا کہ یحییٰ خان جب دورے سے واپس آئیں تو مجھے مطلع کر دیں تاکہ ان سے کراچی آ کر ملاقات کر کے مشرقی پاکستان کے حالات سے بریفنگ کر سکوں اور اگر وہ راولپنڈی واپس آ رہے ہوں تو میں وہاں ان سے مل سکوں۔ جنرل یحییٰ خان صاحب نے اور نہ ہی ان کے سٹاف نے میرے ساتھ اس کے متعلق دوبارہ رابطہ قائم کیا۔ اس سے میں یہ اخذ کرنے پر مجبور ہو گیا کہ انہیں مشرقی پاکستان کے حالات لئے کسی دوسرے ذریعہ سے اطلاع مل گئی ہو گی۔ جس کی وجہ سے وہ میری بریفنگ کی ضرورت کو محسوس نہیں کرتے۔ اس لئے میں نے بھی اس پر زور نہیں دیا۔ جو میرے خیال میں میری بہت بڑی غلطی تھی ہو سکتا ہے میری بریفنگسے ان کے رد عمل میں کچھ تبدیلی پیدا ہو جاتی تا کہ وہ صحیح فیصلے کر سکتے۔

سوال۔ کہتے ہیں کہ یحییٰ خان کے زمانے میں جنرل پیرزادہ ' جنرل حمید وغیرہ ہی اصل حکمران تھے؟ یحییٰ تو صرف شوپیس تھے؟

جواب:۔ یہ اندازہ غلط ہے باوجود ذاتی کمزوریوں کے یحییٰ خان اپنی ذاتی سوچ رکھتے تھے۔ اور مشکل سے مشکل حالات میں صحیح فیصلے کرنے کے اہل تھے لیکن میں ضرور کہوں گا نہ صرف ان دو حضرات بلکہ کئی دوسرے سول حکام اور سیاست دانوں نے انہیں گھیرے میں لے رکھا تھا اور ان کی سوچ پر کافی اثر انداز تھے جس میں مسٹر ایم ایم احمد سر فہرست تھے سیاست دانوں میں مسٹر بھٹو ' قیوم خان اور مولانا مودودی ان سے وقتاً فوقتاً ملتے رہتے تھے۔ اور ان حضرات کا political advisors کی حیثیت سے جنرل یحییٰ خان کے ساتھ رابطہ قائم تھا۔

سوال۔ آپ نے فوج سے استعفیٰ کیوں دیا تھا۔ کیا بھٹو سے اختلافات تھے یا کوئی اور وجہ؟ بھٹو نے تو آپ سے دفاع کے سلسلے میں جو تجاویز تیار کرائیں تھیں ان پر عمل بھی کیا گیا یا نہیں؟

جواب۔ بھٹو سے میرے اختلافات ایوب خان کے دور حکومت میں دو مرتبہ ہوئے تھے ویسے بھی میں ان کا مشرقی پاکستان کے بارے میں جو رول تھا ' سے خائف تھا کیونکہ میرے نزدیک انہوں نے اس وقت جو کچھ کیا وہ ملکی مفاد میں نہیں تھا۔ یہ ان کی دھمکی کا نتیجہ تھا کہ نیشنل اسمبلی کے اجلاس کے انعقاد کی تاریخ کو یحییٰ خان نے ملتوی کر دیا تھا جس کی وجہ سے تمام خرابیاں ابھر کر سامنے آئیں اور اس التواء کے خلاف ہم میں سے کئی فوجی افسران جو گورنر یا دوسرے اہم عہدوں پر فائز تھے رائے دے چکے تھے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بھٹو اور دوسرے سیاست دانوں کی رائے کو ہماری رائے پر ترجیح دی گئی تھی۔ جس کی وجہ سے اسمبلی کے اجلاس کی تاریخ کو غیر معینہ مدت

کے لئے ملتوی کر دیا گیا اور اس کے نتیجہ میں مشرقی پاکستان کے حالات خراب سے خراب تر ہوتے گئے اور قوم ایسے مقام کے دھانے پر آ کھڑی ہوئی جہاں سے واپسی کا راستہ مسدود تھا۔ جب یحییٰ خان نے بھٹو کو اقتدار منتقل کیا میں راجھستان کے محاذ پر شدید زخمی ہونے کے بعد سی ایم ایچ راولپنڈی میں زیر علاج تھا۔ مجھے جیسے ہی یہ اطلاع ملی میں نے اپنا استعفیٰ لکھ کر اپنے پاس رکھ لیا۔ صدارت کی کرسی پر بیٹھنے کے تین روز بعد انہوں نے تمام گورنروں کو بلایا اور ان کو بدلتے ہوئے حالات سے آگاہ کیا اور انہوں نے وضاحت کی کہ انہیں ان حالات کے پیش نظر دوسرے گورنر مقرر کرنے ہوں گے۔ چونکہ میں پہلے سے اپنا استعفیٰ لکھ کر لایا تھا۔ جیسے ہی ان کی ہم سے بات چیت ختم ہوئی تو دوسرے گورنروں نے جانے کے بعد میں نے علیحدہ ملاقات کے لئے وقت مانگا جو مجھے دے دیا گیا اور اس میٹنگ کے دوران بہت دوسری باتوں کے علاوہ جن میں کئی باتیں ان کے لئے خوشگوار نہ تھیں میں نے ان کو مطلع کیا کہ میں اپنا استعفیٰ لکھ کر لایا ہوں جو ٹائپ کروا کر ان کو روانہ کر دوں گا اور واپس آ کر سب سے پہلا کام میں نے یہی کیا۔ رہا سوال فوج سے استعفیٰ کا۔ تو اس کا فیصلہ میں نے اس وقت کیا جب گورنروں کی میٹنگ کے دوران بھٹو نے انکشاف کیا کہ وہ جنرل گل حسن کو acting C-in-C (کمانڈر انچیف) مقرر کر رہے ہیں یہ عہدہ بعد ازاں چیف آف آرمی اسٹاف میں تبدیل ہو گیا۔ چونکہ گل حسن مجھ سے جونیئر تھے اس لئے میں نے فیصلہ کیا اب میرے لئے مزید فوج میں بھی رہنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ میں نے الگ میٹنگ کے دوران ان کو اس فیصلہ سے مطلع کر دیا تھا جس کی بناء پر مجھے فوج سے قبل از وقت ریٹائر کر دیا گیا ورنہ میری ریٹائرمنٹ میں ابھی ۱۰، ۱۱ سال کی مدت باقی تھی۔

اس سوال کا دوسرا حصہ بعد کی ایک میٹنگ سے متعلق ہے جس میں، میں نے پاکستانی فوج کے بارے میں اپنے کچھ خیالات کا اظہار کیا تھا اور بعض تجاویز ایسی تھیں۔ جس سے وہ بہت متاثر ہوئے تھے اور مجھے کہا گیا تھا کہ میں اپنی تمام تجاویز لکھ کر بھیجوں۔ ان کی ہدایات کی روشنی میں، میں نے "پاکستان کی افواج اور مارشل لاء" کے عنوان پر ایک پیپر لکھ کر بھیجا تھا۔ جسے مسٹر عزیز احمد کے مطابق انہوں نے اس کی بہت تعریف کی اور انہیں ہدایت کی گئی تھی کہ وہ کسی وقت مجھ سے مشورہ کر کے ان تجاویز کو عملی جامہ پہنائیں گے۔ عزیز احمد نے مجھے بلایا بھی تھا اور اس پر عمل درآمد کرنے کے طریقہ کار پر بھی مشورہ کیا گیا تھا لیکن افسوس کہ ان تجاویز کو پوری دیانت داری اور صحیح طریقہ سے عمل میں نہیں لایا گیا جس کی وجہ سے ملک میں تیسری بار مارشل لاء نافذ ہوا۔

سوال۔ اس ملک میں فوج کو بار بار مارشل لاء لگانے سے کس طرح باز رکھا جا سکتا ہے۔ آپ کے ذہن میں کیا تدابیر ہیں (آپ نے دوران ملاقات کہا تھا کہ وزارت دفاع کو مضبوط ہونا چاہئے وزیر دفاع اپنے آپ کو exert کرنا چاہئے)؟

جواب۔ جس پیپر کا اوپر میں نے ذکر کیا ہے اس کے اندر میں نے فوج کو ملک میں بار بار مارشل لاء

لگانے سے باز رکھنے کے لئے کئی تجاویز لکھی تھیں جس میں آرمی پر سول کنٹرول کو مضبوط کرنے کی سب سے اہم تجویز تھی۔ اگر بھٹو صاحب ایسا کر دیتے اور جس کے مطابق ایک با اختیار ڈیفنس منسٹر کے ساتھ دو یا تین منسٹر آف سٹیٹ منسلک کر کے ملکی ڈیفنس کا پورا کنٹرول ان کے سپرد کرنا شامل تھا۔ اگر وہ اس اسکیم کو اپنا لیتے تو جن حالات سے ملک کو گزشتہ سالوں میں سامنا کرنا پڑا ہے ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جاتا۔

○ ☆☆..........☆☆..........☆☆ ○

”اگر اس صورتحال کا بھرپور جائزہ لیا جاتا اور جو لوگ ذمہ دار قرار پاتے ان کے خلاف اقدامات کئے جاتے تو شائد ۱۹۷۷ء میں مارشل لاء نافذ نہیں ہوتا۔ ضیاء الحق ایسا قدم اٹھانے سے پہلے بہت اچھی طرح نتائج کے بارے میں سوچتے لیکن وہ تو سوچتے ہیں کہ ان سے پہلے کے لوگوں کا کچھ نہیں ہوا تو ان کا بھی کچھ نہیں ہو گا اور کیوں نہ سوچیں۔ جنرل یحییٰ اور جنرل نیازی وغیرہ سب باعزت ریٹائر کئے گئے۔“

نور خان

ایئر مارشل (ریٹائرڈ) سابق سربراہ پاک فضائیہ، سابق گورنر مغربی پاکستان، سابق سربراہ پی آئی اے، سابق رکن قومی اسمبلی (۱۹۸۵ء)

ایئر مارشل نور خان...... پاکستان ایئر فورس، پاکستان انٹرنیشنل ایئر لائنز، پاکستان ہاکی فیڈریشن، بورڈ آف کرکٹ کنٹرول اِن پاکستان کے مختلف اوقات میں سربراہ رہے۔..... ملک میں دوسرے مارشل لاء کے دوران پاکستان ایئر فورس کے سربراہ ہونے کے ناطے مارشل لاء نافذ کرنے والے کمانڈر کے قریبی ساتھی رہے۔ کمانڈر کی تشکیل کردہ کونسل آف منسٹرز میں محنت، تعلیم، صحت اور سماجی بہبود کے محکموں کے وزیر مقرر ہوئے۔ اس کے بعد مغربی پاکستان کے گورنر نامزد ہوئے۔ ۱۹۸۵ء میں عام انتخابات میں اٹک ضلع سے قومی اسمبلی کی ایک نشست پر انتخابات میں ڈالے گئے ایک لاکھ سترہ ہزار سات سو انسٹھ ووٹوں میں سے انہتر ہزار آٹھ سو اٹھائیس ووٹ یعنی اکسٹھ فیصد سے زائد ووٹ حاصل کر کے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ نور خان مسائل اور ان کی نوعیت کو گہرائی سے سمجھتے ہیں اور ناخواندگی کو پاکستان کے مسائل کا بنیادی سبب قرار دیتے ہیں۔ اپنے دور وزارت اور گورنری میں انہوں نے ایسی لیبر پالیسی اور تعلیمی پالیسی کا اجراء کیا تھا کہ ان کے مخالفین بھی ان کی قابلیت کو داد دیتے ہیں۔ بقول نور خان یہ ۲۰ر فروری ۱۹۶۸ء کا دن تھا کہ جنرل یحییٰ خان، ایڈمرل ایس ایم احسن اور نور خان نے ایوان صدر میں اس

نور خان

وقت کے صدر ایوب خان سے ملاقات کی تھی۔ دوران ملاقات ایوب کابینہ کے بعض وزراء بھی موجود تھے۔ ایوب خان نے افواج کے سربراہوں سے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ ملک کے مختلف حصوں میں حالات خراب ہو رہے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے بعض شہروں میں مارشل لاء نافذ کرا کے صورت حال پر قابو پائیں۔ جس پر نور خان کے مطابق انہوں نے مارشل لاء کے نفاذ کے خلاف دلیل دی تھی جس پر ایوب خان حیران تھے۔ اور ملاقات کو معطل کر دیا گیا تھا لیکن جنرل یحییٰ خان سے وزیر دفاع ایڈمرل اے آر خان' ایڈمرل ایس ایم احسن اور نور خان وغیرہ سے کہا تھا کہ وہ جنرل یحییٰ کی رہائش گاہ پر انتظار کریں۔ جب یحییٰ خان واپس لوٹے تو انہوں نے بتایا تھا کہ ایوب خان نے اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ نور خان مغربی پاکستان کے گورنر کی حیثیت سے چارج سنبھال لیں جس پر نور خان نے کہا کہ وہ اپنی ملازمت سے استعفیٰ دے کر ایسا کر سکتے ہیں بشرطیکہ انہیں یہ یقین دلایا جائے کہ مارشل لاء نافذ نہیں کیا جائے گا اور انہیں اصلاحات کرنے کی آزادی ہوگی۔ ۲۱ر فروری کو جب دوبارہ ملاقات ہوئی تو ایوب خان نے کہا کہ انہوں نے صدارت کے انتخابات میں حصہ لینے سے دستبرداری کا فیصلہ کر لیا ہے اور وہ سیاسی رہنماؤں کے ساتھ مذاکرات کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ۲۵ر مارچ کی سہ پہر ایڈمرل احسن اور ایئر مارشل نور خان کو یحییٰ خان نے اپنی رہائش گاہ پر طلب کیا جہاں جنرل عبدالحمید خان اور غیاث الدین بھی موجود تھے۔ یحییٰ خان نے انہیں وہ خط دکھایا جو فیلڈ مارشل نے فوج کے سربراہ کو تحریر کیا تھا اور کہا تھا کہ وہ اقتدار فوج کے سربراہ (جنرل آغا محمد یحییٰ خان) کے حوالے کر رہے ہیں۔ بقول نور خان یحییٰ خان کا استدلال تھا کہ جب اقتدار افواج کے حوالے کیا جا رہا ہے تو سوائے قبول کرنے کے اور کوئی راستہ ہی نہیں ہے اور اس طرح ملک میں دوسری بار مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔

علی حسن۔ آپ اس نظام کے تحت رکن قومی اسمبلی (۱۹۸۵ء) منتخب ہیں۔ کیا آپ مارشل لاء سے جمہوریت کے سفر سے مطمئن ہیں؟

ایئر مارشل نور خان۔ جی نہیں۔ میں شروع سے عدم اطمینان کا شکار ہوں میں کہہ چکا ہوں کہ اس کی توقعات بہت کم تھیں۔ کیونکہ سیاست اسی وقت ہو سکتی ہے جب پارٹی سسٹم ہو' پارٹی الیکشن ہوں' پارٹیوں کی موجودگی میں انتخابات ہوں اور کوئی پارٹی پروگرام ہو لیکن امید تھی کہ شائد ایک پل تعمیر کرنے کے لئے غیر جماعتی انتخابات کروائے گئے ہیں۔ اگر ان لوگوں (جونیجو حکومت) کا ایک ہی ارادہ ہوتا ہے انہیں انتخابات کرانے ہیں جس میں تمام سیاسی جماعتیں حصہ لے سکیں' ماحول بنانا ہے جس میں انتخابات کا انعقاد فوری طور پر ممکن ہو۔ اگر یہ بات ان کے ذہن میں آجاتی۔ یا ہوئی تو بہتر نتائج بر آمد ہوتے۔ انہیں یہ طے کر لینا چاہئے تھا اور سمجھ لینا چاہئے تھا کہ معاشی یا دیگر اصلاحات کرنا ان کا کام نہیں ہے اور ان کے بس سے بھی باہر ہے تو ٹھیک ہوتا۔

سوال ۔ آپ کا مطلب ہے کہ حکمرانوں کے بس سے باہر۔
جواب ۔ ہاں۔ ایک ایسی حکومت جسے کسی جماعت کی پشت پناہی حاصل نہیں تھی۔ اس حکومت کو انتظامی اور معاشی اصلاحات کرنے کا بیڑا اٹھانا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ کیونکہ ایسی اصلاحات پر عمل در آمد کرنے کے لئے عوام کے تعاون اور مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم لوگ عوام سے اس قسم کا کام کرنے کا کوئی "مینڈیٹ" تو لائے نہیں تھے۔ ہم تو صرف اپنے اپنے انتخابی حلقے میں صرف اپنے انتخابی حلقوں کے مسائل پر بات کی تھی۔ کم از کم نوے فیصد ارکان اسی بنیاد پر منتخب ہوئے تھے۔ ہمارے جیسے لوگ چند تھے جنہوں نے کہا تھا کہ ہمارا کام سڑکیں بنوانا یا نالی بنوانا نہیں ہے بلکہ ہمیں قانون سازی کرنی ہے۔ ۱۹۷۳ء کا آئین بحال کرانا ہے۔ مارشل لاء کو ختم کرانا ہے۔ اگر ان ہی نکات پر حکومت کام کرتی تو مجھے توقع ہے کہ اب تک ایک اور انتخابات ہو چکے ہوتے۔ یہ کام دو یا تین سال سے زیادہ عرصہ نہیں لیتا اور اس کے نتیجے میں جمہوریت کا نظام بحال ہو جاتا۔ حکومت نے ایسا نہیں کیا بلکہ ایک پارٹی مسلم لیگ تشکیل دے دی ہے۔ مسلم لیگ کی جڑیں عوام میں تو نہیں ہیں اور نہ ہی لیگ نے پہلے کوئی معاشی یا سیاسی پروگرام بنایا تھا۔ لوگوں کو کچھ بتایا ہی نہ گیا تھا کہ لیگ کیا کام کرے گی۔ حکومت میں آنے کے بعد پارٹی تشکیل دی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایوان میں موجود ارکان کی وفاداریاں کسی پارٹی کے ساتھ نہیں ہیں بلکہ اپنی ذات کے ساتھ ہیں کسی اور کے ساتھ نہیں ہیں۔
سوال ۔ ایسی صورت حال میں کیا آپ کسی نئے مارشل لاء کے نفاذ کی توقع رکھتے ہیں؟
جواب۔ میرے خیال میں اگر
حکومت اسی طرح چلتی رہی، عدم کارکردگی اور عدم دلچسپی کا مظاہرہ کرتی رہی سوائے اس مقصد کے کہ اپنے آپ کو برقرار رکھنا اور قائم رکھنا جس طرح انتظامی صورت حال خراب ہو رہی ہے اس کے نتیجے میں دو سال کے اندر اندر ملک میں ایسے حالات پیدا ہو جائیں گے کہ لوگ خود کہیں گے کہ یہ حکومت ناکام ہو گئی ہے اور لوگ سوچنے لگیں گے کہ ایسے حالات کو فوج ہی بہتر کر سکتی ہے۔ ان حالات میں انتخابات کا انعقاد میرے خیال میں تو بہت مشکل ہو گا۔
سوال ۔ جس طرح کے حالات کے بارے میں آپ اندیشہ ظاہر کر رہے ہیں کیا آپ سمجھتے ہیں کہ فوج کو مداخلت کر کے حکومت پر قبضہ کر لینا چاہئے؟
جواب ۔ نہیں میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ فوج کو ٹیک اوور کر لینا چاہئے۔ اگر ٹیک اوور کرے گی تو پھر وہ ہی حالات ہوں گے جو دس سال قبل تھے۔ لیکن ہم حالات ایسے پیدا کر رہے ہیں کہ فوج کے جنرل مداخلت کریں۔ اب تو جنرل ضیاء آرام سے بیٹھے ہیں ان کے بارے میں کوئی کہہ رہا کہ موجودہ حالات کے ذمہ دار وہ نہیں بلکہ ذمہ داری تو جونیجو پر عائد کی جارہی ہے۔ پارلیمینٹ کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ کتنی خرابیوں نے جنم لیا ہے۔ امن و امان کی بگڑتی ہوئی صورت حال افراتفری

دیکھیں۔ جونیجو حکومت کو ان حالات کو بہتر کرنے کا موقع تو ملا ہے لیکن کر نہیں پا رہے ہیں۔ معاشی حالات اگر زیادہ بد تر ہوئے تو باہر بیٹھے ہوئے لوگ مداخلت کریں گے۔ ساؤتھ کوریا اور فلپائن کی صورت حال کو سامنے رکھ کر حالات کا جائزہ لیں۔ باہر کی قوتوں میں اتنا احساس پیدا ہو گیا تھا حالانکہ ہر قسم کے گروہ تھے لیکن ایک بات پر متفق تھے کہ ہمیں حکومت کو تبدیل کرنا ہے۔ فلپائن میں مارکوس کو کس طرح ہٹایا گیا۔ اسی طرح کے حالات ساؤتھ کوریا میں ہیں۔ دونوں جگہ پر ایک نکتہ پر ہر طبقہ میں اتفاق تھا کہ الیکشن کرانے ہیں۔ ہمارے ملک میں ایسی فضاء ابھی تک قائم نہیں ہو سکی ہے۔ سیاسی خلاء تو حکومت کے باہر بھی ہے۔ اگر سیاسی جماعتوں میں شعور ہوتا تو کیا جونیجو حکومت قائم رہ سکتی تھی۔ بجٹ میں کیا صورت حال پیدا ہوئی۔ کیا کبھی کسی ملک میں اس قسم کا انتشار پیدا ہوا ہے۔ اگر سیاسی جماعتیں ذرا بھی منظم ہوتیں تو کیا نتیجہ نکلتا۔ ان کے کسی عمل کے بغیر بجٹ کے خلاف ہڑتالیں ہوئیں۔ کوئی زیادہ قوت کا مظاہرہ نہیں کیا گیا لیکن حکومت نے بجٹ تبدیل کر دیا۔ اگر اس کے ساتھ ساتھ کسی سیاسی اتحاد کا مظاہرہ کیا جاتا اور مشترکہ حکمت عملی اختیار کی جاتی تو آپ دیکھتے کہ حکومت کس طرح چل سکتی۔ کبھی بھی قائم نہیں رہ سکتی تھی۔

سوال ۔ کیا پاکستان میں گزشتہ تین مارشل لاء کا نفاذ ان ہی حالات کی بناء پر ممکن ہوا یا کوئی اور وجہ بھی تھی؟

جواب ۔ صرف پاکستان کی بات نہیں ہے بلکہ تیسری دنیا کے ملک میں جہاں سیاسی ادارے کمزور ہو جاتے ہیں یا اپنے آپ کو کمزور کر لیتے ہیں اس کی وجہ کچھ بھی ہو یا ذمہ دار کوئی بھی ہو۔ آپ خواہ یہ کہیں کہ فوج ان اداروں کو مستحکم نہیں ہونے دیتی۔ بیورو کریسی کام نہیں کرنے دیتی۔ جب پاکستان قائم ہوا تھا اس وقت سیاست دانوں کو ایک حیثیت اور مقام حاصل تھا۔ ان کا دبدبہ تھا۔ لیکن وہ تنزلی کا شکار ہوتی گئی۔ انہوں نے اپنے مقاصد کے لئے دوسرے اداروں کو استعمال کیا۔ ان کے درمیان کوئی ہم آہنگی نہیں تھی۔ نتیجتاً کوئی ادارہ صحیح خطوط پر استوار نہیں ہو سکا۔ مملکت چلانے کے لئے کوئی اصول تشکیل نہیں دئے گئے۔ اس کے بعد خود ان لوگوں نے پولیس اور سول سروسس کو استعمال کیا۔ پہلے سول سروس کے لوگ جیسے کے چوہدری محمد علی وغیرہ نے اہم حیثیت حاصل کر لی پھر پولیس کے بعض لوگوں نے بڑے بڑے مقام حاصل کر لئے۔ سرحد اور بلوچستان میں انسپکٹر جنرل پولیس گورنر مقرر ہوئے۔ پھر بات آگے بڑھی اور فوج نے مداخلت کی۔ دیکھیں سیاسی اتحاد کا مظاہرہ کرتے ہوئے سیاسی رہنماؤں کو بھی یہ دکھنا ہوتا ہے ثابت کرنا ہوتا ہے کہ مملکت چلانے کے کچھ اصول ہیں جن کے وہ تابع ہیں۔ ۱۹۷۲ء کے بعد جب ہم جنگ ہار چکے تھے۔ حالات نہایت مخدوش ہو چکے تھے۔ آپ کو فوج کو ایک مقررہ حد کے اندر رکھنا چاہئے تھا جیسا کہ ارجنٹائن میں ہوا۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔

سوال ۔ آپ کا مطلب یہ ہے کہ بھٹو صاحب فوج کو ایک مقررہ حد کے اندر نہیں رکھ سکے؟

جواب ۔ جی ہاں نہیں رکھ سکے کیونکہ انہیں استعمال کیا گیا۔ بلوچستان میں فوج کو استعمال کیا گیا۔ اس حد تک استعمال کی گیا ہے کہ بات معمول کی حد سے باہر چلی گئی۔ اس کے بعد ملک میں خانہ جنگی پیدا ہوئی۔ سیاسی طور پر ایک بد نظمی نے جنم لیا جس کا اختتام پھر فوج کو طلب کرنے پر ہوا۔ مارشل لاء نافذ کرنے کی باتیں شروع ہو چکی تھیں۔ آپ ایک دفعہ مارشل لاء نافذ کرنے کی بات شروع کر دیں خواہ چند شہروں میں ہی نافذ کیا جائے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ سیاسی طور پر آپ ناکام ہو چکے ہیں۔ اس طرح کہ جب سیاسی راستے بند ہو جاتے ہیں یا ناکام ہو جاتے ہیں تو پھر آپ کو لڑائی لڑنی پڑتی ہے۔ مذاکرات کے دروازے بند ہوتے ہی راستہ میدان جنگ کی طرف کھل جاتا ہے۔

سوال ۔ لیکن خان صاحب ۱۹۶۹ء میں گول میز کانفرنس ہو رہی تھی اس وقت مارشل لاء نافذ کرنے کا کیا جواز تھا؟

جواب ۔ دیکھیں اس وقت ایوب خان نے واضح اعلان کیا تھا کہ وہ آئندہ صدارت کے امیدوار نہیں ہیں لیکن آپ بتائیں کیا اس وقت سیاسی رہنماؤں کے درمیان کوئی ہم آہنگی تھی۔ ؟انہوں نے کسی سیاسی اتحاد کا مظاہرہ کیا تھا؟ پس پردہ یحییٰ خان سے کوئی بات چیت کر رہا تھا؟ یہ تمام سیاسی رہنما پس پردہ یحییٰ خان سے بھی بات چیت کر رہے تھے۔ ہر ایک اپنے لئے بہتر راستے (بیٹر ڈیل) کی تلاش میں تھا۔

سوال ۔ کیا آپ کا یہ مطلب ہے کہ نواب زادہ نصر اللہ خان ولی خان...... ؟

جواب ۔ بھئی میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ کون تھے لیکن یہ کہہ رہا ہوں کہ یونیٹی نہیں تھی۔ سوال یہ ہے کہ جب یحییٰ خان نے مارشل لاء نافذ کر دیا تو پھر سب خاموش کیوں ہو گئے تھے۔ وہ ہی بنگال تھا جہاں ایوب کے خلاف بہت کچھ ہو رہا تھا لیکن یحییٰ کے آتے ہی بات دوسرے روز ختم ہو گئی۔

سوال ۔ کیا لوگوں کو مارشل لاء کے نفاذ کی مزاحمت کرنی چاہئے تھی؟

جواب۔ جب ہاں۔ انہیں مزاحمت کرنا چاہئے تھی لیکن وہ مزاحمت قومی سطح کی ہوتی۔ میرا مطلب ہے "نیشنل ریزسٹنس" آج صورت حال دیکھیں کراچی میں جو کچھ ہو رہا ہے ملک کے دوسرے حصوں کے لوگوں کو کوئی فکر نہیں ہے۔ سندھ میں کیا کچھ ہو رہا ہے لیکن بقایا ملک کے لوگ خاموش ہیں۔ پنجاب میں کسی ایک جگہ کچھ ہوتا ہے لیکن باقی حصے خاموش رہتے ہیں۔ ایوب خان کے خلاف پورے ملک میں ایک فضاء تیار کی گئی تھی۔ ایک ماحول بنایا گیا تھا۔ اس وقت بھی تو سیاسی رہنما تھے۔ وہ باہر نہیں آئے تھے لیکن انہوں نے ماحول بنا دیا تھا کہ ایوب خان کو دست بردار کرانا ہے۔ اسی طرح بھٹو کے معاملے میں ہوا لیکن ایوب اور بھٹو کے اقتدار سے علیحدہ ہوتے ہی ان کے درمیان نفاق "ڈس انٹیگریشن" پیدا ہو گیا۔

سوال ۔ آپ کے خیال میں ایسا کیوں ہوتا ہے کہ اقتدار سے ہٹانے کے لئے تو پوری قوم متحد ہو جاتی ہے لیکن صاحب اقتدار کی علیحدگی کے بعد پھر اتحاد کا مظاہرہ نہیں کیا جاتا ہے۔ آخر اس منفی انداز فکر کی وجہ کیا ہے؟

جواب ۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ پاکستان قائم کرنے کے لئے ہم نے یعنی موجودہ پاکستان میں شامل علاقے کے لوگوں نے کوئی خاص نقصان نہیں اٹھایا ہے' کوئی قربانیاں نہیں دی ہیں۔

سوال ۔ کیوں ملک کو بڑی قربانیوں کے بعد بنایا ہے؟

جواب ۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ آج کے پاکستان میں شامل علاقے یا بنگال کے لوگوں نے کیا قربانیاں دی تھیں۔ جو بھی مار دھاڑ ہوئی جو بھی جانی اور مالی قربانیاں دی گئیں وہ تمام کی تمام ان علاقوں کے لوگوں نے دیں جو آج بھارت کے حصے ہیں۔ اس کے بعد سے ہم ایک soft living میں رہ رہے ہیں کوئی اجتماعی قربانیاں دینے کا مرحلہ نہیں آیا ہے اس لئے عادت پڑ گئی ہے کہ حالات تو ایسے ہی چلتے رہیں گے۔ دوسری بات یہ کہ ملک میں عام زندگی ماضی کے کل سے بہتر رہی ہے۔ وجہ کچھ بھی ہو کل کے مقابلے میں آپ آج بہتر ہیں۔ اس کی وجہ ایک یہ ہے کہ لوگ بیرون ملک ملازمتیں کر رہے ہیں اب تین ہزار کروڑ سے زیادہ روپیہ باہر سے آرہا ہے۔ غریب آدمی زیادہ باہر جاتے ہیں وہ جو روپیہ کما کر بھیج رہا ہے اس سے عام زندگی میں فرق پڑا ہے۔ آج جو خوشحالی ہے اسکی ۸۰ فیصد وجہ وہ کمائی ہے۔ اس کے بعد اسمگلنگ وغیرہ ہے۔ پھر بیرونی امداد ہے وہ حکومت کو چلاتی ہے۔ حکمرانوں کو خوش رکھتی ہے۔ پھر ہمارے لوگوں میں entrepreneurship بہت زیادہ ہے۔ انفرادی طور پر ہم لوگ بہت "کیپ ایبل" لوگ ہیں۔ ان حالات کی وجہ سے حکومت اور سیاسی رہنما سمجھتے ہیں کہ سب کچھ ٹھیک ہے۔ پرواہ نہیں بات چلتی رہے گی۔

سوال ۔ ملک میں مارشل لاء کے آئندہ نفاذ کو کس طرح روکا جاسکتا ہے؟

جواب ۔ کوئی ایک عمل یا قدم ممکن نہیں ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ فوج کو پالش کریں۔ میں کہتا ہوں کہ کیسے کریں گے۔ بھئی کسی کو تو امن وامان یا ملک کی حفاظت کا کام کرنا ہے۔ جب آپ ایک آدمی کو بندوق دیتے ہیں تو آپ "پاور" دیتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ اسے ایسے استعمال نہیں کرنا ہے تو پھر وہ گھر میں ہی بیٹھ جائیں۔ سیاسی ادارہ کو مستحکم کرنا ہو گا۔ اس ملک میں کوئی کسی کی پرواہ نہیں کرتا ہے۔ ملک میں ناخواندگی کی شرح دیکھیں۔ اسی فیصد یا اس سے زائد لوگ ناخواندا ہیں۔ اتنے بڑے طبقے نے کئی بار دیکھا ہے کہ انہوں نے حکومت تبدیل کرادی ہے لیکن حکومت کر نہیں سکتے ہیں وہ ہی پانچ دس فیصد مراعات یافتہ طبقہ کے لوگ حکومت پر قابض ہو جاتے ہیں۔ کوئی بھی ہو۔ یحییٰ ہو' بھٹو ہو یا ضیاء ہو ماحول اور پس منظر ایک ہی رہتا ہے۔ اگر یہی صورت حال

اس کے برعکس ہوتی یعنی اسی فیصد لوگ خواندہ ہوتے تو پھر ماحول ' حالات یکسر مختلف ہوتے۔ میرا تو خیال ہے کہ لوگ اب لاتعلق ہو چکے ہیں انہیں کوئی دلچسپی نہیں ہے بس ایک ہی دلچسپی ہے کہ پیسہ بناؤ۔ اوپر والے بنا رہے ہیں تو ہم کیوں نہیں بنائیں۔ اس وقت تک تو بنائیں جب تک پکڑے نہیں جاتے۔ مطلب یہ کہ انفرادی طور پر ہر شخص انفرادی خوشی کے لئے دوڑ رہا ہے اور کچھ پرواہ نہیں ہے۔

سوال ۔ میں یہ بات معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اگر ناخواندگی ہے اگر وہ سارے عوامل ہیں جن کا آپ نے ذکر کیا تو اس صوت میں مارشل لاء کے نفاذ کو روکنے کے لئے کیا کرنا چاہئے؟

جواب ۔ بھئی یہی بات کہہ رہا ہوں کہ جب تک کوئی ٹھیک حکومت آکر معاملات کو شروع کرے۔ یہ ایک دو سال کا عمل نہیں ہے کم از کم پندرہ بیس سال درکار ہوں گے۔ ساؤتھ کوریا کی مثال لے لیں۔ وہ قوم ہمارے بہت بعد آزاد ہوئی ان کے حالات ہمارے حالات سے ملتے جلتے تھے۔ شرح خواندگی بھی اتنی ہی تھی۔ لیکن آج وہ قوم کہاں کھڑی ہے۔ پہلے انہوں نے اپنی معاشرے کو درست کیا ہے۔ اب قوم جمہوریت مانگ رہی ہے۔ یہی چین میں ہو رہا ہے یہی روس میں ہو رہا ہے۔ جب قوم میں شرح خواندگی بڑھ جاتی ہے تو "ویژن" بھی بڑا ہو جاتا ہے عام آدمی بھی "ایمبیشن" ہو جاتا ہے وہ تہہ میں (پستی میں) میں رہنا نہیں چاہتا ہے وہ بھی اوپر کی طرف جانا چاہتا ہے پھر اس کے سیاسی مطالبات جنم لیتے ہیں۔ اسی لئے شرح خواندگی بڑھانا بنیادی کام ہے اس لئے کم از کم دس پندرہ سال درکار ہوں گے۔ وہ بھی کسی سیاسی عمل کے تحت ہو گا۔ حکومت کچھ دے تو سہی۔ یہاں تو کسی کو شوق ہی نہیں ہے۔ فکر ہی نہیں ہے۔ کیونکہ حکومت چل رہی ہے بدقسمتی سے ہم شدید بحران کی طرف جا رہے ہیں۔ ہم دنیا میں غالباً دو تین ممالک میں ایک ہیں جہاں شرح خواندگی کم ہو رہی ہے۔ گزشتہ بیس سال میں ہم نے تعلیم کے میدان میں بہت نقصان اٹھایا ہے اس میں اعلیٰ تعلیم اور پرائمری تعلیم دونوں شامل ہیں۔ یہ اپنے اعتبار کی واحد مثال ہے۔ لیکن قوم کو اس کی قیمت تو ادا کرنا پڑے گی۔ اس کے نقصانات بھگتنے تو پڑیں گے۔

سوال ۔ ۱۹۷۳ء کے آئین میں دئے گئے کلاز چھ کے باوجود قوم مارشل لاء کے نفاذ کو روکنے میں کیوں ناکام رہی؟

جواب ۔ بھئی کیسے روک سکتے ہیں جب تک کوئی عمل نہ ہو۔ میں اس کی مثال اس طرح دوں گا کہ سیلاب وغیرہ کو روکنے اور پانی کا ذخیرہ کرنے کے لئے ایک ڈیم تعمیر کرتے ہیں لیکن تعمیر کے بعد یہ دیکھتے ہی نہیں کہ کٹاؤ کہاں سے ہو رہا ہے اور وہ کٹاؤ ہوتے ہوتے شگاف پڑ جاتا ہے لیکن ڈیم تو بہہ جائے گا آئین میں کلاز تو درج کر دی گئیں لیکن اس سلسلے میں عملی اقدامات نہیں کئے گئے۔ آپ یہ چاہتے ہیں کہ کوئی فوجی مداخلت نہ کرے اور اقتدار پر قبضہ بھی نہ کرے۔ مثلاً ایوب خان کہتا کہ میں اقتدار پر قابض ہونا نہیں چاہتا ہوں اور اسی طرح دوسرے لوگ۔ یہ تو آپ کسی سپرمین

کی توقع کر رہے ہیں جو یہ محسوس کرے کہ اس کے فرائض کیا ہیں۔ اس قسم کے آدمی کی توقع کرنا عبث ہے لیکن یہاں تو اقتدار پر قبضہ کرنے والے لوگ اس قسم کے نہیں ہیں۔

سوال ۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ نہ تو شرح خواندگی میں اضافے کے لئے اقدامات کئے جا رہے ہیں اور نہ ہی کوئی معجزہ ہوگا تو کیا یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا؟

جواب ۔ میرا خیال ہے کہ صورت حال روز بروز ابتر ہوتی جائے گی۔ آپ لوگوں سے ملیں وہ یہی کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے۔ وہ چالیس سال سے اسی صورت حال میں گزارہ کر رہے ہیں۔ لوگ اپنے وسائل سے تجاوز کر کے زندگی گزارنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ کب تک یہ صورت حال چلے گی۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم چالیس سال سے یہ سن رہے ہیں کہ پاکستان موجود نہیں رہ سکتا لیکن ہم لوگ مطمئن زندگی گزار رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ جب تک قوم کو کوئی دھچکا نہیں لگے گا وہ نہیں سدھرے گی۔

سوال ۔ کیا آپ سمجھتے ہی کہ دھچکے کی صورت میں ہمارا وجود بھی خطرے میں پڑ سکتا ہے؟

جواب ۔ بالکل۔ کیوں نہیں۔ ہم نے آدھا ملک بہر حال گنوا ہی دیا۔ آج تک جو ملک بنتے رہے ہیں۔ وہ قائم رہتے ہیں۔ لیکن ہمارا آدھا ملک جدا ہو گیا۔ ملک ٹوٹ گیا کسی کو پرواہ نہیں ہے۔ جو لوگ المیہ کے ذمہ دار تھے ان سے کسی نے کچھ نہیں پوچھا۔ جتنے جنرل ذمہ دار تھے وہ تمام کے تمام باعزت طور پر ریٹائر کر دئے گئے اور اب بھی حالات مختلف نہیں ہیں۔ کوئی سیاسی نظام نہیں ہے۔ فوج پر جتنی رقم خرچ کی جا رہی ہے وہ ہماری قوت برداشت سے بہت زیادہ ہے ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء میں صورت حال آپ دیکھ چکے ہیں اب بھی لوگ اس وقت کے لوگوں سے مختلف نہیں ہیں پھر کیا توقع کی جا سکتی ہے۔

سوال ۔ ۱۹۷۱ء کے المیہ کا ذمہ دار آپ جنرلوں کو قرار دیتے ہیں؟

جواب ۔ نہیں جی سب کو سمجھتے ہیں لیکن جو انچارج ہے اس پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ہم نے جنگ کی تھی۔ فوج نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس کی کیا وجہ تھی۔ کون ذمہ دار تھا۔ کوئی تو ذمہ دار ہوگا۔ ہر لڑائی کے بعد کچھ نہ کچھ پوچھا جاتا ہے کہ آخر ہم کیوں اس خراب طریقے سے لڑے تھے۔ ۱۹۶۲ء میں جب بھارت اور چین کی جنگ ہوئی تھی تو بھارت میں تو بڑے سخت اقدامات اٹھائے گئے تھے اور نتیجہ میں کئی لوگوں کو جانا پڑا تھا۔ ارجنٹائن میں پوری فوج کو sack کر دیا گیا اور اسی طرح کئی دوسرے ممالک میں اس قسم کی مثالیں موجود ہیں۔

سوال ۔ لیکن ہمارے ملک میں تو عام تاثر یہ دیا گیا کہ اس جنگ کا نتیجہ اسی صورت میں نکلنا تھا؟

جواب ۔ تو بھئی جنگ کیوں لڑی تھی۔ اگر یہی نتیجہ نکلنا تھا تو پھر آپ اس میں ملوث کیوں ہوئے۔ بعد میں کوئی سبق سیکھتے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اگر اس صورت حال کا بھرپور جائزہ لیا جاتا اور جو لوگ ذمہ دار قرار پاتے ان کے خلاف اقدامات کئے جاتے تو شائد ۱۹۷۷ء میں مارشل لاء نافذ

ایئر مارشل نور خان   پرواز کی تیاری

نہیں ہوتا۔ ضیاء الحق ایسا قدم اٹھانے سے پہلے بہت اچھی طرح نتائج کے بارے میں سوچتے۔ لیکن وہ تو سوچتے ہیں کہ ان سے پہلے کے لوگوں کا کچھ نہیں ہوا سوان کا بھی کچھ نہیں ہو گا اور کیوں نہ سوچیں۔ جنرل یحییٰ اور جنرل نیازی وغیرہ سب باعزت ریٹائر کئے گئے۔

(یہ انٹرویو یکم جولائی ۱۹۸۷ء کو اسلام آباد میں کیا گیا)

"...... لیکن نواب زادہ نصر اللہ خان نے سبوتاژ بھی کیا ہے۔ کبھی کوئی کامیابی حاصل کی ہے؟ .... بے نظیر اپنے باپ کے نام پر سیاست کر رہی ہے۔"

امیر عبداللہ خان نیازی

لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) سابق سربراہ سابق ایسٹرن کمانڈ (حال بنگلہ دیش)' سربراہ' مسلم لیگ (قیوم خان گروپ)

ٹائیگر نیازی' وہ الفاظ تھے جو غیر ملکی ذرائع ابلاغ میں ۱۹۷۱ء میں کثرت سے شائع اور نشر ہو رہے تھے پاکستانی قوم کو دلاسہ دیا جا رہا تھا کہ حکومت نے ٹائیگر نیازی کو مشرقی پاکستان کے محاذ پر مقرر کر دیا ہے گویا جنگ میں کامیابی پاکستان کا مقدر بن چکی ہے لیکن پھر اسی ٹائیگر نیازی نے' جن کا نام امیر عبداللہ خان نیازی ہے۔ سقوط ڈھاکہ کی دستاویز پر دستخط کر کے صرف پاکستان کی تاریخ میں نہیں بلکہ دنیا میں مسلمانوں کی تاریخ میں ایک ایسا باب رقم کر دیا جو رہتی دنیا تک مسلمانوں کے لئے کلنک کا ٹیکہ کہلائے گا۔ دنیائے اسلام کے سب سے بڑے ملک' پاکستان' کی افواج نے ان ہی کی "قیادت" میں مسلمانوں کے ازلی دشمن کے سامنے ۱۶ ر دسمبر ۱۹۷۱ء کو مسجدوں کے شہر' ڈھاکہ' کے پلٹن میدان میں ہتھیار ڈالے تھے جس کے نتیجے میں پاکستان دولخت ہوا اور ۹۳ ہزار فوجی اور سول ملازمین بھارت کے جنگی قیدی قرار پائے تھے۔ پاکستان کی تاریخ کے کئی اہم واقعات پر جس طرح آج تک پردہ پڑا رہنے دیا گیا ہے اسی طرح سقوط ڈھاکہ کے اسباب اور عوامل کو عوام سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ ملک ٹوٹ گیا لیکن ہتھیار ڈالنے والے جنرل آزادی کی فضاء میں سانس لیتے رہے۔ حد تو یہ ہے کہ اپنی پیشہ وارانہ ذمہ داریوں میں ناکامی کا برملا اعتراف کرنے کی بجائے سیاست کرنے کے لئے میدان میں کود پڑے۔ سقوط ڈھاکہ کا المیہ رقم کرنے والے آج بھی اپنی

امیر عبداللہ خان نیازی

ناکامیوں پر پشیمان نہیں ہیں۔ آج بھی انہیں زعم ہے کہ وہ عوام اور ملک کے "ہیرو" ہیں۔ ہتھیار ڈالنے ملک ٹوٹنے اور جنگی قیدی بن جانے کے بعد بھی ہیرو کہلانے کا ضبط نا معلوم کن اسباب پر ہے۔ جنرل نیازی نے اپنی گفتگو کے دوران کئی مرتبہ ٹیپ ریکارڈر کو بند کرایا لیکن ہر بار گفتگو کا رخ موڑتے رہے۔ ہر سوال کے جواب میں یہی کہا کہ اس بات کا ذکر میں اپنی کتاب میں کروں گا۔ ہر سوال پر انہوں نے رائے زنی کی کہ یہ سوال کتاب کے سب جیکٹ سے ہٹ کر ہے۔ میں انہیں کس طرح بتاتا کہ کتاب کا سب جیکٹ بنیادی طور پر ان کے پیشے سے تعلق رکھتا ہے۔ جاہ پسندی اور طالع آزمائی ہی وہ بنیادی اسباب تھے جن کی وجہ سے دنیا کا سب سے بڑا اسلامی ملک دولخت ہو گیا تھا۔ ۷۱ء رسالہ جنرل نیازی آج کل سیاست پر کم اور زراعت پر زیادہ توجہ دے رہے ہیں۔

علی حسن ۔ ان عوامل پر روشنی ڈالئے جو مارشل لاء کے نفاذ کا سبب بنتے ہیں۔

جنرل امیر عبداللہ خان نیازی۔ پہلی بات یہ ہے کہ مارشل لاء ایک لعنت curse ، ہوتی ہے۔ اللہ ہر ملک کو اس سے محفوظ رکھے یہ ملک کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔ ویسے ملک کے اندرونی حالات مارشل لاء کے نفاذ کا بنیادی سبب بنتے ہیں۔ ہمارے ملک کی بدقسمتی یہ رہی ہے کہ جو بھی آتا ہے وہ الیکشن کرا کے جانے کے بارے میں نہیں سوچتا ہے بلکہ اپنے اقتدار کو طول دینے کے طریقے پر غور کرتا ہے۔ بس ایک ہی خواہش ہوتی ہے کہ اپنے اقتدار کو کس طرح طول دیا جائے۔ وہ سہارے تلاش کرتے ہیں اور فوج کا سہارا بھی لیا جاتا ہے۔ اسکندر مرزا نے اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے ایوب خان سے ساز باز کی پہلے ایوب خان نے انکار کیا لیکن بعد میں اس سے تعاون کیا۔ ہر مارشل لاء کی پشت پر اقتدار میں آنے اور حکومت کرنے کی خواہش رہی ہے۔ مصر میں کیا ہوا تھا۔ جنرل نجیب کو آگے لائے تھے لیکن کرنل ناصر نے اسے نکال کر باہر کر دیا۔ اسی طرح بن بیلا بومدین کو لایا تھا لیکن بومدین نے بن بیلا کو اپنے راستے سے ہٹا دیا۔ پھر یہ خواہش آگے چلتی ہے۔ ایک شخص دوسرے کو اپنے راستے سے ہٹا کر اقتدار پر بلا شرکت غیرے قبضہ کر لیتا ہے۔ لیکن وہ مارشل لاء اس نیت سے نہیں لگاتا ہے کہ ملک میں حالات درست کر دے اور چلا جائے بلکہ وہ تو اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے ایسے طریقے اختیار کرتا ہے جیسے میں نے کہا کہ ملک کے اندر حالات درست ہوں۔ اگر سویلین صحیح طریقے سے حکومت کریں اپنی مدت ہونے پر انتخاب کرا دیں تو مارشل لاء نہیں لگے گا۔

سوال ۔ مارشل لاء نافذ کرنے والی قوت (اپنے آپ کو اس بات کی مجاز کیوں تصور کرتی ہے کہ سویلین صحیح طریقے سے حکومت نہیں کر رہے ہیں اور مارشل لاء کیوں نافذ کر دیا جاتا ہے؟

جواب ۔ فوج کو بلایا جاتا ہے۔ ایوب خان کو بلایا گیا تھا۔ وہ خود نہیں آیا تھا۔ اسکندر مرزا نے

دو تین دفعہ بلایا تھا اور اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ مارشل لاء نافذ کر دو۔ جب مارشل لاء نافذ ہو گیا اور ایوب خان چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر بن گیا تو پھر وہ نمبر ایک بن گیا۔

سوال ۔ یہ تو آپ کہتے ہیں کہ اسکندر مرزا نے بلایا تھا لیکن شواہد تو یہ ہیں کہ ایوب خان کی خواہش تھی کہ ملک پر حکومت کریں؟

جواب ۔ آپ خواہش کی بات کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ایوب خان کو بہت پہلے کہا گیا تھا کہ مارشل لاء نافذ کر دیں اور بار بار دعوت دیتے رہے وہ انکار کرتا رہا۔ لیکن بہت بعد میں وہ آیا۔ پھر اسکندر مرزا اسے نکالنا چاہتے تھے۔ لیکن اس نے اسکندر مرزا کو نکال دیا۔ ایوب نے البتہ غلطی کی کہ مارشل لاء کو طول دیتا گیا۔ جونہی حالات بہتر ہوئے تھے انتخابات کرا کے اقتدار سول حکومت کو منتقل کر کے چلا جاتا تو بہت اچھا ہوتا۔ اسی طرح ایوب خاںن کو حکومت یحییٰ خان کے حوالے نہیں کرنی چاہئے تھی۔ لیکن اس میں ایوب کو قصور وار نہیں ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ جب اس نے گول میز کانفرنس بلائی اور اعلان کیا کہ وہ حکومت سے دستبردار ہو رہا ہے اور انتخابات کرائے جائیں تو بھٹو اور بھاشانی نے کانفرنس کا بائیکاٹ کر دیا۔ دولتانہ نے مجیب کے چھ نکات کی حمایت کر دی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کانفرنس ناکام ہو گئی۔ اگر کانفرنس کامیاب ہو جاتی اور انتخابات ہو جاتے تو یحییٰ خان کا مارشل لاء نہیں آتا۔

سوال ۔ یحییٰ خان کے مارشل لاء کے وقت آپ کا کیا عہدہ تھا؟

جواب ۔ میں بریگیڈیئر تھا۔ جب مارشل لاء ہٹا تو میں جنرل تھا۔ ایوب کے مارشل لاء کے وقت کرنل تھا بعد میں بریگیڈیئر کے عہدے پر ترقی پا گیا تھا۔ ہاں بات یہ ہو رہی تھی کہ اگر بھٹو بھاشانی اور دولتانہ اپنا کردار صحیح طریقے سے ادا کرتے جو گول میز کانفرنس ہو رہی تھی اسے کامیاب کرتے پھر الیکشن ہوتے تو پھر یحییٰ خان کو مارشل لاء نافذ کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ اب آپ دیکھیں کہ پہلی مرتبہ سویلین نے خود فوج کے سربراہ کو دعوت دی۔ دوسری دفعہ جب فیلڈ مارشل جانا چاہتا تھا تو سیاست دانوں نے sabotage کر دیا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک فوج کے سربراہ کو دعوت نہ دی جائے مارشل لاء نافذ نہیں ہو سکتا ہے۔ چوتھا مارشل لاء بھی اسی طرح نافذ ہوا۔ بھٹو نے پہلے تو عوامی لیگ کو اقتدار منتقل نہیں ہونے دیا۔ ملک کو داؤ پر لگا دیا پھر خود اپنی حکومت آئی تو اسے طول دینے کا راستہ اختیار کیا۔ الیکشن میں دھاندلی ہوئی۔ بہت گڑبڑ ہوئی۔ جنرلوں کو ہر کانفرنس میں ساتھ بٹھاتا تھا اس کا مقصد سویلین کو دھمکانا ہوتا تھا لیکن جنرلوں نے محسوس کر لیا کہ اب بھٹو کمزور ہو گیا ہے۔ ہماری مدد کے بغیر چل نہیں سکتا۔

سوال ۔ آپ کا مقصد یہ ہے کہ کمانڈروں نے یہ محسوس کر لیا تھا؟

جواب ۔ صرف کمانڈروں ہی نے نہیں بلکہ پوری فوج نے محسوس کیا کہ اب اسے فوج کے سہارے کی ضرورت ہے۔ قانوناً اسے صرف کمانڈر انچیف کو بلانا چاہئے تھا۔ کیونکہ جو کچھ کمانڈر

انچیف کرتا اور کہتا ہے فوج اسی پر عمل کرتی ہے۔ کوئی انکار نہیں کر سکتا ہے۔ لیکن اس سے دو تاثر پیدا کرنا مقصد تھا۔ پہلا یہ کہ سویلین پر یہ تاثر دینا تھا کہ فوج بھی اس کے ساتھ ہے دوسرا یہ کہ کمانڈر انچیف کی پوزیشن کو متاثر کرنا تھا کہ وہ تنہا نہیں بلکہ اس کے ساتھ اس کے کور کمانڈر بھی بیٹھے ہیں۔ حالانکہ کور کمانڈروں کو کانفرنس میں موجود رہنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ بھٹو نے بھی اسی غلطی کا اعادہ کیا کہ اپنی مدت بڑھانے کے لئے فوج کا سہارا لیا۔ جب مذاکرات کر رہا تھا تو اس کے ذہن میں یہ بھی تھا کہ میں اس طرح فوج کو دبا دوں گا۔ لیکن جب انہوں نے محسوس کر لیا تو انہوں نے دبنے سے قبل ہی اسے دبا دیا۔

سوال ۔ آپ نے ابھی کہا تھا کہ بھٹو نے عوامی لیگ کی حکومت کو اقتدار میں نہیں رہنے دیا۔ سوال یہ ہے کہ عوامی لیگ کی تو حکومت قائم ہی کب ہوئی تھی۔ ؟

جواب ۔ جب عوامی لیگ نے انتخابات میں اکثریت حاصل کر لی تھی تو انہیں اقتدار منتقل ہونا چاہئے تھا۔ بھٹو نے پہلے تو یحییٰ سے ساز باز کر کے اسمبلی کے سیشن کو ملتوی کرایا پھر فوج سے کارروائی کرائی۔ بھٹو کو اقتدار اس وقت تک مل ہی نہیں سکتا تھا جب تک مشرقی پاکستان علیحدہ نہ ہوتا۔

سوال ۔ آپ کے خیال میں جو لوگ یعنی جنرل یحییٰ ' جنرل یعقوب ' آپ خود ' جنرل حمید وغیرہ جو حکومت کر رہے تھے اس ساری صورتحال کے ذمہ دار نہیں تھے۔

جواب ۔ نہیں ' حکومت بنائی جاتی ہے۔ حالات پیدا کئے گئے تھے۔ حکومت بنانے کے لئے حالات پیدا کئے گئے تھے ' انتخابات کرائے گئے تھے۔ جب عوامی لیگ اکثریت میں آ گئی تھی تو انہیں اقتدار منتقل کر دیا جانا چاہئے تھا۔ جب کوئی جنرل صدر مقرر ہو جاتا ہے تو اس کے پاس سول کے اختیارات تو ہوتے ہیں فوجی اختیارات نہیں رہتے۔ ہمارا حکومت میں کوئی عمل دخل نہیں تھا بلکہ بھٹو حکومت میں شامل تھا۔

سوال ۔ بھٹو صاحب تو آخری دنوں میں یحییٰ حکومت میں شامل ہوئے تھے؟

جواب ۔ اس سے پہلے بھی حکومت کے قریب تو تھا۔ بھٹو نے سویلین کی حیثیت میں یحییٰ سے تعاون کیا تھا۔ دوسری بات یہ کہ مارشل لاء نافذ ہونے کے بعد اگر یہ سیاست دان فوجی کمانڈر کی مدد نہ کریں ' تعاون نہ کریں تو وہ کسی حالت میں بھی حکومت نہیں چلا سکتا ہے۔ یہ سیاست داں فوجی کی مدد کو پہنچ جاتے ہیں۔ جیسے جماعت اسلامی نے یحییٰ کی حکومت کو جائز قرار دیا پھر اس کی حکومت میں وزارتیں بھی لیں میرا خیال ہے کہ اگر سویلین تعاون نہ کریں تو فوجی حکومت نہیں چلا سکتے ہیں۔ لیکن یہ تعاون کے بدلے میں ان کے ساتھ اقتدار میں شرکت کرتے ہیں۔

سوال ۔ آخر سویلین فوجیوں سے تعاون کیوں کرتے ہیں۔ ؟

جواب ۔ ان کے پاس ضمیر نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ خود غرض ہیں۔ ضمیر نہیں ہے ذاتی مفاد

کو قومی مفاد پر فوقیت دیتے ہیں۔

سوال ۔ جنرل کی ضرورت نہیں ہوتی ہے کہ سویلین اس سے تعاون کریں۔ ؟

جواب ۔ وہ تو مانتے اور جانتے ہیں کہ سویلین کے تعاون کے بغیر کاروبار حکومت نہیں چلا سکتے ہیں ان کو حکومت کرنے کا کوئی تجربہ نہیں ہوتا ہے انہیں تعاون درکار ہوتا ہے۔ لیکن آپ کہہ رہے ہیں کہ مارشل لاء نافذ ہوتا ہے اور برقرار رہتا ہے تو اس کے جواب میں میں کہہ رہا ہوں کہ سویلین مخلص نہیں ہیں۔ وہ ہر حال میں اقتدار چاہتے ہیں خواہ کسی طریقے سے بھی ملے۔ کوئی کردار نہیں ہے۔ اور جو بھی آتا ہے اس کی مدد کے لئے پہنچ جاتے ہیں۔

سوال ۔ جب فوج اقتدار پر قابض ہو جاتی ہے تو جنرل اپنی حکومت کو جائز قرار دلانے کی کوشش میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ ؟

جواب ۔ کرتے ہوں گے۔ بالکل ٹھیک ہے میں بھٹو کی مثال دیتا ہوں اس نے سویلین مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر بننا کیوں قبول کیا تھا۔ وہ بھی جمہوریت کے چیمپئن تھے یہ کمزوری تو ہر ایک میں ہوتی ہے۔ ہر شخص اپنی حکومت کو مضبوط اور مستحکم کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ یہ چاہتے ہیں کہ کوئی ان کی حکومت کی حیثیت کو چیلنج نہ کرے۔

سوال ۔ جب یحییٰ خان کا مارشل لاء نافذ ہوا تھا تو آپ کے کیا اثرات تھے۔ ؟

جواب ۔ میں نے پہلے کہا ہے کہ مارشل لاء خدا کا curse ہے۔ وہ نہیں آنا چاہئے تھی۔ لیکن مارشل لاء تھونپا گیا۔ میں نے کہا تا کہ اگر گول میز کانفرنس کامیاب ہو جاتی تو مارشل لاء نافذ نہیں ہوتا حالانکہ فیلڈ مارشل نے ہمت کی تھی، کوشش کی تھی کہ انتخابات ہو جائیں اور سول حکومت قائم ہو جائے۔ یحییٰ خان کو مجبوراً آنا پڑا تھا۔

سوال ۔ کہا جاتا ہے کہ یحییٰ خان کی بھی خواہش تھی وہ بھی مجبوراً نہیں آئے تھے؟

جواب ۔ ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے۔ اگر گول میز کانفرنس کامیاب ہو جاتی اور انتخابات ہو جاتے تو یحییٰ خان کیا کر سکتا تھا۔ وہ تو اسی صورت میں ہوا جب انتخابات نہیں ہوئے اور گول میز کانفرنس کو ناکام کر دیا گیا۔ جہاں تک خواہش کا تعلق ہے تو خواہش تو ہوتی ہے اور اس کی خواہش تھی۔ لیکن جب تک اسباب پیدا نہ کئے جائیں۔ اسباب پیدا ہوتے ہیں تو خواہش رکھنے والے لوگ اپنے مقصد کے حصول کے لئے سرگرم ہو جاتے ہیں۔ یحییٰ نے بھٹو بھاشانی سب کو استعمال کیا تھا۔ ان کی ہمت افزائی کی تھی اگر سویلین محب وطن ہوتے ملک کا کوئی درد ہوتا تو گول میز کانفرنس کو کامیاب کر کے ایوب خان سے نجات حاصل کر سکتے تھے بھٹو کے خلاف جب پاکستان قومی اتحاد تشکیل دیا گیا تو ایک ہی خواہش تھی کہ بھٹو کو اقتدار سے علیحدہ کر دیا جائے حالانکہ اتحاد میں مختلف نظریات کی حامل سیاسی جماعتیں شامل تھیں۔ ایوب کے آخری دور میں بھی ایسا ہی کیا جا سکتا تھا۔ لیکن انہوں نے نہیں کیا۔

سوال ۔ آپ نے کہا کہ یحییٰ خان نے بھٹو اور بھاشانی کو استعمال کیا تھا جب گول میز کانفرنس ہو رہی تھی تو کیا یحییٰ خان سے ان کی کوئی ملاقات ہوئی تھی؟

جواب ۔ ایسے معاملات ہمیشہ خفیہ رکھے جاتے ہیں۔ کوئی فوجی افسر سیاست دان سے کھلم کھلا ملاقات نہیں کرتا ہے۔ جب وہ وردی میں ایسا کرتا ہے تو وہ قصوروار ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں go-between ہوتے ہیں۔ وہ آتے جاتے ہیں۔ اور بات ہو جاتی ہے کہ بھائی خیال رکھنا کھلم کھلا کوئی ایسا نہیں کرتا ہے۔ مطلب کی بات یہ ہے کہ جب تک سویلین اپنی حکومت کو طول دینے کی کوشش نہ کریں۔ فوج کو مداخلت کی دعوت نہ دیں تو فوج مداخلت نہیں کرتی ہے۔

سوال ۔ اس صورتحال میں فوجی کی مداخلت سے نجات کس طرح ممکن ہے۔

جواب ۔ اس سلسلے میں صرف ہمارے سیاسی رہنما کردار ادا کر سکتے ہیں۔ وہ اخلاص کا مظاہرہ کریں۔ ذاتی مفاد پر قومی مفاد کو ترجیح دیں۔ انتخابات میں دھاندلی نہ کریں قوم سے جو وعدے وعید کرتے ہیں ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں اقتدار میں شریک ہونے کے لئے یا اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے جھوٹے سہارے تلاش نہ کریں۔

سوال ۔ آپ کے خیال میں ملک میں موجود سیاست دان مخلص نہیں ہیں۔

جواب ۔ دیکھیں جی ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ لیکن جب آپ اس ملک کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو اس ملک میں نمبردار وہ ہی بنے ہیں جو قیام پاکستان کے ہی خلاف تھے جمعیت علماء اسلام، جمعیت علماء ہند تھی یا نہیں۔ کیا یہ پاکستان کے قیام کے مخالف نہیں تھے۔ احراری خلاف نہیں تھے؟ عوامی لیگ خلاف نہیں تھی؟ سوائے مسلم لیگ کے سب خلاف تھے۔ بعد کی جماعتوں کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ جماعت اسلامی خلاف نہیں تھی؟ وہ لوگ جو قیام پاکستان کے خلاف تھے آج پاکستان میں کرتا دھرتا بنے ہوئے ہیں۔

سوال ۔ لیکن آپ جو کہہ رہے ہیں وہ درست ہونا ضروری اس لئے نہیں کہ ملک کے قیام کے بعد وہ تمام عناصر جو کل تک قیام پاکستان کے خلاف تھے۔ یعنی جماعت اسلامی، جمعیت علماء اسلام یا نوابزادہ نصر اللہ خان وہ اب کہتے ہیں کہ وہ ملک کو بچانا چاہتے ہیں ملک میں جمہوریت چاہتے ہیں ملک کا استحکام چاہتے ہیں تو آپ آج ان کی نیت پر کیوں کر شک کر سکتے ہیں؟

جواب ۔ اچھا آپ ان میں سے کسی کی مثال دیں جس نے اچھا کردار ادا کیا ہو۔ آپ نے بہت سارے نام لئے ہیں بتائیں ایک کے بارے میں بھی۔

سوال ۔ نوابزادہ نصر اللہ نے ہمیشہ جمہوریت کی بحالی کے لئے جدوجہد کی ہے؟

جواب ۔ لیکن اس نے sabotage بھی کیا ہے۔ کبھی کوئی کامیابی حاصل کی ہے؟

سوال ۔ فرض کریں کامیابی حاصل نہیں کی ہے تو اس سے یہ آپ نے مقصد کس طرح نکال لیا کہ انہوں نے sabotage کیا ہے۔

جواب ۔ sabotage نہیں کیا ہے ایک dead horse ہوتے ہیں۔ اتنی عمر سیاست میں رہا ہے کبھی اس نے ایک نشست حاصل کی ہے۔ ریٹائر کیوں نہیں ہو جاتا ہے۔ نوجوانوں کو موقع دیں۔ یہ بڈھے گھوڑے کسی اور کو آگے آنے نہیں دیتے ہیں۔ ان کے خیالات بھی دقیانوسی ہیں۔ جب تک نئی قیادت نہیں آئے گی۔ نوجوان قیادت آگے نہیں آئے گی یہ گھوڑے آپس میں لڑتے رہیں گے کامیابی نہیں ہوگی۔ اور قوم کا اعتبار واعتماد بحال نہیں ہو گا۔

سوال ۔ آپ نے تو مشرقی پاکستان میں اپنی پوزیشن کی وجہ سے تقریباً تمام سیاست دانوں سے ملاقاتیں اور معاملات کیئے ہوں گے؟

جواب ۔ میں پاکستان قومی اتحاد کی تحریک میں شامل تھا۔ جب یہ نو ستارے قید ہو گئے تھے تو میں نے تنہا قوم کے لئے تحریک چلائی تھی میں سب سے واقف ہوں میرا مشورہ ہے کہ یہ جتنے سیاست دان ہیں نوجوانوں کی تربیت کریں اور آگے بڑھائیں تو ٹھیک ہے اور بہتر ہے نئی قیادت کو آگے لائیں۔

سوال ۔ ویسے آپ نے ان سیاست دانوں کو کیسا پایا؟

جواب ۔ دیکھیں بھائی سیاست دان کہتے ہیں کہ سیاست میں نہ کوئی قول فیصل ہے اور نہ ہی کوئی حرف حرف آخر۔ یہ ضد کرتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اگر آپ سارا دن کام کریں اور ایک نوجوان ایک گھنٹے کام کرے اور نتائج بھی بہتر دے تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ آپ میں کہیں نقص ہے۔ سوال یہ ہے کہ نتائج کیسے دیتے ہیں۔

سوال ۔ بھٹو صاحب نے تو نتائج دیئے تھے؟ وہ مغربی پاکستان کے مقبول ترین رہنما ثابت ہوئے تھے؟

جواب ۔ مقبول تھا اور پاکستان کا درد تھا تو الیکشن کرا کے چلا جاتا۔ دھاندلی نہ کراتا تشدد نہ کرتا۔ وہ ادھم مچا کر واپس چلا گیا۔ ٹھیک ہے کہ آیا تھا لیکن اگر چلا جاتا تو تاریخ میں اچھے نام سے یاد کیا جاتا۔

سوال ۔ کیا فوج کے پاس کوئی جواز تھا کہ ۱۹۷۷ء میں حکومت پر قبضہ کر لیتی؟

جواب ۔ بالکل انہوں نے خود دعوت دی۔ بھٹو نے دعوت دی۔ بھٹو نے کئی مرتبہ کہا کہ جنرل صاحب آپ حکومت سنبھالیں میں آپ کی مدد کروں گا۔ کانفرنسوں میں کور کمانڈروں کو کیوں دعوت دے کر بلاتا تھا؟

سوال ۔ آپ کی تاویلوں سے یہ بات کہاں ثابت ہوتی ہے کہ فوج کے پاس حکومت پر قبضہ کرنے کا کوئی جواز تھا؟

جواب ۔ فوج کو اس کا مدعا معلوم ہو گیا ہے کہ وہ حکومت سے علیحدہ ہونا نہیں چاہتا تھا۔ وہ ہر
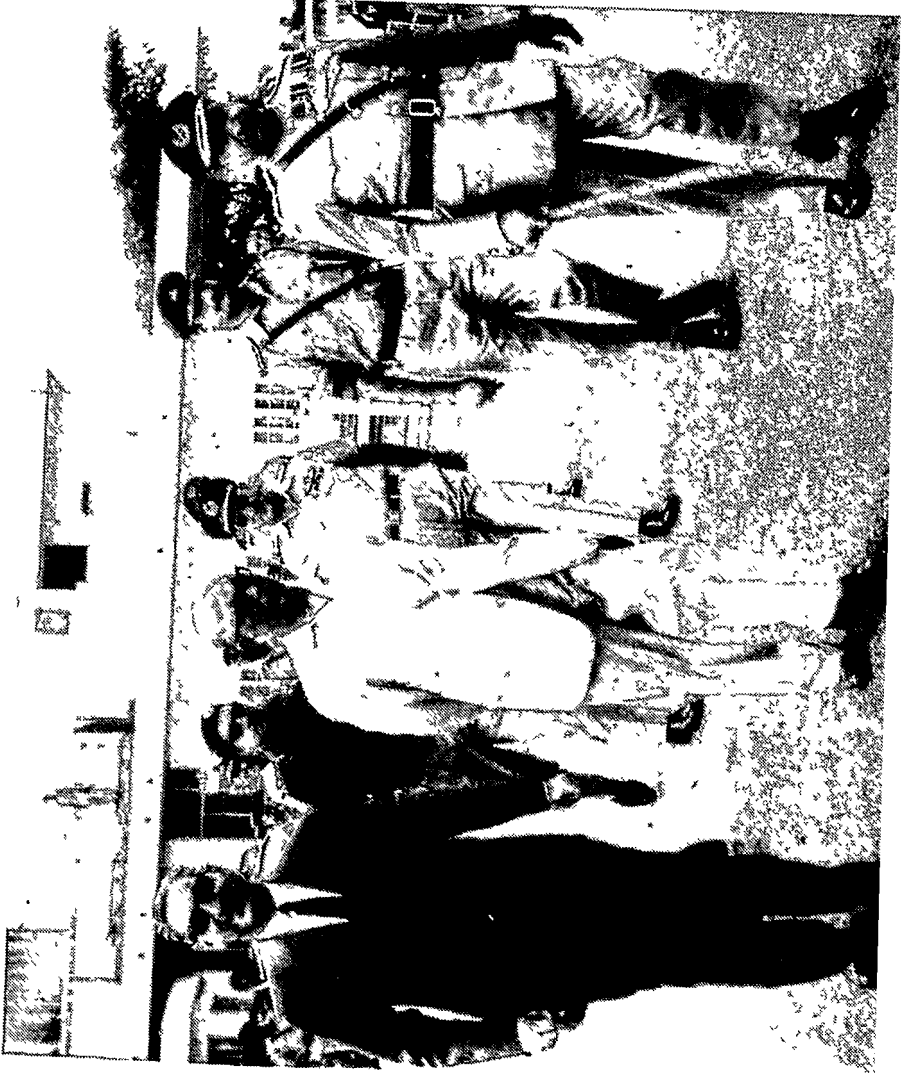
یہ وہ ڈھاکہ ہے جہاں پر پاکستانی فوجی اور سول + افسران حکمرانی ہوا کرتی تھی۔ دو جرنلوں، امیر عبداللہ خان نیازی اور جنرل ٹکا خان کے درمیان مشرقی پاکستان کے آخری گورنر عبدالمالک،

حال میں اقتدار میں رہنا چاہتا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ لوگوں کو قتل کرانا بھی چاہتا تھا۔ اس خونریزی سے ملک کو بچانے کے لئے فوج نے حکومت پر قبضہ کر لیا تھا۔

سوال ۔ سقوط ڈھاکہ کے بعد آپ جنگی قیدی ہو گئے تھے۔ لیکن واپسی پر آپ نے بھی سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ بڑی سرگرم تھے پھر ٹھنڈے پڑ گئے آخر کیوں؟

جواب ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میری کردار کشی کی گئی۔ میں کچھ بول نہیں سکتا تھا اور جو بولتا تھا وہ چھپتا نہیں تھا۔ میں کہتا کچھ تھا اور شائع کچھ اور ہوتا تھا۔ پریس والے میری کردار کشی کرتے رہے۔ میں صرف بھٹو کا مقابلہ کرنے آیا تھا۔ میں کچھ نہ کچھ قوم کو دے ہی سکتا تھا۔ میں بھٹو کی خامیوں اور خوبیوں سے آگاہ تھا۔ اس وقت ضروری تھا کہ ہر محب وطن سیاست دانوں کے ساتھ شامل ہو کر بھٹو سے نجات حاصل کرتا اس لئے میں نے سیاست میں حصہ لیا تھا۔ وہ آمر بن گیا تھا سیاست دان نہیں رہا تھا۔

سوال ۔ آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کی کردار کشی کی گئی۔ آپ کے خیال میں یہ کسی کے اشارے پر تھا یا قوم کا آپ کے خلاف ردعمل تھا؟

جواب ۔ قوم تو میرے ساتھ تھی جتنے آدمی میں اکٹھے کر سکتا ہوں کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ کراچی میں میرا جلسہ پندرہ لاکھ آدمیوں پر مشتمل تھا بھٹو نے کوشش کی پانچ لاکھ بھی نہیں آئے تھے۔ میں تو قوم کا ہیرو تھا اور ہیرو ہوں۔ کتنی کردار کشی کی گئی اگر میرے میں کوئی نقص ہوتا تو یہ مجھے چھوڑ دیتا؟ وہ تو بھینس کی چوری کا کیس بنا کر لوگوں کو گرفتار کراتا تھا۔ اس بات کو چھوڑیں آپ یہ لمبی باتیں ہیں۔

سوال ۔ آپ صرف جواب دینے کے لئے سیاست میں آئے تھے۔

جواب ۔ میں سانپ کو مارنے کے لئے آیا تھا۔ یعنی اس وقت یہ خیال تھا کہ یہ سانپ ہے۔ یہ ملک کو برباد کر رہا ہے۔ پہلے ملک کو توڑا اور پھر اپنی حرکتوں سے باقی حصہ کو بھی توڑے گا اس لئے ہر شخص اسے نکالنا چاہتا تھا۔ اور کوئی اچھی حکومت لانا چاہتے تھے۔

سوال ۔ لیکن اس ملک میں آج بھی ایک طبقہ بھٹو صاحب کو ہیرو تسلیم کرتا ہے آخر کیوں؟

جواب ۔ وہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے دھاندلیاں کی تھیں۔ دھاندلیوں میں حصہ لیا تھا جو ہم خیال تھے۔ جنہوں نے کمایا ہے۔

سوال ۔ میرے خیال میں عام آدمی بھی بھٹو کا حامی ہے۔ پنجاب میں عام پنجابی، سندھ میں عام سندھی سب بھٹو کی بات کرتے ہیں۔ ان کی صاحب زادی آج مقبول ترین رہنما ہیں؟

جواب ۔

سوال ۔ مقابلے میں کوئی نہیں ہے۔ سے کیا مراد ہے۔ سارے بڑے بڑے لیڈر موجود ہیں؟

جواب ۔ آج اگر قیوم خان کی بیٹی میدان میں آجائے تو زیادہ لوگ اس کے ساتھ ہوں گے۔
سوال ۔ قیوم خان کی بیٹی کے ساتھ لوگ کس طرح جائیں گے ان کا کیا contribution ہے۔؟
جواب ۔ اگر سیاست میں آجائے تو اس کے ساتھ اس کے مقابلے میں زیادہ آدمی ہوں گے پیپلز پارٹی نے غلط کام بھی تو کئے تھے۔ ماں کو بیٹی سے لڑایا طالب علم کو استاد سے لڑایا۔ مالک کو مزارع سے لڑایا۔ ہوا کیا اب سندھ میں لسانی مسئلہ پیدا کیا گیا ہے۔ ایسا ہونا چاہئے تھا؟ اس ملک میں ایک زبان ہونی چاہئے یا نہیں ہونی چاہئے کوئی بھی زبان ہو خواہ سندھی ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن وہ لسانی سوال چھوڑ گیا۔
سوال ۔ یہ آپ کیسے سمجھتے ہیں کہ بے نظیر کے مقابلے پر قیوم خان مرحوم کی بیٹی زیادہ مقبول ہو گی۔ قیوم خان کی بیٹی کا contribution کیا ہے۔
جواب ۔ بے نظیر کا کیا contribution ہے یہ بھی تو باپ کے نام پر سیاست کر رہی ہے۔
سوال ۔ میرا خیال ہے کہ بے نظیر بھٹو کا ذاتی contribution ہے۔
جواب ۔ اگر آپ کو اچھی کتاب لکھنی ہے تو اپنی رائے پر بضد نہ رہیں۔ آپ تو ہر ایک کو دیکھیں اور جو اچھا ہے اسے لے لیں۔ آپ کے مخصوص نظریات ہیں یہ نہیں چلیں گے۔ اگر یہ چلاؤ گے تو رہ جاؤ گے۔ صحافی کو تو بری بھی سننی چاہئے۔ اچھی بھی سننی چاہئے۔ اگر آپ کو کوئی پسند ہے اور میں اسے گالی دے دوں تو آپ کو طیش میں نہیں آنا چاہئے۔
سوال ۔ میں تو صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ بے نظیر کا قیوم خان کی بیٹی سے کن بنیادوں پر موازنہ کر رہے ہیں؟
جواب ۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ بے نظیر بھٹو اپنے باپ کے نام پر سیاست کر رہی ہے۔ اور ابھی اس کے مقابلے میں کوئی عورت نہیں ہے۔ باقی رہا کہ یہ وراثت نہیں ہے بلکہ سیاست ہے۔ یہ کیسا طریقہ ہے کہ باپ نہیں تو ماں آجائے ماں نہیں تو بیٹی آجائے۔
سوال ۔ اہلیت تو موجود ہے۔
جواب ۔ اہلیت کیسی ہے یہ تو اس ملک کی ریت ہے کہ جو ایک دفعہ آجائے واپس جانا نہیں چاہتا۔ خواہ حکومت ہو یا سیاسی جماعت۔ بھٹو ٹھیک تھا البتہ اگر وہ جمہوری طریقہ سے حکومت کرتا تو شائد بیس سال رہتا لیکن آتے ہیں وہ آمر بن گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ کیسا برتاؤ اختیار کیا تھا۔ جے۔ اے رحیم کے ساتھ کیا کیا۔ غلطیاں تو سب سے ہوتی ہیں ساتھیوں سے بھی ہوئی ہوں گی۔ ان کو سمجھانا پڑتا ہے۔
سوال ۔ آپ کی بھٹو صاحب سے کوئی ملاقات ہوئی تھی؟

جواب ۔ ہاں کئی ملاقاتیں ہوئی ہیں۔ لیکن آپ اپنے دائرے سے باہر نکل رہے ہیں۔ میں یہ باتیں اپنی کتاب میں لکھ رہا ہوں چھوڑیں اس کی تفصیل کو۔

سوال ۔ اندازاً کتنی ملاقاتیں ہوئی تھیں۔

جواب ۔ ایک طویل ملاقات ہوئی تھی۔ ایک اور کے لئے بلایا تھا تو میں گیا نہیں۔

سوال ۔ کیوں نہیں گئے تھے؟

جواب ۔ ہم نے کہا تھا کہ اگر حکم ہے ہم سر آنکھوں پر آنے کو تیار ہیں اگر حکم نہیں ہے تو ہمارا دل نہیں چاہتا ہے۔

سوال ۔ پھر کیا ہوا؟

جواب ۔ چپ ہو گئے تھے۔

سوال ۔ جو ایک ملاقات ہوئی تھی اس میں لمبی چوڑی باتیں ہوئیں تھیں؟ سیاست پر یا مشرقی پاکستان کے موضوع پر؟

جواب ۔ چھوڑ دو اس بات کو بہت لمبی ملاقات تھی۔

سوال ۔ اندازاً کتنی دیر؟

جواب ۔ چھوڑ دے یار اس بات کو۔ اس سے سکھر جیل میں بھی ملاقات ہوئی تھی۔

سوال ۔ آپ نے اب سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے؟

جواب ۔ کس نے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے؟ ابھی میں کتاب لکھ رہا ہوں۔ زراعت کر رہا ہوں۔ ہمارا اصول ہے کہ جب لوہا گرم ہو تو ضرب لگاؤ۔ ابھی وہ صورتحال نہیں ہے۔ جب ہو گی تو ہم میدان میں آئیں گے۔

سوال ۔ آپ کہتے ہیں کہ آپ کی کردار کشی کی گئی تھی۔ صدیق سالک کی کتاب "ویٹس ٹو سرنڈر" میں بھی آپ کے خلاف خاصا مواد موجود ہے؟

جواب ۔ یہ کتاب بھٹو نے لکھوائی تھی۔ جو آدمی وردی پہنتا ہے وہ کتابیں نہیں لکھ سکتا یہ قانون ہے۔ کتاب تحریر کرنے کا کوئی معیار ہوتا ہے۔ جنگ لڑنا ایک فن ہے۔ اس کو سمجھنا بھی فن ہے۔ اس (صدیق سالک) کا تو بس نہیں تھا۔

سوال ۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کتاب میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ حقیقت سے کم ہے؟

جواب ۔ بھئی میں اس موضوع پر آپ کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔ صرف یہ کہوں گا کہ اگر میں ان معاملات میں ملوث ہوتا تو بھٹو مجھے چھوڑتا نہیں۔ میں آج بھی کہتا ہوں کہ میں دنیا کا واحد جنرل ہوں جسے سب سے زیادہ اعزازات ملے ہیں۔ میں بہترین جنرل تھا یہ تمغے ایسے ہی نہیں مل جاتے ہیں ان کو حاصل کرنے کے لئے کچھ کر کے دکھانا پڑتا ہے۔

سوال ۔ آپ کو ٹائیگر کا خطاب کب ملا تھا؟

جواب ۔ برما میں انگریزوں نے دیا تھا۔
سوال ۔ آپ کے پاس کون سے تمغے ہیں؟۔
جواب ۔ میرے پاس دو ہلال جرات ہیں۔ ایک ۱۹۶۵ء اور دوسرا ۱۹۷۱ء کی جنگ کا' میں تو جنگ کا ہیرو تھا یہ تو بھٹو سے نہیں بنی۔ میرے پاس دوسری جنگ عظیم کا ملٹری کراس ہے ایک ستارہ پاکستان ہے۔ ایک ستارہ خدمت ہے۔ پھر تعریفی اسناد ہیں۔
سوال ۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں ۔ ابھی سوال پورا ہی نہیں ہوا تھا تو نیازی صاحب فرمانے لگے کہ تم تو خطرناک آدمی ہو۔ کبھی ادھر کی بات کرتے ہو اور کبھی ادھر کی۔ اپنے موضوع پر قائم رہتے ہو اور نہ ہی مدنظر رکھتے ہو ایسی صورت میں نہ تم مارشل لاء کے سلسلے میں کام کر سکو گے اور نہ ہی سیاست پر) میں نے انہیں بتایا کہ اس انٹرویو کا مقصد صرف مارشل لاء کے بارے میں جاننا ہے سیاست پر گفتگو کرنا مقصد میں شامل نہیں۔
جواب ۔ اس ملک میں سیاست میں ہر چیز کسی سمت کے بغیر چل رہی ہے۔ آج سیاست دان ایک بیان دیتے ہیں دوسرے دن اس سے لاتعلقی کا اظہار کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا مقصد یہ نہیں تھا۔ آپ نے ایک جملہ تو سنا ہو گا۔ وہ ہے کہ "۔" روکو مت...... آنے دو" "روکو...... مت آنے دو"۔ جملہ تو ایک ہے لیکن صرف dash کا کمال ہے۔ جب تک ملک کے اندرونی حالات خراب نہ ہوں فوج مداخلت نہیں کر سکتی ہے۔ اندرونی حالات اس لئے خراب ہوتے ہیں کہ جو بھی رہنما آتا ہے وہ اپنے قیام کو طول دینا چاہتا ہے اور اس کے لئے وہ غلط اور ناجائز طریقے اختیار کرتا ہے۔ جب ناجائز طریقے استعمال کئے جاتے ہیں تو فوجی سوچتے ہیں کہ ہم خود انہیں کیوں نہ استعمال کریں۔ میں نے آپ کو مصر کی مثال دی الجزائر کی مثال دی۔ بات یہ ہے کہ فوج مداخلت کیوں کرتی ہے؟ اگر کسی ایک ملک میں ہوتا اور پھر ہمارے ملک میں ہوتا تو کہہ سکتے تھے کہ ہمارے فوجی زیادہ گڑبڑ کر رہے ہیں یہ عمومی طریقہ ہے۔ حکومت کسے اچھی نہیں لگتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ فوج کو مارشل لاء نافذ نہیں کرنا چاہئے ان کا اپنا ایک کردار ہے۔ اپنے متعین فرائض ہیں لیکن ملک کو ہر قسم کی صورتحال سے بچانا ان کی ذمہ داری ہے۔ جیسے کہ بھٹو کے دور میں ملک میں قتل عام شروع ہونے والا تھا۔ ایسی صورت میں مداخلت ناگزیر ہو جاتی ہے۔ میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ مارشل لاء کی ڈیوٹی کسی فوجی کو پسند نہیں ہوتی۔ میں خود مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر رہا ہوں۔ بڑی بری ڈیوٹی ہے۔ ہم تو خوش نہیں تھے۔
سوال ۔ آپ مشرقی پاکستان میں مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر رہے ہیں؟
جواب ۔ میں لاہور اور کراچی میں بھی رہا ہوں۔
سوال ۔ لاہور اور کراچی میں بھی آپ مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر رہے ہیں؟
جواب ۔ بالکل رہا ہوں لیکن سورۃ یاسین پڑھ کر وقت گزارا تھا۔ اور دعا تھی کہ اللہ عزت

سے وقت گزار دے۔ اتنی temptation ہوتی ہے۔ دباؤ ہوتا ہے کہ اگر انسان بچ جائے تو فرشتہ ہے۔

سوال ۔ کس طرح؟

جواب ۔ پیسے کی ہر قسم کی چیزوں کی لالچ کی۔ کوئی رشتہ دار آ کر بیٹھ گیا اور دباؤ ڈال رہا ہے کہ کام کرو جبکہ تم نہیں کرنا چاہتے ہو۔ کوئی سینئر آ گیا۔ بڑی بری ڈیوٹی ہے کیونکہ لامحدود اختیارات ہوتے ہیں۔ اللہ ہر ایک کو اس ڈیوٹی سے بچائے۔ اللہ ملک کو مارشل لاء سے بچائے۔ مارشل لاء اس وقت نافذ ہوگا جب آپ کی سویلین حکومت کمزور ہوگی اور سویلین مخلص نہیں ہوں گے انہیں اپنا مفاد عزیز ہو گا۔ قائداعظم اور لیاقت علی نے کچھ بنایا تھا۔ جمع کیا تھا۔ لیکن بعد میں جو لوگ آئے یا تو کمزور تھے یا لالچی تھے۔ خواجہ ناظم الدین شریف آدمی تھے اور کمزور تھے۔ اسکندر مرزا جیسے لوگ آئے جن کو صرف ذاتی مفاد عزیز تھا۔ حکومت مستحکم صرف اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ وقت مکمل ہونے پر حکمران شکریہ ادا کر کے چلے جائیں تو مارشل لاء نافذ نہیں ہو گا۔

سوال ۔ آپ نے اپنے ڈرائنگ روم میں فیلڈ مارشل ایوب خان کی تصویر سجائی ہوئی ہے۔ کیا فیلڈ مارشل سے آپ کو کوئی خاص لگاؤ ہے؟

جواب ۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم ایک ہی پلٹن کے لوگ ہیں دوسری بات یہ کہ اس ملک میں آج جتنی ترقی نظر آتی ہے۔ وہ اسی کا کارنامہ ہے۔ گول میز کانفرنس کے بعد وہ جانا چاہتا تھا لیکن sabotage کیا گیا اور جب کہا گیا کہ تم جاؤ تو چلا گیا وہ عزت سے جانا چاہتا تھا کہ لیکن اسے جانے نہیں دیا گیا تھا۔

سوال ۔ میانوالی کے ناطے آپ کے ملک امیر محمد خان سے مراسم تھے؟

جواب ۔ کیوں نہیں۔

سوال ۔ آپ کے خیال میں ملک میں سب سے اچھا سیاست دان کون ہے؟

جواب ۔ میں سیاست دان تو نہیں کہتا کہ منتظم تو سب سے اچھے ملک امیر محمد خان تھے۔

سوال ۔ لیکن وہ سیاست دان تو نہیں تھے؟

جواب ۔ ہوں! سیاست!! کچھ تو جانتا ہو گا۔ اس نے ملک کو چلایا تھا۔ اس جیسا منتظم تو کوئی اور پیدا نہیں ہوا۔

سوال ۔ لوگ کہتے ہیں کہ ظالم بہت تھے؟

جواب ۔ یہ خیال ہے لوگوں کا۔ ایک بادشاہ کی حکومت کے خلاف جو لوگ ہوتے ہیں وہ انہیں مروا دیتا ہے یا قید کر دیتا ہے۔ لیکن کتنے ایسے لوگ ہوں گے۔ تین چار ہوں گے۔ مگر ہماری سول حکومت نے کتنے لوگوں کو مارا تھا۔ بھٹو کے دور میں کتنے لوگ مرے تھے۔ ان دنوں میں چھوٹے لوگ اور عوام تو محفوظ تھے۔

سوال ۔ پاکستان قومی اتحاد میں شامل سیاست دان جن کے ساتھ آپ اتحاد میں رہ چکے ہیں۔ یا جو قومی اتحاد کے باہر تھے ان میں آپ کسی سے متاثر ہوئے؟

جواب ۔ دیکھو بھائی اس پر تبصرہ کرنا بڑا مشکل ہے۔ آپ خود دیکھ لیں کہ کس نے کیا کیا ہے۔ کس کی کتنی achievement ہے اور پارٹی کی following کتنی ہے۔ اس سے معلوم ہو جائے گا۔ البتہ میرا خیال ہے کہ جب تک نوجوان قیادت نہیں آئے گی ملک نہیں چلے گا۔ نوجوان سے میرا مطلب ۱۸ یا ۲۰ سال کے بچے نہیں بلکہ ۳۵ یا ۴۰ سال کی عمر کے لوگ۔

سوال ۔ وہ کس طرح آسکتے ہیں؟

جواب ۔ موجودہ لوگ قربانی دیں، جگہ خالی کریں۔ جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ میری جگہ میرا بیٹا، بھائی آجائے۔ یہاں تو رواج بن گیا ہے کہ بیٹا بیوی اور بیٹی بھی سیاست میں آجاتے ہیں۔ جو سیاست دان بڑے ہوتے ہیں نا ان میں نقص بھی اتنے ہی بڑے ہوتے ہیں۔ یہ قدرت کا اصول ہے۔

سوال ۔ آپ کے خیال میں سقوط ڈھاکہ کا ذمہ دار کون ہے؟

جواب ۔ یحییٰ خان، بھٹو اور مجیب۔

سوال ۔ ان تینوں میں سے ایک کون ہے۔

جواب ۔ یحییٰ خان اس لئے کہ وہ اس وقت حاکم تھا۔ وہ all in all تھا۔ اس ساری صورتحال کا ذمہ دار تو بھٹو تھا لیکن یحییٰ خان بھٹو کی باتوں کو نہیں مانتے تو صورتحال سے بچ سکتے تھے۔

سوال ۔ آپ لوگ جنہوں نے فیصلوں اور احکامات پر عمل در آمد کیا وہ ذمہ دار نہیں ہیں؟۔

جواب ۔ نہیں ہم حکم کے بندے ہوتے ہیں۔

سوال ۔ آپ حکم عدولی کر سکتے تھے۔

جواب ۔ کوئی ایک مثال دو چودہ سو سال کی تاریخ میں کوئی مثال دیں۔ دنیا کی کسی فوج کی مثال دیں۔ اس قسم کا بیان دے دینا بڑا آسان ہے۔ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا ہے۔ حالانکہ اس وقت اسلام بھی اچھا تھا اور جنرل بھی بہت اچھے ہوتے تھے۔ حکم عدولی کبھی نہیں کی گئیں تھیں۔

سوال ۔ ایئر مارشل اصغر خان کہتے ہیں کہ انہوں نے حکم عدولی کی ہے۔ اور پیر پگارو کے مریدوں پر بمباری کرنے سے انکار کر دیا تھا؟

جواب ۔ انگریز بڑا ہوشیار حکمران تھا۔ وہ کسی مسلمان کو اس قسم کا کوئی حکم نہیں دے سکتے۔ ہم انڈونیشیا میں تھے۔ ہم نے دیکھا کہ وہاں ہندو یا سکھ کو استعمال کیا جاتا تھا۔ مسلمان کو مسلمان کے خلاف کوئی اس قسم کی کارروائی کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔

سوال ۔ مشرقی پاکستان میں جو کچھ ہوا اور اس سلسلے میں آپ کا جو بھی موقف ہے آپ اس پر مطمئن ہیں۔ آپ کے منصوبے اور حکمت عملی ٹھیک ٹھاک تھے۔

جواب ۔ میری حکمت عملی نہایت اچھی تھی۔ (یہاں انہوں نے ٹیپ ریکارڈ کا سوئچ آف کرا کر ایک بیہودہ قسم کی مثال دی اور یہ بتانے کی کوشش کی کہ ان کی تیار کردہ حکمت عملی پر جب کسی نے عمل کیا ہوتا تو اسے خبر ہوتی کہ وہ حکمت عملی خراب تھی یا اچھی باقی اس معاملہ کو اس جگہ ختم کر دو۔

سوال ۔ میں نے تو آپ سے اجازت لے کر سوال کیا ہے؟

جواب ۔ اس سوال کا تعلق مارشل لاء کے نفاذ سے تو نہیں ہے۔ یہ سیاسی گفتگو ہے میں خود اس پر لکھ رہا ہوں۔

سوال ۔ کیا ٹکا خان نے بھی غلط فیصلے کئے تھے؟

جواب ۔ تم مجھ سے کیا کہلوانا چاہتے ہو۔ اگر ٹھیک کام کئے ہوتے تو تبادلہ کیوں ہوتا۔

سوال ۔ صاحب تھوڑی سی تو روشنی ڈال دیں؟

جواب ۔ میں نے آپ کو بتایا کہ فوج کا یہ دستور ہے کہ اگر کام ٹھیک نہ کریں تو نکال دیتے ہیں۔ ٹکا خان کو مشرقی پاکستان سے نکال دیا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ کام خراب ہوں گے۔

سوال ۔ لیکن آپریشن تو انہوں نے کیا تھا۔ جب انہوں نے گورنر کا عہدہ سنبھالا تھا؟

جواب ۔ کمانڈ آف ٹروپس میرے پاس تھی۔ لڑائی تو ہم لڑ رہے تھے وہ نہیں لڑ رہے تھے۔

سوال ۔ کیا آپ کو آج موجودہ پاکستان میں مشرقی پاکستان جیسے حالات نظر آتے ہیں؟

جواب ۔ نہیں مشکل ہے۔ وہ پوری کی پوری آبادی خلاف تھی۔ ہم ایک ہزار میل دور لڑ رہے تھے۔

سوال ۔ ساری کی ساری آبادی کیوں خلاف تھی؟

جواب ۔ تم ٹیپ بند کر دو میں آف دی ریکارڈ بتاتا ہوں۔ پھر انہوں نے وہ باتیں بھی کیں جو آج پاکستان میں چھوٹے صوبوں میں بعض عناصر بھی کرتے ہیں۔

سوال ۔ جنرل صاحبان جب ریٹائر ہو جاتے ہیں تو سیاست میں کیوں آ جاتے ہیں۔ حالانکہ سیاست بھی ایک مکمل مضمون ہے۔

جواب ۔ ملک کی خدمت کرنی ہوتی ہے۔ ان میں نالج ہوتی ہے۔ انرجی ہوتی ہے۔ ملک کی خدمت کرنی ہوتی ہے۔ فوجی کو تجربہ بہت ہوتا ہے۔ ہم فوجی بھی تو انسان ہیں اور انسانوں سے deal کرنا ہوتا ہے۔ اور سیاست میں یہی کچھ ہوتا ہے۔ اب تم دیکھو اصغر خان کسی سے کم ہے کیا؟

سوال ۔ آپ کے خیال میں اصغر خان اچھے سیاست دان ہیں؟

جواب ۔ اچھا تو نہیں کہا جا سکتا لیکن straight forward ہے۔ اصغر خان نے اپنے اثرات پیدا کر لئے ہیں۔ اب وہ اوپر جائے گا۔ لوگوں کو یقین ہو چلا ہے کہ یہ شخص سچا آدمی ہے جو کہتا ہے وہی کرتا ہے۔ جھوٹ نہیں بولتا ہے اگر اس نے شروع سے جھوٹ کا سہارا لیا ہوتا تو شائد..........

سوال ۔ اگر وہ سچے آدمی ہیں تو آپ ان کے ساتھ مل کر کام کیوں نہیں کرتے؟

جواب ۔ ہمیں ساتھ مل کر کام کرنے سے انکار تو نہیں ہے لیکن اپنا اپنا ایک رویہ ہوتا ہے۔ اپنا اپنا ایک مدعا ہوتا ہے اس پر عمل کرنے کا بھی طریقہ ہوتا ہے۔

سوال ۔ آپ کہتے ہیں کہ آپ مسلم لیگی ہیں تو جونیجو مسلم لیگ میں شمولیت کیوں اختیار نہیں کر لیتے ہیں؟

جواب ۔ مسلم لیگ ایک ہی ہے کونسی جونیجو والی؟

سوال ۔ یہاں تو چار مسلم لیگ ہیں۔ ایک جونیجو مسلم' ایک خیر الدین مسلم لیگ' ایک ملک قاسم مسلم لیگ' ایک جنرل نیازی مسلم لیگ' وغیرہ وغیرہ۔

جواب ۔ دیکھو جونیجو مسلم لیگ کا جہاں تک تعلق ہے وہ تو سرکاری لیگ ہے ٹھیک ہے۔ لیکن خیر الدین بے چارے کے ساتھ کون ہے۔ ملک قاسم کا بھی کوئی اثر نہیں ہے۔

سوال ۔ آپ کا کیا اثر ہے۔ آپ کے ساتھ کون ہے؟

جواب ۔ بہت لوگ ہیں پارٹی کی بنیاد نظریات پر نہیں شخصیات پر ہے۔ ہمارے ساتھ پچاس ساٹھ لاکھ افراد ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو آج پنشن پر چلے گئے ہیں انہوں نے ہماری ماتحتی میں ملازمت کی ہے۔ ان سے ہماری اچھی ملاقاتیں ہیں۔

سوال ۔ آپ ان سے ساتھ دینے کی توقع رکھتے ہیں؟

جواب ۔ وہ ہمارا ساتھ دیتے ہیں۔

سوال ۔ اگر الیکشن ہوں گے تو آپ اس علاقے سے منتخب ہو جائیں گے۔

جواب ۔ ہم الیکشن میں حصہ نہیں لیں گے۔ ہم تو ملک کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ اور بس۔

(یہ گفتگو اگست ۱۹۸۷ء کو لاہور میں کی گئی)

محمد اصغر خان

عموماً فوجی رجعت پسند ہوتے ہیں' وہ نظام میں تبدیلی لانا نہیں چاہتے قومی سالمیت کو جتنا ہماری فوج نے نقصان پہنچایا ہے اتنا کسی نے نہیں......
مشرقی پاکستان میں قومی سالمیت کو انہوں نے تباہ کیا' بنگالیوں کو اقتدار دے دیتے تو وہ ملک لے کر بھاگ نہ جاتے...... کم از کم ملک ایک رہتا...... فوجی حکام نے ذاتی خواہشوں پر ملک قربان کر دیا۔

محمد اصغر خان

ایئر مارشل (ریٹائرڈ) پہلے پاکستانی سربراہ' پاک فضائیہ' تحریک استقلال پاکستان

پاکستان ایئر فورس کے پہلے پاکستانی اور مسلمان سربراہ ایئر مارشل محمد اصغر خان (ریٹائرڈ) اس وقت سیاست میں داخل ہوئے تھے جب پوری قوم ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء کے ئد فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کو اقتدار سے علیحدہ کرنے کے لئے تحریک چلا رہی تھی۔ ذوالفقار علی بھٹو و دیگر رہنماؤں کی گرفتاری کے بعد قیادت کا فقدان پیدا ہو گیا اور ایوب خان کو اقتدار سے علیحدہ کرنے کی تحریک کی قیادت چلانے والا کوئی نہیں تھا کہ اصغر خان نے اس خلاء کو پورا کیا۔ ۱۹۷۷ء میں جب پیپلز پارٹی اور وزیر اعظم بھٹو کی حکومت کے خلاف انتخابات میں بڑے پیمانے پر دھاندلیوں کے خلاف پاکستان قومی اتحاد (پی این اے) تحریک چلا رہا تھا تو اصغر خان اتحاد کے سرکردہ رہنماؤں میں سے ایک تھے اور انہوں نے ہی مسلح افواج کے افسران اور جوانوں کے نام ایک کھلا خط لکھا تھا (ضمیمہ دیکھیں) ملک میں پہلے مارشل لاء کے موقع پر ایئر فورس کے سربراہ ہونے کے ناطے انہیں بھی چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا نائب مقرر کیا گیا تھا۔ اصغر خان نے ۱۹۵۸ء سے ۱۹۷۷ء تک حالات کو نہایت قریب سے دیکھا ہے اور مارشل لاء کی خوبیوں' اگر ہیں' اور خامیوں سے بہت اچھی طرح واقف ہیں۔ یہ واحد فوجی ہیں جو سیاست میں استقلال کے ساتھ موجود ہیں۔ اپنا ایک سیاسی فلسفہ رکھتے ہیں جو بہر حال فکر انگیز بھی ہے۔

علی حسن۔ پاکستان میں بار بار مارشل لاء نافذ ہونے کے عوامل کیا ہیں؟

ائیر مارشل محمد اصغر خان۔ یہ جو حالات ہیں وہ تقریباً تیسری دنیا کے ہر ملک میں پیدا ہوتے ہیں کیونکہ جب یہ نوآبادیاتی ملک ہوتے ہیں تو لوگوں کو آزادی سے بڑی توقعات وابستہ ہوتی ہیں کہ آزادی ملنے کے بعد صورت حال بہتر ہوگی اور لوگوں کا عام تصور یہ ہوتا ہے کہ ہماری تمام مشکلات اور دشواریاں آزادی کے بعد حل ہوجائیں گی اصل میں ملک کے کچھ دائمی مسائل ہوتے ہیں جو آزادی ملنے سے حل نہیں ہوتے مثلاً آبادی کی کثرت' وسائل کی کمی اور بیرونی حالات' وہ تو مستقل رہتے ہیں۔ صنعتوں کا نہ ہونا اور زرعی مشکلات اپنی جگہ رہتی ہیں۔ اس لئے آہستہ آہستہ مایوسی آجاتی ہے۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم سے جو وعدے کئے گئے تھے جنت کا جو نقشہ پیش کیا گیا تھا۔ وہ یہ سب کچھ نہیں ہے پھر ان میں مایوسی پیدا ہوتی ہے اور انہیں نوکر شاہی اور خاص طور پر فوج نظر آتی ہے۔ یہ ایسے ادارے ہیں جن کے بارے میں عوام یہ سمجھتے ہیں کہ اسمارٹ ہیں تیز طرار ہیں اچھے کپڑے پہنتے ہیں جلدی جلدی ہر کام کرتے ہیں۔ لیفٹ رائٹ کرتے نظر آتے ہیں۔ سادہ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ موثر ہوں گے۔ شاید ہمارے ملک کے مسائل حل کر دیں پھر فوجیوں کے اپنے عزائم ہوتے ہیں' ambition ہوتے ہیں۔ پھر کوئی جنرل آکر اقتدار پر قبضہ کرلیتا ہے۔ اس کے بعد عوام میں آہستہ آہستہ یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ یہ بھی ہمارے مسائل حل نہیں کر سکے کیونکہ مسائل اس قسم کے نہیں ہوتے ہیں جنہیں فوجی حل کر سکیں۔ مگر یہ احساس ایک دن میں نہیں ہوتا۔ دس' بیس' تیس' چالیس سال لگتے ہیں۔ کہیں زیادہ وقت بھی لگتا ہے۔ جب عوام میں احساس پیدا ہوتا ہے اور ان کی تربیت ہوتی ہے۔ یہی کچھ پاکستان میں ہوا آزادی کے دس گیارہ سال بعد تک' ۱۹۵۸ء تک' لوگوں نے دیکھا کہ ان کے مسائل حل نہیں ہو رہے ہیں۔ سیاست دان جو نعرے دیتے تھے جو وعدے کرتے تھے وہ پورے ہوتے نظر نہیں آتے تھے۔ پھر ایوب خان آگیا۔ عوام کی توقعات تھیں کہ بہت کچھ کر دے گا۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک کر دے گا رشوت ستانی بدعنوانیاں ختم ہوجائیں گی لوگوں کو حقوق ملیں گے پھر دیکھا کہ کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ یحییٰ خان آیا کوئی فرق نہیں پڑا۔ ضیاء الحق آیا پھر فرق نہیں پڑا بلکہ حالات اور بھی بدتر ہوگئے۔ یہ وہ عوامل ہیں جن کی وجہ سے مارشل لاء والوں کو آنے کا موقع ملتا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ان حالات میں لوگ جدوجہد کے ذریعے ہی فوج سے نجات حاصل کرتے ہیں۔ وہ جدوجہد کا عمل پاکستان میں شروع ہوچکا ہے۔ کب کامیاب ہو گا۔ وہ تو ابھی یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا ہے مگر یہ وہ عمل ہے جس کی وجہ سے مارشل لا آتا ہے یہ وہ جدوجہد ہے جس کی وجہ سے یا جس کے باعث مارشل لاء ختم ہوتا ہے۔

سوال ۔ سوال یہ ہے کہ جنرلوں کو یہ خیال کیوں آتا ہے کہ وہ اقتدار پر قابض ہوجائیں تو سارے مسائل حل کرلیں گے؟

جواب ۔ وہ چاہتے ہیں کہ اقتدار پر قبضہ کریں جیسے سیاست دانوں کی خواہش ہوتی ہے کہ اقتدار میں آکر کچھ مسائل حل کریں۔ ان میں بھی کچھ لوگ تو شاید ایمانداری سے سمجھتے ہیں کہ ہم مسئلہ حل کر سکتے ہیں عام طور پر فوجیوں کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ سیاست دان اور عوام بے وقوف ہیں۔ یہ مسائل حل نہیں کر سکتے۔ ہم بڑے عقلمند لوگ ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ مسائل کیسے حل ہوتے ہیں کیوں کہ ان کی زندگی ہی ایسی ہوتی ہے جیسے فوج میں فوجی معاملات کو آسانی سے طے کیا جا سکتا ہے۔ حالانکہ وہ کسی چیز کے بارے میں جانتے تک نہیں ہیں۔ ایک "اسپیشن" ہوتا ہے جب فوجی اقتدار میں ہو تو ذہن میں یہ بات آسانی سے آجاتی ہے اور وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ وہ مسائل حل کر سکتے ہیں پھر آہستہ آہستہ ان پر ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کام اتنا آسان نہیں مگر پھر بھی وہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے ہیں کہ وہ مسائل کو حل نہیں کر سکتے۔ مثلاً ضیاء الحق صاحب ہیں ان میں ایمانداری کا ذرا بھی جذبہ ہوتا تو وہ تسلیم کر لیتے کہ میرے بس کی بات نہیں انہوں نے یہ بات دو سال قبل کہی بھی تھی کہ میں اسلامی نظام لانا چاہتا ہوں لیکن ناکام ہو گیا ہوں۔ اور وہ اقتدار چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ انسان میں یہ کمزوری عام ہے اور فوجی میں بھی یہ کمزوری ہوتی ہے لیکن اقتدار سے علیحدہ ہونے کے لئے کسی کا دل نہیں چاہتا ہے خواہ وہ سویلین ہو یا فوجی۔ فوجیوں میں یہ کمزوری زیادہ ہوتی ہے کیونکہ ان کے پاس قوت ہوتی ہے طاقت ہوتی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ قوت کے بل پر ہم اقتدار پر قابض رہ سکتے ہیں۔

سوال ۔ یہ لوگ مسائل کو حل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ ہر مرتبہ نتیجہ ان کی ناکامی کی صورت میں نکلتا ہے لیکن ہر بار غلطی کو دہراتے ہیں۔ اور ہر ممالک میں ایسا ہی کیوں ہوتا ہے؟

جواب ۔ اقتدار ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے۔ ناکامی کے بعد بھی علیحدہ ہونے کے لئے دل نہیں چاہتا ہے۔ اقتدار کا نشہ ایسی چیز ہے جو بیٹھے رہنے پر مجبور کرتا ہے۔ ان کے گرد خوشامدی ' حواری ' درباری جمع ہو جاتے ہیں اور ہر وقت خوشحالی کا راگ الاپتے ہیں۔ ہر وقت کہتے ہیں کہ آپ نے مسائل حل کر دیئے ہیں۔

سوال ۔ ایسا تو اس صورت میں ہوتا ہے جب ایک دفعہ اقتدار پر آجائیں لیکن جب اقتدار میں نہیں ہوتا ہے تو اس ذہن میں یہ بات کیوں آتی ہے کہ میں اقتدار پر قبضہ کر لوں؟

جواب ۔ وہ انسان ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ میں اس جنرل سے بہتر کام کروں گا۔ اس نے یہ غلطی کی تھی۔ اس سے یہ غلطی سرزد ہوئی تھی۔ میں انہیں نہیں دہراؤں گا اگر میں آجاؤں گا تو ٹھیک طریقہ سے کام کروں گا۔ سب کچھ ٹھیک کروں گا مگر جب آتا ہے تو اقتدار کا نشہ اس کے ذہن کو خراب کرتا ہے دوسرا یہ کہ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک قسم کی دھندسی آجاتی ہے۔ جو بھی اقتدار میں ہوتا ہے اس کے لئے حقیقت کو پہچاننے کا سب سے بڑا مسئلہ ہوتا ہے۔ اس کو گمراہ کرنے والے بہت ہوتے ہیں اس کو یہ احساس دلاتے رہتے ہیں کہ آپ نے یہ کارنامہ کر دیا ہے

وہ کارنامہ کر دیا ہے۔ آپ ضیاء الحق سے بات کریں۔ شائد وہ ایمانداری سے یہ سمجھتے ہوں کہ انہوں نے اس ملک میں کچھ کارنامے انجام دیئے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہوں کہ اگر وہ نہ آتے تو یہ ملک تباہ ہو جاتا۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔ مگر وہ ایسے ہی سمجھتے ہوں گے۔ ان کے بعد اگر کوئی آیا' خدانخواستہ' خدا کرے کہ کوئی نہ آئے۔ اس عمل میں یہ آخری جنرل ہو۔ لیکن اگر آگیا تو وہ ضیاء الحق کے دور کا تجزیہ کرے گا کہ اس کا اقتدار کیسے کمزور ہوا تھا۔ میں ان کی غلطیوں کو نہیں دہراؤں گا۔ میں یہ کروں گا' وہ کروں گا۔ یہ تو انسان میں فطری کمزوری ہے اقتدار میں رہنا ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے۔ کچھ ایمانداری سے کام کرتے ہیں دوسرے چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اقتدار سے چمٹے رہیں۔ اقتدار کا نشہ ایسا نشہ ہے جو اترتا ہی نہیں۔ اقتدار چھوڑنے کا خیال کسی کے دل میں نہیں پیدا ہوتا ہے۔

سوال۔ لیکن پاکستان میں اس عمل کو روکنے کی ایک سنجیدہ کوشش ۱۹۷۳ء کے آئین میں شق چھ کی شکل میں کی گئی تھی۔ پارلیمینٹ نے خصوصی طور پر اس شق کو آئین کا حصہ بنا دیا تھا کہ آئین کی منسوخی بغاوت سے تعبیر کی جائے گی لیکن اس کے باوجود ملک میں مارشل لاء نافذ ہوا؟

جواب۔ بات یہ ہے کہ شق چھ یا سات سے یا آئین کی کسی دفعہ سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا ہے۔ پہلے کس نے کہا تھا کہ فوج آسکتی ہے۔ لیکن ایوب خان آگیا تھا آئین کو پھاڑ کر پھینک دیا تھا۔ وہ بھی ایک اہم نوعیت کا جرم تھا جس کی سزا میں اسے پھانسی دے دی جاتی کہ اسے کوئی حق نہیں تھا اور یہ بھی جو آئین کے کس آرٹیکل میں لکھا تھا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ صوبوں کو آئینی حق دیا جائے کہ فوج کے آئندہ اقتدار پر قبضہ کرنے کی صورت میں صوبے اپنی آزادی کا اعلان کر دیں یہ بچگانہ بات ہے فوج اقتدار میں آتے ہی ان کے سروں پر ڈنڈے مارے گی انہیں جیل کے اندر ڈال دے گی اور پھر کون آزادی کا اعلان کرے گا۔ بات یہ ہے کہ فوجی آئین کے مطابق اقتدار پر قبضہ نہیں کرتے ہیں بلکہ وہ تو آئین کو پھاڑ کر پھینک دیتے ہیں۔ ایوب نے ۱۹۵۶ء کے آئین کے ساتھ جو کچھ کیا وہ بغاوت نہ تھی۔ آئین میں کچھ ہو یا نہ ہو۔ اگر آپ کی حکومت ہے اور حکومت چاہتی اور عوام میں طاقت ہوتی تو اس پر مقدمہ چلا کر اسے سزائے موت دے دیتے۔

سوال ۔ کیا ۱۹۵۶ء کا آئین کا منسوخ کیا گیا یا یہ اسکندر مرزا تھے جنہوں نے ایوب خان کو مارشل لاء نافذ کرنے کی دعوت دی تھی؟

جواب ۔ ۱۹۵۶ء کا آئین اسکندر مرزا نے منسوخ کیا تھا لیکن ایوب خان بھی پارٹی تھے۔ وہ پہلے وزیر اعظم مقرر ہوئے پھر ایوب خان نے صدر کا عہدہ سنبھال لیا مطلب یہ ہے کہ آئین لکھا ہو یا نہ ہو اگر لوگوں میں طاقت نہ ہو' شعور نہ ہو تو آئین کا مقصد کچھ بھی نہیں ہوتا۔ وہ کاغذ کا ٹکڑا ہوتا ہے۔ اس کے پیچھے اصلی قوت عوام کی خواہش اور طاقت ہوتی ہے۔ یہ نہیں ہوتا ہے کہ آئین میں لکھ دیا گیا کہ ہر چیز ٹھیک ہے اور ویسا ہی ہو جائے گا۔ بے شک آپ آئین میں لکھ دیں کہ اگر کسی

نے زبردستی آئین منسوخ کیا تو پھانسی دے دیں گے لیکن اس کا فائدہ کچھ بھی نہیں ہوگا۔ آئین کے پیچھے عوام کی طاقت ہوتی ہے۔ عوام میں شعور ہونا چاہئے، قوت ہونی چاہئے کہ وہ آئین میں لکھے ہوئے الفاظ پر عمل کرا سکیں یہ کوئی ایسا کورس نہیں کہ آپ سپریم کورٹ میں جائیں۔ جج صاحب فیصلہ دیں۔ بات یہ ہے کہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔ لیڈروں پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ لیڈر ایسے ہیں، لیڈر ویسے ہیں۔ لیڈر کیا ہیں وہ عوام کی پیداوار ہیں۔ عوام میں جب شعور ہوگا تو وہ مارشل لاء کو روک سکیں گے۔ کسی میں مارشل لاء لگانے کی ہمت نہیں ہوگی لندن میں کسی نے سوال کیا کہ کیا یہاں مارشل لاء لگ سکتا ہے۔ جواب میں کہا گیا کہ چھوڑیں کوئی اور بات کریں۔ سوال دہرایا گیا تو جواب ملا کیا بات کرتے ہیں۔ یہاں مارشل لاء کبھی بھی نہیں لگ سکتا۔ اس لئے کہ اگر کسی جنرل نے مارشل لاء نافذ کیا جیسے آپ کے ملک میں ہوتا ہے تو صبح کے وقت جو دودھ دینے والا شخص آتا ہے وہ اس جنرل کے گھر پر دودھ بھی نہیں دے گا۔ جنرل باہر نکلے گا تو بچے تالیاں بجائیں گے کہ جنرل پاگل ہو گیا ہے، بے وقوف ہو گیا ہے۔ لوگ اس کا مذاق اڑائیں گے اس پر ہنسیں گے۔ یہ ہوتا ہے عوام کا شعور۔ وہاں یہ بات ہو ہی نہیں سکتی۔ یہاں لوگ سمجھتے ہیں کہ نجات دہندہ ہے جیسے ایوب خان کے وقت میں کچھ لوگ سوچتے تھے کیونکہ انہیں اس سے قبل کے دس سال کا تجربہ تھا۔ انہوں نے سیاست دانوں اور سیاسی جماعتوں کو پرکھ لیا تھا۔ ان کے ذہن میں تحریک پاکستان کے دوران کا تاثر تھا۔ اور انہیں بتایا گیا تھا کہ نئے ملک میں اسلامی نظام ہوگا۔ اسلامی نظام تو نہیں۔ مطلب یہ کہ ایک ایسا معاشرہ ہوگا جو اسلامی اصولوں کے مطابق چلے گا انصاف ہوگا۔ صاف ستھرا ملک ہوگا ہر ایک کو ہر قسم کی سہولت میسر ہوگی۔ جب ایسا نہیں ہوا انہوں نے لوٹ مار دیکھی حالانکہ اس پیمانے پر نہیں تھی لیکن پھر بھی کچھ عرصے بعد بددل ہو گئے اور ایوب خان نے فائدہ اٹھایا اور کئی لوگوں نے اسے خوش آمدید کہا اب ضیاء الحق آئے انہوں نے اسلام کا نام لیا۔ اسلامی نظام نافذ کرنے کا وعدہ کیا مولوی حضرات یا وہ لوگ جو زیادہ دینی رجحان رکھتے تھے انہوں نے سمجھا کہ شاید یہ اسلام لے آئیں گے۔ نظام مصطفےٰ لائیں گے جو کوئی اور نہیں لا سکا۔

عوام نے دیکھ لیا کہ یہ بھی دھوکہ تھا یہ صورت اس وقت تک جاری رہے گی۔ جب تک لوگ بے وقوف بنتے رہیں گے۔ اور بے وقوف بنانے والے بہت ہوتے ہیں جب لوگ یہ سمجھ لیں گے کہ یہ باتیں غلط ہیں تو کسی میں ہمت نہیں ہوگی کہ وہ مارشل لاء لگا سکے اس کے علاوہ کوئی اور "سیف گارڈ" نہیں ہے۔ آئین میں سیف گارڈ لگانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔ آئین میں شق چھ سے زیادہ بھلا سخت سزا اور کیا ہو سکتی تھی کہ آئین کو زبردستی منسوخ کرنے کی سزا موت ہوگی۔ یہ تو لفظی باتیں ہیں کہ آئین کو منسوخ نہیں کیا گیا بلکہ معطل کیا گیا تھا۔ صاف بات یہ ہے کہ حکومت کا تختہ الٹا گیا قابض ہوئے۔ انہوں نے اس بات کا احساس نہیں کیا کہ اس جرم کی

سزا موت ہے۔ طاقت اس کے پاس تھی۔ اور کچھ بھی نہ ہوا۔ ضمانت صرف یہ ہے کہ عوام میں شعور ہو اور عوام کے ذہن میں یہ بات صاف صاف ہو کہ یہ غداری ہے۔ ہم اس کو برداشت نہیں کریں گے۔ جب تک لوگ بے وقوف بننے کے لئے تیار ہیں بے وقوف بنانے والے بہت ہیں۔

سوال ۔ (اسلم اکبر قاضی انگریزی روزنامے سندھ آبزور کے مدیر ہیں' اس گفتگو کے دوران وہ بھی موجود تھے۔ انہوں نے بھی سوالات کیئے تھے) اس موضوع پر بہت ساری کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن پروفیسر ایس۔ ای فائنزر نے "دی مین آن ہارس بیک" میں کہا ہے کہ فوج اقتدار پر اس لئے قبضہ کرتی ہے کہ ایسا کرنے کی قوت رکھتی ہے لیکن وہ ایسا صرف ان ممالک میں کرتی ہے جہاں سیاسی عدم استحکام ہوتا ہے جب تک ہم اپنے ملک میں کوئی مستحکم نظام رائج نہیں کرتے۔ کیا فوج کے ساتھ کسی سمجھوتے کی ضرورت نہیں ہے؟

جواب۔ یہ تجزیہ درست ہے۔ بات یہ ہے کہ جب تک ملک میں استحکام نہ ہو' معاشی استحکام نہ ہو ایک مڈل کلاس بورژوا قائم نہ ہو۔ نیشنل بورژوا موجود نہ ہو اس وقت تک یہ عوامل موجود رہتے ہیں کہ فوج اقتدار پر قبضہ کر لے۔ اس ملک میں کیا کہیں بھی ایسا ہو سکتا ہے۔ باہر والوں کے اقتصادی مفادات حاوی ہوتے ہیں۔ ہمارے ملک میں قومی بورژوا نہ ہونے کے برابر ہے۔ باہر کی مداخلت ہوتی رہتی ہے۔ کوئی جنرل صاحب ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری تجارت کے فروغ میں مدد کریں گے۔ باہر کا پیسہ آئے گا۔ پاکستان میں ہمیشہ عدم استحکام رہا ہے۔ جب تک استحکام پیدا نہیں ہو گا۔ جب تک صنعتی ترقی نہیں ہو گی جب تک لیبر فورس نہیں ہو گی۔ لیبر فورس ایک ایسی طاقت ہوتی ہے جو عام طور پر رجعت پسند قوتوں کے خلاف کھڑی ہو جاتی ہے۔ عموماً فوجی رجعت پسند ہوتے ہیں۔ وہ نظام میں کوئی تبدیلی لانا نہیں چاہتے ہیں۔ وہ segregation چاہتے ہیں اور مزدور اس کے خلاف ہوتے ہیں جب تک یہ ادارے مضبوط نہ ہوں ٹیک اوور آسان ہو جاتا ہے۔ ہمارے ہاں یہی صورت حال ہے۔

سوال ۔ مستحکم نظام کے لئے وقت درکار ہوتا ہے اور یہ اس وقت تک مستحکم نہیں ہوتے جب تک ان کو پنپنے کا موقع نہ دیا جائے۔ تیسری دنیا کے ممالک کے سیاست دان یہ بات کیوں نہیں سمجھتے کہ فوج ہی ایسا ادارہ ہے جو قومی سالمیت کی ضمانت دیتا ہے؟

جواب ۔ میں اس سے متفق نہیں ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ قومی سالمیت کو جتنا ہماری فوج نے نقصان پہنچایا ہے اتنا کسی نے نہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ فوج اور قومی سلامتی نہیں ہیں مثلاً آپ دیکھیں کہ مشرقی پاکستان میں سالمیت کو انہوں نے تباہ کیا۔ انتخابات ہوئے بنگالیوں کو اقتدار دے دیتے۔ وہ ملک کو لے کو بھاگ تو نہیں جاتے۔ کم از کم ملک ایک رہتا۔ فوجی حکام نے ذاتی خواہشوں پر ملک کو قربان کر دیا۔ پاکستان کو توڑ دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بنگالیوں کو فوج کی باگ ڈور دینا نہیں چاہتے تھے۔

اعظم خان اور اصغر خان جو کبھی ایوب خان کے ساتھی تھے۔

سوال ۔ یہ تو بہت اہم بات ہے؟
جواب ۔ لیکن حقیقت یہی ہے یہ آخری بات تھی جس پر مذاکرات منقطع ہوئے تھے۔
سوال ۔ یہ اقتدار کا مسئلہ نہیں تھا بلکہ مسلح افواج کی باگ ڈور کا سوال تھا؟
جواب ۔ آخر کار وہ اس بات پر تیار ہو گئے تھے کہ مجیب ملک کا کاروبار چلائے بشرطیکہ فوج پر اس کا کنٹرول نہ رہے۔ آپ اندازہ لگائیں کہ پچاس فیصد بجٹ پر وزیراعظم کا کنٹرول نہ ہو تو وہ ملک کو کیا خاک چلائے گا۔ مجیب نے اس شرط کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے مسلح افواج کے کنٹرول کی بات کی اور مذاکرات کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ یہ لوگ نہیں چاہتے تھے کہ فوج پر کسی کا کنٹرول ہو۔ لیکن انہوں نے ملک کی سالمیت کو تباہ کر دیا۔ اب بھی آپ دیکھ لیں کہ گزشتہ نو سال میں پاکستان اتنا متحد نہیں ہے جتنا اسے ہونا چاہئے تھا۔ گزشتہ نو سال میں مرکز گریز رجحانات بڑھے ہیں۔ میں تو اس کو فوج کی ہٹ دھرمی، حماقت اور حب الوطنی کے خلاف پالیسی کا نام دوں گا۔ جو بھی چیز قوم یا پالیسی پاکستان کو نقصان پہنچاتی ہو وہ "آن پیٹریاٹک" ہے۔ خواہ وہ دانستہ ہو یا غیر دانستہ، شعوری طور پر ہو یا غیر شعوری طور پر۔ یہ پاکستان کی سالمیت اور اتحاد کو برباد کرنے کے درپے ہیں۔ جب بھی ملک میں اختیارات میں مرکزیت ہو اور فوجی رول کا مطلب ہی "سینٹر لائز اتھارٹی" ہوتا ہے تو پھر وہ لوگ جو اقلیت میں ہوتے ہیں محسوس کرتے ہیں کہ ان کے حقوق غصب کئے جا رہے ہیں۔ سندھ میں یہی حالات ہیں۔ مہاجروں میں یہی سوچ پیدا ہو گئی ہے۔ بلوچستان کے لوگ اسی انداز میں سوچتے ہیں۔ سرحد میں حالات مختلف نہیں ہیں۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ پنجاب کا ملکی معاملات پر غلبہ ہے۔ فوج بنیادی طور پر پنجاب سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پنجاب سب سے بڑا صوبہ ہے۔ اس کی اکثریت ہے۔ جب پاکستان ایک تھا تو مشرقی پاکستان والے پنجاب سے ڈرتے تھے، خوفزدہ تھے۔ حالانکہ وہ اکثریت میں تھے۔ اب تو خوف زیادہ ہے۔ اس لئے جب بھی "سینٹر لائز اتھارٹی ہو گی اور مارشل لاء کا مطلب ہی "سینٹر لائز اتھارٹی" ہوتا ہے۔ حقوق کی تحریکوں کا زیادہ زور ہو گا اور مرکز گریز قوتیں مضبوط ہوں گی۔ ہر جگہ یہی ہوتا ہے اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ فوجی رول سے سیاسی پاور فوج کے ہاتھ میں ہو گا تو وہ ملک کو تباہ کر دیں گے۔ یہ ہم دیکھ چکے ہیں۔ فوج زیادہ عرصہ تک سیاسی پاور استعمال کرتی رہی تو باقی جو رہ گیا ہے وہ بھی تباہ ہو جائے گا۔ اس لئے اس معاملے میں کوئی سمجھوتہ ممکن نہیں ہے۔ ہر ملک کے اپنے اپنے مخصوص حالات ہوتے ہیں۔ ترکی کو آپ دیکھ لیں۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اتنا نقصان نہ اٹھایا ہو جتنا ہم نے اٹھایا ہے لیکن وہاں فوج کو ایک خاص مقام حاصل ہے ترکی میں فوج نے جنگ آزادی لڑی ہے۔ اور ترکی کے عوام کے دلوں اور ذہنوں میں ان کے لئے ایک خاص مقام ہے۔ وہ فوج کے اقتدار کو برداشت کر سکتے ہیں۔
سوال ۔ ترکی میں فوج کا وہی کردار ہے جو بنگلہ دیش میں فوج کا کردار ہے؟

جواب ۔ بنگلہ دیش میں صورت حال مختلف تھی۔ وہاں سیاسی طاقتوں نے بنگلہ دیش حاصل کیا ہے۔ یہاں پاکستان میں قیام پاکستان کے سلسلے میں فوج کا کوئی کردار نہیں ہے یہاں اگر فوج کا کوئی کردار ہے تو اس نے پاکستان کو توڑا ہے۔ یہ پاکستان کی تباہی کا سبب بنے ہیں۔ اس وجہ سے پاکستان کے عوام کے دلوں میں ذہنوں میں فوج کے لئے کوئی خاص مقام نہیں ہے۔ یہاں فوج کا مقام کبھی ہوتا تھا' اب نہیں ہے ہمارے ملک میں فوج کا رول مرکز گریز قوتوں کی مضبوطی کا باعث ہے جو بہر حال افسوسناک ہے۔ فوج عوام اور ان کے نمائندوں کے تابع ہونی چاہئے۔ ان کا کام حکم

سوال ۔ کہا تو یہی جاتا ہے کہ فوج کو حکم ماننا چاہئے۔ کیونکہ وہ سول پاور کا ایک بازو ہوتی ہیں لیکن ان سے کس طرح "بی ہیو" کرائیں گے۔ آپ اپنی تقریروں میں مسلسل یہ بات کہہ رہے ہیں کہ جب میں اقتدار میں آؤں گا تو میں ان کو بتاؤں گا کہ کس طرح "بی ہیو" کریں میں ان سے "ڈیل" کرنا جانتا ہوں۔ اس ضمن میں کیا طریقہ کار ہو سکتا ہے؟

جواب ۔ میں نے مسلسل یہ بات نہیں کہی ہے۔ یہ تو میں نے کل ہی کہا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمیں پورے ڈھانچے کو تبدیل کرنا ہو گا۔ یہ نو آبادیاتی فوج ہے۔ اس وقت جو فوج ہے وہ ملکہ وکٹوریہ کے گوروں کی تیار کردہ فوج ہے۔ انگریز جب یہاں آیا تو کیا فضا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ مقامی آبادی مخاصمانہ رویہ رکھتی ہے۔ مقامی لوگوں کو وہ قابل اعتبار نہیں سمجھتے تھے ان پر کسی طرح بھی اعتماد کرنے کو تیار نہیں تھے کیونکہ انڈیا میں بغاوت ہو چکی تھی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ جدوجہد آزادی نے انگریزوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ہندوستان کے لوگوں پر خصوصاً مسلمانوں پر اعتماد نہ کرو۔ انہوں نے کیا کیا فوج کو بیرکوں میں بند کیا۔ باڑ وغیرہ لگائی مقامی لوگوں کو فوج سے دور رکھا۔ اور فوجیوں کی برین واشنگ کی۔ پھر مختلف قبیلے جمع کئے۔ کوئی بلوچ کوئی پنجابی کوئی فلاں پھر بلوچ پنجاب رجمنٹ بنائی۔ صبح سے لے کر شام تک برین واشنگ کی جاتی تھی۔ انگریز بڑے ماہر تھے۔ ساری دنیا میں انہوں نے فوجیں تیار کی ہیں اور قومیت کی بنیاد پر فوج تشکیل دی گئی تھیں۔ بنیادی اصول یہ تھا کہ اپنے قبیلہ پر فخر کرو اور دوسرے قبیلوں کو تباہ کرو خیر برین واشنگ کر کے فوجیوں کو قوم سے علیحدہ کر دیتے تھے۔ فوجی اپنے آپ کو مختلف چیز سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو قوم کا حصہ نہیں سمجھتے تھے۔ ایک طرح سے "واٹر ٹائٹ کمپارٹمنٹ" بنایا ہوا تھا۔ اور انگریز ان کو ان کی ہی قوم کے خلاف استعمال کرتے تھے۔ یہی رویہ اور یہی سوچ آج تک فوج نے اپنایا ہوا ہے۔ ان کی سوچ میں خفیف سی تبدیلی بھی نہیں آئی ہے۔ ابھی تک چھاؤنیوں میں رہتے ہیں۔ پیشہ ور فوج ہے۔ بارہ مہینے وہاں رہتے ہیں برین واشنگ ہوتی ہے۔ اپنے آپ کو معزز اور بالادست تصور کرتے ہیں۔ عوام سے مختلف تصور کرتے ہیں۔ اگر آپ فوج کی سیاست میں مداخلت بالکل ختم کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو پہلے ان کی یہ سوچ تبدیل کرنا ہو گی۔ ہمیں نیشنل آرمی تشکیل دینا ہو گی۔

نیشنل آرمی کا مطلب ہے کہ پروفیشنل آرمی کو محدود کریں اور صرف چھوٹے پیمانے پر ان کے کیڈر رہیں۔ اس کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ پیشہ ور فوجیوں کے کیڈر اس لئے رکھنے ہوں گے کہ فنی مہارت بہت تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے۔ اسلحہ' انجینئرنگ' آرٹیلری' ایئر فورس اور نیوی وغیرہ کے لئے پیشہ ور فوجیوں پر مشتمل کیڈر تو رکھنے ہوں گے۔ لیکن اکثریت شہریوں پر مشتمل ہوگی۔ ان کی تھوڑی بہت ٹریننگ ہو وہ سال میں ایک مہینہ ہو سکتی ہے جس طرح اور آزاد ملکوں میں ہوتا ہے۔ جب آپ یہ سوچ پیدا کر لیں گے تو پھر عوام کو ان کے حقوق غصب کئے جانے کی شکایت پیدا نہیں ہوگی کیونکہ فوجی پہلے شہری ہوں گے پھر فوجی۔ جس طرح فوج کا ڈھانچہ تبدیل ہو گا سوچ میں بھی تبدیلی پیدا ہوگی۔ جب تک سوچ میں تبدیلی نہیں لائی جائے گی وہ اپنے آپ کو عام آدمی سے بالاتر ہی تصور کریں گے۔

دوسری بات یہ کہ ان کے ڈھانچے میں اس طرح تبدیلی لائی جا سکتی ہے کہ وہ ملک کے اقتدار پر قبضہ کرنے کے اہل ہی نہ رہیں جس طرح اب قابض ہو جاتے ہیں۔ میں اس بارے میں اچھی طرح جانتا ہوں لیکن اس کے متعلق اور فنی کیفیات کے متعلق گفتگو ابھی نہیں کروں گا۔ اس طرح کے اقدامات کئے جا سکتے ہیں جن سے نہ صرف پورا ڈھانچہ تبدیل ہو جائے بلکہ اپروچ بھی تبدیل ہو جائے۔ میرے خیال میں مسٹر بھٹو نے سب سے بڑی غلطی ہی یہی کی کہ فوج کو اس کے صحیح مقام پر نہیں رکھا حالانکہ وہ اس پوزیشن میں تھے اور ایسا کر سکتے تھے لیکن انہوں نے فوج کو سر پر بٹھایا۔ اسے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ انہوں نے اپنے دو مخالفین کو ایک دوسرے سے لڑایا۔ وہ بہت ذہین تھے۔ انہوں نے سوچا ہو گا کہ فوج کے پاس قوت ہے اور اس کی قوت کو کمزور کر دیا جائے اور دوسرے بلوچ سردار' جو ان کے مخالف تھے انہوں نے ان دونوں کو آپس میں لڑا دیا۔ بلوچ سرداروں سے فوج کو لڑایا مگر فوج حاوی ہو گئی۔ انہوں نے بلوچستان کو ان کے خیال میں ٹھیک ٹھاک اور سیدھا کر دیا اور سوچا کہ پنجاب کو کیوں نہیں کر سکتے۔ اس طرح "اسپیشن" بڑھ گئے۔ بات تو اپروچ کی ہے اور وہ غلط تھی۔ مسٹر بھٹو کو موقع ملا تھا لیکن انہوں نے اسے صحیح طور پر استعمال نہیں کیا۔ آپ کو یاد ہو گا کہ مسٹر بھٹو نے کراچی میں اپنا ایک جلوس نکالا تھا اور جنرل ضیاء الحق ان کے ساتھ ٹرک پر موجود تھے۔ یہ بات مولانا کوثر نیازی نے اپنے ایک مضمون میں بھی لکھی ہے' مسٹر بھٹو نے یہ جلوس میرے جلوس جو تقریباً پندرہ لاکھ افراد پر مشتمل تھا' کے جواب میں نکالا تھا۔ ضیاء الحق سادہ کپڑوں میں ان کے ساتھ بیٹھے تھے۔ وہ یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے دکھانا چاہتے تھے کہ میں کتنا مضبوط ہوں با اختیار ہوں حالانکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ فوج کو سیاست میں ملوث کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ جب ہمارے ساتھ سہالہ میں مذاکرات ہو رہے تھے تو اپنے ساتھ جنرلوں کو لے آئے تھے۔ ہم نے اعتراض کیا تھا بلکہ احتجاج کیا تھا کہ آپ ان کو کیوں ساتھ لائے ہیں۔ ہم نے کہا کہ ہمیں جنرلوں سے تو مذاکرات نہیں کرنے ہیں ہم تو

آپ سے مذاکرات کرنا چاہتے ہیں لیکن وہ ہمیں یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ جنرل ان کے ساتھ ہیں۔ انہوں نے بہت ساری غلطیاں کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے ان کے گناہ معاف کرے۔ مگر بات یہ ہے کہ فوج کو اس کے مقام پر رکھا جاسکتا تھا۔ پاکستان اس وقت بہت ہی المناک صورت حال سے دوچار تھا۔ ملک ٹوٹ گیا تھا اور یہ سب کچھ کیا جاسکتا تھا لیکن انہوں نے موقع ملنے کے باوجود موقع کھو دیا۔ حالانکہ وہ سب کچھ کر سکتے تھے۔ اس وقت یہ سب کچھ مشکل نہیں تھا۔ پورا ڈھانچہ تبدیل کیا جاسکتا تھا۔

سوال ۔ کیا صرف ڈھانچہ تبدیل کرنے سے صورت حال ٹھیک ہو سکتی ہے؟

جواب ۔ نہیں صرف ڈھانچہ نہیں پہلی چیز تو یہ ہے کہ عوام کا تعاون ہونا چاہئے اگر عوام نے ساتھ نہ دیا تو کچھ بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ پاکستان میں قوم کو دو مرتبہ موقع ملا ہے کہ فوج کو اس کے صحیح مقام پر رکھ سکیں پہلا موقع قائداعظم کو ملا وہ فوج کو اُس کی حیثیت بتا سکتے تھے لیکن انہیں وقت نہیں ملا وہ صاحب فراش تھے قیام پاکستان کے صرف ایک سال بعد وہ ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئے۔ دوسرا موقع مسٹر بھٹو کو نصیب ہوا تھا لیکن ہم نے دونوں مواقع کھو دیئے اگر ہمیں عوام کی اتنی ہی مدد حاصل رہی جو پیپلز پارٹی کو ۱۹۷۰ء میں نصیب ہوئی تھی تو ہم نہ صرف اس ملک کی تقدیر بدل سکتے ہیں بلکہ ہم ملک میں آئندہ ہمیشہ کے لئے مارشل لاء کا راستہ بند کر سکتے ہیں صرف ڈھانچہ کی تبدیلی کی بات تو نہیں ہے۔ پہلی بات عوام کی مدد اور ہمدردیاں ہیں۔ اس کے بغیر کچھ بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ باتیں تو بہت کی جاسکتی ہیں لیکن اصل بات عوام کی قوت اور تعاون ہے۔ دعا کریں کہ ہمیں یہ قوت اور تعاون حاصل ہو جائے۔

سوال ۔ ایک بار اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد جنرل اسے ریگولائز کیوں کرتے ہیں؟

جواب ۔ بات یہ ہے کہ ہمیشہ مشکل معلوم ہوتا ہے میں عرض کروں کہ جب ایوب خان کے خلاف تحریک چل رہی تھی آپ تو اس وقت کم عمر ہوں گے۔

سوال ۔ (اسلم قاضی) حیدر آباد میں آپ کے جلوس میں، میں بھی شامل تھا؟

جواب ۔ جی ہاں ۱۹۶۸ء کی بات ہے۔

سوال ۔ (اسلم قاضی) میرے والد صاحب گول میز کانفرنس میں ایوب خان کی ٹیم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے؟

جواب ۔ ہم بھی بعد میں گول میز کانفرنس میں شرکت کرتے گئے تھے۔ ۱۹۶۸ء میں انٹلی جنس کے سربراہ جناب اے بی اعوان ہوتے تھے۔ وہ بتاتے تھے کہ ۱۹۶۹ء مارچ میں ایوب خان مستعفی ہو گئے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر انہیں مارچ ۱۹۶۸ء میں کوئی کہتا کہ ایک سال بعد ایوب خان نہیں ہو گا تو وہ اسے پاگل قرار دیتے۔ کیا بھٹو صاحب جنوری ۱۹۷۷ء میں تصور کر سکتے تھے کہ چند ماہ بعد کیا ہونے والا ہے۔

سوال۔ جنوری تو کیا جولائی تک انہیں خیال نہیں ہو گا۔
جواب۔ ہاں انہیں یہ خیال ہی نہیں تھا کہ کوئی اور اقتدار میں آسکتا ہے۔ ان کا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ حالات کہیں سے کہیں چلے گئے۔ سوچا کچھ تھا اور ہوا کچھ اور۔
سوال۔ ایوب خان کے جانے سے فوج تو نہیں گئی بلکہ ایوب خان چلا گیا؟
جواب۔ وہ اور بات ہے۔
سوال۔ میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ فوج اس وقت تک اقتدار سے نہیں ہٹتی ہے جب تک کوئی بڑا بیرونی حملہ نہ ہو کوئی اور بہت بڑا مسئلہ پیدا نہ ہو جائے۔ کوئی اقتصادی بحران نہ آجائے؟
جواب۔ آپ لوگ یہ اپنے ذہن میں رکھیں کہ فوج کبھی بھی اقتدار راضی خوشی حوالے نہیں کرتی ہے۔ یہ بہت مشکل کام ہوتا ہے۔ وہ اس وقت تک واپس بیرکوں میں نہیں جاتے ہیں جب تک رائے عامہ ان کے خلاف نہ ہو جائے۔ ہمارے ملک کے حالات ایسے رخ اختیار کر گئے ہیں کہ ملک کو بڑا خطرہ درپیش ہے۔ ملک کے وجود کو خطرہ ہے۔ موجودہ حالات میں اس بات کی کوئی توقع نہیں ہے کہ مسائل حل ہوں گے اور ایک مستحکم نظام رائج ہو سکے گا۔ یہ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک ایک مستحکم سیاسی حکومت قائم نہیں ہوتی ہے۔ ایسا کب ہو گا کس طرح ہو گا کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن ہم جس سمت جا رہے ہیں وہ پر خطر ہے۔
سوال۔ کیا آپ محسوس کرتے ہیں کہ ایسا نہیں ہو گا؟
جواب۔ نہیں ہمارا تجربہ اور دنیا کا تجربہ یہی کہتا ہے کہ اب یہ بہت جلدی ہو گا۔ میرا مطلب ہے کہ آپ دیکھیں ۱۹۸۳ء کی تحریک دو یا تین ماہ تک چلی پھر ۱۹۸۶ء کی تحریک صرف چھ دن چل سکی۔ اگر آپ کو ذرہ برابر بھی فہم اور شعور ہے اگر آپ ناکامیوں کا تجزیہ کریں اور دیکھیں کہ غلطیاں کہاں کہاں ہوئی ہیں اور ان کا اعادہ نہ ہو۔ بہرحال میرا اپنا خیال ہے کہ تبدیلی بہت جلد آسکتی ہے۔۔ لائی جا سکتی ہے اس وقت جو صورت حال ہے۔' امن وامان کی بگڑتی ہوئی صورت حال نہایت تکلیف دہ ہے۔ کوئی بھی شائستہ حکومت اس صورت حال میں آپ کو حکومت میں برقرار نہیں رکھے گی۔ اور اقتدار ایسے سیاسی عناصر جو خواہ کوئی بھی ہوں کے حوالے کر دے گی لیکن یہ لوگ ایسا نہیں کریں گے۔ ایسا کبھی نہیں کریں گے۔ ہماری تاریخ بتاتی ہے کہ یہ اپنے آپ کو آخر وقت تک برقرار رکھنے کی کوشش کریں گے۔ آخر وقت بہت جلدی آسکتا ہے۔ لیکن کب' یہ نہیں کہا جا سکتا۔
سوال۔ مسلح افواج میں ایئر فورس اور نیوی عموماً مارشل لاء ڈیوٹی میں نہیں ہوتی ہیں تو جنرل کو کیوں نہیں کہتی ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ معاونت نہیں کریں گے؟
جواب۔ بات یہ ہے کہ نیوی سمندر میں تیرتی ہے اور ایئر فورس ہواؤں میں اڑتی رہتی ہے یہ کام ان کا ہوتا ہے جو زمین پر ہوتے ہیں۔ اس لئے بری فوج کا بڑا رول ہوتا ہے۔ اس لئے ایئر فورس اور نیوی

لاتعلق سی رہتی ہیں۔
سوال لیکن اگر وہ مارشل لاء نافذ کرنے والے جنرلوں سے علیحدگی اختیار کر لیں؟
جواب۔ میں کوئی راستہ تو نہیں بتا سکتا۔ لیکن "ڈس اون" کرنے سے کیا ہو گا۔ بات یہ ہے کہ ان کی ذمہ داریاں ہی مختلف ہوتی ہیں۔
سوال۔ ایوب خان نے جب "کو" کیا تھا تو آپ کو مطلع کیا تھا؟
جواب۔ نہیں مجھے مطلع نہیں کیا تھا بلکہ رات آٹھ بجے مجھے فون آیا کہ آپ ذرا یہاں آئیں۔ اسکندر مرزا نے ایوان صدر میں بلایا ہم چلے گئے۔ وہاں پر بتایا گیا کہ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیں۔ مجھے اس سے قبل معلوم نہیں تھا۔ پھر کہا گیا کو آپ یہاں بیٹھ جائیں اور مارشل لاء نافذ کرنے کا عمل شروع کر دیا گیا۔
سوال۔ کیا وہ آپ کی جانب سے کوئی مزاحمت کا خوف رکھتے تھے؟
جواب۔ نہیں نہیں یہ گفتگو بڑے دوستانہ اور خوشگوار ماحول میں ہو رہی تھی اور پھر میں نے کون سا پستول چلانا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ سیاست دان ملک چلانے میں ناکام رہے ہیں۔ حالات بڑے خراب ہیں۔ ہاں اس سے پہلے آپ یہ بھی تو سوچیں کہ میں اس وقت سیاسی آدمی تو تھا نہیں۔ میں تو خالصتاً ایک پیشہ ور فوجی تھا۔ میرا سیاست سے کوئی تعلق نہیں تھا اور میں تو ایئر فورس کی ٹریننگ میں رات دن مصروف تھا بہر حال پھر انہوں نے کہا کہ ہم نے سوچا ہے کہ ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیں۔ ہم نے اپنے کام کا آغاز کر دیا ہے۔ ابھی آٹھ بجے ہیں دو گھنٹے کے اندر اندر یہ کام مکمل ہو جائے گا۔ آپ اس وقت تک یہاں بیٹھیں۔ میں بیٹھا رہا۔ تقریباً دو گھنٹے بعد کہا گیا کہ کام مکمل ہے۔ اب آپ جا سکتے ہیں اور اپنے فرائض ادا کرتے رہیں۔ میں نے وہاں سے آنے کے بعد ایک کام کیا جو نیک کام تھا اپنی دانست میں مگر بعد میں بیگم وقار النساء نون (وزیر اعظم فیروز خان نون کی اہلیہ) مجھ سے ناراض ہو گئیں۔ میں جب گھر پہنچا تو مجھے یاد آیا کہ وزیر اعظم کی بیگم کو ہمارے جہاز سے دوسرے دن صبح لاہور سے کوئٹہ جانا ہے۔ وہاں انہیں ریڈ کراس کے سلسلے میں جانا تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر بیگم صاحبہ چلی گئیں اور انہیں وہاں جا کر معلوم ہوا کہ مارشل لاء لگ چکا ہے تو بلاوجہ پریشان ہوں گی اور انہیں واپس لانے کے لئے بھی کوئی تیار نہیں ہو گا۔ بہتر ہے کہ یہ وہاں نہ جائیں بے چاری وہاں جا کر پھنس جائے گی اور پریشان ہوں گی کہ مارشل لاء کے نافذ ہونے کے بعد تو وزیر اعظم کی بیگم والی حیثیت ہی ختم ہو چکی تھی۔ میں نے ایئر فورس کو لاہور فون پر ہدایت کی کہ صبح جب بیگم نون آئیں تو انہیں بتا دیا جائے کہ جہاز کوئٹہ نہیں جا رہا ہے لاہور والوں کو علم ہی نہیں تھا کہ ملک میں مارشل لاء لگ چکا ہے۔ جب صبح چھ بجے وہ آئیں ان کو بھی علم نہیں تھا کہ مارشل لاء لگ چکا ہے۔ فیروز خان نون کے علم میں بھی نہیں تھا کہ ان کا فون کاٹ دیا گیا تھا۔
سوال۔ کیا وزیر اعظم کو علم نہیں تھا کہ مارشل لاء لگ چکا ہے؟

جواب۔ ان کا فون کاٹ دیا گیا تھا۔
سوال۔ انہیں مطلع تو کیا گیا ہو گا؟
جواب۔ مطلع کیا خاک کرنا تھا۔ فون کٹ چکا تھا۔ وہ گھر پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کو پتہ ہی نہیں تھا کہ وہ کوئی رابطہ ہی نہیں کر سکتا تھا۔ صبح پتہ لگا ہو گا۔ میرا خیال ہے کہ فوج نے پہلے سے ساری تیاری کی ہوئی تھی۔ تو خیر جب وہ صبح کے وقت ایئرپورٹ پر پہنچی تو ان کو بتایا گیا کہ جہاز نہیں جا رہا ہے۔ انہوں نے وجہ معلوم کی اور جواب دیا گیا کہ معلوم نہیں خیر وہ نہیں جا سکیں۔ جب مجھے کچھ دنوں بعد ملیں تو بہت ناراض تھیں کہنے لگیں کہ تم نے میرے ساتھ ظلم کیا۔ تم نے یہ کیا وہ کیا۔ میں نے ان سے کہا کہ میں نے جو کچھ کیا وہ آپ کے مفاد میں تھا میں آپ کو بلاوجہ کسی پریشانی میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ انہوں نے سمجھا تھا کہ میں نے یہ سب کچھ دانستہ طور پر انہیں پریشان کرنے کے لئے کیا۔ میں نے انہیں اچھی طرح سمجھایا بہرحال بعد میں وہ سمجھ چکی تھیں۔ ایوب خان کے اس مارشل لاء سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔ حالانکہ اس نے مجھے ڈپٹی مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر مقرر کیا تھا۔ اگر کوئی اس مارشل لاء کے سلسلے میں میرا ایک بیان ایک حکم یا کسی کاغذ پر ایک دستخط دکھا دے تو میں سیاست سے ریٹائر ہو جاؤں گا۔ میں نے ایوب خان سے کہا تھا کہ خدا کے واسطے ہمیں اپنے ان کاموں سے محفوظ رکھو۔ ہمیں اپنا کام کرنے دو تو اس نے جواب دیا تھا کہ یہ ڈپٹی مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کا عہدہ تو اعزازی ہے تمہیں کوئی عملی کام نہیں کرنا ہو گا اور میں نے کیا بھی کچھ نہیں۔ پھر جب ایوب خان نے ۲۷ر اکتوبر کو دوسرا فیصلہ کیا تو پھر مجھے ایوان وزیر اعظم کراچی میں بلایا اور کہنے لگا کہ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اسکندر مرزا سے جان چھڑائیں۔ یہ mischief کر رہا تھا۔ یہ ملک کو تباہ کرنے پر تلا بیٹھا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ مجھے کچھ پتا نہیں تھا۔

سوال۔ ایوب خان تنہا تھے یا جنرل اعظم بھی موجود تھے؟
جواب۔ پہلے آپ میری بات سن لیں۔ ایوب نے مجھے کہا کہ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اسکندر مرزا سے استعفیٰ لے لیں۔ یہ جنرل اس کے پاس استعفیٰ لینے جا رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ بھی ان کے ساتھ جائیں۔ اس وقت وہاں پر جنرل اعظم جوان دنوں کراس بیلٹ پہنتے تھے اپنے میڈل وغیرہ لگاتے تھے، جنرل شیخ، جنرل برکی اور بریگیڈئر شیر بہادر موجود تھے۔ میں نے فوراً جواب دیا تھا کہ مجھے اس کاروبار میں ملوث نہ کریں۔ جب آپ نے اور اسکندر مرزا نے مارشل لاء نافذ کیا تھا تو بھی میں ملوث نہیں تھا اور اب بھی میری یہی خواہش ہے کہ میں ملوث نہ ہوں۔ مجھے معاف کریں میں اس سلسلے میں کوئی کردار ادا نہیں کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سب لوگ اعظم، برکی، شیخ زندہ ہیں ان سے تصدیق کی جا سکتی ہے۔ پھر ایوب خان بولا اچھا تو آپ یہاں بیٹھو۔ میں بیٹھا ہوا تھا۔ یہ چاروں افراد جو اپنی وردی میں ملبوس تھے جبکہ میں نے سادہ کپڑے پہنے ہوئے تھے چلے گئے۔ ایوب خان

اصغر خان شیخ مجیب الرحمٰن سے گفتگو، جب وہ سیاست میں نووارد تھے۔

نروس سے تھے میں اور وہ ٹیبل پر آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ چاروں افراد پانچ دس منٹ بعد جیسے ہی واپس آئے ایوب خان نے پوچھا "کیا ہوا کیا ہوا؟" انہوں نے بتایا کہ اس نے (اسکندر مرزا) فوری طور پر دستخط کر دیئے۔ ہوا یہ تھا کہ جب یہ لوگ ایوان صدر پہنچے تو انہوں نے اے ڈی سی سے کہا کہ ہم صدر سے ملنا چاہتے ہیں اس وقت رات کے دس بج چکے تھے۔ صدر اپنے سونے کے کمرے میں جا چکا تھا۔ اے ڈی سی نے جب بتایا کہ وہ آرام کرنے چلے گئے ہیں تو انہوں نے کہا کہ کوئی بات نہیں انہیں اطلاع دیں۔ درحقیقت اسکندر مرزا محسوس کر چکا تھا کہ کیا ہونے جا رہا ہے جب اے ڈی سی صدر کو اطلاع دینے گیا تو صدر جو اس وقت آرام کے کپڑوں میں تھا فوراً آیا اور اس نے زینے کے اوپر سے ہی پوچھا کہ تم لوگ کاغذ تیار کر کے لائے ہو۔ انہوں نے کہا ہاں جناب۔ اس نے کہا کہ اچھا لاؤ دو۔ اعظم خان نے پہلے سے تیار شدہ استعفیٰ آگے بڑھایا اور شیر بہادر نے اپنا قلم دیا۔ اسکندر مرزا نے دستخط کر دیئے۔

سوال۔ یہ صورت حال تو اس وقت پیدا ہوئی تھی نا جب اسکندر مرزا نے ایئر فورس کو استعمال کرنے کی کوشش کی تھی۔ کموڈور مقبول رب سے جو واقعہ منسوب ہے وہ کیا تھا؟

جواب۔ وہ تو معمولی بات تھی۔

سوال۔ جو کچھ ہوا اگر اس صورت حال میں ایوب خان پہل نہ کرتے تو اسکندر مرزا اپنا کام کر جاتے؟

جواب۔ یہ لمبا واقعہ ہے میری کتاب "جرنیل سیاست میں" پڑھ لیں۔

سوال۔ یہ بات صرف کموڈور رب تک محدود تھی یا کچھ اور لوگ بھی ملوث ہو چکے تھے؟

جواب۔ نہیں کوئی ملوث نہیں ہوا تھا اور نہ ہی رب ملوث تھا۔ بات صرف یہ تھی کہ میں دورے پر گیا ہوا تھا۔ رب کہتا ہے کہ اسکندر مرزا نے اسے فون پر کہا۔ رب کا دعویٰ ہے کہ فون پر اسکندر مرزا ہی تھے کیونکہ وہ ان کے ساتھ برج کھیلتا رہا تھا۔ اس لئے ان کی آواز سے مانوس تھا۔ اسکندر مرزا نے رب نواز سے پوچھا کہ تم کیا کر رہے ہو اس نے بتایا کہ نیند کر رہا ہوں۔ تو اسکندر مرزا نے کہا کہ جلدی سے میرے پاس آؤ۔ اور پھر کہنے لگا کہ دیکھو ایوب خان حرکتیں کر رہا ہے۔ میں اس پر اعتماد نہیں کرتا ہوں۔ میں اسے تبدیل کرنا چاہتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ جاؤ اور فلاں فلاں افراد سے رابطہ قائم کرو۔ رب کہتا ہے کہ میں یہ گفتگو سن کر نروس ہو گیا اور میں نے کہا کہ فون ٹھیک طرح کام نہیں کر رہا ہے میں آپ کے پاس آتا ہوں۔ مقبول رب نے سوچا کہ کہیں کوئی انٹیلی جینس والا فون نہ سن رہا ہو یہ تو ایسی خطرناک باتیں کر رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں جب ایوان صدر پہنچا تو صدر صاحب چمن میں کسی کے ہمراہ ٹہل رہے تھے۔ میں پندرہ بیس منٹ تک کھڑا رہا۔ انہوں نے میری طرف دیکھا بھی لیکن بلایا نہیں۔ میں کھڑا رہا۔ پھر میں واپس چلا آیا اور میں نے بریگیڈیئر شریف سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہئے۔ شریف نے کہا کہ کچھ نہیں کرو یہ بڑی خطرناک

بات ہے۔ کیا تمہیں یقین ہے کہ فون پر اسکندر مرزا ہی تھا لیکن جب میں گیا تو اس نے کچھ نہیں کہا تو شریف نے کہا پھر کچھ نہ کرو۔ یہ سارا واقعہ کموڈور مقبول رب نے مجھے سنایا تھا۔

سوال۔ جب دوسرا مارشل لاء آیا تو اس سے قبل ایوب خان کے پاس پورا موقع تھا کہ اقتدار آئین کے مطابق قومی اسمبلی کے اسپیکر کے سپرد کر دیتے کیا عوامل تھے کہ انہوں نے یحییٰ خان کو خط لکھ کر بلایا اور اقتدار فوج کے سربراہ کے حوالے کر دیا؟

جواب۔ خط تو نہیں لکھا گیا تھا۔

سوال۔ اخبارات میں تو خط کا متن شائع ہوا تھا؟ (متن ضمیمہ...... پر دیکھیں)

جواب۔ وہ خط بعد میں تحریر کیا گیا۔ فیصلہ پہلے ہو گیا تھا۔ درحقیقت دس سال قبل والا ایوب خان کمزور ہو چکا تھا۔ وہ بیمار بھی تھا۔ کچھ تیز دواؤں کی وجہ سے کمزور تھا۔ دوسرے ملکی حالات کے بارے میں بھی اسے غلط اطلاعات فراہم کی جا رہی تھی۔ ملٹری انٹلی جنس تو یحییٰ کے اشاروں پر کام کر رہی تھی۔

سوال۔ آپ کا مطلب ہے کہ مارشل لاء لگانے کا فیصلہ پہلے ہو چکا تھا اور خط صرف ضابطہ کی کاروائی پوری کرنے کے لئے لکھا گیا تھا؟

جواب۔ جی ہاں ایوب کو جن خراب حالات کی اطلاع دی جا رہی تھی وہ اتنے خراب نہ تھے۔

سوال۔ ایسا کیوں تھا۔

جواب۔ اس کی ایک سے زیادہ وجوہات تھیں۔ ایوب خان کو بتایا جا رہا تھا کہ ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے۔ اس نے اس کے بعد یحییٰ خان کو بلایا۔ عزیز احمد اور اس کا وزیر دفاع اے آر خان موجود تھا۔ اس نے یحییٰ خان سے کہا کہ میرا خیال ہے کہ تم مشرقی پاکستان اور پنجاب میں مارشل لاء لگا دو۔ اس پر یحییٰ خان نے کہا کہ میں آپ سے تنہائی میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ دوسروں کو باہر جانے کا اشارہ کیا گیا یحییٰ خان نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ آپ کا خیال درست ہو لیکن مارشل لاء کا مطلب ملٹری کنٹرول ہوتا ہے۔ میں کمانڈر انچیف ہوں۔ مجھے ملک چلانا ہو گا۔ ہم دہرا کنٹرول تو نہیں رکھ سکتے ہیں۔ مطلب صاف تھا کہ اب آپ چھٹی کریں۔ ایوب خان کمزور تھا۔ ذہنی طور پر تھک چکا تھا۔ اس نے کہا ٹھیک ہے پھر خط تحریر کیا گیا جس کا مسودہ یحییٰ نے تیار کیا۔

سوال۔ پھر اس کے بعد تیسرا مارشل لاء نافذ کیا گیا۔ اس سے قبل ۲۸ر اپریل ۱۹۷۷ء کو ایک بیان جاری ہوا تھا جس میں افواج کے سربراہوں نے بھٹو حکومت کو تعاون کا یقین دلایا تھا؟

جواب۔ وفاداری والا بیان۔ (ضمیمہ..... دیکھیں)

سوال۔ پھر اس کے بعد فوج کے نام آپ کا خط آیا؟

جواب۔ خط آیا۔

سوال۔ یہ آپ بتائیں۔ ہم نے پڑھا ہے کہ آپ نے ایک خط لکھا تھا؟
جواب۔ لکھا تھا جیل سے۔
سوال۔ سروسز چیف کو؟
جواب۔ فوج کے تمام افسروں کو۔
سوال۔ لیٹر کس کو ایڈریس کئے گئے؟
جواب۔ اوپن لیٹر تھا۔ (ضمیمہ دیکھیں)
سوال۔ اپیل تھی؟
جواب نہیں...... یہ کھلا خط تھا۔ چیف اور افسروں کے نام۔
سوال۔ آپ نے اپنے لیٹر میں زور دیا تھا کہ غیر قانونی احکامات پر عمل نہ کریں؟
جواب۔ جی! میں نے لکھا تھا کہ یہ آپ کا فرض ہے کہ ان کی حکم عدولی کریں۔ اگر غیر قانونی حکم ہو تو سپاہی کا فرض ہے کہ وہ حکم عدولی کرتے عمل نہ کریں یہ اصول ہمیشہ کے لئے ہے اور آج بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔
سوال۔ ایسا کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہماری آرمی میں تو حکم عدولی کا تصور ہی نہیں ہے؟
جواب۔ میں نے ایسا کیا ہے۔ ۱۹۴۲ء میں جب میں حیدر آباد (سندھ) میں متعین تھا یہ جو آپ کا میدان (آج کا جمعہ بازار گراؤنڈ) ہے یہاں ہمارا کیمپ تھا۔ حیدر آباد اس وقت بڑا خوبصورت شہر تھا اس وقت ہمارا کیمپ حر آپریشن کے سلسلے میں لگنے والے مارشل لاء سے متعلق تھا۔ ایک دن مجھے حکم ملا کہ مشرقی کھپرو (ضلع سانگھڑ) میں پیر صاحب پگارہ کا ایک قافلہ آرہا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ تم جاؤ اور ان پر گولیاں برساؤ میں گیا۔ چار ہوائی جہاز تھے۔ اور ہم نے قافلہ تلاش کر لیا۔ قافلے میں ۷۔ ۸ یا ۱۰ اونٹ تھے ہم نے اوپر سے چکر لگایا۔ ہمارے جہازوں میں گن نصب تھیں ہمیں فوجی ڈیکوریشن سے نوازا جاتا۔ پروموشن ملتی لیکن جب ہم نے قافلے کے اوپر چکر لگایا تو دیکھا کہ یہ تو عورتیں اور بچے تھے۔ پیر صاحب پگارا بھی اس میں ہوں گے۔
سوال۔ انہیں تو انگریز کہیں اور لے گئے تھے؟
جواب۔ بعد میں لے گئے تھے۔
سوال۔ کیا یہ بغاوت کے دوران کی بات ہے۔ اس وقت مارشل لاء لگ چکا تھا؟
جواب۔ سندھ میں مارشل لاء لگ چکا تھا۔ ہم یہاں ملٹری ایکشن کر رہے تھے۔ ہم آئے ہی تھے کہ ہمیں اطلاع دی گئی۔
سوال۔ آپ کا اس وقت رینک کیا تھا؟
جواب۔ میں اس وقت پائلٹ آفیسر تھا۔ سب ہی تھے ایک فلائنگ افسر پر کاش نیرا۔ جو بعد میں بھارت کی ایئر فورس کا سربراہ بنا۔ آج کل وہ کسی صوبے کا گورنر ہے۔ کوئی مشکل کام ہوتا تو وہ

خود نہ کرتا۔ وہ کہتا خان تم جاؤ۔ وہ انچارج تھے لیکن مجھے بھیجا میں جہاز لے کر گیا جب ہم نے چکر لگایا تو اونٹوں نے چھلانگیں ماریں اور ادھر ادھر بھاگے۔ نہ درخت تھے اور نہ ہی کوئی اور بچاؤ کی جگہ نہ چھپنے کے لئے کوئی مقام وہ قافلہ آسانی سے نشانہ بنایا جا سکتا تھا لیکن میں نے سوچا ہم فوجی ہیں۔ ہماری ذمہ داری سویلین کو شوٹ کرنا نہیں ہے۔ یہ ہمارا فرض نہیں ہے۔ یہ سوچتے ہی میں اپنے جہازوں کو لے کر واپس آ گیا۔ بریگیڈیئر انچارج ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے پوچھا کیا ہوا؟ میں نے پورا واقعہ سنا دیا۔ اس نے کہا تم نے یہ کیا کیا۔ میں نے کہا کچھ بھی نہیں اس نے پوچھا کیوں؟ میں نے جواب دیا میں نہیں سمجھتا کہ یہ قانونی حکم ہے۔ وہ سویلین تھے اور ہم پر فائرنگ نہیں کر رہے تھے۔ عورتیں اور بچے ہیں۔ میں ان کو نہیں ماروں گا۔ اس نے کہا کہ تم زیر حراست ہو۔ مجھے گرفتار کیا گیا۔ کوہاٹ لے جایا گیا۔ تحقیقات ہوئی مجھے کچھ نہیں ہوا۔ اس وقت مجھے نہ قانون کا پتہ تھا اور نہ ہی اس وقت تک نیومبرگ ٹرائلز ہوئے تھے۔ مجھے بھی ایسی باتوں کا علم نہیں تھا۔ میں نے بعد میں اس موضوع کے متعلق بہت پڑھا۔ میں نے کہا کہ ہمیں کہا گیا ہے کہ صرف قانونی حکم کو بجا لائیں۔ اس کے بعد سرجیت سنگھ تھا۔ بعد میں وہ بھارت کا وزیر دفاع بنا۔ اس کا اسکویڈرن گیا اس نے بڑے لوگ مارے ہم نے ایک آدمی بھی نہیں مارا۔

سوال۔ ایسا تو ۱۹۷۷ء کی تحریک کے دوران بھی ہوا تھا کہ جب لاہور میں کچھ بریگیڈیئرز نے احکامات ماننے سے انکار کر دیا تھا لیکن یہی عمل ۱۹۸۳ء میں سندھ میں کیوں نہیں ہوا؟

جواب۔ یہ اپنے اپنے ضمیر کی آواز ہوتی ہے۔ ہر شخص کا اپنا ضمیر ہوتا ہے۔ مجھے نہیں پتہ کہ اس معاملے میں ایسا کیوں نہیں ہوا۔ میرے ضمیر نے تو ۱۹۴۲ء میں یہی کہا تھا۔ حالانکہ میری عمر صرف ۲۱ برس تھی۔

سوال۔ دوسری چیز یہ کہ ساری صورت حال کے باوجود ۱۹۷۲ء میں ائیر مارشل رحیم خان اور جنرل گل حسن کا جانا کیا تھا؟

جواب۔ آپ تو بڑی لمبی کتاب لکھ رہے ہیں۔ چھپنے سے پہلے دکھا دیجئے گا۔

سوال۔ اٹک کیس کا کیا پس منظر ہے؟

جواب۔ اٹک کیس سے ائیر مارشل رحیم خان کا تعلق نہیں تھا۔

سوال۔ ایک کیس وہ بھی تو تھا کہ جس میں عدالت کے سربراہ جنرل ضیاء تھے؟

جواب۔ جی ہاں' وہ ایک مبینہ سازش تھی۔ حکومت کے خلاف۔ ۱۹۷۳ء میں کورٹ مارشل ہوا تھا۔ مجھے اس کے پس منظر کا پتہ نہیں۔

سوال۔ اس میں آپ کے کچھ رشتے دار بھی تھے؟

جواب۔ میرا برادر نسبتی تھا۔ میں اس میں ملوث نہیں تھا۔ اور نہ اب مجھ سے اس کیس کے بارے میں کچھ پوچھنے کی ضرورت ہے۔ ہر چیز چھپ چکی ہے۔ ملزمان پر مقدمہ چلا تھا اور ضیاء الحق کی

عدالت نے جرم ثابت ہو جانے کے بعد ملزمان کو سزا دی تھی۔
سوال۔ جب آپ لوگوں کو سہالہ والے مذاکرات کے لئے بلایا گیا تو آپ نے لکھا ہے کہ جنرل ضیاء بھی موجود تھے اور بقول آپ کے کہ وہ ان مذاکرات کی وجہ سے خوفزدہ تھے۔ کیا یہ تاثر تھا کہ فورسز معاہدہ نہیں چاہتی تھی؟
جواب۔ فورسز کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ جنرل ضیاء نہیں چاہتا تھا۔ مگر میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ جنرل ضیاء کی وجہ سے تاخیر ہوئی تھی۔ بھٹو کی اپنی غلطی تھی کہ انہوں نے مذاکرات کو غیر ضروری طول دیا۔ ان کی انا تھی یا کیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا۔ حالانکہ مسئلہ کچھ نہیں تھا۔ ایک ہی بات طے ہونا رہ گئی تھی، وہ سپریم کونسل کی صدارت کا مسئلہ تھا۔ ہم کہتے تھے کہ پاکستان قومی اتحاد کے سربراہ اور وزیراعظم مشترکہ کنٹرول کریں۔ وہ کہتا تھا کہ یہ میرا حق ہے لیکن آخری وقت میں وہ کہتا تھا کہ میں اس کو بھی مان لیتا ہوں۔
سوال۔ معاہدے کا مسودہ تو دونوں فریق ایک دوسرے کے حوالے کر چکے تھے؟
جواب۔ جی ہاں! پھر اس نے کہا کہ مان لیتا ہوں۔ اس نے کابینہ کو بتایا۔ ضیاء الحق وہاں موجود تھا۔ ضیاء الحق نہیں چاہتا تھا کہ سمجھوتہ ہو "کو" کی تیاری تو مکمل تھی۔
سوال۔ کیا اس سے پہلے آپ لوگوں نے یہ تاثر لیا تھا کہ یہ جنرل نہیں چاہتے کہ سمجھوتہ ہو؟

سوال۔ کیا اس سے پہلے آپ لوگوں نے یہ تاثر لیا تھا کہ یہ جنرل نہیں چاہتے کہ سمجھوتہ ہو؟
جواب۔ نہیں۔ ایسا کوئی تاثر نہیں تھا۔ خطرہ ہمیشہ تھا۔ ہم چاہتے تھے کہ جلدی ہو۔ لیکن بھٹو صاحب ملک سے باہر دورے پر چلے گئے۔ میں نہیں سمجھ سکا ہوں کہ وہ ایسے موقع پر ۵۔ ۶ دن کے لئے ملک سے باہر کیوں چلے گئے۔ حالانکہ وہ مان گئے تھے اور انہوں نے اپنی کابینہ کو بتایا کہ معاہدہ ۲۔ ۳ روز میں ہو جائے گا۔ جب مجھے صبح دو بجے گرفتار کیا گیا تو ہمیں جگایا گیا اور بتایا گیا کہ گھر کو گھیر لیا گیا ہے اور کوئی کیپٹن یا میجر آیا ہوا ہے۔ مجھے اس وقت بھی پتہ نہیں تھا کہ یہ کس نے کیا ہے؟ بھٹو نے ہمیں گرفتار کیا ہے یا کسی جنرل نے یا ضیاء الحق نے۔ میں نے پوچھا تمہیں کس نے حکم دیا ہے؟ اس نے کہا کہ ہمیں تو کمانڈر کا حکم ہے۔ ہمیں پتہ نہیں کیا ہو رہا ہے۔ ہم تو آپ کو ہیڈ کوارٹر لے جانے کے لئے آئے ہیں۔ جب میں وہاں پہنچا تو ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ میں اس کو نہیں جانتا تھا۔ اس نے کہا اسلام علیکم میں نے کہا وعلیکم اسلام۔ اس نے کہا میرا نام راؤ رشید ہے۔ میں نے کہا آپ کا نام میں نے سنا ہے۔ آپ یہاں کیسے آئے ہیں۔ آپ پرائم منسٹر کی سیکیورٹی کے انچارج نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا مجھے بھی لائے ہیں۔ پھر میں سمجھا کہ یہ بھٹو کا معاملہ نہیں ہے بلکہ ضیاء الحق کا "کو" ہے۔
سوال۔ جس طرح ڈیفنس سائنس ایک بھرپور مضمون ہے اس طرح پولیٹیکل سائنس بھی ایک مضمون ہے۔ لیکن یہ رجحان چل نکلا ہے کہ لوگ اپنی مدت ملازمت پوری کرنے کے بعد جب

ریٹائر ہوتے ہیں تو سیاست میں آجاتے ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا یہ رجحان درست ہے؟
جواب۔ آج تک پاکستان کی سیاست میں کوئی فوجی نہیں رہا ہے۔ بیس تیس اوپر سے آئے ہیں۔ اوپر سے ٹپکتے رہے ہیں۔ لیکن رہے نہیں۔ نیچے سے صرف میری مثال ہے میں نام لیتا ہوں۔ جنرل اعظم، جنرل امراؤ، جنرل شیر علی کئی اور جنرل ہیں وہ لوگ آئے انہوں نے کوششیں کیں۔ فرمان علی اوپر سے ٹپک پڑا ہے۔ صرف میری ایک مثال ہے جو نیچے سے آیا ہے۔ مار کھائی ہے، ڈنڈے کھائے ہیں، قید ہوئے ہیں لیکن میں نے جدوجہد جاری رکھی ہے اور میدان میں موجود ہوں۔ سیاست فوجیوں کے مزاج کے خلاف ہے۔ وہ اپنے آپ کو ماحول کے مطابق نہیں ڈھال پاتے ہیں کیونکہ وہ تو حکم دینے اور اختیارات استعمال کرنے کے عادی ہوتے ہیں۔ پاکستان میں جو کمانڈر انچیف ہوتا ہے نا وہ آسمان پر رہتا ہے۔ ہواؤں میں اڑتا ہے۔ اتنے اختیارات ہوتے ہیں جو تصور نہیں کئے جاسکتے۔ یہ امراء لارڈز کی طرح رہتے ہیں۔
سوال۔ صرف ہمارے ملک میں یا پوری دنیا میں؟
جواب۔ تیسری دنیا کے ممالک میں پاکستان سمیت، برطانیہ میں جو چیف ہوتے ہیں وہ فلیٹ میں رہتے ہیں۔ وہ انسانوں کی طرح پیش آتے ہیں گھر میں دودھ والی بوتلیں عام انسانوں کی طرح استعمال کرتے ہیں۔ بیوی گھر کا کام کاج کرتی ہے۔ یہاں تو یہ لوگ لارڈز کی طرح رہتے ہیں۔ بادشاہ بنے ہوئے ہیں سب اس زندگی کو پانچ دس سال گزارنے کے بعد جہاں پولیس والے دس دس گھنٹے سلوٹ کرنے کے لئے گھر کے گرد کھڑے ہوں تو اس کے بعد پولیس والے سے ڈنڈے کھانے اور مار کھانی ان کے بس کی بات نہیں ہوتی ہے۔ ان لوگوں کے لئے یہ تجربہ کبھی بھی خوشگوار نہیں ہوتا۔ میری بات مختلف اس لئے ہے کہ میں اس عمل پر یقین رکھتا ہوں۔ میں نے تو تمام اونچ نیچ دیکھ رکھی ہے۔ حالانکہ میرے لئے یہ سب کچھ کوئی خوشی کی بات نہیں ہے لیکن میں نے تو فیصلہ کیا ہوا ہے۔ دوسروں کی بات کرتے ہیں نام لیں کہ انہوں نے کیا جدوجہد کی ہے۔ میں مستثنٰی ہوں۔ میں کسی پر پھبتی نہیں کس رہا ہوں۔
سوال۔ میں بھی ایک اصول کے طور پر بات کر رہا ہوں؟
جواب۔ میرا خیال ہے کہ کوئی حرج نہیں ہے کہ فوجی سیاست میں نہ آئیں۔ لیکن ہر ایک کے لئے ممکن نہیں ہے۔ یہ ذرا مشکل کام ہے۔ میرے لئے تو اس لئے ممکن تھا کہ ایک لحاظ سے ان کے مقابلے میں جوان تھا۔ میں صرف چوالیس سال کا تھا جب ریٹائر ہوا تھا۔ زیادہ عمر ہو جائے تو اپنے آپ کو ماحول کے مطابق ڈھالنا ذرا مشکل ہو جاتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا ہوں کہ ناممکن ہوتا ہے۔ ہمارے جیسے ملک میں سیاست آسان چیز نہیں ہے۔ یہ بڑا مشکل کام ہے۔
سوال۔ آپ نے لکھا ہے کہ میں آرام سے اپنے بنگلے میں بیٹھا تھا تو ایوب خان کے خلاف تحریک کے دوران آپ کو کس چیز نے سیاست میں آنے پر آمادہ کیا تھا؟

جواب۔ اگست ۶۸ء کی بات کر رہا ہوں کہ بھٹو صاحب آئے تھے کہنے لگے میری پارٹی میں شامل ہو جاؤ۔ میں نے جواب دیا تھا کہ میری کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ یہ لوگ مجھے گرفتار کر کے مار دیں گے۔ میں نے جواب دیا تھا کہ تم فکر مت کرو کچھ نہیں ہو گا۔ اگر تمہیں کچھ کیا تو پھر ہم کچھ کریں گے بعد میں کچھ ظلم زیادہ ہوا۔ میں نے سوچا کہ لاہور جا کر پریس کانفرنس کروں اور بیان جاری کروں۔ بشیر قریشی صاحب جو اس وقت پی پی آئی کے بیورو چیف تھے بہت اچھے انسان تھے ان سے مشورہ کیا۔ میں نے بیان کا مسودہ دکھایا تو کہنے لگے کہ یہ خطرناک ہے۔ ابھی مت جاری کریں میں نے کہا کہ خطرناک بات تو ہے۔ لیکن میں کہنا چاہتا ہوں کہ انصاف ہونا چاہئے۔ گرفتاریاں بند ہونی چاہئے۔ لوگوں کو اظہار خیال کی آزادی ہونی چاہئے۔ میرے خیال میں بے ضرر بیان تھا۔ پھر ایک پریس کانفرنس میں، میں نے بیان دیا۔ ایک طوفان کھڑا ہو گیا۔ لاہور بار ایسوسی ایشن نے مجھے خطاب کی دعوت دی دوسرے دن جاوید اقبال آئے اور انہوں نے دعوت دی تھی۔ میں اس وقت تک سیاست میں دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔ لیکن پھر میں نے ملک کے مختلف حصوں میں بار سے خطاب کرنا شروع کر دیا پھر جلوس بنتے گئے اور جلسے ہوتے گئے۔

سوال۔ پہلے افواج کے سربراہ کمانڈر انچیف ہوتے تھے۔ بھٹو صاحب نے اس عہدے کو چیف آف آرمی اسٹاف کا نام دے دیا۔ کیا فرق ہے اس میں اور اس میں؟

جواب۔ کوئی خاص فرق نہیں تھوڑا سا نفسیاتی معاملہ ہے کہ کمانڈر انچیف ذرا بڑا نام ہے ان کا خیال تھا عہدے کا نام تبدیل کرنے سے معاملہ کنٹرول ہو جائے گا۔ لیکن یہ ہی سب کچھ نہیں تھا۔ یہ اقدام ہی کافی نہیں تھا۔

سوال۔ ائیر فورس کا سربراہ اب ائیر چیف مارشل ہوتا ہے وہ کیوں، کیا یہ عہدہ جنرل کے برابر ہے؟

جواب۔ برابر بھی تھا اور ائیر فورس شائد بڑی ہو گئی ہو گی۔

سوال۔ کیا یہ رینک فوج کے سائز کے پیش نظر بنائے جاتے ہیں؟

جواب۔ جی ہاں۔

(ایئر مارشل جناب محمد اصغر خان سے یہ گفتگو ۱۳ر نومبر ۱۹۸۶ء کو لطیف آباد حیدر آباد میں جناب رحمت خان وردگ کی رہائش گاہ پر کی گئی)

سیاسی زندگی آزاد زندگی ہونا چاہئے۔ اس میں کوئی پابندی رکاوٹ نہیں ہونی چاہئے۔ جو سیاسی لوگ اپنی خوشامدانہ ذہنیت اور ذاتی مفادات کی غرض سے فوجیوں کے ساتھ مل جاتے ہیں۔"

محمد اعظم خان

لیفٹننٹ جنرل (ریٹائرڈ) سابق مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر منی مارشل لاء ۱۹۵۳ء لاہور سابق گورنر مشرقی پاکستان

۸۲ر سالہ محمد اعظم خان، بری فوج کے معمر ریٹائرڈ جنرل ہیں۔ سیاست کے شوق کے باعث جنرل صاحب گاہے گاہے قوم کو اپنے تجربات کی روشنی میں خطرات سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ مارشل لاء اور مارشل لاء کے نفاذ کے خلاف ان کا اپنا ایک نقطہ نظر ہے۔ ابھی پاکستان کو آزاد ہوئے صرف چھٹا سال ہی تھا کہ لاہور میں قادیانیوں کے خلاف تحریک کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی صورتحال پر قابو پانے کے لئے مارشل لاء نافذ کیا گیا تھا اور محمد اعظم خان ہی اس مارشل لاء کے ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے تھے۔ پاکستان میں مارشل لاء کے نفاذ کی ابتداء کا پہلا باب بھی لاہور کے "منی" مارشل لاء کو قرار دیا جاسکتا ہے۔ ۱۹۵۸ء میں ایوب خان کے نافذ کردہ مارشل لاء میں ایوب خان کے نہایت ہی قریبی اور قابل اعتبار ساتھی ہونے کے باعث بعض کہانیاں ان سے بھی منسوب ہیں۔ اعظم خان کو مشرقی پاکستان کی گورنری (اپریل ۱۹۶۰ء سے مئی ۱۹۶۲ء) کے دوران وہ شہرت نصیب ہوئی جو پاکستان میں سول انتظامیہ کے شاید ہی کسی دوسرے فرد کو نصیب ہوئی ہو۔ فرد کی شہرت اور عظمت تو انفرادی ہی ہوا کرتی ہے اور اس کے اجتماعی اثرات کم ہی مرتب ہوتے ہیں سو ایسا ہی مشرقی پاکستان میں ہوا۔ لیکن ان کی یہی شہرت ایوب خان سے ان کے اختلافات کا سبب بنی۔ گورنری سے مستعفی ہونے کے بعد ان کے اور ایوب خان کے درمیان اختلافات کی خلیج اتنی طویل ہوئی کہ ۱۹۶۵ء کے صدارتی انتخابات میں اعظم خان ایوب خان کی

محمد اعظم خان

مخالف امیدوار مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کے کیمپ میں جا کھڑے ہوئے۔ اعظم خان نے سیاست میں اپنا کردار ادا کرنے کے لئے مختلف مواقعوں پر مختلف حکمت عملی اور طریقہ کار اختیار کیئے لیکن نصرت اور مقبولیت اور ان کے درمیان جو فاصلہ پیدا ہو گیا تھا وہ کسی طرح بھی سمٹنے کا نام نہیں لیتا۔ یہ صورتحال آج تک برقرار ہے۔

سوال ۔ آپ اس ملک کے سینئر جنرل ہیں۔ کیا آپ ان عوامل پر روشنی ڈالیں گے جو ہمارے ملک میں بار بار مارشل لاء کے نفاذ کا سبب بنے ہیں؟

جواب ۔ جب سول انتظامیہ ہر ممکن طریقہ اختیار کرنے کے بعد بھی امن وامان بحال کرنے میں ناکام رہتی ہے اور وہ یہ سمجھ لیتی ہے کہ اب کوئی طریقہ بھی کارگر نہیں ہے تو مسلح افواج کو سول حکومت کی مدد کے لئے طلب کیا جاتا ہے۔

in aid of civil power کا مطلب یہ ہے کہ فوج سول انتظامیہ کی مدد کے لئے آئی ہے اور جب وہ مخصوص صورتحال ٹھیک ہو جاتی ہے تو فوج کو واپس بیرک میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔

in aid of civil power کا مطلب ہے کہ فوج سول حکومت کو support کرتی ہیں کیونکہ سول حکومت کی اتھارٹی یعنی پولیس اور دوسرے ادارے ناکام ہو جاتے ہیں۔ بعض اوقات ایسی صورتحال پیدا ہو جاتی ہے کہ پورے ملک کو کسی بہت بڑے خطرے کا سامنا ہوتا ہے اور ملک تباہی کے کنارے پر کھڑا ہوتا ہے تو سول حکومت اسمبلی یا کابینہ کے ذریعے بھی فوج کو ملک میں مارشل لاء لگانے کا حکم دے سکتی ہیں لیکن یہ ایک مخصوص مدت کے لئے ہوتا ہے۔ اور جب صورتحال قابو میں آجاتی ہے تو پھر مارشل لاء کو نافذ رکھنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے۔ مارشل لاء تمام قوانین کی نفی کرتا ہے۔ سوائے ہنگامی حالات کے اس کو نافذ کرنے کا کوئی جواز نہیں رہتا ہے۔ اور ہنگامی حالات جس لمحے ختم ہوں مارشل لاء کو اسی لمحے ہٹا لینا چاہیئے۔

سوال ۔ پہلا مارشل لاء جو ایک مخصوص علاقے لاہور میں لگایا تھا آپ اس کے سربراہ تھے۔ وہ کیا حالات تھے کہ ۱۹۵۳ء میں مارشل لاء لگانا ضروری تھا۔

جواب ۔ میں نے اس وقت کے پنجاب کے گورنر جو مسٹر آئی آئی چندریگر تھے سے کہا تھا کہ آپ ہمیں in aid of civil power طلب کریں اور احکامات دیں لیکن وزیر اعلیٰ اس بات کے لئے تیار نہیں تھے۔ بلکہ ان کا اسرار تھا کہ وہ ہر چیز ہمارے حوالے کرنے کو تیار ہیں۔ میں پھر گورنر سے مخاطب ہوا اور یہی بات دہرائی لیکن انہوں نے جواب دیا کہ میں تو صرف آئینی سربراہ ہوں اس لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ میں نے کہا کہ مجھے تحریری اختیارات دے دیں کیونکہ

زبانی حکم بھی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوتی ہے۔ میں نے گورنر سے کہا کہ مرکزی حکومت سے رابطہ قائم کریں اور میری بات کرا دیں۔ گورنر نے جیسے ہی فون ملوایا تو ٹیلی فون لائنوں پر کچھ اور لوگوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ انہوں نے پوچھا لائن پر کون ہے انہوں نے کہا کہ میں گورنر بول رہا ہوں تو جواب ملا کہ اچھا ہم تمہارا علاج کریں گے۔ گورنر نے ٹیلی فون میری طرف بڑھا دیا میں نے جب بات شروع کی یہی سوال کہ تم کون ہو کہا گیا۔ میں نے کہا کہ میں جنرل اعظم ہوں۔ تو کہا گیا کہ اچھا جی آپ کا بھی علاج کریں گے۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ جو بھی تھے مکمل طور پر ہر چیز پر قابض ہو چکے تھے۔ ویسے بھی میں روزانہ کی رپورٹوں کا مطالعہ کرتا تھا صورتحال کی سنگینی میرے علم میں تھی اور میں نے متبادل انتظامات کی خاطر اپنے ہیڈ کوارٹر میں حکم دیا ہوا تھا کہ رابطہ قائم رہنا چاہیے۔ کیونکہ ہماری اطلاع میں یہ بات تھی کہ یہ مختلف علاقوں سے جلوس نکال کر گورنر ہاؤس کا گھیراؤ کریں گے۔ جن علاقوں سے جلوس نکالنے کا پروگرام تھا ان میں گلبرگ بھی تھا جس کو یہ لوگ رشوت پورہ کا نام دیتے تھے۔ جب گورنر ہاؤس میں ہمارے ساتھ یہ ڈرامہ ہوا تو میں نے فوج کا ٹیلی فون استعمال کیا اور چند لمحے میں ہی رابطہ قائم ہو گیا۔ میں نے جنرل ہیڈ کواٹر میں جنرل ناصر کو پوری صورتحال سے آگاہ کیا اور میرے اور گورنر کے درمیان ہونے والی گفتگو سے بھی آگاہ کیا اور کہا کہ میں کمانڈر انچیف سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ جنرل ناصر چیف آف اسٹاف تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کمانڈر انچیف موجود نہیں ہیں۔ میں نے کہا کہ برائے مہربانی اسکندر مرزا سے رابطہ قائم کریں اور انہیں ساری صورتحال سے آگاہ کر کے مجھے بتائیں کہ کیا کرنا ہے۔ تقریباً پانچ یا دس منٹ بعد ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور دوسری طرف اسکندر مرزا تھے۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا صورتحال ہے۔

میں نے انہیں بتایا کہ صوبائی حکومت تمام انتظام میرے حوالہ کرنا چاہتی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ پھر انتظام سنبھال لو۔ میں نے کہا کہ میں اس وقت تک نہیں سنبھالوں گا جب تک اوپر سے احکامات نہیں ملتے۔ میں نے صوبائی حکومت سے بار بار کہا تھا کہ وہ آگ سے کھیل رہے ہیں لیکن انہوں نے کوئی lead نہیں لی۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ اس آگ میں سب بھسم ہو کر رہ جائیں گے۔ اصل مسئلہ یہ تھا کہ وہ مرکزی حکومت کو تبدیل کرنا چاہتے تھے اور اس کے لئے وہ اسٹریٹ پاور استعمال کر رہے تھے۔ پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارا کیا مشورہ ہے میں نے جواب دیا کہ یہ تو آپ کے احکامات پر منحصر کرتا ہے۔ اچھا تم مجھے دس منٹ اور دے دو اس نے جواب دیا۔ انہوں نے دوبارہ فون کیا اور پوچھا کہ (فوج کے انتظام سنبھالنے کی صورت میں) کتنا جانی نقصان ہو گا میں نے جواب دیا کہ میرا خیال ہے کچھ بھی نہیں ہو گا لیکن اگر مزاحمت کی گئی اور قانون اور امن وامان بحال کرنے کی کوششوں کو ناکام بنا دیا تو کچھ نقصان تو ضرور ہو گا۔ پھر اس نے بتایا کہ وزیر اعظم نے فیصلہ کر دیا کہ مارشل لاء نافذ کر دیا جائے۔ اور اس طرح مارشل لاء لگا دیا گیا اور میں اسکا ایڈ منسٹریٹر مقرر ہو گیا۔ اسی رات کو دس بجے امریکہ کا ملٹری اٹیچی میری رہائش گاہ پر

آیا۔ اور اس نے کہا کہ مجھے پورے شہر سے اپیل کرنی چاہئے کہ کوئی بیرونی ملک حملہ آور ہو سکتا ہے۔ اس نے بتایا کہ اس نے اپنے ملک کو اس سلسلے میں اطلاع دے دی ہے کہ پاکستان پر حملہ ہو سکتا ہے۔ اس وقت سرحدوں پر بھارتی افواج کا اجتماع تھا۔ اور ملٹری اٹیچی سے گفتگو کے بعد میں نے جی ایچ کیو سے رابطہ قائم کیا اور کہا کہ مجھے مزید تین بریگیڈ فوج چاہئے۔

سوال ۔ اس وقت آپ کے پاس کتنی بریگیڈ فوج تھی۔

جواب ۔ ہمارے پاس تین بریگیڈ تھی۔ تین دن بعد میں نے فون کیا اور کہا کہ اب ہم مارشل لاء اٹھا سکتے ہیں۔

سوال ۔ آپ نے کس کو فون کیا

جواب ۔ جنرل ہیڈکوارٹر۔ کمانڈر انچیف نے کہا کہ میں حکومت سے اجازت لیکر بتاتا ہوں۔ پھر انہوں نے بتایا کہ گورنر جنرل کہتے ہیں کہ مارشل لاء ضروری ہے۔ ہم نے اس دوران صوبائی حکومت کے سلسلے میں عوام کا اعتبار بحال کیا۔ پولیس کو فوری نوعیت کی ٹریننگ دی کہ صورتحال کو کس طرح قابو میں رکھا جا سکتا ہے۔ میں نے پندرہ روز بعد بھی فون کیا کہ اب غیر ضروری ہو گیا ہے کہ حکومت کو subjugation میں رکھا جائے اسی اثنا میں گورنر تبدیل کر دیا گیا تھا اور نئے گورنر میاں امیر الدین مقرر ہو گئے تھے۔ انہیں یہ اطلاع تھی کہ میں مارشل لاء اٹھانا چاہتا ہوں۔ چند روز بعد جب وہ مجھے ملے تو کہنے لگے جنرل صاحب مارشل لاء مت اٹھائیے گا۔ آپ لاہوریوں کو نہیں جانتے ہیں۔ میں نے انہیں جواب دیا کہ میں جج ہوں۔ میں ذمہ داری لیتا ہوں کہ کچھ بھی نہیں ہو گا۔ لیکن وہ بضد رہے میرا خیال ہے کہ انہوں نے گورنر جنرل سے بھی اس موضوع پر بات کی تھی۔ اور اس طرح وقت گزرتا رہا۔ تیسری مرتبہ جب میں نے جنرل ایوب سے بات کی تو میں نے کہا کہ میں استعفیٰ دے دوں گا۔ کیونکہ میں فوج کو اس صورتحال میں مزید ملوث رکھنا نہیں چاہتا ہوں۔ حکومت سے کہو کہ صورتحال کو بہتر بنانے کی کوشش کریں۔ عوام کے مسائل حل کریں۔ اور اگر فوج کی ضرورت ہے بھی حالانکہ میرے خیال میں ضرورت نہیں ہے۔ تو پھر اسے گورنر کے تحت دے دیں اور ہم کیوں خواہ مخواہ پریشان ہوں۔ اس نے پھر کہا کہ ٹھہر جاؤ۔ ایک دو روز میں گورنر جنرل لاہور آ رہے ہیں۔ دوسرے دن گورنر جنرل لاہور آئے۔ ایوب خان کو بھی بلایا گیا تھا۔

گورنر جنرل سے گفتگو کے دوران میں نے کہا تھا کہ مارشل لاء جاری رکھنا نہ تو مل کے مفاد میں ہے نہ ہی فوج کے مفاد میں اور نہ ہی فوج کے ساکھ کے مفاد میں۔ مارشل لاء جاری رکھنے سے فوج کے نام پر بھی بٹہ لگے گا۔ اور سول حکومت کا نام بھی خراب ہو رہا ہے۔ اس لئے برائے مہربانی مارشل لاء اٹھانے کی اجازت دے دیں۔ ہم نے گورنر جنرل کو شہر کا دورہ بھی کرایا اور اس کے دوران بھی میں ان سے یہی گزارش کرتا رہا حالانکہ ایوب نے ایک دو مرتبہ میرا ہاتھ بھی دبایا تھا کہ

میں خاموش رہوں۔
سوال ۔ جب آپ نے یہ باتیں کیں تو گورنر جنرل نے کیا جواب دیا تھا۔
جواب ۔ گورنر جنرل نے کہا تھا کہ تم لاہوریوں کو نہیں جانتے ہو۔ لیکن میری عادت ہے کہ میں تیز آواز میں اور غصے کے ساتھ بات کرتا ہوں تو پھر وہ سوچنے لگا۔ جب ہم گورنر ہاؤس میں پہنچے تو اس پر اثر ہوچکا تھا۔ میری مزاحمت نے اسے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ جب ہم گورنر ہاؤس میں پہنچے تو گورنر نے ہمارا خیر مقدم کیا باہر لان میں کرسیاں پڑی تھیں ہم ان پر بیٹھ گئے۔ گورنر جنرل نے پھر بات شروع کی کہ اعظم خان تو مارشل لاء اٹھانا چاہتے ہیں پھر کیا ہو گا۔ میں نے پھر کہا کہ آپ کو کیا ہونے کا اندیشہ ہے اگر آپ لوگ اس صورتحال کو سنبھال نہیں سکتے تو پھر استعفیٰ دے دیں اور حکومت تبدیل کر دیں۔ تھوڑی دیر بعد گورنر جنرل نے کہا کہ میں جنرل اعظم سے متفق ہوں۔
سوال ۔ وہ کونسے حالات تھے جن میں ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء نافذ کیا گیا۔
جواب ۔ اس وقت میں کور کمانڈر تھا اور میرا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔
سوال ۔ آپ کی پوسٹنگ کہاں تھی۔
جواب ۔ میری پوسٹنگ جہلم میں تھی۔
سوال ۔ اس زمانے میں پاکستان آرمی میں کتنے کور کمانڈر تھے۔
جواب ۔ پہلے میں اکیلا تھا بعد میں دوسرا کور کوئٹہ میں بنایا گیا تھا۔
سوال ۔ آپ کو مارشل لاء لگنے کی اطلاع کہاں ملی تھی۔
جواب ۔ ہمیں جہلم میں حکم ملا تھا کہ رات کو بارہ بجے سے مارشل لاء نافذ کیا جا رہا ہے۔ میں جہلم سے لاہور کے لئے روانہ ہو گیا تھا اور صبح چار بجے لاہور پہنچا تھا۔ اور میں نے ہی گورنر وزیر اعلیٰ چیف سیکرٹری کو مطلع کیا تھا کہ مارشل لاء نافذ کر دیا گیا ہے اور اب ہر چیز میرے ماتحت ہے۔
سوال ۔ وہ کیا صورتحال تھی کہ ۱۹۵۸ء میں مارشل لاء نافذ کیا گیا۔
جواب ۔ اسکی براہ راست ذمہ داری اسکندر مرزا پر عائد ہوتی تھی۔
سوال ۔ اس وقت کمانڈر انچیف اور کور کمانڈر اسکندر مرزا کو منع بھی تو کر سکتے تھے کہ ہم مارشل لاء نافذ نہیں کریں گے۔
جواب ۔ اسکی ذمہ داری تو کمانڈر انچیف اور اسکندر مرزا کی ہے۔ مجھ سے اسکا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہم اس میں کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے لئے اطاعت کا سوال تھا discipline کا معاملہ تھا۔ جب وہ مارشل لاء لگا رہے تھے تو انہیں ہر معاملہ پر اچھی طرح غور و خوض کر لینا چاہئے تھا۔ جس طرح میں نے ۱۹۵۳ء میں مزاحمت کی تھی۔
سوال ۔ آپ کا مشاہدہ پھر بھی کیا تھا کہ کیا حالات تھے۔
جواب ۔ میرے علم میں کچھ نہیں تھا کہ کیا ہوا کیوں ہوا۔ صرف یہ تھا کہ سیاسی سرگرمیاں زور

وشور سے جاری تھیں۔ اب آپ دیکھیں کہ ۱۹۵۳ء میں یہ وزیر اعلیٰ پنجاب کی ذمہ داری تھی کہ اگر حالات قابو میں نہیں آرہے تھے تو فوج کو سول پاور کی مدد کے لئے طلب کرنے کے لئے گورنر سے رابطہ قائم کرتا لیکن انہوں نے تو ہمیں براہ راست رابطہ قائم کرکے کہا کہ میں اقتدار آپ کے حوالے کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن اس معاملے میں اسکندر مرزا اور کمانڈر انچیف کو ہی بہتر معلوم تھا کہ کیا ہوا تھا اور کیا ہو رہا تھا۔

سوال ۔ کیا وجہ تھی کہ جس آدمی (اسکندر مرزا) نے مارشل لاء لگوایا اس سے بیس دن بعد استعفیٰ لے لیا گیا۔

جواب ۔ اسکندر مرزا نے جب پاکستان کی صدارت سنبھالی تھی تو عام طور پر پسند نہیں کیا گیا تھا اور مادر ملت (محترم فاطمہ جناح) اس صورتحال پر خاصی upset تھیں انہوں نے مجھے یہ پیغام بھیجا کہ اسکندر مرزا کو صدر برقرار نہیں رہنا چاہئے کیونکہ وہ اس ملک میں جمہوریت نہیں آنے دینا چاہتا ہے۔

سوال ۔ یہ پیغام آپ کو کب پہنچایا گیا۔

جواب ۔ جب اسکندر مرزا صدر بنا تھا۔

سوال ۔ یعنی مارشل لاء کے نفاذ سے پہلے

جواب ۔ جی ہاں۔ میں نے اس کے جواب میں کہا تھا کہ یہ میرے اختیار میں نہیں ہے لیکن جب ایوب اور اسکندر مرزا والی صورتحال پیدا ہوئی تو میں نے اس سے استعفیٰ لینے کا کام کیا اور میرے ذہن میں اس عظیم خاتون کی بات تھی۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اگر اسکندر مرزا صدر رہا تو آدھا بلوچستان ایران demarcation کے وقت دے دیا جائے گا۔

انہوں نے کہا تھا کہ یہ بلوچستان کا معدنیات والا حصہ ایران کے حوالے کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ اور سازش یہ ہے کہ نئی سرحد کے تعین کے بہانے ایسا کیا جائے۔

سوال ۔ مادر ملت نے یہ بات آپکو براہ راست کہی تھی یا کسی اور کی معرفت

جواب ۔ براہ راست مجھ سے کہی تھی جب وہ ایک مرتبہ میرے گھر آئی تھیں

سوال ۔ ۲۷ر اکتوبر کو جو کارروائی ہوئی اس میں اس بات کو بھی دخل تھا۔

جواب ۔ ۷ر اکتوبر کے مارشل لاء کے بعد ایوب خان مشرقی پاکستان گیا ہوا تھا۔ اسکندر مرزا نے ایک اجلاس بلایا تھا۔ این ایم خان لیبر سیکرٹری تھا۔ اسکندر مرزا نے لیبر ریلی کو خطاب کیا تھا۔ وہ occasion یاد نہیں ہے کہ کیا تھا لیکن ہم گورنمنٹ ہاؤس میں گئے تھے۔ یہ دونوں علیحدگی میں کچھ بات کررہے تھے اور میں محسوس کر رہا تھا کہ ہماری موجودگی سے یہ خوش نہیں ہیں۔ کیا وجہ تھی مجھے نہیں معلوم۔ لیکن وہ صورتحال ایسی تھی جو صدر کے لئے ناخوشگوار embarrassing تھی کہ اختیارات کس کے پاس ہیں۔ کیا چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر یا صدر دونوں

میں سے بااختیار کون ہے۔ اس کا خیال تھا کہ میں اس جگہ اس کے احکامات لینے کے لئے کھڑا ہوا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس نے سیکرٹری سے کیا بات چیت کی تھی لیکن وہ ناخوش نظر آ رہا تھا۔

سوال - وہ کیا کہانی ہے کہ اسکندر مرزا نے ایئر کموڈور رب سے رابطہ قائم کیا تھا اور وہ کوئی counter coup لانا چاہتا تھا۔

جواب - مجھے اس بات کا علم نہیں ہے کیونکہ میں نے کسی سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ لیکن افواہ یہی تھی کہ وہ کوئی counter coup کی کوشش کر رہا تھا۔ ایوب کو برخاست کرنا چاہتا تھا۔

سوال - جب آپ لوگ اسکندر مرزا سے استعفیٰ لینے گئے تھے تو کیا جنرل ایوب نے آپ لوگوں کو اپنے دفتر میں بلایا تھا یا کیا صورتحال تھی۔

جواب - ہوا یہ تھا کہ ایک جگہ ایوب اور اسکندر مرزا کسی بات پر گرما گرمی دکھا رہے تھے اور ایوب خان ناراض ہوتا ہوا اوپر آیا وہاں میں نے اس سے پوچھا کہ کیا حالات پیدا کر رہے ہو۔ ہم اوپر سے دیکھ رہے ہیں کہ تم لوگ لڑ رہے ہو۔ مجھے ان کے درمیان کشمکش کا پتہ نہیں تھا ایوب نے کہا کہ اسے behave کرنا نہیں آتا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ پھر اس سے جان چھڑاؤ۔ اس نے جواب دیا میں اس سے جان نہیں چھڑا سکتا ہوں۔ میں نے اس سے کہا کہ میں یہ کام کر دیتا ہوں۔ میں نے یہ بات اس لئے کہی تھی کہ میں مادر ملت کی بات پوری کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اسے کہا کہ میں ابھی کرتا ہوں اس نے جواب دیا نہیں نہیں۔ میں نے پھر کہا کہ نہیں میں ابھی جان چھڑوا دیتا ہوں۔ اور اس نے اجازت دے دی۔

سوال - پھر آپ جنرل برکی جنرل شیخ گئے۔

جواب - میں پہل تنہا جا رہا تھا لیکن وہ لوگ باہر لان میں بیٹھے تھے اس لئے ساتھ ہو لئے۔ اور انہوں نے گھنٹی بجائی۔ ہم نے جیسے ہی سلام علیکم کیا یہ لوگ پھر باہر چلے گئے میں تنہا رہ گیا۔

سوال - پھر کیا ہوا۔

جواب - اسکندر مرزا آچکا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ قوم تم کو نہیں چاہتی ہے تمہارے گیٹ کے باہر بہت بڑا مجمع کھڑا ہے وہ تمہارا استعفیٰ چاہتے ہیں۔

اس نے کہا کہ تم نے دستاویزات تیار کر لی ہیں میں نے کہا کہ ہاں میں نے تیار کر لی ہیں

سوال - اتنی جلدی یہ دستاویز کس طرح تیار ہو گئی تھیں یا پہلے سے تیار تھے۔

جواب - استعفیٰ اسی رات تھوڑی دستخط کیا گیا۔ چند دن گزرے تھے۔ اس کے بعد تیار ہوا تھا۔

سوال - یہ جو اطلاع ہے کہ رات کے وقت جب وہ آرام کرنے کے لئے اپنے کمرے میں چلا گیا تھا وہاں سے بلا کر استعفیٰ لیا گیا تھا کیا غلط اطلاع ہے۔

جواب ۔ میں اپنے ساتھ ایک اردلی لیکر گیا تھا۔ اسے میں نے باہر کھڑا کر دیا تھا اور اپنا پستول دے دیا تھا۔

سوال ۔ یہ جو آپ نے اسکندر مرزا سے بات کی کہ گیٹ پر عوام کا بڑا ہجوم ہے جو اسکا استعفیٰ طلب کر رہا ہے۔ وہ لوگ کیوں آئے تھے وہ کیا معاملہ تھا۔

جواب ۔ وہ تو ایسے یہ تھا صرف اسکندر مرزا کو ڈرانے کے لئے۔ میرے پاس کون سے ہتھیار تھے جو میں اسکے ساتھ کشتی کر کے استعفیٰ لیتا۔ اس نے تو بات سنی اور یکدم ایوب کو گالیاں دینا شروع کر دیں میں نے اسے کہا کہ ایوب کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ لوگ تم کو نہیں چاہتے ہیں اور ہم ان کی بات رکھنے کے لئے یہاں آئے ہیں۔

سوال ۔ اسکندر مرزا نے کوئی مزاحمت کی کوشش نہیں کی۔

جواب ۔ وہ کیا کرتا۔ جیسے ہی اوپر سے آیا تھا وہ میرے ساتھ بیٹھ گیا۔ میں کھڑا رہا۔ کوئی مجلس تو ہو نہیں رہی تھی۔ میں نے تو اس سے صاف صاف کہا کہ اس کاغذ پر دستخط کر دو۔

سوال ۔ انہوں نے بغیر کسی حجت کے دستخط کر دیئے تھے۔

جواب ۔ وہ کہاں دستخط کر رہا تھا۔ بہت باتیں کرتا رہا۔ ایوب کو بہت برا بھلا کہتا رہا۔ کوشش کی کہ وہ چارج لے لگوں۔

سوال ۔ اس نے آپ سے کہا کہ تم کمانڈر انچیف کا چارج سنبھال لو۔

جواب ۔ اس صورت میں تو سازش بن جاتی۔ اس نے صرف یہ کہا کہ میں اس کے ساتھ مل جاؤں۔ لیکن میں نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ بہت دیر ہو رہی ہے اور بعد کے نتائج کا میں ذمہ دار نہیں ہو نگا۔

سوال ۔ جب ۲۷ ر اکتوبر کے بعد مارشل لاء کے بارے میں آپ کیا محسوس کرتے تھے جس طرح آپ نے بتایا کہ ۱۹۵۳ء کے مارشل لاء کو جاری رکھنے کے خلاف آپ نے مزاحمت کی تھی۔

جواب ۔ ایسے حالات میں صرف اوپر والے لوگ ہی فیصلے کرتے ہیں انہوں نے جو کچھ شروع کیا تھا کہ جمہوریت نافذ کریں گے ایسے کریں گے ویسے کریں گے یہ ان کا کام تھا۔ ہم تو اپنی ڈیوٹی پر واپس آگئے تھے۔ اسکندر مرزا نے کئی بار اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ میں کابینہ میں شامل ہو جاؤں یہ پیغام مجھے ایوب خان نے دیا تھا۔ لیکن میں نے معذرت کر لی۔ دوسری مرتبہ پھر جب انہوں نے رابطہ کیا میں نے معذرت کر لی۔ تیسری بار جب میں نے انکار کیا تو مجھے کراچی طلب کر لیا گیا جب میں کراچی پہنچا تو اسکندر مرزا نے فون کر کے کہا کہ میرے پاس قیام کرو۔ میں نے بتایا کہ وزیر اعظم ہاؤس میں ٹھہر چکا ہوں۔ پھر لیکن اس نے کہا ناشتہ اسکے ساتھ کروں۔ جب صبح ہوئی تو ایوب خان میرے کمرے میں آیا اور کہا کہ اخبار دیکھا ہے میں نے کہا کہ نہیں پھر اس نے

بتایا کہ تمہیں وزیر آباد کاری بنادیا گیا ہے۔ میں نے کہا کہ میں نہیں سمجھتا کہ اسکندر مرزا مجھ جیسے آدمی کو اپنی کابینہ میں شامل کرلے گا۔ میں نے اخبارات کو نہیں دیکھے ہیں۔ اسی اثناء میں پھر فون آیا۔ لائن پر اسکندر مرزا تھا کہتا تھا کہ اعظم ناشتہ میرے پاس کرو۔ پھر میں گیا۔ ناشتہ پر میں اور وہ تنہا تھے۔ ان کی بیگم ایک کپ چائے لیکر چلی گئی تھیں۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ ایسی صورتحال کیوں پیدا کررہے ہیں۔ فوج کو سیاست میں زیادہ سے زیادہ کیوں ملوث کررہے ہیں۔ میں فوج میں رہنا چاہتا ہوں مجھے کابینہ میں کیوں شامل کیا ہے۔ آپ نے ایوب خان کو کابینہ میں شامل کرلیا ہے کافی ہے۔ اسکندر مرزا نے کہا "اعظم میں نے ۱۹۵۳ء کے مارشل لاء میں تمہارا کام دیکھا ہے کوئی بھی اس خلوص ایمان داری اور محنت سے کام نہیں کرے گا جس طرح تم کام کرتے ہو۔ میں تمہاری خدمات کا نہ صرف اعتراف کرتا ہوں بلکہ یہ کہتا ہوں کہ موجودہ صورتحال میں بھی تمہاری خدمات کی ضرورت ہے۔ میرا خیال ہے مجھے تمہاری طرح کا مخلص کوئی دوسرا آدمی نہیں ملے گا۔ میں نے کہا "آپ یہ کام اور ذمہ داری فلاں فلاں افراد کو بھی دے سکتے ہیں۔ اس نے جواب دیا" نہیں۔ بہت مشکل ہے۔

سوال ۔ آپ نے کن کن لوگوں کا نام لیا تھا۔

جواب ۔ میں نے کہا کہ ایوب کو دے دو۔ دوسرے کو دے دو۔

سوال ۔ لیکن جنرل ایوب تو چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر تھے۔

جواب ۔ اسکندر مرزا نے کہا کہ نہیں میری نظر میں صرف تم ہو۔ یہ تمہاری ڈیوٹی ہے۔ اور تمہیں قوم کی خدمت کرنی پڑے گی۔ ہم نے بہت پہلے ایک زمانہ میں قبائلی علاقے کی ترقی پر گفتگو کی تھی۔ اور میرے ذہن میں اور بھی بہت ساری اسکیمیں تھیں اس نے وہ تمام باتیں یاد دلاتے ہوئے کہا کہ اعظم یہ میرا فیصلہ ہے کہ تم ہی یہ کام کروگے اور کوئی یہ ذمہ داری انجام نہیں دے سکتا۔ اس نے مزید کہا کہ اگر یہ کام (بحالیات) نہیں کیا گیا تو مہاجر واپس بھارت چلے جائیں گے۔ اور پوری اسکیم ناکام ہوجائے گی۔ ہم بھارت کو کیا منہ دکھائیں گے اور وہ بھی دو قومی نظریہ کا مذاق اڑائیں گے۔ اس کی اس بات پر میں نے بالآخر پیشکش کو مشروط طور پر منظور کرلیا۔

سوال ۔ آپ کی کیا شرائط تھیں

جواب ۔ نمبر ایک کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی نمبر دو کوئی شفارش نہیں کی جائے گی اور نمبر تین میں اپنی وردی نہیں اتاروں گا بلکہ اپنی کمان برقرار رکھوں گا اس نے یہ تینوں شرطیں منظور کرلیں۔

سوال ۔ ۲۷ر اکتوبر کے بعد جو کابینہ بنی ہوگی اس میں بھی آپ شامل ہوں گے۔

جواب ۔ ہاں اس میں میں شامل تھا۔ وہاں اسکندر مرزا کے ساتھ میری میٹنگ ہوئی تھی اس میں اس نے پوچھا تھا کہ اعظم تمام لوگوں میں سینئر کون ہے۔ میں نے کہا کہ کمانڈر انچیف کے بعد

میں سینئر ہوں۔ اس نے کہا کہ ایوب کا خیال ہے جنرل برکی۔ میں نے کہا کہ برکی مجھ سے سینئر نہیں ہو سکتا اس لئے کہ وہ ڈاکٹر ہے بھلے اس کی نوکری مجھ سے زیادہ ہو لیکن وہ مجھ سے سینئر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ فائنگ فورس کا آدمی نہیں ہے۔

سوال ۔ آپ کی یہ بات ایوب خان سے ہوئی یا اسکندر مرزا سے۔

جواب ۔ اسکندر مرزا سے پھر اس نے کہا کہ کابینہ میں ایک سینئر وزیر ہوتا ہے اس لئے یہ بات پوچھی تھی۔

سوال ۔ اسکندر مرزا کی کابینہ میں ایوب خان کی کابینہ میں۔

جواب ۔ دونوں کی کابینہ میں۔ ایوب نے تو بعد میں صدر کا عہدہ بھی سنبھال لیا تھا۔ میں سینئر منسٹر نامزد ہوا۔ بحالیات کی وزارت میرے پاس تھی۔ تین ماہ بعد خوراک زراعت آبپاشی پاور اور نہ معلوم کیا کیا میرے حوالے کر دیا گیا۔

سوال ۔ جب آپ ۱۹۵۳ء میں مارشل لاء سے اتنے بیزار ہو گئے تھے تو ۱۹۵۸ء میں آپ کس طرح ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ حالانکہ آپ نے ابھی تاثر دیا ہے کہ آپ سمجھتے تھے کہ سیاست فوج کا کام ہی نہیں ہے۔

جواب ۔ تم ذرا حالات کو سمجھنے کی کوشش کرو واقعات کو بھی دیکھو۔ بحالیات کا کام بہت مشکل کام تھا۔ میں صرف بحالیات کے کام کے علاوہ اور کچھ نہیں کر پاتا تھا۔ ایک سال تک صرف یہ کام کیا۔ اپریل ۶۰ء کی بات ہے کہ مشرقی پاکستان میں صورتحال خراب ہو گئی تھی۔ ایوب نے پھر مجھ سے رابطہ قائم کیا اور کہا کہ وہاں گورنر ٹھیک کام نہیں کر پا رہا ہے۔ اعظم تم ہی ایک شخص ہو جو وہاں کے حالات سدھار سکتے ہو اسلئے تم وہاں چلے جاؤ۔ حالانکہ ابھی بحالیات کا بہت کام باقی تھا۔ میں نے کہا ہر بار تم لوگ یہی کہتے ہو کہ تم ہی ایک شخص ہو۔ حالانکہ میں ابھی بحالیات کا کام کر رہا ہوں، تم ایسا کرو کہ کسی اور شخص کو تلاش کرو۔ مجھے یہ کام کرنے دو۔ میں مہاجروں کو ٹھیک طریقہ سے بحال کرنا چاہتا ہوں۔ اس پر ایوب نے کہا کہ ٹھیک ہے پھر میں استعفیٰ دے دیتا ہوں میں نے کہا damn it تین دن بعد پوری کابینہ میرے پاس آئی تو میں نے یہ پیشکش منظور کر لی اور کہا کہ مجھے کچھ وقت دے دو۔ وہ اس نے کہا کہ صرف تین دن۔ اور پھر تین دن بعد خصوصی طیارے سے مجھے مشرقی پاکستان جانا پڑا۔ وہاں صورتحال ابتر تھی۔ لوگ بے زار تھے۔ مارشل لاء کی وجہ سے بھی صورتحال خراب ہو گئی تھی۔ مشرقی پاکستان میں مارشل لاء ہونے کی وجہ سے ایسی صورتحال پیدا ہوئی تھی کہ لوگ حکومت سے ناخوش تھے میں اپنے دائرے میں رہتے ہوئے مہاجرین کی بحالی کا کام کر رہا تھا۔ لاکھوں افراد کے لئے سر چھپانے کی جگہ ذرائع روزگار وغیرہ کی تلاش بہت بڑے مسئلہ تھے۔ میں اپنے سر کے بال تک صرف بحالیات کے کاموں میں مصروف تھا۔ بہت مشکل کام تھا۔ جائیدادوں کو دیکھنا جو مقامی افراد نے قبضہ کر لیا

تھا۔ بھارت سے مذاکرات کرتا اثاثوں میں ہمارا حصہ کم دیا ہے۔ میرا کام ایسے تھا جس نے مجھے رات دن مصروف رکھا۔ مجھے پورے ملک کی نوکر شاہی سے بھی اس سلسلے میں رابطہ رکھنا پڑتا تھا۔ پھر اس سارے معاملے میں ایمانداری، خلوص اور کسی اور بھی قسم کی بدعنوانیوں کو روکنا بہت اہم مسئلہ تھا۔ ملک میں اوپر کی سطح پر ہر آدمی جانتا تھا کہ یہ کتنا اہم کام ہے اور وہ کچھ نہیں حاصل کر سکتا ہے۔ اور میں کہتا تھا کہ میں تو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ سمجھتا ہوں۔ اس لئے میں کسی بدعنوانی یا غلط کام کی اجازت ہی نہیں دیتا تھا۔

سوال - لیکن آپ نے کہا کہ مشرقی پاکستان میں مارشل لاء کی وجہ سے صورتحال ابتر ہوئی تھی؟

جواب - میں ایسا محسوس کرتا تھا۔ جب میں وہاں پہنچا تھا تو مجھے کہا گیا کہ ہم آپ کو تمام فائلیں دے دیتے ہیں آپ پڑھ لیں بھارت کے حامی طلباء کا ایجی ٹیشن کہ پرانے قصے کہانیاں۔ اور دوسرے مسائل آپ دیکھ لیں لیکن میں نے ریکارڈ کو دیکھنے سے بھی انکار کر دیا تھا اور کہا تھا کہ میں اب ساری صورتحال کا ذمہ دار ہوں اس لئے میں کھلے ذہن سے کام شروع کروں گا۔

سوال - اچھا یہ باتیں آپ کو آپ کا چارج لیتے ہی بتادی گئیں کہ طلباء بھارت کے حامی ہیں۔

جواب - یہ باتیں تو اس وقت اخباروں میں بھی ہوئی تھیں۔ جب کوئی مسئلہ مسائل کی بات ہوئی تھی تو اس قسم کی باتیں سامنے آتی تھیں۔ اس زمانے میں گورنر کو پوری انتظامیہ کو تن تنہا چلانا پڑتا تھا کوئی وزیر نہیں تھے۔ گورنر ہی سب کچھ ہوتا تھا۔ تمام انتظامیہ اسکی کمان میں ہتنی تھی۔ مجھے مشورہ دیا گیا کہ آپ دورہ کریں۔ میں نے کہا ابھی فوری طور پر اتنا ضروری نہیں ہے میں پندرہ روز بعد بھی جا سکتا ہوں۔ میں سوچتا تھا کہ اگر ان کے مشوروں پر عمل کر کے کام شروع کیا گیا تو کوئی بھی غلطی ہو سکتی ہے۔ مجھے کہتے تھے کہ صورتحال بڑی خراب ہے۔ پھر چند روز کے بعد میں دورے پر نکلا۔ پھر میں نے جنرل آفیسر کمانڈنگ سے ملاقات کی اور کہا کہ جنرل رحیم دیکھو تم اپنا کام کرو۔ اپنی فوجی ذمہ داریاں پوری کرو۔ مجھے یہاں مارشل لاء کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں سول سائیڈ پر اپنا کام کرتا ہوں

سوال - یہ جنرل رحیم کون صاحب تھے۔

جواب - یہ پشاور کے پٹھان تھے اور مشرقی پاکستان میں جی او سی تھے۔ میں ان سے کہا کہ اگر کسی قسم کے تعاون کی ضرورت ہوگی تو میں تم سے حاصل کروں گا لیکن میرا خیال ہے کہ مجھے فوج سے کسی تعاون کی ضرورت نہیں ہوگی۔

سوال - کیا یہ جو مارشل لاء لگانے کا معاملہ تھا اس کو اخبارات کے ذرائع مشتہر کیا گیا تھا۔

جواب ۔ ایوب کو تو پتہ چل گیا نا۔ مشتہر کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ سب کو معلوم ہو گیا تھا کہ اعظم خان مارشل لاء نہیں چاہتا ہے۔

سوال ۔ ادھر مغربی پاکستان انہوں نے کس ردعمل کا اظہار کیا تھا۔

جواب ۔ مجھے نہیں معلوم کہ ادھر کیا ردعمل تھا۔ یہ ان کا اپنا کام تھا۔ میں نے تو کچھ جو میں چاہتا تھا وہ کر لیا تھا پھر میں عوام سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا حالات کو دیکھتے ہوئے جو تبدیلیاں لانا ضروری تھیں وہ عمل شروع کیا۔ میں وہاں کے چپے چپے سے واقف ہونا چاہتا تھا اس لئے رات دن کام میں لگ گیا۔ وہاں اس وقت سب سے بڑا مسئلہ ذرائع آمدورفت تھا۔ میں نے ہیلی کاپٹر سروس شروع کرائی تھی میں نے اس سلسلے میں نور خان سے رابطہ قائم کیا کہ تم پی آئی اے کے لئے یہاں کچھ ہوٹل وغیرہ چاہتے ہو۔ پی آئی اے کی سروس بڑھانا چاہتے ہو میں تم کو زمین وغیرہ دینے کے لئے تیار ہوں بشرطیکہ تم یہاں ہیلی کاپٹر سروس شروع کرو۔

اور اس طرح سے نئے ذرائع آمدورفت کے سلسلہ کا آغاز کیا لیکن بڑی بدقسمتی کی بات تھی کہ پندرہ روز کے اندر اندر بہت ہی خوفناک طوفان آ گیا۔ چٹا گانگ میں دس سے پندرہ میل اندر تک تباہی پھیل گئی۔ طوفان نے جہاز تک چھ چھ میل دور پھینک دیئے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ٹیلی فون کے ذرائع اطلاع ملی تھی کہ خوفناک طوفان آیا ہے۔ میں نے فوراً پوچھا کہ کیا ہم کار کے ذریعے جا سکتے ہیں یا ریل گاڑی کے ذریعے۔ بہرحال میں اپنے سیکرٹری جو ایک میجر تھا کے ساتھ ریل کے ذریعے چل پڑا۔ لیکن پندرہ میل کے بعد ہی havoc تھا۔ بتایا گیا کہ ریل کی پٹڑی تک بہہ گئی ہے اور ریل آگے نہیں جا سکتی تھی میں نے اپنے میجر سے کہا کہ سڑک پر کھڑے ہو جاؤ اگر کوئی گاڑی آئے تو اسے روکو۔ اتنے میں ایک پک آپ آئی جو برماشیل کی تھی۔ اسے خبر نہیں تھی کہ ہم کون ہیں۔ میں نے اپنا سوٹ کیس اٹھایا اور اس کے اوپر چڑھ گیا۔ علی الصبح کا وقت تھا۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ ہم نے آگے چلنا شروع کیا کبھی ادھر کبھی ادھر۔ بالآخر ایک جگہ پانی آ گیا اور ہم گاڑی پر جا سکے۔ اتنی دیر میں ہمیں لوگ نظر آئے تو میں نے ان میں شامل ہو گیا۔ اتنی دیر میں صبح ہو چکی تھی۔ پانی میں پھر میں ہر جگہ گھومتا رہا۔ پانی اترتا گیا اور میں آگے بڑھتا گیا اور چٹا گانگ پہنچ گیا۔ ایک جگہ میں پہنچا تو دیکھا ایک بوڑھا آدمی تھا وہ بڑا ناراض ہو رہا تھا میں نے اپنے سیکرٹری سے پوچھا کہ یہ کیوں ناراض ہے اور کیا کہتا ہے تو میرے سیکرٹری نے بتایا کہ یہ کہتا ہے کہ ہمارا حال یہ ہے لیکن گورنر کا کچھ پتہ نہیں ہے وہ کہاں ہے۔ جب سیکرٹری نے اسے بتایا کہ گورنر تو یہاں موجود ہے تو وہ مجھ سے لپٹ گیا اور اس نے اپنی تکلیف بیان کرنا شروع کر دی۔ کہ اس کا سب کچھ لٹ گیا ہے۔ میں نے اسے تسلی دی اور میں نے اسکی آنکھوں میں اعتماد کی چمک محسوس کی اپنے لئے عزت محسوس کی میں نے ان حالات میں جو کچھ کہا ہم قوم کے ساتھ رہے۔ پھر میں آگے

گیاتواور تباہی تھی۔ پھر میں نے ایک کمپنی سے جو یہاں کوئی معدنیات کا کام کر رہے تھے ان کے پاس چار ہیلی کاپٹر تھے میں نے ان سے ایک ہیلی کاپٹر لیا اور تمام علاقوں کا خود دورہ کیا۔ میں اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان لے جاتا تھا اور ان کو ہیلی کاپٹر کے ذریعے پانی میں گھرے ہوئے لوگوں کے لئے پھینکتا تھا۔ دن رات انہیں کپڑوں میں گھومتے رہے۔ پانچ چھ دن اسی طرح گزر گئے۔ اسی اثناء میں میں نے جتنے غیر ملکی نمائندے تھے مثلاً برطانیہ امریکہ وغیرہ کے سب کو کہا کہ اپنے ملک کو اطلاع دیں کہ ہمیں فوری امداد کی ضرورت ہے۔ آپ یقین کریں کہ چوبیس گھنٹے میں ہم پر ڈراپنگ شروع ہو گئی تھی۔ ایئر پورٹ پانی کی وجہ سے گیلا تھا اس لئے ان کے جہاز اتر نہیں سکتے تھے۔ ہر ملک نے کچھ نہ کچھ مدد کی۔ اللہ کا شکر ہوا کہ ایسے طوفان کے بعد جو اموات کا اندیشہ تھا وہ کم ہوئیں اور یہ بات ایک بار پھر معلوم کہ اگر مصیبت کے وقت لوگوں کے ساتھ رہو تو ان کی ہمتیں بندھی رہتی ہیں۔ اگر آپ واپس چلے جاؤ تو لوگ کہتے ہیں کہ کیا ہو گا۔ میں وہاں پندرہ روز رہا۔ جب تک ٹیلی فون کی آخری لائن تک درست نہیں ہو گئی میں وہاں سے ہیڈ کوارٹر نہیں گیا میں نے اپنی اہلیہ کو بھی وہاں منگا لیا۔ اور اسکو دیہاتوں میں کام کرنے کے لئے کہا۔ اسکو ایک ہیلی کاپٹر دے دیا اور کہا کہ لوگوں کے مسائل جا کے دیکھے اور حل کرے۔ اب میں ایک سے دو ہو گئے تھے۔ میں البتہ یہ کہتا ہوں کہ امریکہ نے اس وقت ہماری بڑی مدد کی تھی۔ برطانیہ اور جاپان نے بھی مدد کی تھی۔

سوال ۔ مرکزی حکومت نے کیا مدد کی تھی۔

جواب ۔ مرکزی حکومت (طنزیہ انداز میں) میں نے جو وزیر خارجہ کو پیغام بھیجا تھا اس کا جواب چوبیس گھنٹے کے بعد آیا تھا۔ میں آج اسی لئے تو آج کی حکومت (جونیجو حکومت) سے ناراض ہوں کہ یہ جو ہماری علاقہ علی گڑھ کالونی اور دوسرے علاقے میں جو سانحہ ہوا ہے انہیں چاہئے تھا کہ یہاں آ کر کیمپ قائم کرتے اور اگر یہ اپنا ہیڈ کوارٹر یہاں لگاتے تو ان لوگوں کو کون قتل کر سکتا تھا۔ انہیں کیا ضرورت تھی کہ اس وقت آرام کر رہے تھے۔ لیکن یہ لوگ ایسا نہیں کرتے ہیں ان لوگوں کو احساس ہی نہیں ہے کہ آفت کیا چیز ہوتی ہے۔ اس کے بعد جب میں مالی امداد کی اپیل کی تو مرکزی حکومت حیران تھی۔ اور کہا کہ اعظم یہ سارے فنڈ ہمارے نام کر دو۔ جب ان کے نام کر دیئے تو کسی حکومت نے کوئی رقم نہیں بھیجی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ دنیا جانتی تھی کہ میں مشرقی پاکستان میں ان کے دکھ درد میں ان کے ساتھ کھڑا ہوں۔

سوال ۔ جب آپ نے فنڈ مرکزی حکومت کے حوالے کئے تو امداد آنا بند ہو گئی۔

جواب ۔ ہاں سب نے دینا بند کر دی۔

سوال ۔ آپ اور جنرل ایوب کے درمیان اختلافات کب شروع ہوئے۔

جواب ۔ یہی تو ساری باتیں تھیں۔ جب میری مقبولیت بڑھی اور ان کو نشان دہی ہو گئی۔

سوال ۔ خود ایوب خان نے محسوس کیا یا لوگوں نے انہیں یہ باور کرایا۔
جواب ۔ لوگ ضرور ہوں گے جنہوں نے کہا ہو گا کہ اعظم مقبول ہو رہا ہے۔ آپ کو پتہ ہے خوشامدی کیا کرتے ہیں۔ یہاں ساری تباہی خوشامدیوں sycophant نے لائی ہے۔ اوپر والا خوش ہوتا ہے کہ اس کے خوشامدی ہیں بجائے اس کے ایسے لوگوں کو تھپڑ مار کر نکالے۔ ایوب کو تو خوشامدیوں نے تباہ کیا تھا۔ ہر کسی کی تباہی خوشامدیوں کی وجہ سے آئی ہے۔
سوال ۔ اس ساری صورتحال میں جنرل ایوب نے آپ پر کب اظہار کیا کہ آپ کے اور ان کے درمیان اختلاف ہے۔
جواب ۔ ہمارے درمیان اختلافات کی وجہ بنیادی طور پر یہ تھی کہ وہ سوچتے تھے کہ یہ ہماری خوشامد نہیں کرتا ہے۔ حالانکہ اسے یہ دیکھنا چاہیئے تھا کہ میں کام کیسا کر رہا ہوں۔ نام تو کام سے ملتا ہے۔ اور میرے کام پر سارا کریڈٹ اسکو جاتا تھا۔ نام تو اسے مل رہا تھا بحالیات کا سارا کام میں نے کیا۔ کورنگی کھڑی کر دی۔ میری کوئی مدد ان لوگوں نے نہیں کی تھی۔ میں نے امریکیوں سے براہ راست رابطہ قائم کیا تھا۔ امریکہ کے اس وقت کے صدر آئزن ہاور تک یہ بات پہنچ گئی تھی کہ یہ جو بحالیات کا کام ہو رہا ہے اس میں امریکہ کو مدد دینی چاہیئے۔ میرے پاس بحالیات کے لئے اس وقت صرف ڈیڑھ کروڑ روپیہ تھا۔ جب میں پچاس ہزار مکانات تعمیر کرنے کی بات کرتا تھا تو سب لوگ ہنستے تھے۔ یہ ایک مزاق بن گیا تھا کہ جنرل اعظم پچاس ہزار مکانات تعمیر کر رہا ہے اتنی معمولی رقم سے میں نے بڑی تگ و دو کی تھی۔ میں امریکی امداد کے نمائندوں کو بڑی مشکل سے راضی کیا تھا۔ میں نے پہلے تو اپنے فوجی انجینئروں سے مدد لی تھی ان سے علاقہ کا سروے کروایا پھر ایک بڑی کانفرنس کی۔ بات یہ ہے کہ اللہ انسان کی مدد کرتا ہے۔ انساں اسکی مدد کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔ میں نے کانفرنس میں مسٹر جم کلے کو جو امریکی امداد کے لئے نمائندہ تھا بھی شرکت کی دعوت دی تھی۔ جب میں نے منصوبہ بیان کیا تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔ اس سے پہلے ایک واقع ہوا جو یقیناً خدا کی طرف سے تھا ہوا یہ تھا کہ میں خود علاقے میں موجود تھا تا کہ اپنے آپ کو مطمئن کر سکوں۔ وہاں اس وقت demarcation ہو رہا تھا۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایک امریکن اپنی گاڑی میں وہاں پہنچا۔ میرے پاس آیا اور پوچھا کہ تم جنرل اعظم ہو۔ میں نے جواب میں ہاں کہا۔ اس نے کہا کہ تم پچاس ہزار مکانات بنا رہے ہیں غریبوں کے لئے۔ پھر اس نے کہا کہ تمہیں کسی مدد کی ضرورت ہے۔ میں نے کہا کیوں نہیں۔ اس نے کہا کہ میں تمہیں دنیا کے بہترین آرکیٹیکٹ کی خدمات فراہم کرتا ہوں۔ اور ان کے اخراجات برداشت کرنے کا وعدہ کیا۔ ان کے آرکیٹیکٹ تین دن بعد آئے۔ میری ان سے ملاقات ہوئی میں نے انہیں اپنا آئیڈیا دیا جس پر ایوب مزاق اڑاتا تھا اور کہتا تھا کہ تم نے خوامخواہ کا بوجھ بڑھا دیا ہے۔ لیکن میں کہتا تھا کہ یہ ظلم ہو گا کہ بے گھر لوگوں کے لئے ہم کچھ نہ کریں اور میں نے کہا کہ میں پچاس ہزار مکانات تعمیر کرانے کا وعدہ کیا ہے میں

اسکو پورا کروں گا۔ جب اسکیم تیار ہو گئی تو پھر ایک کانفرنس کی۔ اس میں امریکی امداد کے نمائندوں کو بھی بلایا تھا۔ جس نے نقشوں کی مدد سے پوری اسکیم بتاتے ہوئے آرکیٹیکٹ سے پوچھا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ یہ اسکیم چھ مہینہ میں مکمل ہو جائے اس نے ہاں میں جواب دیتے ہوئے کہا کہ اگر وسائل موجود ہوں۔ پھر میں نے امریکی نمائندے سے اسکی رائے معلوم کی تو کہنے لگا کہ جنرل میں نے اس ملک میں کوئی اسکیم بھی ٹھیک طرح چلتی نہیں دیکھی ہے۔ لیکن میں تمہارے جذبات کا احترام کرتا ہوں تم چھ مہینہ میں کس طرح مکمل کرو گے۔ میں نے اسے کہا کہ تم فکر مت کرو۔ میں اپنا ہیٹ لیکر لوگوں کے پاس امداد کے لئے جاؤں گا اور میں اسے مکمل کر کے دکھاؤں گا انشاء اللہ میں نے خدا کا نام لیکر کام شروع کر دیا۔ اسی دوران ایک اور واقع ہوا۔ جب میں نے پلاننگ پوری کر لی اور میرا ملٹری سیکرٹری میرے پاس آیا اور کہا کہ سر معاف کریں۔ ایسی بات کہنی ہے۔ اور کہنے لگے گا کہ مجھے محکمہ خزانہ کے ڈپٹی سیکرٹری نے یہ بات کہی ہے کہ محکمہ خزانہ کا پہلا خط تیار ہونے میں کم از کم چھ ماہ لگتے ہیں اور تمہارا جنرل چھ ماہ میں پورے منصوبہ پر عمل کرنا چاہتا ہے۔ میں نے کوٹ دوبارہ پہن لیا اور کہا کہ اسے ذرا بلا لو۔ آپ کو یاد ہو گا اسکا نام وقار تھا۔

سوال ۔ یہ وہ وقار صاحب تھے جو بعد میں بھٹو حکومت میں کیبنٹ سیکرٹری تھے۔

جواب ۔ ہاں جو کیبنٹ سیکرٹری بن گیا تھا۔ جب وہ آیا تو میں تھوڑی دیر اسکی طرف دیکھتا رہا۔ اب سوال تھا کمان اور کنٹرول کا۔ میں سوچ رہا تھا کہ میں نے اتنی جان مار کر یہ سارا کام کیا ہے اور اب یہ ٹھنڈا پانی پھینک رہا ہے۔ میں نے اس کے قریب جا کر کہا کہ یہ تم کیا کہتے ہو۔ جب میں نے کام شروع کیا تھا تو تم نے کیوں نہیں کہا تھا کہ سر ہم چھ مہینے میں کاغذات تیار نہیں کر سکتے ہو۔ پھر میں نے کہا کہ مجھے کل شام کو پانچ بجے تک تمام کاغذات تیار چاہیں۔ اگر یہ تیار نہیں ہوئے پھر دیکھنا میں کیا کرتا ہوں۔ پھر کیا تھا ایک زلزلہ آگیا۔ اور کاغذات پانچ بجے سے پہلے تیار ہو کر آگئے۔

سوال ۔ پانچ بجے سے پہلے۔

جواب ۔ ہاں پانچ بجے سے پہلے سب کاغذ تیار ہو کر آگئے۔ مجھے اس وقت جو بجلی کا تھا نا وہ جو مغربی پاکستان کا گورنر بھی تھا کسی وقت غلام فاروق۔ مجھے کہتا ہے کہ ہم یہ سب کچھ اتنی جلدی کس طرح کر سکتے ہیں۔ سات دن میں بجلی کس طرح پہنچ سکتی ہے۔ میں نے کہا کہ اگر تم ایہ نہیں کر سکتے ہو تو پھر چلے جاؤ۔ وہ سیدھا ایوب نے پاس گیا اور کہا کہ جنرل اعظم میرے ساتھ اچھی طرح پیش نہیں آیا۔ دیکھو میں گورنر رہا ہوں یہ ہے وہ ہے۔ ایوب نے مجھ سے پوچھا کہ اعظم کیا بات ہوئی تھی میں نے کہا کہ تم مداخلت مت کرو۔ اور پھر پانچ دن میں پانی بھی آگیا۔ بات یہ تھی کہ اگر پانی اور بجلی نہ ہو تو تعمیر کا کام کس طرح شروع ہو سکتا تھا۔

سوال ۔ لیکن آپکی اتنی کارکردگی کے باوجود ان کے دل میں کوئی خیال پیدا نہیں ہوا۔

جواب ۔ کارکردگی سے کیا مطلب یہاں تو jealousy پیدا ہو گئی

سوال ۔ jealousy تو مشرقی پاکستان کے بعد پیدا ہوئی۔

جواب ۔ ابھی تم صبر کرو۔ آگے پوری بات تو سنو۔ جو کچھ ہوا۔ اس میں کوئی امریکن مدد کے لئے نہیں آیا۔ اسی عرصے میں جرمنی سے ایک وفد آیا انہوں نے کام دیکھا۔ تو ایوب سے کہا کہ جو جنرل یہ بحالیات کا کام کر رہا ہے کیا ہم اس سے ملاقات کر سکتے ہیں۔ اسکو دو تین دفعہ یہ بات کہی۔ ان کو کہا گیا کہ آپ کو جو استقبالیہ دیا جارہا ہے وہاں جنرل اعظم بھی موجود ہوں گے۔ آپ کی ملاقات ہو جائے گی۔ آپ کی ملاقات ہو جائے گی۔ جب استقبالیہ ہو رہا تھا تو اس نے اسی وقت کہا کہ ہمیں مغربی جرمنی میں بھی اس قسم کا مسئلہ درپیش ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ کچھ وقت نکال کر وہاں کا دورہ کریں میں نے جواب میں کہا کہ دیکھو یہاں جو کام ہے اسکا تقاضہ ہے کہ میں کم از کم بیس روز اور موجود رہوں۔ میں صبح سات بجے سے رات نو بجے تک اس کام میں مصروف رہتا ہوں۔ اس نے جواب میں کہا کہ ہاں ہم آپ کا انتظار کر سکتے ہیں۔ ابھی بیس دن مکمل ہونے کو تھے کہ ایک دن صبح کے وقت یو ایس ایڈ کا نمائندہ مجھ سے ملاقات کرنے آگیا۔ اس نے بتایا کہ امریکہ کے صدر مسٹر آئزن ہاور کی جانب سے ایک ٹیلی گرام موصول ہوا ہے جس میں ہدایت کی گئی ہے کہ پاکستان میں غریب لوگوں کے لئے پچاس ہزار مکانات کی تعمیر کے سلسلے میں بھرپور معاونت کی جائے۔ دروازے کھل گئے۔ ایسے کاموں میں مجھے ہمیشہ اللہ کی مدد حاصل رہی ہے۔ میں نے اپنی بساط کے مطابق کوشش کی تھی لیکن اللہ نے دروازے کھول دیئے تھے۔ جب میں کبھی بھی سوچتا ہوں تو سجدے میں گر پڑتا ہوں۔ نیک کام کرو گے اللہ مدد کرے گا۔

سوال ۔ جنرل صاحب آپ بتا رہے تھے کہ jealousy کیسے پیدا ہوئی۔

جواب ۔ اب کو آپ سوچیں کہ jealousy کیسے آتی ہے۔ جب کوئی کارنامہ ہو جاتا ہے تو لوگ بات کرنے لگتے ہیں۔ اس وقت بھی ایسی ہی صورت حال تھی۔ اعظم اعظم ہو رہا تھا۔ ہونا یہ چاہئے تھا کہ لوگ کہتے کہ ایوب کی حکومت میں کام اچھا ہو رہا ہے۔ اعظم اچھا کام کر رہا ہے لیکن جب نام ہونے لگا تو لوگ بات کرنے لگے۔

سوال ۔ آپ نے کہا ہے کہ ایوب خان کے بعد آپ سینئر جنرل تھے لیکن ایوب خان کے بعد کمانڈر انچیف کوئی اور بنا ایسا کیوں ہوا۔

جواب ۔ میں کابینہ میں شامل ہو گیا تھا۔ گورنر بنا تھا۔ کوئی اور کمانڈر انچیف بنا۔ کمانڈر انچیف کی حیثیت گورنر سے کم ہوتی ہے۔

سوال ۔ لیکن آپ نے کہا کہ آپ تو فوج میں رہنا چاہتے تھے لیکن جب دوسرا شخص نامزد ہوا تو آپ کی رائے لی گئی تھی؟

جواب ۔ سلیکشن کا سوال نہیں ہے۔ ایوب نے تبدیل کر دیا۔ ہم تو فوج سے ریٹائر ہو چکے

تھے۔ جب مجھے گورنر کی حیثیت سے جانا پڑا تو کہا گیا فوج سے استعفٰی دے دو۔ دو عہدے ایک ساتھ نہیں رکھے جاسکتے۔ میں نے اس فیصلہ سے اختلاف کیا کوشش کی کہ فوج سے استعفٰی نہ دیں میں نے ایوب سے کہا کہ تمہارے دل میں جو باتیں ہیں میں سمجھتا ہوں میں ہر وقت استعفٰی دینے کے لئے تیار ہوں میں نے کہا کہ میں اپنی وردی نہیں اتاروں گا۔ جواب میں کہنے لگا کہ پھر دونوں جگہ کام کس طرح چلے گا۔ میں نے کہا کیسی باتیں کرتے ہو۔ یہ پابندی کیوں لگاتے ہو۔ میں نے تو پہلے ہی سول سے استعفٰی دینے کے لئے کہہ دیا تھا لیکن پوری کابینہ نے مجھے مجبور کیا۔

سوال ۔ وہ کونسے حالات تھے جن میں ایوب خان کمانڈر انچیف کے ساتھ ساتھ وزیر دفاع بھی بنا دیا گیا تھا۔

جواب ۔ یہ بہت بڑی غلطی تھی۔ یہ آپ کی بیورو کریسی نے گورنر جنرل سے کرایا تھا۔ اسکندر مرزا نے کروایا تھا۔

سوال ۔ صرف اسکندر مرزا نے کروایا تھا یا ایوب خان مرحوم کے اپنے تھے۔

جواب ۔ اللہ تعالٰی ایوب خان کی مغفرت کرے۔ یہ جواب تو وہ ہی دے گا کہ اس نے ایسا کیوں کیا تھا۔ ہماری فوج پیشہ ورانہ فوج ہے۔ یہ فوج ملک پر حکومت کرنے کے لئے نہیں بنائی گئی ہے۔ ملک کے اندرونی حالات میں فوج کی معاونت کی ضرورت پڑی ہے تو فوج کو طلب کیا جاسکتا ہے لیکن جب سول حکومت ناکام ہوجاتی ہے اس وقت مارشل لاء آتا ہے۔ مارشل لاء کبھی نہیں لانا چاہئے۔ یہ فوج کا کام ہی نہیں کہ کاروبار حکومت چلائے۔ اس لئے میں اس کی شدت سے مخالفت کرتا رہتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ جب انگلینڈ میں مارشل لاء لگایا گیا تھا۔ تو اس کی شدید مخالفت کی گئی تھی حتیٰ کہ جب کرامویل مر گیا تو لوگوں نے اس کی نعش کو قبر سے نکال پھانسی دی یہ بتانے کے لئے کہ ہم اس ملک میں کبھی بھی مارشل لاء لگانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ اس وقت تک جب تک کہ کوئی ایسی انتہائی غیر معمولی صورتحال پیدا نہ ہوجائے لیکن پھر بھی مارشل لاء نہیں نافذ ہو گا بلکہ فوج کو سول انتظامیہ کی معاونت کے لئے طلب کیا جاسکتا ہے۔ اس صورت میں وہ سول حکومت کے ماتحت ہوں گے۔ اور وہ جب چاہئے انہیں واپس بیرک میں بھیج سکتی ہے۔ سول حکومت جس وقت چاہئے کہہ سکتی ہے کام ہو گیا واپس جاؤ۔ یہ تو کسی طرح ٹھیک نہیں ہے کہ پورے ملک کو ایک آمر کی کمان میں دے دیا جائے۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تو سب کچھ ہوتا ہے۔ وہ ہوتا ہے۔

سوال ۔ ایوب خان کو جب کمانڈر انچیف بنایا تھا تو کیا انہوں نے بھی کچھ لوگوں کو سپرسیڈ کیا تھا؟

جواب ۔ آپ اس صورتحال میں دیکھیں کہ جب ایسا وقت آتا ہے کہ کوئی اپنے آپ کو

برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ اور کرنا چاہتا ہے تو وہ اپنی مرضی چلاتا ہے۔ ایسے اقدامات کرتا ہے جو اسے کرتے ہوں۔

سوال ۔ ایوب خان کو جب سی این سی بنایا گیا تو اس وقت سینئر ترین جنرل کون تھا؟

جواب ۔ میں ہی تھا۔ میں نے ایوب کو بنوایا تھا۔

سوال ۔ وہ کیسے۔

جواب ۔ ہم کشمیر کی لڑائی لڑ رہے تھے۔ ہمارے ساتھ انگریزوں نے تعاون نہیں کیا تھا۔ وہ کشمیر بھارت کو دینا چاہتے تھے۔ جنرل گریسی نے فوج کو کشمیر میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی تھی۔ اس سے قبل جنرل میسروی نے انکار کر دیا تھا اور وہ جا چکا تھا۔ میں نے جنرل کی سخت شکایت کی تھی۔ اس کی تفصیل میری سوانح عمری میں آئے گی۔

پھر خدا کا کرنا ہوا کہ جنگ بندی ہو گئی۔ ہم نے گریڈ بی میں بیس بٹالین بنائے اور گریڈ اے میں دس بنائے۔ میں نے اس زمانے میں نواب گورمانی سے کہا تھا۔ اس زمانے میں بڑی تھی کیونکہ کرنی پڑی تھی یہ قدم پونچھ کو بچانے کے لئے کیا گیا تھا کیونکہ اگر پونچھ میں بھارت آجاتا تو صورتحال بہت خراب ہوتی۔ بہت مشکل حالات میں ہم پھنس گئے تھے۔

سوال ۔ اس وقت آپکا کیا رینک تھا۔

جواب ۔ میرا رینک بریگیڈیئر تھا لیکن میرا نام جنرل بیگ تھا۔ کچھ پٹھانوں نے کہا تھا کہ ہم جنرل بیگ کی کمان میں رہے ہیں (جنرل صاحب اپنے کراچی کے دورے کے سلسلے میں یہ بات بتا رہے تھے) وہ میرے لشکر والے تھے۔

سوال ۔ آپ کہہ رہے تھے کہ ایوب کو کمانڈر انچیف میں نے بنوایا تھا۔

جواب ۔ ہاں میں جواب دیتا ہوں۔ ہم نے تیاری کی پھر ایک ریلی کی اسکا نام تھا تراخیل ریلی۔ اسکی ضرورت اس لئے تھی کہ ہمارے مورال کم ہو گئے تھے اس لئے ہم نے سوچا کہ کچھ ٹریننگ کرلیں۔ کیونکہ بھارت پونچھ میں آگئے تھے۔ حکم تو انہوں نے دیا تھا کہ کرو۔ ہم نے کہا تھا ایک جگہ رات آگئی تھی کہ یہاں مت قیام کرو۔ سیدھے پونچھ جاؤ اور دفاع کی تیاری کرو اور پھر ہم ان کو پونچھ میں تبارہ کریں گے۔ میں نے محسود قبائل کے پٹھان منگائے تھے۔ لشکر تیار کیا تھا۔ تاکہ پونچھ کا محاصرہ کر کے حملہ کریں۔ اس ریلی میں میں نے زمین پر ایک نقشہ تیار کیا اور لیاقت علی خان کو بلایا۔ آزاد کشمیر کے صدر کو بلایا بہت سارے مہمان بلائے۔ مسلم لیگ کے لوگ بھی تھے۔ نواب گورمانی بھی تھے۔ اور انگریز بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے اس وقت تمام صورتحال بتائی کہ یہ ساری صورتحال کس طرح پیدا ہوئی ہے اور ہمارے ساتھ انگریزوں نے زیادتی کی ہے۔ اس وقت میں نے کہا تھا کہ جب تک ہمارا اپنا پاکستانی کمانڈر انچیف نہیں ہو گا یہ

حالات ٹھیک نہیں ہوں گے۔ کشمیر کا معاملہ کچھ ایسی صورت اختیار کر گیا ہے کہ انگریز بھارتیوں کو دینا چاہتے ہیں اور کمانڈ بھی انگریزوں کے ہاتھ میں ہے۔ میں نے ساری صورتحال بنادی۔ انگریز بھی سن رہے تھے۔

سوال ۔ جنرل گریسی موجود تھے۔

جواب ۔ گریسی موجود نہیں تھے۔ یہ حالات تھے۔ رات کو مجھے بلایا گیا اور نواب گورمانی نے کہا کہ کھانے کے بعد ہمیں بہت ضروری گفتگو کرنی ہے۔ ہم آپ سے کچھ سوال جواب کرنا چاہتے ہیں۔ جب میں رات کو گیا تو لیاقت علی خان نے مجھ سے کہا کہ میں تم سے ایک سوال پوچھتا ہوں اور مجھے ٹھیک جواب دینا۔ انہوں نے پوچھا کہ ہمیں جو پریڈ دکھائی گئی ہے اس میں شامی لوگوں کی ٹریننگ کس نے کی تھی۔ کیا یہ ٹریننگ پاکستانی فوج نے کی تھی یا آزاد ٹروپس نے' میں نے جواب دیا کہ ہم نے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے تو بتایا گیا تھا کہ انگریزوں نے ٹریننگ کی تھی۔ آپ کو معلوم نہیں کہ ان کی (وزیراعظم یا وزیر دفاع) کی کتنی ہوتی ہے فوج کے بارے میں کبھی آتے نہیں ہیں۔ کبھی نہیں دیکھتے ہیں۔ ان کا (بھارت) کا وزیراعظم آکر دیکھتا تھا۔ یہ تو میں نے پہلی دفعہ بلایا تھا۔ میں نے کہا کہ آخر ٹریننگ تو ہم دیتے ہیں۔ میں گریسی کا جونیئر ہوں۔ لیکن میں بھی سینڈ ہرسٹ میں ٹرین ہوا ہوں۔ ٹریننگ کا طریقہ ایسا ہے کہ اگر یہ لوگ چلے جائیں تو ہم لوگ کمانڈر انچیف کی حیثیت سے کام کر سکتے ہیں۔ صوبیدار و حوالدار وغیرہ کی ٹریننگ ہو سکتی ہے۔ اسلحہ سے تربیت کرنی پڑتی ہے لیکن ہمیں اسلحہ دیا ہی نہیں گیا ہے۔ اور بارود کی بھی کمی ہے۔ پھر پوچھنے لگے کہ اپنا کمانڈر انچیف مقرر کرنے کے لئے ہمیں کم از کم کتنا وقت درکار ہو گا میں نے کہا اٹھارہ مہینے اسکے جواب میں انہوں نے بتایا کہ انہیں انگریزوں نے کہا تھا کہ پندرہ سال کا عرصہ درکا ہو گا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ آپ لوگ یہی کہیں گے۔ اس کے بعد پھر چند دنوں بعد مجھے نواب گورمانی نے بلایا اور کہنے لگا کہ بھیا تم نے تو ایسا کام کیا ہے جو ہم اسکو بہت عرصے سے کہہ رہے تھے کہ انگریزوں کو نکالو تو کشمیر ملے گا۔ یہ نہیں جانتے تھے اور کہتے تھے۔ کہ انگریزوں کے بغیر کام کیسے چلے گا۔ آپ نے تو ایسا کیا کہ معاملہ حل ہو گیا۔ ہم تو آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے انہیں کر دیا۔ پھر اس نے راولپنڈی میں ایک اجلاس کیا جس میں سب پاکستانی افسروں سے پوچھا دو تین افسروں کے علاوہ سب نے وہ ہی بات کی جو آپ نے کی تھی۔ میں نے کہا کہ ڈپٹی کمانڈر انچیف بناؤ جتنے بڑے بڑے شعبے ہیں ان سب میں دو دو مہینہ رہے۔ بنیادی طور پر تربیت یافتہ افسر ہوتا ہے اسکو تجربہ ہوتا ہے۔ پھر کہے گا بھیا دیکھو یہ تین نام ہیں ایک رضا ہے اور دوسرا ناصر ہے تیسرا ایوب ہے۔ ان تینوں میں کون ہونا چاہئے۔ ان تینوں کی سینیارٹی برابر تھی۔

سوال ۔ تینوں کی ایک جیسی سینیارٹی تھی۔

جواب ۔ ایک ہی ٹرم میں شاید آئے تھے۔ میں نے کہا ایوب

سوال ۔ ایوب خان کا اس وقت رینک کیا تھا۔

جواب ۔ وہ میجر جنرل تھا۔

سوال ۔ یہ تینوں میجر جنرل تھے۔

جواب ۔ ہاں تینوں میجر جنرل تھے نہیں دو میجر جنرل تھے ایک لیفٹننٹ جنرل تھا۔ انگریز ہائر رینک میں تھے۔ میں نے پھر اس سے کہا کہ کسی سے کہنا مت۔

سوال ۔ آپ نے لیاقت علی خان سے کہا۔

جواب ۔ نہیں۔ نواب گورمانی سے اور میں نے بھی کسی سے نہیں کہا حتیٰ کہ ایوب سے بھی نہیں۔

سوال ۔ نواب گورمانی اس وقت گورنر تھے۔

جواب ۔ نہیں وہ امور کشمیر کے وزیر تھے۔

سوال ۔ دفاع کا محکمہ لیاقت علی خان کے پاس تھا یا کسی اور کے پاس۔

جواب ۔ (کچھ دیر ذہن پر زور ڈالتے ہوئے) مجھے ابھی یاد نہیں ہے

سوال ۔ اچھا جب آپ نے یہ بات جو کہی تو کیا یہ آپ کی ایوب خان کے ساتھ دوستی تھی تعلقات تھے یا کوئی اور بات

جواب ۔ نہیں دوستی نہیں۔ ان تینوں میں سے اسکو زیادہ تجربہ تھا۔

سوال ۔ اچھا تجربہ تھا۔ تو آپ نے سوچا ہو گا کہ ایوب خان اچھا سولجر ہے۔

جواب ۔ ہاں یہ بات تھی۔ دیکھو تینوں کو تجربہ تو تھا لیکن رضا جو تھا وہ اسکندر مرزا کی طرح پولیٹیکل محکمہ میں تھا۔ ناصر جو تھا زیادہ تر اسٹاف لائن میں تھا۔

سوال ۔ اچھا تو آپ نے اپنا فیصلہ اس بنیاد پر دیا تھا۔

جواب۔ ہاں میں نے اس بنیاد پر اپنا فیصلہ دیا تھا۔

سوال۔ جب آپ سے انہوں نے مشورہ کر لیا تو انہوں نے اعلان کر دیا یا کچھ دن......؟

جواب۔ نہیں انہوں نے اپنے وقت پر اعلان کیا اور ایوب کو نامزد کر دیا۔

سوال۔ کتنا وقت لگا تھا؟

جواب۔ جتنا وقت میں نے کہا تھا اس سے بھی کم کر دیا تھا۔ ایوب کو ڈپٹی بنا دیا تھا۔

سوال۔ جب ایوب خان کو کمانڈر انچیف بنایا گیا ہو گا تو انگریزوں نے محسوس تو کیا ہو گا؟

جواب۔ مجھے کہتے تھے کہ یہ تبدیلی تم نے کرائی ہے لیکن انگریز نے خود ہی محسوس کر لیا تھا جب ایک انگریز جنرل لاک مارٹمین کو ہٹا کر جنرل اکبر کو کشمیر کی کمان دی گئی تھی۔

سوال۔ جنرل اکبر خان راولپنڈی سازش والے؟

جواب۔ نہیں نہیں یہ جنرل اکبر سب سے پرانا سولجر تھا۔
سوال۔ جنرل اکبر خان رنگروٹ؟
جواب۔ جنرل اکبر جس کا کراچی میں پہلے ڈویژن تھا۔ وہ کور کمانڈر تھا لیکن اس کا رینک میجر جنرل تھا۔
سوال۔ راولپنڈی کی سازش والے جنرل اکبر دوسرے ہیں؟
جواب۔ راولپنڈی والا جنرل اکبر کیولری کا افسر تھا۔ یہ دوسرا تھا۔
سوال۔ پھر کیا ہوا؟
جواب۔ اس کا ہیڈ کوارٹر کشمیر میں بنا دیا تھا۔
سوال۔ انگریز جو افسر ہوں گے انہوں نے یہ بات شدت سے محسوس تو کی ہو گی؟
جواب۔ بہت۔ کیونکہ لاک مارٹمین کو نکالا گیا تھا وہ پھر اس ملک سے چلا گیا تھا۔
سوال۔ آپ کو کس نے کہا کہ تم نے اپنی کاپی بک خراب کر لی ہے؟
جواب۔ ہاں انہوں نے کہا تھا کہ تم اپنی کاپی بک کو داغدار کر لیا اور پھر خدا کا کرنا ہوا کہ یہی گریسی تھا کہ اعظم معاف کر دو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے گریسی کو ایک لمبے خط میں اپنی خفگی سے آگاہ کیا تھا کشمیر کے معاملے کے سلسلے میں اس نے مجھے جواب دیا تھا کہ اعظم برائے مہربانی بھول جاؤ اور معاف کر دو۔
سوال۔ بس آپ کے خط کا اتنا سا جواب تھا؟
جواب۔ بس یہ تھا کہ فار گیو اینڈ فار گیٹ۔ میں نے کہا تھا کہ اگر ہم پونچھ میں نہ رکتے تو بھارتی سیدھے حاجی پیر کے پاس چلے جاتے اور پھر آرمی میں مل جاتے بھارتی بھی صرف اتنا ہی علاقہ چاہتے تھے کیونکہ باقی ایریا ہے۔
سوال۔ آپ کس شاخ میں رہے ہیں؟
جواب۔ میں انفینٹری میں رہا ہوں۔
سوال۔ ایوب خان کو یہ بات معلوم ہوئی کہ انہیں ترقی دلانے میں آپ کا ہاتھ تھا؟
جواب۔ مجھے نہیں معلوم۔ میں نے اس سے کبھی نہیں کہا۔ کیونکہ میں نے نواب گورمانی کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ میں کسی کو اور ایوب کو بھی نہیں بتاؤں گا۔ اگر میں بتاتا تو میں جھوٹا ہوتا اور یہ میں نہیں کر سکتا تھا۔
سوال۔ بعد میں کبھی ایوب خان نے آپ کا شکریہ ادا کیا تھا؟
جواب۔ (ہنستے ہوئے) نہیں میرا کہاں شکریہ ادا کیا۔ میں نے اسے بتایا ہی نہیں تھا۔ جب میں نے اسکندر مرزا کو نکالا تو میں نے وہ فائل بھی اپنے ہاتھ سے ایوب کو نہیں دیا تھا۔ کیونکہ میں بڑا ناراض ہو گیا تھا۔ اسکندر نے اس کے خلاف بہت باتیں کیں تھیں اس نے کہا تھا کہ دیکھو گے

تمہارے خلاف بھی ایسا ہی ہو گا ایسا آدمی ہے ویسا آدمی ہے۔ تمہارے ساتھ بھی بے وفائی ہو گی۔ میں نے تو کان بند کر لئے تھے۔ میں نے اسکندر سے کہا کہ بھئی تم اس پر دستخط کر دو ورنہ میں جا رہا ہوں اور پھر خدا بہتر جانتا ہے کہ تمہارے ساتھ کیا ہو گا۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ لوگ آ رہے ہیں۔ لیکن وہاں تو کچھ نہیں تھا۔ یہ تو دھمکی تھی۔ صرف دو جنرل باہر لان میں بیٹھے تھے اور میرا اردلی باہر کھڑا تھا۔

سوال۔ آپ وہ فائل والی بات کر رہے تھے؟

جواب۔ فائل میں نے برکی کے حوالے کیا اور میں وہاں سے سیدھا مادر ملت کے گھر گیا تھا انہیں بتانے کے لئے کہ میں نے اپنا مشن پورا کر دیا ہے۔ میں مادر ملت کا بے انتہا احترام کرتا تھا کیونکہ وہ قائداعظم کی بہن تھیں۔ میں نے جو پارٹی بنائی تھی اس کا نام بھی جناح لیگ رکھا تھا جس وقت پانچ سیاسی جماعتوں نے مجھ سے اپیل کی تھی کہ میں جنرل ایوب کے مقابلے پر انتخابات میں حصہ لوں تو بھی میں نے سوچا تھا کہ دو جنرلوں کو اس ملک میں اس طرح سیاست نہیں کرنا چاہئے۔

سوال۔ جنرل صاحب آپ فائل کا ذکر کر رہے تھے آپ مادر ملت کے پاس لے گئے؟

جواب۔ نہیں فائل نہیں۔ میں مادر ملت کے پاس گیا میں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ باہر نکل کر آئیں کیا ہے۔ رات کا وقت تھا کہنے لگیں کیا ہوا ہے۔ میں نے کہا مادر ملت میں نے آپ کے حکم کے مطابق اسکندر مرزا کو صدارت سے ہٹا دیا ہے۔

سوال۔ پھر وہ کیا بولیں؟

جواب: انہوں نے کہا اچھا۔ تم نے ٹیک اوور کر لیا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ نہیں ایوب نے ٹیک اوور کیا ہے۔ پھر وہ بولیں کہ نہیں ایوب کو ٹیک اوور نہیں کرانا چاہئے تھا۔ میں نے ان سے گزارش کی کہ ایسا نہ کہیں۔

سوال۔ وہ ایوب کے بھی خلاف تھیں؟

جواب۔ مہاجروں کی وجہ سے وہ ناراض تھیں اور در حقیقت قائداعظم ناراض تھے اس زمانے میں ایوب جو کچھ بھی تھا اس سے سروکار نہیں ہے بہر صورت اس وقت انہوں نے مجھ سے بڑا تعاون کیا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ اخبارات کو بیان جاری کریں۔ ایوب کے ٹیک اوور کے سلسلے میں میں نے جو کچھ کہا انہوں نے تحریر کر دیا۔

سوال۔ انہوں نے پھر بھی بیان جاری کیا۔ اچھا پھر وہ فائل مادر ملت نے ایوب کو دی؟

جواب۔ نہیں نہیں وہ فائل تو میں نے برکی کو دے دی تھی اور کہا تھا کہ یہ تم ایوب کو دے دینا۔

سوال۔ آپ کی ملاقات پھر ایوب سے بھی نہیں ہوئی؟

جواب۔ اس رات کو نہیں ہوئی۔ رات کافی بیت چکی تھی۔

سوال۔ اصغر خان کہتے ہیں کہ جب اسکندر مرزا سے استعفیٰ لینے والا واقعہ ہوا تو انہیں فون پر بلایا گیا

اور ایوب خان نے اپنے پاس بٹھالیا اور آپ تین جرنل یعنی آپ' جنرل برکی اور جنرل شیخ ایک ساتھ گئے پھر آئے اس دوران ایوب خان بڑا نروس تھا اور پریشان تھا۔ جب آپ لوگ واپس آئے تو اس نے آپ سے پوچھا کہ کیا ہوا؟

جواب۔ کام سارا میں نے کیا لیکن ایوب کی مرضی سے ہوا تھا۔

سوال۔ ان کی مرضی سے ہوا؟

جواب۔ مرضی سے مطلب یہ کہ جس کاغذ پر یہ لکھا ہوا تھا کہ ایوب صدر بنے گا۔ وہ یہ جانتا تھا اس کو غصہ نہیں تھا پریشانی نہیں تھی بلکہ تھی۔

سوال۔ اصغر خان کو کیوں بلا کر بٹھایا تھا؟

جواب۔ (قہقہہ لگاتے ہوئے) اس لئے کہ یہ نہ کر لے۔

سوال۔ کیا اس بات کا اندیشہ تھا؟

جواب۔ نہیں۔ یہ تو میں نے پہلی دفعہ آپ سے سنا ہے۔ شاید کہا ہو گا یا نہیں کہا ہو گا۔

سوال۔ آپ کا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہوا تھا؟

جواب۔ اس سے مجھے غرض نہیں ہے مجھے جو کام کرنا تھا وہ میں نے کر لیا تھا اور فائل جنرل برکی کو دے دی تھی کہ اس کو ایوب کو دے دینا۔

سوال۔ اور آپ مادر ملت کے گھر چلے گئے؟

جواب۔ ہاں میں ان کے گھر چلا گیا اور کافی دیر بیٹھا رہا کیونکہ انہیں بیان لکھنا تھا۔

سوال۔ یہ رات کو کس وقت کی بات ہے؟

جواب۔ کوئی گیارہ ساڑھے گیارہ بجے کی بات ہو گی۔ میرا خیال ہے کہ بارہ بجے ہوں گے۔

سوال۔ اتنی رات کو مادر ملت نے دروازہ خود کھولا تھا؟

جواب۔ خود کھولا تھا۔

سوال۔ پھر آپ ان سے وہ لیٹر لے کر ایوب کے پاس آئے؟

جواب۔ میں لے کر نہیں آیا میں نے کہا کہ آپ پریس کو بھیج دیں۔

سوال۔ اچھا وہ خود بھیج دیں؟

جواب۔ میں نے اسے پڑھا۔ میں نے اس میں تبدیلی بھی کرائی۔

سوال۔ پھر آپ اپنے گھر چلے گئے یا ایوب خان کے پاس آئے؟

جواب۔ میں اپنے گھر چلا گیا کیونکہ میں نے اپنا مشن مکمل کر لیا تھا اور مادر ملت کو مطلع کر دیا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ تھا کہ اس نے ایوب اور اسکندر مرزا میں اختلافات پیدا کر دیئے اور یہ معاملہ ہو گیا۔ یہ کسی قسم کی بھی سازش کا نتیجہ نہیں تھا میرے لئے تو یہ کام ایک مشن کی حیثیت رکھتا تھا کیونکہ مادر ملت کا حکم تھا۔ انہوں نے مجھے میرے گھر لاہور پر اسی سلسلے میں ٹیلی فون بھی کیا تھا۔ وہ

کھلے عام اسکندر مرزا کو برا بھلا کہتی تھیں۔ ایک دفعہ انہوں نے میری بیوی سے ٹیلی فون پر گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا کہ اعظم کیوں نہیں ہٹاتا ہے۔ اسکندر مرزا کو میری بیوی سے ان کے تعلقات دوستانہ تھے اور ان کا یہ فون ٹیپ ہو رہا تھا۔

سوال۔ کیا اسکندر مرزا نے آپ کو بتایا تھا کہ ان کا فون ٹیپ ہوا تھا؟

جواب۔ نہیں۔

سوال۔ آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ ان کا فون ٹیپ ہوا تھا؟

جواب۔ ایک افسر نے مجھے بتایا تھا۔ جب اس نے مجھ سے بات کی تو میں نے اس سے مذاق کیا اور کہا کہ خواتین تو آپس میں اس طرح کی گفتگو کرتی ہیں۔ وہ تو ہر ایک کو برا بھلا کہتی ہیں گالیاں دیتی ہیں۔ یہ تو خواتین کی عادت کا حصہ ہے۔ بہر حال میں اسکندر مرزا کی بات کر رہا تھا۔ وہ مجھے باتیں سنا رہا تھا کہ تم ٹیک اوور کیوں نہیں کرتے ہو میں نے کہا کہ نہیں یہ فوج کے نظم و ضبط کی بات ہے اور میں اسے برقرار رکھوں گا ایوب مجھ سے اٹھارا ماہ سینئر ہے اور ایسا کس طرح ہو سکتا ہے۔

سوال۔ آپ سے جب اسکندر مرزا نے کہا کہ ایوب تمہارے ساتھ بھی بے وفائی کرے گا۔ اب آپ کیا سوچتے ہیں؟

جواب۔ میں نے اس کے ساتھ کوئی نہیں کیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید میں اس کے ساتھ مل جاؤں گا لیکن ایسا نہیں تھا۔ میں نے کہا تھا کہ مجھے سول سے قطعاً کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ یہ ایک مشن ہے جو ہمیں پورا کرنا ہے کیونکہ یہ عوام کی طرف سے ہے۔ میں نے اسے کسی کا نام نہیں بتایا۔ حتیٰ کہ مادر ملت کا بھی نہیں حالانکہ مادر ملت کافی عرصہ سے دباؤ ڈال رہی تھیں اور آخر اللہ تعالیٰ نے یہ موقع دیا۔

سوال۔ جنرل صاحب ایوب کے آخری وقت میں دوسرا مارشل لاء جو یحییٰ خان لائے تھے اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب۔ اس کا مجھے علم نہیں میرا کوئی تعلق نہیں تھا حکومت سے میری علیحدگی کے بعد ایوب پریشانیوں میں مبتلا ہو گیا۔ میرے جانے کا تو آپ کو علم ہے۔ میں نے مشرقی پاکستان میں جو وقت گزارا تھا بنگالیوں کی شکایات بڑی حد تک دور کر دی تھیں۔ یہ ۱۹۶۲ء کی بات ہے ایک میٹنگ ہوئی تھی جس میں ایوب سے کہا گیا تھا کہ اعظم کو اقتدار دے دو ہم چھ نکات کا مطالبہ نہیں کریں گے۔

سوال۔ اس وقت تک چھ نکات سامنے آ گئے تھے؟

جواب۔ میں تو اس وقت آ چکا تھا۔ لیکن چھ نکات کا عمل شروع ہو چکا تھا۔ بنگالی کہتے تھے کہ چوتھے درجے کے شہری بنے ہوئے ہیں ہماری کوئی عزت نہیں ہے۔ ایسے واقعات بھی ہو چکے تھے کہ کیبنٹ سیکرٹری بھی بنگالی وزیروں کے ساتھ اچھی طرح پیش نہیں آتا تھا رہتا تھا۔ ان

حالات سے بنگالی ناخوش تھے۔
سوال۔ مارشل لاء کے دور میں جو غیر فوجی وزیر ہوتے تھے یا وہ سیاست دان جو اقتدار میں نہیں رہے تھے ان کا مارشل لاء والوں کے ساتھ کیا رویہ تھا۔ آپ کیا محسوس کرتے تھے؟
جواب۔ آپ کون سے زمانے کی بات کر رہے ہیں۔ اس زمانے کی یا اس زمانے کی۔
سوال۔ میں مجموعی بات کر رہا ہوں۔ کچھ تو ذاتی مشاہدہ بھی ہوتا ہے۔ بھٹو صاحب آپ کے ساتھ کابینہ میں تھے۔ مولانا مودودی' نواب زادہ نصر اللہ' ولی خان' غفار خان ادھر شیخ مجیب اور سہروردی صاحب وغیرہ یہ کیسے لوگ تھے۔
جواب۔ ہم سب وزیروں کو جانتے تھے سب بڑے ہی شریف لوگ تھے۔
سوال۔ جو آپ کے کابینہ میں ساتھی تھے؟
جواب۔ شریف لوگ تھے۔
سوال۔ ذالفقار علی بھٹو کے بارے میں کیا خیال ہے؟
جواب۔ مجھے نہیں معلوم کے ایوب کے زوال کے حالات کس نے پیدا کئے تھے اس لئے کہ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔
سوال۔ جب وزیر بحالیات تھے تو سیاست دانوں سے آپ کا رابطہ تو ہوتا ہو گا؟
جواب۔ ایک دو دفعہ سے زیادہ نہیں۔ ایک دفعہ میں سیلاب آنے کے بارے میں وارننگ دینے کے نظام کو تبدیل کرانا چاہتا تھا کیونکہ ہم کو وارننگ دیر سے ملتی تھی۔ ایک دفعہ اس سلسلے میں اجلاس ہوا میں نے اپنی بات کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہمیں تین یا ساڑھے تین لاکھ روپیہ چاہئے تاکہ اس نظام کو بہتر بنا سکیں تو ایوب نے سوچا تھا کہ شاید اعظم نیا آدمی ہے۔ اسے سیلاب وغیرہ کے بارے میں معلوم نہیں ہو گا۔ ایوب نے کابینہ کے ارکان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ کیا یہ سیلابوں کا سلسلہ جنرل اعظم کے آنے کے بعد شروع ہوا ہے۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ نہیں یہ تو پرانا سلسلہ ہے لیکن میں تو سمجھتا تھا کہ ایوب کیا کہہ رہا ہے۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ یہ لوگ ایوب سے اتنا ڈرتے تھے کہ کوئی بولتا نہیں تھا۔
سوال۔ جنرل صاحب کہا جاتا ہے کہ مارشل لاء کے فوری بعد پہلی یا دوسری کابینہ میٹنگ میں جس میں جسٹس منیر بھی تھے اس وقت ایوب خان نے اپنا آئین نافذ کرنے کی بات کی تھی اور جسٹس منیر نے تجویز دی تھی کہ ہاں اس کا ایک طریقہ ہو سکتا ہے کہ ریفرنڈم کرا کے آئین کو منظور کرا لیا جائے۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ جنرل ایوب کو اتنی جلدی اپنے آپ کو کرنے کا خیال کیوں آ گیا تھا؟
جواب۔ یہ ہر ایک کا اپنا طریقہ ہوتا ہے۔ مجھے کیا معلوم کہ جو صدر رہے اس کے دل میں کیا ہے یہ تو آپ کو کرنے کا طریقہ کار پیدا کرنا ہوتا ہے۔

سوال۔ جو بھی جنرل مارشل لاء نافذ کرتا ہے کیا وجہ ہے کہ وہ اپنے کو فوری طور پر کرنے کی کوشش کرتا ہے پھر اپنے آپ کو کرتا ہے آخر ایسا کیوں ہوتا ہے؟

جواب۔ وہ تو یہی بات ہے کہ ہر ایک اپنے آپ کو رکھنا مانگتا ہے۔ کرسی کو مضبوط کرنا ہوتا ہے۔

سوال۔ آپ دیکھ رہے ہوں گے کہ اس ملک میں جب بھی مارشل لاء لگایا گیا ہے تمام اندرونی سیاسی معاشی خلفشار کا ذمہ دار سیاست دانوں کو ٹھہرایا جاتا ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے۔

جواب۔ یہ جو حالات ہیں۔ آج کے حالات جب مارشل لاء لمبا ہو جاتا ہے تو ایسے ہی حالات پیدا ہوتے ہیں۔ تمام ادارے ختم ہو جاتے ہیں۔ کوئی لیڈر شپ نہیں رہتی۔ کوئی عوام کی رہنمائی کرنے والا نہیں ہوتا ہے۔ یہ تو صرف جمہوریت ہوتی ہے جو ان تمام مسائل کو روک کر رکھتی ہے۔ ان مسائل کو سر نہیں اٹھانے دیتی ہے۔

سوال۔ جنرل صاحب میں یہی بات معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کمانڈر جنرل' کور کمانڈروں اور ہر ایک کو اندازہ ہوتا ہے کہ مارشل لاء لگانے سے صورت حال بہتر نہیں ہوتی ہے لیکن پھر بھی وہ مارشل لاء لگا دیتے ہیں آخر کیوں؟

جواب۔ آپ کون سے مارشل لاء کی بات کر رہے ہیں۔

سوال۔ میں کسی ایک مخصوص مارشل لاء کی بات نہیں کر رہا ہوں بلکہ مجموعی بات کر رہا ہوں؟

جواب۔ مارشل لاء کے نفاذ میں عمومی بات یہ ہے کہ مارشل لاء کسی ملک کی انتظامیہ کا نعم البدل نہیں ہے بلکہ آپ کو انتظامیہ کو ہی اپنا کام کرنے کی اجازت دینی ہوتی ہے۔

سوال۔ میں یہ بات پوچھ رہا ہوں کہ تیسری دنیا کے ممالک میں جہاں جنرل بار بار اقتدار پر قبضہ کر لیتے ہیں اور یہ جانتے بھی ہیں کہ وہ ملک کے حالات کو بہتر نہیں کر سکتے ہیں پھر بھی وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟

جواب۔ بات یہ ہے کہ جمہوریت ہی کسی قوم کی خوشحالی' استحکام' تحفظ اور ہر چیز کی ضمانت ہوتی ہے۔ جمہوریت کو ہر حال میں کام کرنے کی اجازت دینی چاہئے۔ اس کے اصولوں پر عمل کرنا چاہئے اور فوج جو ہے وہ تو پروفیشنل آرمی ہے اسے اپنے فرائض ہی انجام دینا چاہئے۔

سوال۔ یہ تو آپ کا ہے؟

جواب۔ یہ نہیں ہے بلکہ ایک اصول ہے۔

سوال۔ آخر جنرل یہ کیوں نہیں سمجھتے ہیں کہ جمہوریت کو کام کرنے دیا جائے اور وہ کیوں اقتدار پر پوری طرف قابو پا لیتے ہیں؟

جواب۔ میں ان لوگوں سے کبھی اتفاق نہیں کر سکتا جو سوچتے ہیں کہ مارشل لاء کے ذریعے ملک چلانے سے ملک خوشحال ہو گا اور مستحکم ہو گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مارشل لاء کے دوران عوام کا

قطعاً کوئی خیال نہیں رکھا جاسکتا ہے حالانکہ یہ عوام ہی ہوتے ہیں جو ملک کو مستحکم کرتے ہیں اس کا تحفظ کرتے ہیں۔

سوال۔ لیکن جنرل اس طرح کیوں نہیں سوچتے ہیں؟

جواب۔ انہیں سوچنا چاہئے۔ (ہنسے ہوئے)

سوال۔ کیا کبھی آپ کی جنرل ضیاء سے بالمشافہ ملاقات ہوئی ہے؟

جواب۔ میری اس سلسلے میں ان سے کوئی بات چیت نہیں ہوئی۔ اب بات یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ میں جمہوریت کے لئے کام کرتا ہوں اور کر رہا ہوں۔

سوال۔ آپ نے انہیں جو خط لکھا تھا اس کا جواب آیا ہے؟

جواب۔ ہاں جواب آیا ہے

سوال۔ جواب کیا ہے؟

جواب۔ اسے پڑھ لو۔ میں نے چھپوایا ہے۔

سوال۔ ۱۹۷۷ء کے بعد لاہور کی سماجی تقریبات میں آپ کا کبھی جنرل اقبال' جنرل سوار خان' جنرل جیلانی وغیرہ سے سامنا تو ہوا ہو گا۔ کوئی بات چیت تو ہوئی گئی؟

جواب۔ جہاں تک اس کے جواب کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ میں جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ کیا پتہ وہ لوگ پسند کریں یا ناپسند۔ میں اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ میں آپ کو وہ کچھ بتا رہا ہوں جو میرا تجربہ ہے۔ مجھے ان کے خیالات کا کیا معلوم میرے خیال میں یہ پوری دنیا میں مسلمہ اصول ہے کہ مارشل لاء کی نفی ہوتی ہے۔ اگر آپ صحیح کام کرنا چاہتے ہیں وہ صرف جمہوریت ہے اور اسی کے ذریعے ممکن ہے اور وہ ہی ہونی چاہئے۔

سوال۔ پاکستانیوں کو ایسے کیا اقدامات کرنے چاہئیں جن کے بعد ہمیشہ ملک میں مارشل لاء کے نفاذ کے اندیشے ختم ہو جانے چاہئیں۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ بات ہی ختم ہو جائے کہ اس ملک میں مارشل لاء لگایا جاسکتا ہے؟

جواب۔ کوئی کہے گا کہ ابھی تک عوام کی تربیت نہیں ہوئی ہے یہ نہیں ہوا ہے وہ نہیں ہوا۔ مارشل لاء نے کون سی تربیت کی ہے کہ ہم کہیں گے کہ سول انتظامیہ قابو میں رہے یہ تو بیورو کریٹس اور ٹروپس کا ایک ''گیٹ ٹو گیدر'' ہے۔ انہوں نے عدالتیں بنائی ہوئی ہیں اور یہ وہ کام کئے ہوئے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا ہوں کے قوم اس صورت حال سے مطمئن ہے خوش ہے۔ اس ملک میں بیس یا بائیس سال میں مارشل لاء نے کیا دیا ہے۔ اس کے برعکس جمہوریت میں ہم بہت ہی بہترین قوم بن سکتے تھے۔ ہم بہت ہی ترقی کر سکتے تھے۔ چین کو دیکھو کتنا عظیم ملک ہے۔ حالانکہ وہ ہمارے بعد وجود میں آئے تھے۔ کوریا کی مثال دیکھو۔ آج وہ کہاں کھڑے ہیں ہر جگہ عوام کا کردار نظر آتا ہے۔ اگر وہاں فوج ہوتی ہے تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اب دیکھو کہ جب انگریز

گیا تو فوج، پولیس، سول انتظامیہ سب تربیت یافتہ تھے لیکن انہوں نے سیاست کی تربیت نہیں کی۔ میرا خیال ہے کہ سیاسی زندگی آزاد ہونی چاہئے۔ اس میں کوئی پابندی نہیں ہونی چاہئے۔ یہ جو سیاسی لوگ فوجیوں کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ حالانکہ کوئی بھی اسے پسند نہیں کرتا ہے۔

سوال۔ آپ کہتے ہیں کہ چیف آف آرمی اسٹاف کی ایک مدت ہونی چاہئے اس کی ذرا وضاحت کر دیں؟

جواب۔ یہ میرا یقین ہے کہ ایوب نے تین چیف آف آرمی اسٹاف کا قتل کیا کیا۔ اس کے بعد جس نے بھی توسیع کی ایسا ہی کیا اس کا اپنا ایک مدت ہوتا ہے۔ اس لئے تبدیلی آنی چاہئے۔

سوال۔ ایوب نے تین چیف کا قتل کیا؟

جواب۔ مطلب یہ کہ گیارہ سال تک عہدے پر بیٹھا رہا۔ تبدیلی ہمیشہ بہتری لاتی ہے۔

سوال۔ اس مدت میں تین آدمی آنے تھے؟

جواب۔ ہاں تین افراد تبدیل ہوتے۔

سوال۔ اس کے لئے کیا کیا جائے کہ یہ تین سال کی مدت پر عمل ہو سکے؟

جواب۔ جب اس کی مدت ختم ہو جاتی ہے تو قانون پر عمل ہو۔ اس سلسلے میں قوانین اور تو موجود ہیں مدت ملازمت میں کسی بھی نوعیت سے توسیع نہیں ہونی چاہئے۔ چہ جائیکہ کوئی اہل فرد ہی میسر نہ ہو۔ میں اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ مدت ملازمت میں توسیع کے طریقہ کار نے بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ ہم نے جنرل یوسف کو ضائع کیا۔ کیونکہ جب ایوب کو توسیع دی گئی تو اس نے سوال کیا کہ ایسا کیوں ہوا ہے۔ اسکندر مرزا اس توسیع کے لئے ذمہ دار تھا۔ جب اس نے اعتراض کیا تو اسے فوری طور پر سفیر بنا کر روانہ کر دیا گیا حالانکہ یہ اس کا جب ہی نہیں تھا۔

سوال۔ کیا جنرل موسیٰ کو بھی توسیع دی گئی تھی؟

جواب۔ میں نے آپ سے صاف کہہ دیا ہے کہ توسیع کسب بھی حالت میں بہتر فیصلہ نہیں ہوتا ہے۔ یہ ایک قسم کی نیچے والے افسروں کے ساتھ (بے انصافی) ہوتی ہے۔

سوال۔ صرف ناانصافی؟

جواب۔ اور کیا، جو نیا آدمی آتا ہے وہ اپنی قابلیت، تجربہ سے صورت حلل میں بہتری پیدا کرتا ہے۔

سوال۔ چیف کے سلیکشن کا جو طریقہ کار رہے ہے؟

جواب۔ میں نہیں سمجھتا ہوں کہ میں نے سلیکشن کا کوئی طریقہ دیکھا ہے یا کون سا طریقہ ہے۔

سوال۔ مطلب یہ کہ چیف ایگزیکٹو، وزیر اعظم یا وزیر دفاع جس کو منتخب کر لے وہ چیف ہو جاتا ہے یہی طریقہ ہے نا؟

جواب۔ چیف کی تقرری کے لئے اس کی ملازمت کی مدت اس کا تجربہ وغیرہ دیکھا جاتا ہے اور

میرٹ پر تقرری کر دی جاتی ہے۔
سوال۔ اپنے ملک میں تو ایسا نہیں ہوا ہے نا؟
جواب۔ مجھے نہیں معلوم کہ انہوں نے کون سے طریقے اختیار کئے ہیں۔
سوال۔ کیا یحییٰ خان کی تقرری درست تھی؟
جواب۔ اگر اس پر بحث کریں تو یہ معلوم ہو گا کہ جو ایوب کے نزدیک تھا اس پر اعتبار تھا۔ وہاں میرٹ کا سوال ہی نہیں تھا کوئی اور میرٹ دیکھا ہی نہیں گیا تھا۔
سوال۔ پھر یحییٰ خان کے بعد جنرل حمید؟
جواب۔ ان دونوں افسروں کی ہائی پر موشن ہوئی۔ میں نے اس وقت تک فوج چھوڑ دی تھی میں تو اس وقت نہیں تھا۔
سوال۔ پھر گل حسن، ٹکا خان، پھر ضیاء الحق؟
جواب۔ میں تو اس وقت نہیں تھا۔ جس نے ترقی دی ہو گی اسے معلوم ہو گا۔
سوال۔ آپ کے اپنے تجربے کے مطابق چیف آف آرمی اسٹاف کا تقرر کس طرح ہونا چاہئے؟
جواب۔ چیف آف آرمی اسٹاف کے عہدے کے لئے اہلیت اور قابلیت ہوتی ہیں جو بھی ہوں اس پر انہیں پورا اترنا چاہئے۔
سوال۔ ایوب خان ان اہلیت اور قابلیت پر پورے اترتے تھے؟
جواب۔ حالات کے مطابق اس زمانے میں تجربہ اور قابلیت کی وجہ سے وہ سینئر تھا اس وقت اسکندر مرزا تھا اس نے اسے تبدیل کیا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ فوج میں پورا پورا انصاف ہونا چاہئے۔
سوال۔ میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ مارشل لاء کو کس طرح روک سکتے ہیں؟
جواب۔ میں نے آپ کو بتا دیا ہے کہ مارشل لاء سول قوانین کی نفی ہوتا ہے اور احتساب ہی اس کا جواب ہے۔
سوال۔ مارشل لاء کو روکنے کے دیگر عملی اقدامات کیا ہونے چاہئیں؟
جواب۔ جتنی بھی ترقیاں ہوں وہ میرٹ پر ہوں۔ وقت جو ہے وہ گزرتا جاتا ہے کسی بھی وزیر اعظم اور وزیر دفاع کو اس بات کو یعنی میرٹ کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ کبھی ان کی بھی خواہش ہوتی ہے کہ ہم بھی اپنے عہدے سے چمٹے رہیں پھر وہ جنرل کی مدت ملازمت میں توسیع کر دیتے ہیں۔
سوال۔ وزیر اعظم یا وزیر دفاع اپنے بیٹھنے کی خاطر بھی ایسا کرتے ہیں؟
جواب۔ بعض لوگوں نے ایسا کیا ہے۔ تم (علی حسن) نے سول حکومت دیکھی نہیں ہے اس ملک میں اس نے کام ہی کتنے عرصے کیا ہے۔
سوال۔ ہم نے بھٹو صاحب کی سول حکومت دیکھی ہے؟

جواب۔ آپ نے دیکھا تھا کہ اس نے تقریریاں کس طرح کی تھیں۔ (تھوڑی دیر سوچنے کے بعد) مجھے کچھ نہیں معلوم کہ اس وقت حالات کیا تھے۔

سوال۔ لیکن جنرل صاحب اگر میرٹ پر عمل کیا جائے' مدت ملازمت طے کر دیا جائے فکس کر دیا جائے لیکن اگر وہ فرد ایڈ وینچر سٹ ہے اور ایمبیشن بھی ہے اور بندوق بھی اس کے ہاتھ میں ہے تو مارشل لاء لگا سکتا ہے "کو" تو لا سکتا ہے؟

جواب۔ مارشل لاء کیوں لگائے گا۔ میں ایسے ہی پوچھ رہا ہوں۔

سوال۔ ۱۹۷۷ء میں کسی طرح لگ گیا تھا؟

جواب۔ وہ مارشل لاء جو لگا تھا وہ ذاتی جھگڑوں میں آ جاتے ہیں۔ اس کے زمانے میں دیکھو ایوب نے کیوں نہ روک دیا۔

سوال۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ایوب پر یحییٰ خان نے اتنا دباؤ ڈالا کہ ایوب خان کو اس کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ ایوب نے تو اس کو صرف بڑے شہروں میں مارشل لاء لگانے کے لئے کہا تھا؟

جواب۔ یحییٰ خان ان کا تو یہ انتخاب تھا۔

سوال۔ میں بھی تو یہ کہہ رہا ہوں کہ طالع آزما جنرل کو کس طرح روک سکتے ہیں؟

جواب۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم کسی اور فرد کے بارے میں فیصلہ کر کے سوچو کہ وہ ٹھیک طرح کام کرے گا یا نہیں۔ یحییٰ کے اپنے ایمبیشن پیدا ہو گئے جنہوں نے ملک کو ہی تباہ کر دیا۔ ایمبیشن یہ تھا کہ میں صدر بن جاؤں سات سال تک۔ اسی سے ہی تباہی آ گئی میں کہتا ہوں کہ ایمبیشش آدمی تباہی لا سکتا ہے۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہتا کہ ہر حال میں ایک "لمٹ" ہونی چاہئے اور کوئی توسیع نہیں ہونی چاہئے۔ بھارت میں کمانڈر انچیف کی نامزدگی ایک سال قبل کر دی جاتی ہے۔

سوال۔ ایک سال قبل نامزد کر دیتے ہیں اور پہلے والا کام کرتا رہتا ہے؟

جواب۔ ہاں ایک سال پہلے نامزد کر دیتے ہیں اور پہلے والا فرد اپنا کام جاری رکھتا ہے۔

سوال۔ بھارت والے ایک سال پہلے نامزد کر دیتے ہیں؟

جواب۔ مجھے نہیں معلوم لیکن غالباً ان کا خیال ہے کہ پہلے کی مدت ملازمت میں توسیع نہ ہو اور اس کا جانشین ایک سال میں تیار ہو جائے۔

سوال۔ آپ ریٹائر کب ہوئے تھے؟

جواب۔ مجھے تو ریٹائر کیا گیا تھا۔ میں خود اپنی مرضی سے ریٹائر نہیں ہوا تھا۔ میں تو اس وقت جوان تھا۔ لیکن ایوب نے ریٹائر کر دیا۔ یہ اپریل ۱۹۶۰ء کی بات ہے۔ میں اس فیصلے سے بڑا ناخوش تھا۔ میں فوج میں نوکری کرنا چاہتا تھا۔ میری عمر اس وقت صرف ۵۱ سال تھی میں مزید دس سال نوکری کر سکتا تھا۔

سوال۔ اگر آپ ریٹائر نہیں ہوتے اگلے کمانڈر آپ ہوتے؟
جواب۔ میں فوج میں رہنا چاہتا تھا میں جنرل یوسف کے بعد کمانڈر انچیف ہوتا۔ ایوب نے عجیب کام کیا کہ ایک ڈیکلیریشن کیا کہ وہ صرف آئی سی او کو چارج دے گا۔ اس نے ہمارا گلہ کاٹ دیا۔ یہ ظلم کیا۔ اس نے بڑے غلط کام کئے اور ایک دفعہ غلط کام ہو جائے تو ہوتا رہتا ہے۔
سوال آئی سی او کیا ہوتا ہے؟
جواب۔ وہ افسران جو انڈیا میں کمیشن ہوئے تھے۔
سوال۔ آپ کہاں کمیشن ہوئے تھے؟
جواب۔ میں سینڈہرسٹ کی باتیں کر رہا ہوں۔
سوال۔ کیا جنرل ایوب کو یہ ڈیکلریشن نہیں کرنا چاہیئے تھا؟
جواب۔ اس کا کیا اختیار اور حق تھا۔ ایوب نے یوسف کو نکلوایا کیونکہ اس نے ایوب کو دی جانے والی توسیع کے خلاف آواز بلند کی تھی۔ یہ ساری مصیبت اس وقت شروع ہوئی جب ایوب نے اپنے کے لئے سوچا۔
سوال۔ جنرل یوسف کون تھے؟
جواب۔ آرمڈ کور میں تھا' قابل افسر تھا۔ میں نے انگریزوں کے خلاف ان ہی معاملات اور کشمیر کے مسئلہ پر آواز اٹھائی تھی لیکن کیا ملا؟
سوال۔ جنرل صاحب آپ مشرقی پاکستان کے گورنر رہے اور غالباً اپنے دور کے مقبول ترین گورنر رہے۔ آپ کے خیال میں سقوط ڈھاکہ کے کیا اسباب ہیں؟
جواب۔ جب میں وہاں سے ہو کر آجاؤں اس وقت اس سوال کا جواب دے سکوں گا۔
سوال۔ پھر بھی جو کچھ سنا اور دیکھا ہے اس کی روشنی میں تبصرہ کریں؟
جواب۔ میرے خیال میں وہاں فوجنش پر ان کے قیام مورخہ جنوری ۱۹۸۷ء کے دوران کیا گیا ہم یحیٰی خان کو صدر نہیں بناتے تو اس کی یہ بات مان لینی چاہیئے تھی۔ اس نے اپنے صدر بننے کے لئے لڑائی شروع کر دی۔
سوال۔ آپ ۱۹۷۱ء کے بحران کے دوران کیوں نہیں گئے تھے؟
جواب۔ مجھے اس میں کردار ادا کرنا تھا کیونکہ میرے پاس ایک امریکن سفیر آیا تھا اور کہتا تھا کہ جنرل صاحب تم جاؤ تو ساری صورت حال پانچ منٹ میں بہتر ہو جائے گی۔ لیکن میں خود کیسے جاتا میں اسلام آباد گیا۔ لیکن یحیٰی خان سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ میں نے خط لکھا تو کیبنٹ سیکرٹری نے جواب دے دیا۔ میں نے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ فون کئے پھر خود گیا لیکن کہا گیا کہ صاحب تو باہر گئے ہوئے ہیں حالانکہ کوئی باہر واہر نہیں گیا ہوا تھا۔
سوال۔ آپ کو پہلے خیال کیوں نہ آیا؟

جواب۔ خیال کیا آتا۔ ریٹائر آدمی کی یہاں کیا حیثیت ہوتی ہے۔ میں نے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔ لیکن صرف شکریہ کا ایک خط ملا تھا۔

سوال۔ آپ خود ذاتی حیثیت میں مشرقی پاکستان چلے جاتے؟

جواب۔ ایسے موقع پر ریٹائر آدمی کیا کر سکتا ہے اور کس طرح کر سکتا ہے۔ ۱۹۶۵ء میں میں نے اپنی خدمات پیش کی تھیں تو ایوب نے شکریہ کا ایک خط لکھا اور کہا کہ اپنے صوبے کے گورنر کے ساتھ تعاون کریں۔ گورنر کے ساتھ کیا تعاون کرتا۔ کیا گورنر لڑائی لڑتا ہے۔ اصولی بات یہ ہے کہ کوئی مارشل لاء نہیں ہونا چاہئے۔ یہ لاء کی نفی ہوتی ہے۔ خدا کرے ہماری قوم سدھر جائے۔ یہ دنیا میں بہترین قوم ہے۔ اسے ہمیشہ اسی طرح پیش آنا چاہئے۔

سوال۔ آپ کی یادداشتیں کب تک شائع ہو رہی ہیں؟

جواب۔ ایک سال انشاء اللہ۔ میں نے ملک کی خاطر آپ سے صاف صاف باتیں کی ہیں کسی کو نشانہ تنقید نہیں بنایا ہے۔ ہماری فوج دنیا کی بہترین فوج ہے۔ اس کو کا سامان' اسلحہ وغیرہ ملتا رہے تو بہت اچھی فوج ہے۔ مجھے ان سے بڑی محبت ہے فوج کا طریقہ کار ایسا ہونا چاہئے کہ قوم کو یہ خیال نہ ہو کہ ہم پر مارشل لاء ہی رہے گا۔

اکبر خان

لیاقت علی خان سے آئین کی تیاری میں تاخیر کے سلسلے میں میرے اختلافات ہو گئے تھے۔ انہوں نے ایک قرارداد مقاصد پاس کرائی تاکہ وہ ملک میں امیر المومنین بن جائیں۔ فوج کے سربراہ کے پاس اختیارات نہیں ہونے چاہئیں اس کے پاس یہ اختیار نہیں ہونا چاہئے کہ وہ ملک پر اپنی مرضی کے فیصلے مسلط کر دے...... آرمی کو مختصر کر دیں تاکہ وہ حکومت کے لئے کوئی خطرہ نہ بن سکے۔

محمد اکبر خان

میجر جنرل (ریٹائرڈ) وزیر مملکت و سفیر بھٹو (دور)

راول پنڈی سازش کیس۔ اس ملک میں اس اعتبار سے مشہور ہے کہ یہ فوج کے بعض افسران پر مشتمل ایک گروہ کی مبینہ سازش تھی کہ صرف چار سال قبل آزاد ہوئے ملک میں قائم سول حکومت کا تختہ الٹ کر اپنی مرضی کی حکومت قائم کر دی جائے۔ اکبر خان اپنے زمانے کے مشہور جنرل۔ اس سازش کے سرغنہ کی حیثیت سے متعارف ہوئے تھے سازش کامیاب ہو جائے تو انقلاب کہلاتی ہے ورنہ بغاوت کا الزام تو اپنی جگہ برقرار ہی رہتا ہے۔ اکبر خان کو جنگ کشمیر کے سلسلے میں فوج کے ایک گروہ اور عوام میں جو پذیرائی حاصل ہوئی تھی، ۱۹۵۱ء میں بغاوت کے الزام میں ان کی گرفتاری نے ان کے پورے مستقبل کو داؤ پر لگا دیا۔ ممکن ہے وہ گرفتار نہ ہوتے تو پاکستان افواج کی تاریخ مختلف ہوتی۔ اور ان کی مبینہ بغاوت کامیاب ہو جاتی تو بھی کم از کم ان کے خیال میں نقشہ مختلف ہوتا۔ انہیں اپنی غلطیوں کا شدت سے احساس ہے اسی لئے کہتے ہیں کہ اگر زندگی دوبارہ ملے تو وہ غلطیاں نہیں کروں گا جو اپنی اس زندگی میں سرزد ہوئی ہیں۔ ہر فوجی جنرل کی طرح جنرل اکبر کا بھی اپنا ایک مخصوص مزاج ہے، اپنی ایک سوچ ہے جس پر وہ اپنی عمر کے اس حصے میں بھی (جنرل اکبر کا یوم پیدائش ۲۴ر دسمبر ۱۹۱۲ء ہے) قائم ہیں۔ پیپلز پارٹی کے دور ثانی میں

بھٹو مرحوم نے انہیں اپنا قومی سلامتی کا مشیر مقرر کیا تھا۔ ۱۹۵۵ء سے باضابطہ طور پر سیاست کر رہے ہیں۔ پہلے عوامی لیگ میں شمولیت اختیار کی پھر ۱۹۶۸ء میں پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کی۔ بھٹو مرحوم نے ان سے فوج کو قابو میں رکھنے کے سلسلے میں مختلف تجاویز تیار کرائیں لیکن ان پر عمل در آمد نہیں کیا گیا یا نہ ہو سکا۔

علی حسن۔ جنرل اکبر صاحب، عام طور پر لوگوں کا خیال ہے کہ ۱۹۵۱ء میں جو کیس ہوا تھا جس کو راولپنڈی سازش کیس کہا جاتا ہے، ملک میں بار بار مارشل لاء کے نفاذ کا سبب بنا ہے اور یہ کہ ہمارے جنرلوں کو ملک میں مارشل لاء نافذ کرنے کا خیال اسی کیس کی وجہ سے آیا تھا۔
جنرل محمد اکبر خان۔ یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔ مجھ سے بار بار یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیا آپ لوگ بھی مارشل لاء نافذ کرنا چاہتے تھے؟ اس وقت ہمارا خیال مارشل لاء نافذ کرنے کا نہیں تھا۔ اس وقت ہمارا اختلاف حکومت کے ساتھ کشمیر کی آزادی کے مسئلہ پر تھا، جنگ بندی قبول کرنے کے سلسلے میں تھا اور یہ کہ لیاقت علی خان نے آئین بنانے میں زیادہ تاخیر کی تھی۔ ہم لوگ زیادہ تر جو چاہتے تھے کہ ملک میں پارلیمانی نظام ہو۔ ہم نے بعد میں آنے والے جنرلوں کو کوئی راستہ نہیں دکھایا۔ اگر ہم کامیاب ہوتے تو ملک میں کوئی مارشل لاء نہیں لگاتے۔ عبوری حکومت قائم کر کے قانون ساز اسمبلی کے لئے عام انتخابات کراتے اور عام انتخابات کے بعد دوبارہ سول حکومت قائم ہو جاتی۔
سوال۔ ...... یہ جو آپ کا پلان تھا جس کو سازش کہا جاتا ہے یہ پلان آپ کے ذہن میں کیوں آیا تھا؟
جواب۔ ...... میرے خیال میں یہ پلان میرے ذہن میں خود بخود آیا ہو گا۔ بات دراصل یہ تھی کہ میں خود فوج کے افسران میں زیادہ مقبول تھا اور وہ میرے طرف ہی دیکھتے تھے اور میرے خیالات کی پیروی کرتے تھے۔ حکومت کے ساتھ ہمارے خیالات میں ہم آہنگی نہیں تھی۔ میجر جنرل نذیر احمد جو مجھ سے سینئر تھے وہ بھی اس سازش میں ہمارے ساتھ شامل تھے اور انہیں خیالات کے حامی تھے جو ہمارے تھے۔ ہم نے کوئی میٹنگ وغیرہ نہیں کی تھی جس میں مستقبل کے سلسلے میں کوئی بحث و مباحثہ کیا گیا ہو۔ لوگوں نے عام طور سے مجھ کو میری حمایت کا یقین دلایا تھا۔ میرے خیال میں پچاس ساٹھ افسران ہمارے ساتھ تھے جس میں سے حکومت نے پندرہ کو گرفتار کر لیا اور ان پر مقدمہ بھی چلایا۔ فیض احمد فیض اور سجاد احمد ظہیر جیسے لوگ بھی ہمارے ساتھ گرفتار ہوئے تھے یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ یہ لوگ کم از کم مارشل لاء کے حامی نہیں تھے۔ وہ کیوں میرے ساتھ تھے؟ اس لئے کہ وہ بھی یہی چاہتے تھے۔ میں خود صوبہ سرحد کا رہنے والا تھا

اور ہم نے ساری عمر کوشش کی تھی کہ ملک کو آزادی مل جائے۔
سوال۔ ...... ابھی آپ نے کہا کہ لوگوں نے آپ کو اپنی حمایت پیش کی تھی، جب آپ نے اس سے کوئی discussion ہی کیا تھا تو پھر انہوں نے حمایت کس بات پر کی تھی؟
جواب۔ ...... (قہقہہ لگاتے ہوئے) مجھے ایسے ہی سپورٹ کیا۔ صورتحال یہ تھی کہ ایئر کموڈور جنجوعہ جو ایئر فورس کے افسر تھے بھی ہمارے ساتھ شامل ہوگئے تھے وہ بھی حکومت کے مخالف تھے۔ زیادہ تر لوگ حکومت کے مخالف تھے اور میرے بارے میں بھی انہیں علم تھا کہ میں حکومت کا مخالف ہوں۔
سوال۔ ...... آپ حکومت کے مخالف کیوں ہو گئے تھے جبکہ اس وقت تو ملک نیا نیا بنا تھا؟
جواب۔ ...... نیا ملک تو بنا تھا لیکن کشمیر کے سلسلے میں اختلافات ہو گئے تھے۔ کیوں کہ ہم نے کشمیر جا کر لڑائی لڑی تھی وہاں محاذ آرائی کی تھی۔ مختلف قبائل کو جمع کر کے ان کی رہنمائی کی تھی اور پھر ہم سے پوچھے بغیر جنگ بندی قبول کر لی گئی۔ اور ایسی شرائط پر جو کہ ہمارے لئے favourable نہیں تھیں۔ اس وجہ سے ہمارے اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ میں لیاقت علی خان کا مخالف ہو گیا تھا کہ انہوں نے آئین سازی میں بہت تاخیر کر دی تھی۔
سوال۔ ...... اس موضوع پر آپ کی لیاقت علی خان سے کبھی روبرو بات چیت ہوئی تھی؟
جواب۔ ...... نہیں نہیں۔ کشمیر کے مسئلہ پر تو ہوئی تھی۔
سوال۔ ...... آئین سازی کے مسئلہ پر نہیں؟
جواب۔ ...... آئین کے مسئلہ پر کبھی گفتگو نہیں ہوئی۔
سوال۔ ...... آپ کیا سمجھتے ہیں کہ تاخیر کیوں ہوئی تھی؟
جواب۔ ...... لیاقت علی خان چاہتے تھے کہ انہوں نے جو قرار داد مقاصد پاس کیا تھا وہ .... میرا لیاقت علی خان صاحب کے ساتھ جو ذاتی اختلاف تھا وہ یہ تھا کہ انہوں نے کشمیر کے سلسلے میں کوئی موزوں کارروائی نہیں کی تھی جیسا کہ ہونا چاہئے تھا۔
سوال۔ ...... آپ نے کبھی کوئی تجویز پیش کی تھی۔
جواب۔ ...... میں نے تجاویز بھی پیش کی تھیں ایک بار نہیں کئی بار ان تجاویز میں یہ تھا کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ انہوں نے ایک دفعہ ہمارے ساتھ تین گھنٹے " کا انٹرویو بھی کیا تھا جس میں انہوں نے بتایا تھا کہ چھ ماہ کے اندر اندر کارروائی کا دوبارہ آغاز کر دیں گے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔
سوال۔ ...... آپ کا پروگرام یہ تھا کہ مقبوضہ کشمیر پر بھی قبضہ کر لیں۔
جواب۔ ...... ہمارا خیال یہ تھا کہ اس پر کسی نہ کسی طرح قبضہ کر لیا جائے۔ ہمارا خیال یہ تھا کہ قبائل بھی کشمیر میں آئے ہوئے ہیں اور ان کی کارکردگی بھی اچھی تھی کشمیر کے لوگ بھی ان کا ساتھ

دیں جس طرح آج کل فلسطین کے لوگ کر رہے ہیں۔ ہم چاہتے تھے کہ کشمیریوں کی اپنی کوئی آرگنائزیشن ہو جو جنگ بندی کے بعد بھی کارروائیوں کو جاری رکھ سکے۔ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان ایک understanding ہوئی تھی کہ دونوں علاقوں میں لوگوں کو حق خود ارادی کے استعمال کا موقع دیا جائے گا لیکن یہ اس وقت ہو گا جب ہندوستان کی بھی خواہش ہو۔ یہ شرط ٹھیک نہیں تھی جس کی وجہ سے میں بھی اور دوسرے فوجی افسر بھی ناراض تھے پھر جب یہ اکتوبر ۱۹۴۷ء میں قبائل آگے بڑھے اور انہوں نے مظفر آباد پر قبضہ کر لیا وہاں سے آگے بڑھے اور اوڑی چلے گئے اور پھر بارہ مولا اس وقت لیاقت علی خان نے لاہور میں ایک کانفرنس بلائی اس میں مجھے بھی مدعو کیا گیا انہوں نے اس لئے مدعو کیا تھا کہ مجھے انہوں نے خود کشمیر کے سلسلے میں advice دینے کے لئے appoint کیا تھا کانفرنس میں میں نے کہا تھا کہ اب سری نگر پر ہمارا الیکشن ہونا چاہئے۔ اور ہمیں تین ہزار قبائل جو سیالکوٹ میں موجود ہیں بھیج دینا چاہئے لیکن انہوں نے اس بات کی مخالفت کی انہوں نے کہا تھا کہ ہندوستان کے ساتھ ہماری لڑائی چھڑ جائے گی اور اس سے ہمارے لئے زیادہ خطرہ ہو گا۔ کانفرنس کے شرکاء نے انہیں سپورٹ کیا تھا۔ ایوب خان اسکندر مرزا اور یحییٰ خان نے ان کو سپورٹ نہیں کیا تھا۔

سوال۔ ...... اسکندر مرزا کی اس وقت حیثیت کیا تھی؟

جواب۔ ...... وہ سیکرٹری جنرل دفاع تھے۔

سوال۔ ...... یہ ۱۹۴۷ء کی بات ہے؟

جواب۔ ...... جی ہاں ۱۹۴۷ء کی بات ہے۔

سوال۔ ...... ۱۹۴۷ء میں وہ پولیٹیکل ایجنٹ نہیں تھے؟

جواب۔ ...... نہیں وہ صرف دفاع کے سیکرٹری جنرل تھے۔

سوال۔ ...... پھر کیا ہوا؟

جواب۔ ...... اس کانفرنس کے بعد میں سری نگر چلا گیا۔ قبائل چھ میل اندر داخل ہو گئے تھے۔ اور ایک مشین گن پوسٹ نے انہیں روک رکھا تھا۔ آگے جانے کے لئے صرف وہ ہی سڑک کا راستہ تھا کیونکہ دائیں اور بائیں کناروں پر پانی تھا۔ وہ آگے نہیں جا سکتے تھے۔ پھر میں واپسی آیا تا کہ بکتر بند گاڑی حاصل کر کے انہیں دی جائے۔ میں آرمڈ کور رجمنٹ میں گیا وہاں کرنل ٹامی مسعود کمانڈنٹ تھے انہوں نے کہا کہ وہ بارہ بکتر بند گاڑیاں فوراً روانہ کر دیتے ہیں۔ اس وقت میں نے سوچا کہ لیاقت علی خان صاحب سے پوچھ لوں تو میں نے اس وقت کے امور کشمیر کے وزیر راجہ غضنفر علی خان سے رابطہ قائم کیا انہوں نے لیاقت علی خان صاحب کو کراچی فون کیا جس پر انہوں نے کہا کہ کسی صورت میں بھی فوج کو ملوث نہ کریں۔ یہ ہی بنیادی غلطی تھی۔ اس وقت موقع تھا ہم آسانی سے اندر جا سکتے تھے۔ ایک بار ہم سری نگر میں داخل ہو جاتے وہ آگے چلتے

رہتے۔

سوال۔ ...... یہ قبائل کون تھے؟

جواب۔ ...... وہ پٹھان تھے مختلف قبائل سے ان کا تعلق تھا۔ محسود "آفریدی" وزیر وغیرہ۔

سوال۔ ...... ان قبائلوں کو آپ نے جمع کر کے بلایا تھا؟

جواب۔ ...... نہیں۔ یہ خان قیوم جو اس وقت سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے اور میجر خورشید انور جو اس وقت مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے سربراہ تھے جنہیں لیاقت علی خان نے مقرر کیا تھا کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ یہ قبائل ایبٹ آباد میں جمع ہو گئے تھے اور وہاں سے کشمیر چلے گئے تھے۔

سوال۔ ...... آپ کی اس موضوع پر خان قیوم سے بات ہوئی تھی۔ قبائل کو جمع کرنے سے قبل؟

جواب۔ ...... جی ہاں۔

سوال۔ ...... انہوں نے قبائل کو جمع کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا تھا؟

جواب۔ ...... جی ہاں۔ لیاقت علی خان کی میں ذاتی طور پر عزت کرتا تھا لیکن آئین کے مسئلہ پر میری ان سے مخالفت ہو گئی تھی۔ وہ آئین کی تیاری کے سلسلے میں تاخیر کر رہے تھے۔ انہوں نے ایک قرارداد مقاصد پاس کرائی تھی اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ ملک میں امیر المومنین بن جائیں۔

سوال۔ ...... آپ کے خیال میں ان کی نیت امیر المومنین بننے کی تھی؟

جواب۔ ...... مجھے نہیں معلوم لیکن دستور ساز اسمبلی پر ان کی گرفت مضبوط تھی اور انہیں اکثریت کی حمایت حاصل تھی اس لئے جس نے فرض کر لیا کہ وہ امیر المومنین بننا چاہتے ہیں جس کو میں نے پسند نہیں کیا۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ کیپٹن پوشتی بھی اس بات کے مخالف تھے حالانکہ وہ صرف کیپٹن کے عہدے پر فائز تھے۔ میری اس وقت آئین سازی میں تاخیر کے سلسلے میں مخالفت تھی میں چاہتا تھا کہ آئین ساز اسمبلی جلد از جلد اپنا کام کرے عام انتخابات ہوں اور ملک میں پارلیمانی نظام حکومت قائم ہو جائے۔

سوال۔ ...... مگر سوال یہ ہے کہ ۱۹۵۱ء میں یا ۱۹۴۷ء سے یہ معاملات چل رہے تھے اس وقت ملک کو قائم ہوئے صرف ۳ سال ہوئے تھے فوجیوں کو یہ سوچنے کی کیا ضرورت تھی کہ سول معاملات میں مداخلت کریں۔

جواب۔ ...... (ہنستے ہوئے) وہ لوگ خود میرے پاس آئے تھے۔ اور مجھ سے شکایت کرتے تھے حکومت کے خلاف کارروائی کروں اور اس میں فوج کی قیادت کروں۔

سوال۔ ...... آپ کے ذہن میں یہ خیال کیوں آیا تھا کہ حکومت آئین نہیں بنا رہی ہے یا پارلیمانی طرز حکومت.......... حالانکہ آپ تو انگریزوں کے تربیت یافتہ تھے؟

جواب۔ ...... میں نے ترکی کے مصطفیٰ کمال پاشا کی تاریخ پڑھی تھی۔ اس کے اقدامات میرے

سامنے تھے انہوں نے اپنے ملک کو جدید خطوط پر استوار کیا تھا ملک میں اسلامی آئین کی بجائے پارلیمانی آئین بنایا تھا اور پارلیمانی طرز حکومت قائم کی تھی میں ان کے ان اقدامات سے متاثر تھا۔

سوال۔ ...... اس لئے آپ چاہتے تھے کہ اپنے خیالات کو عملی شکل دینے کے لئے حکومت پر قبضہ کر لیا جائے؟

جواب۔ ...... ہاں۔ حکومت پر کنٹرول کرنا چاہتا تھا۔ اس طرح کہ گورنر جنرل تو برقرار رہیں اور لیاقت علی خان کو وزارت عظمیٰ سے علیحدہ کر دیا جائے۔

سوال۔ ...... اگر وہ لوگ (حکومت) آپ کے خلاف قدم نہیں اٹھانے میں پہل نہ کرتے تو آپ ان کے خلاف کارروائی کر لیتے۔

جواب۔ ...... میں نے تو یہ فیصلہ کیا تھا کہ اب حکومت کے خلاف کچھ نہ کریں۔ ہماری ایک میٹنگ ہوئی تھی جس میں سازش میں شریک تمام conspirators موجود تھے جس میں فیصلہ کیا تھا کہ اب حکومت کے خلاف کچھ نہیں کرنا چاہئے۔ یہ میٹنگ فروری ۱۹۵۱ء میں ہوئی تھی۔ مارچ ۱۹۵۱ء میں مجھے گرفتار کر لیا گیا تھا۔ حکومت نے وہ قانون بھی تبدیل کر دیا تھا جس کے تحت ہمارا ٹرائل ہو رہا تھا۔

سوال۔ ...... قانون میں کیا تبدیلی لائی گئی؟

جواب۔ ...... تبدیلی یہ کی گئی کہ evidence ایکٹ کو بدل دیا اور اعلان کیا گیا کہ جو لوگ اس سازش کے سلسلے میں جو بھی بیان دیں گے ان کے خلاف کارروائی نہیں کی جائے گی۔ ایکٹ میں ترمیم کے بعد ساٹھ کے قریب افراد میرے خلاف گواہی دینے آ گئے۔ انہوں نے میرے حق میں بھی کچھ باتیں کیں۔

سوال۔ ...... پھر آپ کے خلاف گواہی دینے کیوں آ گئے؟

جواب۔ ...... گواہی تو ہو گی نا۔ عام طور پر قانون کے تحت وہ گواہی بن جاتی ہے اور ان کے خلاف بھی جاتی لیکن حکومت نے + قانون میں ایسی ترمیم کر دی جس کے نتیجے میں ان لوگوں کے خلاف کارروائی کی گنجائش نہیں تھی دوسرے یہ کہ جس شخص نے اس سازش کے خلاف ایف آئی آر درج کرائی تھی اس کو بھی پیش نہیں کیا گیا۔ جس وقت مجھے گرفتار کیا تھا اور جو احکامات دیئے گئے تھے ان پر درج تھا کہ گورنر جنرل نے انڈین آرمی ایکٹ کے سیکشن ۱۳ کے تحت فوج سے میری برخاستگی کا حکم جاری کیا ہے۔ میں نے اسی کاغذ پر لکھ دیا کہ گورنر جنرل کو مجھے ملازمت سے برخاست کرنے کا قانونی اختیار نہیں ہے۔ میرا کورٹ مارشل ہونا چاہئے۔ اس کے باوجود انہوں نے مجھے گرفتار کر لیا۔ ایک اسپیشل ٹریبونل میں ہمارا مقدمہ شروع ہوا۔

سوال۔ ...... ٹریبونل کا چیئرمین کون تھا؟

جواب۔ ...... جسٹس عبدالرحمٰن۔ پھر حکومت نے آئین ساز اسمبلی کا اجلاس کیا اور چھ ماہ

بعد ایک اور آرڈر پاس کیا جس میں انڈین آرمی سے ایکٹ کے تحت میرے خلاف مقدمہ چلانے کا فیصلہ تھا۔ بات یہ تھی کہ میں "ایوب خان اور چند ایک افسران وہ تھے وہ برٹش آرمی کے تحت خدمات انجام دے رہے تھے اور ہم کنگز کمیشن افسر تھے۔

سوال۔ ...... حالانکہ ملک قائم ہو چکا تھا اور آپ لوگ ابھی تک کنگز کمیشن افسر تھے؟

جواب۔ ...... ایسا اس لئے تھا کہ پاکستانی حکومت نے اس وقت تک کوئی قانون پاس نہیں کیا تھا۔

سوال۔ ...... پوری پاکستان آرمی کے ساتھ یہی صورتحال تھی؟

جواب۔ ...... پاکستان آرمی انڈین آرمی ایکٹ اور برٹش آرمی ایکٹ کے تابع تھی انہوں نے چھ ماہ بعد قانون پاس کیا تھا۔ میں باتوں باتوں میں کہاں نکل گیا۔ حالانکہ تم تو لیاقت علی خان صاحب کے ساتھ میرے اختلافات کی تفصیل جاننا چاہتے تھے۔

سوال۔ ...... حکومت کے خلاف کوئی اقدام نہ کرنے کا فیصلہ آپ لوگوں نے کیا تھا؟

جواب۔ ...... اس لئے کہ ہمارا یہ قدم قبل از وقت تھا۔

سوال۔ ...... گویا آپ لوگ مزید تیاری کرنا چاہتے تھے؟

جواب۔ ...... نہیں ہم چاہتے تھے کہ اس معاملہ کو یہی ختم کر دیں اور چھوڑ دیں۔

سوال۔ ...... اس معاملے کو ختم کر دیں؟

جواب۔ ...... پہلے تو ہم کشمیر میں تیزی سے پہنچے لیکن بعد کے حالات کے پیش نظر ہم نے فیصلہ کیا کہ اب اس بات کو (سازش) کو چھوڑ دیں۔

سوال۔ ...... لیکن ان لوگوں نے گرفتاریاں کر دی؟

جواب۔ ...... ہاں ہم سب کو گرفتار کر لیا گیا۔

سوال۔ ...... سازش کھلی کیسے تھے؟

جواب۔ ...... اصل میں ایک پولیس افسر تھا جس نے ان کو سازش سے متعلق اطلاعات فراہم کی تھیں دوسرے بریگیڈیئر حبیب اللہ خان کو بھی ہم نے اعتماد میں لیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ انہوں نے بھی حکومت سے مخبری کی۔

سوال۔ ...... یہ کون سے حبیب اللہ تھے؟

جواب۔ ...... حبیب اللہ خٹک جو بعد میں لیفٹننٹ جنرل بنے۔

سوال۔ ...... ایوب خان کے سمدھی بھی بنے۔

جواب۔ ...... جی ہاں۔

سوال۔ ...... انہوں نے ایوب خان کو اس سازش کی اطلاع دی تھی۔

جواب۔ ...... جی ہاں انہوں نے اطلاع دی تھی۔

سوال۔ ...... اس زمانے میں ایوب خان کس عہدے پر فائز تھے۔
جواب۔ ...... وہ کمانڈر انچیف تھے۔
سوال۔ ...... ایوب خان کو جب سی این سی بنایا گیا تو انہوں نے کن لوگوں کو نے سپرسیڈ کیا تھا؟
جواب۔ ...... جنرل اکبر جو کراچی میں لال کوٹھی پر رہتے تھے وہ ایوب خان سے سینئر جنرل تھے۔ جنرل رضا جو اب انتقال کر گئے تھے ایوب خان نے ان دونوں کو سپر سیڈ کیا تھا۔
سوال۔ ...... کیا وہ جنرل رضا جو وزارت خارجہ سے متعلق رہے اور بھٹو صاحب کے دور میں چین میں پاکستان کے سفیر بھی رہے تھے؟
جواب۔ ...... جی ہاں۔ یہ وہ ہی جنرل رضا تھے۔
سوال۔ ...... ان کو کیوں سپر سیڈ کیا گیا؟
جواب۔ ...... incompetent تھے۔
سوال۔ ...... ایوب خان ان جنرلوں سے زیادہ competent تھے؟
جواب۔ ...... ظاہر ہے حکومت کی نظر میں وہ ان جنرلوں سے زیادہ لائق تھے۔
سوال۔ ...... آپ کا ذاتی خیال کیا ہے؟
جواب۔ ...... میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں تھا۔ ایوب خان کا جنگ عظیم دوئم میں پیشہ ورانہ کارکردگی اچھی نہ تھی۔ بلکہ انہوں نے تو محاذ پر لڑنے سے گریز کیا تھا۔ اس وجہ سے لوگ بھی انہیں پسند نہیں کرتے تھے۔
سوال۔ ...... ایوب خان کو ترقی کس نے دی؟
جواب۔ ...... لیاقت علی خان اور جنرل گریسی نے۔
سوال۔ ...... فیصلہ کس نے کیا تھا؟
جواب۔ ...... میرا خیال ہے کہ لیاقت علی خان نے ان کو ترقی دی ممکن ہے جنرل گریسی کی بھی رائے اس میں شامل ہو۔
سوال۔ ...... جنرل گریسی کیسے آدمی تھے کیا وہ بہت اچھے سپاہی تھے؟
جواب۔ ...... ہاں وہ بہت اچھے سپاہی تھے۔
سوال۔ ...... جب پاکستان قائم ہوا تو جنرل میسروی کو چیف کیوں بنایا گیا تھا؟
جواب۔ ...... جنرل میسروی کو قائداعظم نے کمانڈر انچیف مقرر کیا تھا تاکہ وہ پاکستان آرمی کی تنظیم کر سکیں۔ اس لئے وہ چھ ماہ کے لئے کمانڈر انچیف ہو کر آئے تھے۔
سوال۔ ...... جنرل میسروی کے بعد جنرل گریسی کمانڈر انچیف کیوں بنائے گئے؟

جواب۔ ...... جنرل گریسی جنرل میسروی کا کے چیف آف اسٹاف تھے۔ جب میسروی چلے گئے تو گریسی نے کمانڈر انچیف کا عہدہ سنبھال لیا۔
سوال۔ ...... گریسی کو کس کمانڈر انچیف مقرر کیا۔ گورنر جنرل نے یہ لیاقت علی خان نے؟
جواب۔ ...... میرا خیال ہے کہ گورنر جنرل نے ممکن ہے کہ لیاقت علی خان نے کیا ہو۔
سوال۔ ...... جنرل گریسی کب ریٹائر ہوئے؟
جواب۔ ...... گریسی ۱۹۵۱ء میں ریٹائر ہوئے۔ میری گرفتاری سے چند روز قبل۔
سوال۔ ...... ایوب خان کو پہلے ہی نامزد کر دیا گیا تھا یا اچانک تقرری ہوئی تھی؟
جواب۔ ...... ان کی نامزدگی اچانک ہوئی تھی۔ میں ان سے پہلے دسمبر ۱۹۵۰ء میں چیف آف دی جنرل اسٹاف بنا دیا گیا تھا۔
سوال۔ ...... اس وقت ایوب خان کی حیثیت کیا تھی؟
جواب۔ ...... وہ بھی میری طرح میجر جنرل تھے وہ مجھ سے سروس میں تھوڑے سینئر تھے تقریباً پانچ سال سینئر۔
سوال۔ ...... آپ چیف آف جنرل اسٹاف تھے کیا آپ نے اس تقرری کے خلاف آواز بلند کی تھی؟
جواب۔ ...... میں نے کوئی آواز بلند نہیں تھی۔ البتہ باقی جو فوجی تھے انہوں نے ایوب خان کو پسند نہیں کیا۔ وہ ایوب خان کے خلاف تھے۔ ہم ایوب کے خلاف نہیں تھے۔ میں نے سوچا تھا کہ ایوب خان کو سی این سی کی حیثیت سے کام کرنے دیا جائے۔
سوال۔ ...... آپ کے اور ایوب خان کے درمیان بھی کوئی اختلافات تھے؟
جواب۔ ...... نہیں۔ ہمارے درمیان ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ بلکہ تعلقات اچھے تھے جب میں چیف آف جنرل اسٹاف بنایا گیا تو میں نے ایوب سے کہا کہ جیسا کہ تم جانتے ہو کہ میں موجودہ حکومت کے خلاف ہوں اس نے کہا کہ ہاں وہ جانتے ہیں لیکن اس سلسلے میں مجھے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں پھر وہ حکومت کے ساتھ مل گئے اور میرے خلاف کارروائی کی۔
سوال۔ ...... آپ کے خلاف انہوں نے کیا کارروائی کی؟
جواب۔ ...... یہ جو سازش کا معاملہ تھا۔ مجھے گرفتار کرایا۔
سوال۔ ...... آپ کی گرفتاری ایوب خان کے حکم سے عمل میں آئی تھی؟
جواب۔ ...... ہاں اس نے اپنی کتاب "فرینڈز ناٹ ماسٹرز" میں لکھا ہے کہ اس کو لیاقت علی خان نے مطلع کیا کہ ان کی حکومت کے خلاف کسی سازش کا پتہ چلا ہے۔
سوال۔ ...... ایوب خان نے دوستی کا بھی خیال نہیں کیا؟
جواب۔ ...... ایوب خان دوستی میں تو برے آدمی نہیں تھے لیکن یہ ضرور تھا کہ اگر میرے

اختیار میں ہوتا تو میں ایوب خان کو سی این سی کبھی نہ بناتا۔ وہ لوگ (حکومت) شاید مجھے ہی سی این سی بنا دیتی اگر میں تھوڑی دیر اور ٹھہرتا۔ یہ بات مجھ سے اسکندر مرزا نے میری گرفتاری کے بعد جیل سے ضمانت پر رہا ہونے پر بتائی۔ میں رہائی کے بعد اسکندر مرزا سے ملا تھا۔

سوال۔ ...... یہ کب کی بات ہے؟

جواب۔ ...... یہ ۱۹۵۶ء کی بات ہے۔ اسکندر مرزا نے مجھ سے کہا تھا کہ حکومت کے خلاف سازش میں تم نے حبیب اللہ خان کو اعتماد میں کیوں لیا تھا۔ تمہیں معلوم نہیں کہ حبیب اللہ خان کا تعلق قلی خان فیملی سے ہے جن پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

سوال۔ ...... قلی خان فیملی ناقابل اعتماد تصور کی جاتی ہے؟

جواب۔ ...... عام لوگ قلی خان فیملی کو ناقابل اعتماد اور انگریز ان کو بھروسے کا آدمی تصور کرتے تھے۔ اس زمانے میں قلی خان فیملی انگریزوں کی stooge تھی۔ اب بھی اس روایت پر لوگ یقین رکھتے ہیں اور قلی خان فیملی سے وفاداری کی توقع نہیں رکھتے۔

سوال۔ ...... اچھا اس وجہ سے کہ قلی خان انگریزوں کا آلہ کار تھا۔ اسکندر مرزا نے آپ سے کہا کہ تم نے حبیب اللہ پر بھروسہ کیوں کیا۔ آپ نے اس کے جواب میں کیا کہا؟

جواب۔ ...... میں نے کہا کہ یہ ہماری غلطی تھی۔

سوال۔ ...... آپ کے اس سارے معاملے میں آپ کی بیگم صاحبہ کو کیوں گرفتار کیا گیا تھا؟

جواب۔ ...... ان کو اس لئے گرفتار کیا کہ وہ سازش میں شریک ساتھیوں سے میرے گھر پر ملا کرتی تھیں۔

سوال۔ ...... بیگم صاحبہ کا تعلق آپ کی اپنی فیملی سے تھا اور کیا یہ خاندانی رسم و رواج کے مطابق طے شدہ رشتہ تھا؟

جواب۔ ...... وہ بیگم شاہنواز کی صاحبزادی تھیں جن کا تعلق لاہور سے تھا۔

سوال۔ ...... کیا یہ طے شدہ شادی تھی؟

جواب۔ ...... جی ہاں یہ طے شدہ شادی تھی۔ میرا تعلق تو صوبہ سرحد سے ہے۔

سوال۔ ...... آپ صوبہ سرحد میں کس جگہ سے تعلق رکھتے ہیں؟

جواب۔ ...... میرا تعلق چارسدہ کے اتمان زئی قبیلے سے ہے۔ جہاں کے ولی خان ہیں۔

سوال۔ ...... باچا خان نے بھی آپ کو متاثر کیا تھا؟

جواب۔ ...... ہاں انہوں نے بھی متاثر کیا تھا۔ جب میں اسلامیہ کالج پشاور میں زیر تعلیم تھا تو میں نے اس وقت باچا خان کو خیبر یونین کے ایک جلسہ میں مدعو کیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انگریزوں کی حکمرانی تھی۔ میں پشتو یونین کا سیکرٹری تھا لیکن میں خیبر یونین کا اسپیکر بھی تھا۔ میں نے باچا خان کو مدعو کیا تھا۔

سوال ۔ ...... یہ خیبر یونین اور پشتو یونین کیا تھیں؟
جواب ۔ ...... خیبر یونین تو اسلامیہ کالج کی سرکاری یونین کا نام تھا جبکہ پشتو یونین ہم لوگوں نے قائم کی تھی۔
سوال ۔ ...... گویا آپ باچا خان کے خیالات سے پوری طرح متفق تھے؟
جواب ۔ ...... ہاں کالج لائف میں، میں ان کے خیالات سے متفق تھا۔ پھر مجھ کو فوج میں کمیشن مل گیا تھا۔
سوال ۔ ...... آپ کو فوج میں کمیشن کب ملا تھا؟
جواب ۔ ...... مجھے فوج میں سن ۱۹۳۱ء میں کمیشن ملا تھا۔
سوال ۔ ...... آپ نے باچا خان کو ۱۹۳۱ء سے قبل مدعو کیا ہو گا
جواب ۔ ...... جی ہاں۔
سوال ۔ ...... اس زمانے میں انگریز کے خلاف نفرت پیدا ہو چکی تھی؟
جواب ۔ ...... انگریزوں سے مسلمانوں کو نفرت تھی۔ انگریزوں کے ساتھ پٹھان قبائلی علاقوں میں لڑ رہے تھے۔ یہ لڑائی سو سال سے جاری تھی۔ صوبہ سرحد میں کئی قبائل ہیں جو انگریزوں کے جانے کے بعد ہمارے ساتھ شامل ہو گئے۔ یہ ہی قبائل کشمیر کے محاذ پر بھارتی فوجوں سے پاکستان افواج کے ساتھ شانہ بہ شانہ لڑے۔
سوال ۔ ...... بیگم شاہنواز کی فیملی سے آپ کب متعارف ہوئے تھے؟
جواب ۔ ...... میں جب لاہور آیا تو بیگم شاہ نواز کے گھرانے سے متعارف ہوا پھر ان کی صاحب زادی سے میری منگنی ہو گئی۔
سوال ۔ ...... آپ کے والد صاحب کیا کرتے تھے؟
جواب ۔ ...... وہ زمیندار تھے۔ بڑے زمیندار تھے۔
سوال ۔ ...... آپ کے کتنے بھائی ہیں؟
جواب ۔ ...... ہمارے ساتھ بھائی ہیں۔
سوال ۔ ...... ۱۹۵۸ء میں جب ملک میں مارشل لاء نافذ ہوا تو آپ کیا کر رہے تھے؟
جواب ۔ ...... میں ایک سیاسی پارٹی بنا رہا تھا۔ ملت پارٹی کے نام سے۔ ابھی میں نے پارٹی کی تنظیم کا کام شروع ہی کیا تھا کہ ایوب خان ”کو“ لے آئے اور ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔ دوسرے سیاسی جماعتوں کے ساتھ میری سیاسی جماعت پر بھی پابندی عائد کر دی گئی۔
سوال ۔ ...... آپ کی سیاسی جماعت میں کون کون لوگ شامل تھے؟
جواب ۔ ...... اس میں کافی لوگوں نے شمولیت اختیار کی تھی۔
سوال ۔ ...... چند نمایاں نام؟

جواب ــ ...... خاصے نمایاں لوگ تھے۔

سوال ــ ...... آپ سیاسی طور پر اس قدر motivated کیوں تھے؟

جواب ــ ...... اس کی وجہ میرا خاندانی پس منظر اور میرے علاقے کا سیاسی ماحول تھا۔ باچاخان کا تعلق بھی چارسدہ سے ہے۔ میرا خاندان سیاسی ذہن رکھتا تھا۔ میرے علاقے کے لوگوں نے آزادی کی جنگ لڑی تھی۔ میرے والد صاحب نے ابتدائی زمانے میں باچاخان کی حمایت کی اور ان کو اپنا ایک گھر بھی دیا جس میں باچاخان نے خدائی خدمت گار اسکول قائم کیا۔

سوال ــ ...... آپ کے والد صاحب کا نام؟

جواب ــ ...... ان کا نام حاجی محمد اکرم تھا۔ وہ ۱۹۳۴ء میں مدینہ جاکر آباد ہوگئے اور وہیں وفات پائی۔

سوال ــ ...... تو سیاسی ذہن اور سیاسی تربیت آپ کو ورثہ میں اپنے والد صاحب اور چارسدہ کے سیاسی ماحول نے دی؟

جواب ــ ...... ہاں یہی وجہ ہے۔

سوال ــ ...... ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء کے بارے میں آپ کے تاثرات کیا تھے؟

جواب ــ ...... میں اس کے خلاف تھا۔ میری رائے میں ایوب خان اچھا سیاسی لیڈر نہیں بن سکتا تھا۔ اور نہ ہی اس میں ملک کو صحیح سمت میں لے جانے کی صلاحیت تھی لیکن مجھے اس نے ہاتھ نہیں لگایا۔

سوال ــ ...... ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء کے بعد آپ کی کبھی ایوب خان سے ملاقات ہوئی تھی؟

جواب ــ ...... اس کے بعد ہوئی تھی۔ جب وہ صدر تھا میں دو سال کے لئے لاہور میں تھا۔ وہاں میری ملاقات نواب کالاباغ سے جو اس وقت مغربی پاکستان کے گورنر تھے ہوئی تھی۔ انہوں نے مجھے کہا کہ تم ملازمت میں دوبارہ کیوں نہیں آجاتے۔

سوال ــ ...... فوجی ملازمت میں

جواب ــ ...... نہیں۔ فوجی ملازمت نہیں بلکہ انہوں نے مجھے روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن میں ممبر ایڈمنسٹریشن کی حیثیت سے کام کرنے کی پیشکش کی اور اس پیشکش کے سلسلے میں ہی ایوب خان سے ملاقات ہوئی۔

سوال ــ ...... ملازمت کی پیشکش آپ کو نواب کالاباغ نے کی۔ کیا آپ کے ساتھ ان کی دوستی تھی؟

جواب ــ ...... میری شادی کے زمانے سے ان کے ساتھ تعلقات تھے۔

سوال ــ ...... ملک صاحب کس قسم کے آدمی تھے؟

جواب ــ ...... اچھے شخص تھے۔

سوال ـ ...... لیکن ان کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ بہت ظالم اور سخت طبیعت کے شخص تھے؟

جواب ـ ...... میں نے زیادہ قریب سے انہیں نہیں دیکھا تھا۔

سوال ـ ...... جب ایوب خان نے آپ کو ممبر ایڈ منسٹریشن مقرر کیا تو............

جواب ـ ...... وہاں میں دو یا تین سال کے بعد استعفیٰ دے دیا اور پھر میں نے قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے لاء کالج میں داخلہ لیا۔ جہاں سے کامیابی کے بعد میں نے لاہور میں وکالت شروع کر دی دو سال بعد میں اعلیٰ عدالتوں میں پیش ہونے لگا۔ پھر لاہور سے کراچی منتقل ہو گیا یہاں بھی نے وکالت ہی کو اپنا ذریعہ معاش بنایا۔

سوال ـ ...... آپ کی شادی کس سن میں ہوئی تھی؟

جواب ـ ...... ۱۹۴۷ء میں

سوال ـ ...... تو صرف چار سال بعد آپ گرفتار ہو گئے؟

جواب ـ ...... نہیں نہیں۔ میری شادی ۱۹۳۹ء میں ہوئی تھی جب میں گرفتار ہوا تو میرا ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھی۔

سوال ـ ...... بیگم صاحب کی گرفتاری کی وجہ سے تو بچوں کے لئے مسئلہ پیدا ہو گیا ہو گا؟

جواب ـ ...... ہماری گرفتاری پنڈی میں ہوئی تھی۔ گرفتاری کے بعد میرے ملازمہ بچوں کو ان کی نانی بیگم شاہنواز کے پاس لاہور لے گئی تھی۔ بچے گرفتاری کے دوران لاہور ہی میں رہے۔ پھر ایک سال بعد میری بیگم صاحبہ کو رہائی ملی convict نہیں ہوئی تھیں وہ بھی بیگم شاہنواز کے پاس لاہور چلی گئیں۔

سوال ـ ...... ایوب خان سے ملاقات کے دوران ان کے مارشل لاء کے بارے میں آپ کی کوئی گفتگو جس میں آپ نے ان کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہو؟

جواب ـ ...... نہیں ایسا نہیں ہوا صرف میں نے محسوس کیا تھا کہ یہ مارشل لاء غلط تھا۔

سوال ـ ...... یحییٰ خان کے مارشل لاء کے دوران آپ کی یحییٰ خان سے ملاقات ہوئی؟

جواب ـ ...... نہیں ان سے میری ملاقات نہیں ہوئی۔ میں اس زمانے میں پیپلز پارٹی میں شامل ہو چکا تھا۔

سوال ـ ...... آپ نے پیپلز پارٹی میں شمولیت کب اختیار کی تھی؟

جواب ـ ...... ۱۹۶۸ء میں۔

سوال ـ ...... پیپلز پارٹی میں شمولیت کا فیصلہ آپ کا اپنا تھا یا کسی کے کہنے پر آپ نے شمولیت اختیار کی تھی؟

جواب ـ ...... مجھ سے ذوالفقار علی بھٹو صاحب نے خود پارٹی میں شمولیت اختیار کرنے کی

درخواست کی تھی۔

سوال ـ ...... وہ کب اور کیسے؟

جواب ـ ...... میری ان سے لاہور ہائی کورٹ میں جہاں میں اور وہ ایک مقدمے کے سلسلے میں آئے ہوئے تھے ملاقات ہوئی تھی۔ کسی مشترک دوست نے ان سے میرا تعارف کرایا۔ انہوں نے کہا کہ وہ مجھ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے جواب میں کہا کہ میں بھی آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ مجھے پتہ تھا کہ وہ ایوب خان کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ انہوں نے مجھے گھر آنے کی دعوت دی۔ وہاں انہوں نے کہا کہ کیا تم میری پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کرنا پسند کرو گے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے اس طرح میں نے پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کرلی۔

سوال ـ ...... آپ نے تو اپنی پارٹی بنائی تھی لیکن بعد میں دوسری سیاسی جماعت میں شمولیت اختیار کرلی؟

جواب ـ ...... نہیں۔ میں نے کسی سیاسی جماعت میں شمولیت اختیار نہیں کی۔ (کچھ دیر سوچنے کے بعد) ہاں البتہ سہروردی صاحب کی پارٹی عوامی لیگ میں شمولیت ضرور اختیار کی تھی۔ ہوا یہ کہ جب ہم لوگ رہا ہوئے تو وہ وزیر اعظم ہوگئے اور انہوں نے ہم سب لوگوں کو جو پنڈی سازش کیس میں ملوث تھے اور جن کی وکالت سہروردی صاحب نے کی تھی بلایا اور عوامی لیگ میں شمولیت اختیار کرنے کی دعوت دی۔ میں نے عوامی لیگ میں شمولیت اختیار کرلی اور سہروردی صاحب نے سینٹرل ورکنگ کمیٹی کا رکن نامزد کردیا

سوال ـ ...... دوسرے ساتھیوں یعنی فیض احمد فیض صاحب نے عوامی لیگ میں شمولیت اختیار نہیں کی؟

جواب ـ ...... صرف میں نے اور ارباب نیاز محمد نے عوامی لیگ میں شمولیت اختیار نہیں کی تھی۔

سوال ـ ...... آپ نے عوامی لیگ سے ناطہ کیوں توڑا؟

جواب ـ ...... مجھے عوامی لیگ اس وقت چھوڑنی پڑی جب پیر صاحب مانکی شریف سے سہروردی کے اختلافات ہوگئے۔ پیر صاحب مانکی شریف سہروردی کے آمرانہ طرز عمل سے ناراض تھے۔ اور پھر یہ کہ مرکز میں کچھ غیر جمہوری فیصلے ہو رہے تھے۔

سوال ـ ...... عوامی لیگ کو آپ نے پیر صاحب مانکی شریف کے کہنے پر خیر آباد کہا؟

جواب ـ ...... نہیں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ میں نے پیر صاحب مانکی شریف کو سپورٹ کرتے ہوئے عوامی لیگ کو چھوڑا۔ میں پیر صاحب مانکی شریف کے اعتراضات سے اتفاق اور پارٹی میں سہروردی کے آمرانہ فیصلوں سے اختلاف کرتا تھا۔ میں نے یہ بات سہروردی صاحب کو بتائی کہ میں پارٹی اس لئے چھوڑ رہا ہوں کہ آپ پارٹی میں انتخابات نہیں کرانا چاہتے اور غیر جمہوری طرز عمل اختیار

کر رہے ہیں میرے استعفیٰ پر سہروردی صاحب خاصے پریشان ہوئے تھے۔

سوال ـ ...... اس کے بعد؟

جواب ـ ...... عوامی لیگ چھوڑنے کے بعد میں نے ملت پارٹی بنائی۔ پھر ایوب کے مارشل لاء کے بعد میں نے بھٹو صاحب کی پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کر لی۔ انہوں نے بھی مجھے پارٹی کی سینٹرل کمیٹی کا رکن نامزد کیا۔ اور مجھے پیپلز گارڈ کا سیکرٹری بنا دیا۔ جس کو میں نے منظم کیا پھر ۱۹۷۰ء میں میں نے پارٹی ٹکٹ پر کراچی سے قومی اسمبلی کا الیکشن لڑا۔ میرا حلقہ انتخاب لانڈھی کورنگی کا علاقہ تھا جہاں سے میں تھوڑے سے ووٹوں سے اہلسنّت کے امیدوار سے ہار گیا۔ پھر مجھے بھٹو صاحب نے حکومت میں شامل کر لیا حالانکہ میں قومی اسمبلی کا رکن نہیں تھا۔ انہوں نے مجھے نیشنل سیکوریٹی کا مشیر مقرر کر دیا۔

سوال ـ ...... نیشنل سیکوریٹی کے مشیر کے کیا فرائض تھے؟

جواب ـ ...... صدر مملکت اور حکومت کو قومی سلامتی کے امور پر مشورہ دیتا ہے۔ پالیسی بناتا ہے۔ بہت اہم عہدہ ہوتا ہے۔ اصل میں بھٹو صاحب نے ہی وزارت امریکی حکومت کے طرز پر پہلی پاکستان میں متعارف کرائی تھی۔ امریکہ میں مشیر کے اس عہدے پر عام طور پر پروفیشنل افراد کو مقرر کیا جاتا ہے۔

سوال ـ ...... آپ نے قومی سلامتی کے بارے میں بھٹو صاحب کو کبھی کوئی مشورہ دیا؟

جواب ـ ...... ہاں میں نے ان کو اس سلسلے میں مشورے دیئے تھے

سوال ـ ...... انہوں نے آپ کے مشوروں پر عمل کیا؟

جواب ـ ...... انہوں نے میری بات مانی۔ وہ فوج سے متعلق امور پر مجھ سے ہمیشہ مشورہ کرتے تھے۔ فوج کی تنظیم اعلیٰ عہدوں پر تقرری' دفاعی اسلحہ سے متعلق کوئی بات یا دفاع کا کوئی مسئلہ ہوتا تھا وہ مجھ سے ضرور مشاورت کرتے تھے۔ بھٹو صاحب نے مسلح افواج کے سربراہوں کو بھارت کے فوجی عزائم کے بارے میں فکرمند دیکھا تو مجھ سے پوچھا کہ کیا تم بھارتی جارحیت کے خلاف کوئی موثر پلان تیار کر سکتے ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ چنانچہ میں نے چالیس صفحات پر مشتمل ایک پلان ان کو بنا کر دیا۔ اس دوران میرا قیام ان ہی کے گھر میں رہا۔ مجھے نہیں معلوم کہ بعد میں اس پلان پر کس حد تک عمل ہوا۔

سوال ـ ...... نیشنل سیکوریٹی کے مشیر کے عہدے پر آپ نے کب تک کام کیا؟

جواب ـ ...... میں پہلے تو نیشنل سیکوریٹی کا مشیر رہا پھر بھٹو صاحب نے مجھے انٹرنل سیکوریٹی کا انچارج بنا دیا۔ مجھے منسٹر فار انٹرنل سیکوریٹی کا عہدہ دیا گیا۔

سوال ـ ...... آپ کو وزیر بنا دیا گیا حالانکہ آپ قومی اسمبلی کے رکن بھی نہیں تھے؟

جواب ـ ...... جی ہاں ایم این اے نہ ہونے کے باوجود مجھے وزیر بنایا اور پھر مجھے چیکوسلواکیہ کی

سفارت دیکر پراگ بھیج دیا گیا۔
سوال ۔ ...... سفارت کی خواہش کا اظہار آپ کی طرف سے ہوا تھا یا بھٹو صاحب نے اپنی طرف سے یہ پیشکش کی تھی؟
جواب ۔ ...... میری طرف سے اس خواہش کا اظہار نہیں ہوا تھا بلکہ میں نے کوشش کی تھی کہ چیکوسلواکیہ نہ جاؤں۔
سوال ۔ ...... وہ کیوں ؟
جواب ۔ ...... اس لئے کہ میں کسی کمیونسٹ ملک میں جانا نہیں چاہتا تھا کیوں کہ وہاں آزادی نہیں ہوتی ہے لیکن بھٹو صاحب نے کہا کہ آپ کا جانا بہت ضروری ہے اس لئے مجھے جانا پڑا ایک سال میں چیکوسلواکیہ میں پاکستان کا سفیر رہا پھر واپس آ گیا۔
سوال ۔ ...... آپ کیوں سوچتے تھے کہ کمیونسٹ ممالک میں آزادی نہیں ہے؟
جواب ۔ ...... میں بنیادی طور پر سوشلسٹ نظام کا قائل ہوں۔ میں معیشت میں سوشلزم کے احصول اپنانے کا خواہش مند ہوں اسی وجہ سے میں نے مسٹر بھٹو کی پارٹی میں شمولیت اختیار کی تھی کہ وہ سوشلسٹ معیشت کی حامی تھی۔ لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد کمیونسٹ ممالک نے اپنے عوام کو بہت suppress کیا۔ ہر جگہ آزادی نہیں تھی۔
سوال ۔ ...... پراگ سے آپ ایک سال بعد اپنی مرضی سے واپس آئے یا حکومت نے واپس بلایا؟
جواب ۔ ...... میں اپنی مرضی سے واپس آیا تھا۔
سوال ۔ ...... آپ نے استعفیٰ دیا تھا؟
جواب ۔ ...... جی ہاں۔ میں نے بھٹو صاحب کو کہہ دیا تھا کہ میں یہاں پر خوش اور مطمئن نہیں ہوں۔ پھر انہوں نے واپس بلایا اور مشیر برائے انفرادی قوت مقرر کر دیا۔ اس کے بعد میں آخر تک ان کے ساتھ رہا۔
سوال ۔ ...... ۱۹۷۷ء کے انتخابات میں آپ کیوں نہیں لڑے تھے؟
جواب ۔ ...... انہوں نے مجھے پیشکش کی تھی لیکن میں نے منع کر دیا تھا۔ کیونکہ میں اس ضروری تصور نہیں کرتا تھا۔
سوال ۔ ...... بھٹو صاحب کی حکومت کے بارے میں آپ کا کیا تبصرہ ہے؟
جواب ۔ ...... حکومت میں آنے کے بعد ان کے اپنی پارٹی کے قریبی لوگوں سے اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔
سوال ۔ ...... ایسا کیوں ہوا تھا؟
جواب ۔ ...... جے اے رحیم کی مثال میں۔ معمولی بات پر اختلافات ہو گئے۔ اسی طرح

دوسرے بہت سارے لوگوں کے ساتھ۔ میرے ساتھ ان کے تعلقات ہمیشہ خوشگوار رہے۔

سوال ـ ...... آپ کے ساتھ ان کا رویہ کیسا ہوتا تھا؟

جواب ـ ...... دوستانہ اور معقولانہ۔

سوال ـ ...... آپ صرف ایک مثال کی بنیاد پر تبصرہ کر رہے ہیں؟

جواب ـ ...... بہت ساری مثالیں موجود ہیں۔

سوال ـ ...... یہ جو اس ملک میں بار بار مارشل لاء نافذ ہوتا رہتا ہے..........؟

جواب ـ ...... یہ پسماندگی کی عکاسی کرتی ہے۔

سوال ـ ...... آپ اس کی روک تھام کے لئے کیا تجاویز پیش کرتے ہیں؟

جواب ـ ...... فوج کے سربراہ کے پاس اختیارات نہیں ہونے چاہئے۔ ان کے پاس یہ اختیار نہیں ہونا چاہئے کہ وہ ملک پر اپنی مرضی کے فیصلے مسلط کر دے۔

سوال ـ ...... یہ کیسے ممکن ہے؟

جواب ـ ...... یہ تو اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ جب آئندہ حکومت آئے وہ اس طریقے سے فوج کے سربراہوں کو مقرر کرے جس طرح برطانیہ میں ہوتا ہے۔ برطانیہ میں کمانڈر انچیف کے پاس اختیارات نہیں ہوتے ہیں۔

سوال ـ ...... اختیارات سے کیا مراد؟

جواب ـ کچھ کرنے کا اختیار۔

سوال ـ یہاں کون سے اختیارات ہیں؟

جواب ـ یہاں اختیارات ہی اختیارات ہیں۔ ضیاء کے ہاتھ میں سب کچھ ہے۔

سوال ـ ضیاء کی بات چھوڑیں۔ بھٹو صاحب کے دور میں کمانڈر انچیف کو کیا اختیارات تھے؟

جواب ـ انہوں نے بھی غلطیاں کی تھیں۔ میں نے انہیں مشورہ دیا تھا کہ آرمی کو مختصر کر کے آدھا کر دیں میں نے پیپلز پارٹی قائم ہونے کے بعد مری کے مقام پر ہونے والی پارٹی کی پہلی سینٹرل کمیٹی میں یہ تجویز پیش کی تھی۔ اس میں جے ایم رحیم، میر رسول بخش تالپور، عبدالحفیظ پیرزادہ بھی موجود تھے۔ میں نے اپنی تجویز میں کہا تھا کہ آرمی کو مختصر کر دیں تاکہ حکومت کے لئے کوئی خطرہ نہ بن سکے۔

سوال ـ آدھا کرنے سے خطرہ پیدا نہیں ہوتا۔ فوج تو فوج ہوتی ہے پوری رہے یا آدھی وہ خطرہ تو کسی وقت بھی بن سکتی ہے؟

جواب ـ برطانوی طرز پر۔ ان کے سربراہوں کے ہاتھ میں کسی اور تقرری کے اختیارات نہیں ہوتے ہیں۔ جنرلوں کی تقرری کے اختیارات حکومت کے پاس ہوتے ہیں۔

سوال ـ ہمارے ملک میں بھی جنرل کا تقرر حکومت کرتی ہے؟

جواب ـ یہاں تو ضیاء حکومت ہے نا۔

سوال ـ میرا مقصد تو یہ ہے کہ جنرل ضیاء کو بھٹو نے اپائنٹ کیا تھا؟

جواب ـ یہی تو ان کی غلطی تھی۔ انہوں نے ضیاء کو کیوں مقرر کیا تھا۔ وہ مجھ سے مشورہ کرتے ضیاء مذہبی شخص ہے۔ اپنی سوچ میں پسماندگی کا شکار ہے اور ambitious بھی تھا میں تو اسے کبھی propose نہ کرتا۔

سوال ـ گل حسن کی تقرری کی تجویز کس نے دی تھی؟

جواب ـ گل حسن بہتر شخص تھا۔ وہ خود فوج میں تھا۔ جب یحییٰ کمانڈر انچیف تھا تو گل حسن چیف آف جنرل اسٹاف تھا۔ جب یحییٰ خان علیحدہ ہوا تو بھٹو صاحب نے گل حسن کو قائم مقام کمانڈر انچیف مقرر کر دیا تھا۔

سوال ـ بھٹو نے ایسا کس کے مشورے پر کیا تھا؟

جواب ـ یہ انہوں نے مجھ سے نہیں پوچھا تھا انہوں نے خود کیا تھا۔ لیکن اگر مجھے سے پوچھا جاتا تو میں اس کی سفارش کرتا کیونکہ وہ کھلے ذہن کا شخص تھا۔

سوال ـ جب ٹکا خان کی تقرری ہوئی تو کس نے مشورہ دیا تھا؟

جواب ـ بدقسمتی سے ٹکا خان کو ہم لوگوں نے مشورہ دے کر مقرر کرایا تھا۔ جب بھٹو صاحب نے کہا کہ وہ گل حسن سے جان چھڑانا چاہتے ہیں اور کس کو مقرر کریں تو میں نے کہا تھا کہ ٹکا خان کو کریں لیکن صرف تین مہینے کے لئے۔ سوال:۔ صرف تین ماہ کیلئے کیوں؟

جواب ـ وہ اس لئے کہ وہ تعلیم یافتہ نہیں ہے۔ ذہنی مفلسی کا شکار ہے۔ اس پر بھٹو نے کہا تھا اچھا۔ اور اس طرح ٹکا خان کی تقرری ہو گئی۔ اس کے بعد میں پراگ چلا گیا آیا تو ٹکا خان موجود تھا۔ کیونکہ وہ بھٹو کا بہت زیادہ "لائل" ہو گیا تھا۔ وہ بھٹو کے ہر حکم کو بجالاتا تھا۔ حالانکہ وہ اس عہدے کے لئے مناسب نہیں تھا۔

سوال:۔ بھٹو صاحب نے یہ کیوں کہا تھا کہ وہ گل حسن سے جان چھڑانا چاہتے تھے۔ کیا پس منظر تھا؟

جواب ـ گل حسن ان کے احکامات بجا نہیں لاتا تھا۔ انہوں نے لاہور میں فوج کی بدد مانگی تھی لیکن گل حسن نے انکار کر دیا تھا جس پر وہ چراغ پا تھے۔ میں نے تین چار مرتبہ پیش کش کی تھی کہ میں گل حسن سے بات کرتا ہوں لیکن بھٹو صاحب نے کہا کہ نہیں ضروری نہیں۔

سوال ـ مارچ ۱۹۷۶ء میں جب ضیاء الحق کی تقرری ہوئی تو آپ سے کوئی مشورہ وغیرہ کیا گیا تھا؟

جواب ـ کوئی مشورہ نہیں کیا گیا۔

سوال ـ میں آپ سے معلوم کر رہا تھا کہ مارشل لاء کے نفاذ کو روکنے کے لئے کیا اقدامات

کرنے چاہئیں ؟

جواب ۔ حکومت کو جنرلوں کی تقرری کے اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھنے چاہئیں اور جنرل کو یہ اختیار ہی نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ فوج کو اپنی مرضی کا کوئی حکم دے کر عمل در آمد کرائے۔ لیکن یہاں تو انہوں نے تمام اختیارات ہی اپنے ہاتھ میں لے لئے تھے۔

سوال ۔ آج بھی یا اس سے قبل بھی جنرل یا لیفٹیننٹ جنرلوں کی تقرری سربراہ حکومت کرتا ہے ؟ پھر آپ کون سے اختیارات کی بات کر رہے ہیں ؟

جواب ۔ اس طرح کے اختیارات نہیں ہوتے کہ اپنی مرضی کا جو حکم چاہا وہ دے دیا۔ برطانیہ میں تمام احکامات کمیٹیوں کے ذریعے دیئے جاتے ہیں۔

سوال ۔ کمیٹی تو یہاں بھی ہے ؟

جواب ۔ یہ جوائنٹس چیف آف اسٹاف کمیٹی بوگس ہے۔

سوال ۔ اور کیا طریقے ہو سکتے ہیں ؟

جواب ۔ آپ جب ایک مرتبہ حکومت میں آ جائیں تو فوج کو مختصر کر دیں۔ یہاں ایک ملین آرمی کھڑی ہے۔ ملک کے بجٹ کا بڑا حصہ ان پر خرچ ہو رہا ہے۔

سوال ۔ ہم جس علاقے میں رہ رہے ہیں..... ؟

جواب ۔ کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کو فوج کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

سوال ۔ مگر جب ہمارا ہمسایہ مارے گا تو پھر کیا ہو گا؟

جواب ۔ لیکن یہ موجودہ فوج تو اسے نہیں روک سکتی ہے۔ کیا آپ کی موجودہ فوج روس یا بھارت کو روک سکتی ہیں۔ اگر نہیں تو پھر بیکار ہوں گی۔ پھر اتنی بڑی فوج رکھنے کا کیا فائدہ ؟

سوال ۔ اور کیا طریقہ ہو سکتا ہے۔ کوئی سیاسی طریقے ؟

جواب ۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ فوج کے سربراہ کی مدت ملازمت صرف چار سال ہونی چاہیئے۔

سوال ۔ بھٹو صاحب نے تو اسے تین سال کر دیا تھا؟

جواب ۔ پھر بھی ٹکا خان کو توسیع دی گئی۔ بلوچیوں کے خلاف اقدامات کرانے کے لئے۔

سوال ۔ جب پیپلز پارٹی نے بلوچستان میں کارروائی کی ہی تھی تو آپ نے مخالفت کی تھی ؟

جواب ۔ میں اس وقت ملک میں نہیں تھا۔

سوال ۔ پھر؟

جواب ۔ آج ملک خراب صورت حال سے دوچار ہے۔ مارشل لاء سے جان نہیں چھڑا رہا ہے۔ یہ تو اسی صورت میں ممکن ہے کہ نئی سویلین حکومت آئے اور کچھ اقدامات کرے۔

سوال ۔ ابھی تو ملک میں سویلین حکومت ہے۔ وزیر اعظم جونیجو ہیں ؟

جواب ۔ یہ سویلین حکومت نہیں ہے۔

سوال ـ پھر کیا صورت ہو سکتی ہے۔
جواب ـ صورت یہی ہے کہ عوام نئے انتخابات کا مطالبہ کریں۔ جس طرح پیپلز پارٹی کر رہی ہے یا ایم آر ڈی کر رہی ہے۔ عام انتخابات اور نئی حکومت فوج کو نصف کر دے۔ اس پر خواہ مخواہ بہت خرچ ہو رہا ہے۔ بھارت ہم پر اس وقت تک حملہ نہیں کرے گا جب تک ہم بھارت پر حملہ نہیں کریں۔
سوال ـ اور کوئی طریقہ؟
جواب ـ اس وقت انتخابات ہونے چاہئیں۔ سارے سیاست دان یہی مطالبہ کر رہے ہیں۔
سوال ـ تحریک پاکستان کن بنیادوں پر چل رہی تھی لوگ ملک بنانا کیوں چاہتے تھے۔
جواب ـ وہ اسلامی حکومت چاہتے تھے۔
سوال ـ لوگ یہ بات کہتے تھے؟
جواب ـ مجھے پتہ نہیں۔ میں تو سرحد کا ہوں وہاں تو لوگ زیادہ تر گاندھی کے ساتھ تھے۔ باچا خان خود سرحدی گاندھی کہلواتے مسلم لیگ بعد میں قائم ہوئی۔ جب ریفرنڈم ہو رہا تھا تو سرخ پوشوں نے حصہ نہیں لیا تھا۔
سوال ـ پھر کیا ہوا؟
جواب ـ یہ کہاں کہا گیا تھا کہ پاکستان مُلاّ کے لئے بنایا گیا تھا۔
سوال ـ وہ تو کہتے ہیں کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنایا گیا ہے؟
جواب ـ لیکن قائداعظم تو بہت ماڈرن تھے۔
سوال ـ آپ کبھی قائداعظم سے ملے تھے؟
جواب ـ تقسیم برصغیر سے بہت قبل ایک مرتبہ دہلی میں ملا تھا۔ پھر اس کے بعد کبھی نہیں ملا۔
سوال ـ آج پاکستان کو جو مسائل درپیش ہیں ان کی بنیادی وجہ کیا ہے؟
جواب ـ (قہقہہ لگاتے ہوئے) ہر شخص نے ضیاء ہو یا کوئی اور۔ اپنی بڑائی کے لئے چلا رہے ہیں اسلام کو استعمال کر رہے ہیں جمہوریت کو استعمال اور بدنام کر رہے ہیں۔ آج جو کچھ ہو رہا ہے وہ نہ تو جمہوریت ہے نہ ہی اسلام۔ ہم بے سمت چل رہے ہیں۔ فوج کی حکومت ہے۔ عوام کو اس کی مخالفت کرنا چاہئے۔ پیپلز پارٹی اور ایم آر ڈی جس طرح کر رہے ہیں۔ لیکن جماعت اسلامی اور دوسرے ان کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں۔ عوام کو جدوجہد کرنا پڑے گی۔
سوال ـ عوام نے تو جدوجہد کی ہے۔ ۱۹۸۳ء اور ۱۹۸۶ء میں عوام نے بڑی قربانیاں دی ہیں۔
جواب ـ یہ تو دینا پڑیں گی۔ اگر آپ جمہوریت چاہتے ہیں سفر تو جاری رکھنا پڑے گا۔
سوال ـ بھٹو صاحب جو جمہوریت کے نام پر برسراقتدار آئے تھے انہوں نے اپنے دور میں کیا کیا؟

جواب ـ بے شک ان کی کوتاہیاں ہیں۔ ان کا قصور ہے میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ ان کی کوتاہی تھی کہ ضیاء کی تقرری کی۔ انتخابات میں بدعنوانی ہوئی مجھے یہ علم نہیں کہ اس میں بھٹو صاحب کس حد تک ذمہ دار تھے لیکن بہرحال شکایت تو یہی تھی۔

سوال ـ لیکن انہوں نے بھی اپنے دور میں جمہوریت کو......؟

جواب ـ (ادھورے سوال کا جواب دیتے ہوئے) بحال uphold نہیں کیا۔ اگر کوئی جمہوریت کی نشوونما نہیں کرتا ہے تو ہمیں اپنا سفر جاری رکھنا چاہئے۔ اس کے لئے آگے بڑھنا چاہئے چہ جائیکہ کسی اور نظریہ میں کھو جائیں۔

سوال ـ آپ کو اس ملک کا مستقبل کیسا نظر آتا ہے؟

جواب ـ مستقبل تو بہت تاریک ہے۔ بہت کالا نظر آتا ہے۔

سوال ـ وہ کیوں؟

جواب ـ فوج کی وجہ سے۔ یہ backward ہیں۔ یہ کٹر مذہب پرست ہیں اور ملک پر حکمرانی کر رہے ہیں۔ ملک کو mislead کر رہے ہیں۔

سوال ـ کٹر مذہب پرستی سے نقصان کیا ہے؟

جواب ـ نقصان نہیں تو فائدہ کیا ہے؟ آپ ان سے متفق ہیں؟

سوال ـ میں تو آپ سے معلوم کر رہا ہوں۔

جواب ـ نقصان یہ ہے کہ انہوں نے پابندیاں نافذ کر دی ہیں۔ ہر طرح کی تفریح کو ختم کر دیا ہے۔ ٹیلی ویژن اور ریڈیو کے پروگراموں کو ہی دیکھ لیں۔

سوال ـ پابندیاں تو تقریباً مذہب کا حصہ ہیں

جواب ـ پہلے تو نہیں تھیں۔

سوال ـ اگر پہلے نہیں تھیں تو غلط نہیں تھا؟

جواب ـ نہیں قائداعظم نہیں کرتے۔

سوال ـ معاشرے کو پاک صاف رکھنے کے لئے پابندیاں ضروری نہیں ہیں؟

جواب ـ نہیں میں متفق نہیں ہوں۔ لوگوں پر زیادہ سختیاں کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا ہے۔

سوال ـ آج کل آپ کی کیا مصروفیات ہیں؟

جواب ـ میں اپنی یادداشتیں مرتب کر رہا ہوں۔ ایک سال میں پوری ہو جائے گی۔

سوال ـ آپ کی پنشن وغیرہ کی کیا صورت ہے؟

جواب ـ بس زمینوں سے آمدنی ہے۔ پنشن نہیں ملتی وہ مقدمہ کے بعد بند ہو گئی تھی جو پھر بحال نہیں ہوئی۔

سوال ـ جب آپ کو مقدمہ سے باعزت بری کر دیا گیا تو پھر کیوں بحال نہیں ہوئی؟
جواب ـ بری تو نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے چار سال قید رکھنے کے بعد ضمانت پر رہا کر دیا تھا۔
سوال ـ کیا مقدمہ ختم نہیں ہوا ہے؟
جواب ـ مجھے چودہ سال قید ہوئی تھی لیکن چار سال بعد انہوں نے ضمانت پر رہا کر دیا۔ جب میں نے حکومت کے خلاف مقدمہ دائر کیا کہ مجھ پر غیر قانونی طور پر مقدمہ چلایا گیا تو حکومت نے رہا کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی اور رہا کر دیا۔ لیکن پنشن وغیرہ بحال نہیں ہوئی۔ جنرل نظیر احمد کی پنشن بحال ہو گئی تھی۔ لیکن میرے معاملے میں کچھ نہیں ہوا۔ اگر بھٹو صاحب رہتے تو شاید اسمبلی سے میرا معاملہ طے کرا دیتے لیکن ان کی حکومت ہی نہیں رہی حالانکہ انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ میرا مسئلہ حل کرائیں گے۔
سوال ـ انہوں نے پہلے کیوں نہ کیا؟
جواب ـ پتہ نہیں۔
سوال ـ آپ نے ۱۹۷۰ء اور ۱۹۷۷ء کے درمیان ان سے مطالبہ کیوں نہیں کیا؟
جواب ـ بس نہیں کیا۔
سوال ـ آپ نے اپنی زندگی میں بہت سارے سیاست دانوں سے ملاقاتیں کی ہوں گی۔ تعلقات ہوں گے۔ ہمارے سیاست دانوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟
جواب ـ میں ان لوگوں کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتا ہوں۔
سوال ـ سب کے لئے۔
جواب ـ ہاں۔
سوال ـ کچھ لوگ تو ہوں گے جنہوں نے آپ کو متاثر کیا ہو گا۔
جواب ـ چھوڑو ان باتوں کو۔ ولی خان بہتر آدمی ہے۔ لیکن وہ زیادہ ہی پٹھان پٹھان کرتے ہیں۔ مزاری (سردار شیرباز) اچھا آدمی نہیں ہے لیکن وہ بھی fallen apart ہو گیا ہے۔
سوال ـ مزاری نے کس سے fallen apart کیا؟
جواب ـ ولی خان سے۔ پہلے وہ اکھٹے تھے۔
سوال ـ لیکن مزاری تو کہتے ہیں ولی خان والے......
جواب ـ بہرحال مزاری بہت اچھا ہے۔ وہ خاصا سمجھدار آدمی ہے۔ اصغر خان بھی اچھا آدمی ہے لیکن وہ فوجی ذہن رکھتا ہے۔
سوال ـ آپ کو ''ڈس اپائنٹ'' کس کس نے کیا ہے؟

جواب ــ (لمبی سانس لیتے ہوئے) "ڈس اپائنٹ" تو پتہ نہیں کس کس نے کیا ہے۔ (پھر مسکراتے ہیں)

سوال ــ شروع میں تو بڑے سیاست داں تھے مثلاً لیاقت علی خان، خواجہ ناظم الدین، سردار عبدالرب نشتر، ایوب کھوڑو وغیرہ۔

جواب ــ نشتر اچھا آدمی تھا۔ لیاقت علی خان بھی ٹھیک آدمی تھا۔ میرے ان کے ساتھ معمولی اختلافات تھے۔

سوال ــ لیکن یہ بہت بڑھ گئے تھے؟

جواب ــ ہاں بڑھ گئے تھے۔ میری غلطی تھی۔ میری لائن آف ایکشن غلط تھی۔ جس کی وجہ سے مجھے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

سوال ــ میں معلوم کر رہا ہوں کہ آپ کو "ڈس اپائنٹ" کس کس نے کیا۔ ہر شخص کا ذاتی تجربہ ہوتا ہے۔ انسان بعض لوگوں سے متاثر ہوتا ہے۔ بعض لوگ اسے مایوس کرتے ہیں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب ــ مجھے تو اس وقت تمام لوگوں میں ایک ہی خامی نظر آتی ہیں کہ وہ لگن کے ساتھ جمہوریت کی بحالی کے لئے کام نہیں کر رہے ہیں۔ اس سب لوگوں کو متحد ہو کر ماڈرن ڈیموکریسی کے لئے کام کرنا چاہئے۔ ترکی کی طرح کی جمہوریت کے لئے کام کریں۔ ہمارے ملک میں جیسی جمہوریت ہے ویسی جمہوریت کے لئے نہیں۔ یہاں تو ہر چیز میں اسلام اسلام کیا جاتا ہے۔ ترکی کی طرح ہونا چاہئے۔ جو سیکیولر ہے۔ لوگوں کو مذہبی آزادی ہے۔

سوال ــ ہمارے ملک میں ایک دفعہ بحث چلی تھی کہ مسلح افواج کو ترکی افواج کے طرز پر کوئی کردار مختص کیا جائے؟

جواب ــ ضیاء تو دے رہے ہیں۔

سوال ــ جب آپ ترکی کے نظام اور معاشرے کے معترف ہیں تو پھر؟

جواب ــ میں ترکی میں فوج کے اس کردار کا مخالف ہوں میں ترکی کو جدید طور پر استوار کرنے کا معترف ہوں۔

سوال ــ آپ بھی پاکستان کو سیکیولر مملکت دیکھنا چاہتے ہیں؟

جواب ــ ہاں ہاں واقعی۔

سوال ــ آپ ترکی فوج کے کردار سے کیوں مطمئن نہیں ہیں؟

جواب ــ فوج کا کردار ٹھیک نہیں ہے۔ انہوں نے فوجی کو صدر بنایا ہوا ہے۔ میں اس سے اتفاق نہیں کرتا ہوں۔ میں برطانوی طرز کا قائل ہوں۔ تمام فوج اور فوجی افسران سول حکومت کے تابع ہونے چاہئیں اور سول حکومت کو ماڈرن ہونا چاہئے۔

سوال ۔ آپ زندگی کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔

جواب ۔ پوری زندگی گزارنے کے بعد یہ خیال آتا ہے کہ اگر زندگی ملی تو اُسے اس طرح گزاروں گا جس طرح میں اپنی موجودہ زندگی گزاری ہے۔ میں نے بہت سی غلطیاں کی ہیں جنہیں اب کسی حالت میں دہرانا نہیں چاہتا ہوں۔

سوال ۔ جب آپ لوگوں کو گرفتار کیا گیا تھا تو تشدد کیا گیا ہو گا؟

جواب ۔ نہیں کوئی تشدد نہیں کیا تھا۔

سوال ۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی بیگم صاحبہ کو ٹارچر کیا گیا تھا؟

جواب ۔ نہیں۔ گھر کی تلاشی لی تھی۔ وہ دستاویز تلاش کرنا چاہتے تھے۔ میں نے البتہ یہ سنا تھا کہ فیض صاحب پر لاہور کے شاہی قلعہ میں تشدد کیا گیا تھا لیکن انہوں نے کبھی مجھ سے اس کا ذکر نہیں کیا۔ غالباً محمد حسین عطا پر تشدد کیا گیا ہو گا کہ وہ کمیونسٹ تھا۔ تین مہینہ بعد ہم سب کو حیدر آباد جیل میں یکجا کر کے ہم پر مقدمہ چلایا گیا جہاں کوئی تشدد نہیں کیا گیا تھا۔

سوال ۔ حیدر آباد جیل میں رہنے کے بعد آپ کے تعلقات میر رسول بخش تالپور سے استوار ہوئے تھے؟

جواب ۔ ہاں وہ بہت نفیس آدمی تھے۔ جب ہم جیل میں تھے وہ ہمارے لئے کھاتے کتابیں وغیرہ بھیجتے تھے۔

سوال ۔ جیل سے رہائی حاصل کرنے کے بعد آپ حیدر آباد کبھی نہیں گئے ہیں؟

جواب ۔ نہیں۔

سوال ۔ حیدر آباد آنے کا کوئی ارادہ ہے؟

جواب ۔ (مسکراتے ہوئے) اس وقت نہیں ہے۔

علی حسن۔ ۔ اچھا جنرل صاحب آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے کھل کر گفتگو کی اور مجھے خاصا وقت دیا۔

جنرل محمد اکبر خان۔ ۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی خاطر مدارت نہیں کر سکا۔ آپ کا بھی شکریہ کہ آپ نے مجھے یاد کیا۔

(یہ انٹرویو جنرل صاحب کی کراچی کی رہائش گاہ پر ۲۸ اپریل ۱۹۸۷ء کو ریکارڈ کیا گیا)

ضمیمہ جات

مسٹر فیروز خان نون وزیر اعظم کی طرف سے محمد ایوب خان کمانڈر انچیف پاک آرمی کے نام درج ذیل تار مورخہ ۹ر جون ۱۹۵۸ء کو سی این سی کی مدت ملازمت میں مزید دو سال کی توسیع کے موقع پر روانہ کیا گیا۔

"مجھے بڑی خوشی ہے کہ آپ نے دو برس تک اور ہماری افواج کے کمانڈر انچیف کے عہدے پر رہنا منظور کر لیا ہے (وقفہ) آپ ابھی بہت کم عمر ہیں۔ آپ کی عمر ابھی صرف اکیاون (۵۱) سال ہے۔ لیکن تجربے اور قابلیت میں نہایت پختہ کار (وقفہ) پاکستان موجودہ حالات میں آپ کی خدمات سے محرومی کا نقصان کسی طرح برداشت نہیں کر سکتا اور مجھے یقین ہے کہ پہلے کی طرح ملک کا دفاع آپ کے ہاتھوں میں محفوظ رہے گا (ختم)"

....

سکندر مرزا نے آئین کے تنسیخ کے فوری بعد وزیر اعظم سر فیروز خان نون کے نام کراچی میں وزیر اعظم کی سرکاری رہائش گاہ پر ایک خط لکھا۔ یہ خط انہیں ۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء کو رات کے گیارہ بجے موصول ہوا۔

مائی ڈیر فیروز

میں بڑے غور و فکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ کہ اس ملک میں استحکام اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک اس کی ذمہ داریاں میں خود نہ سنبھال لوں اور انتظامیہ کو اپنے ہاتھ میں نہ لے لوں۔ ۲۳ر مارچ ۱۹۵۶ء کا آئین نہ صرف یہ کہ ناقابل عمل ہے بلکہ پاکستان کی سالمیت اور اس کے استحکام کے لئے خطرناک بھی ہے۔ اگر ہم اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرتے رہے تو بالآخر ہمیں پاکستان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔

لہٰذا مملکت کے سربراہ کی حیثیت سے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آئین منسوخ کر دوں، تمام اختیارات خود سنبھال لوں۔ اسمبلیوں، مرکزی پارلیمنٹ اور مرکزی اور صوبائی کابینہ کو توڑ دوں۔ مجھے صرف اتنا افسوس ہے کہ یہ فیصلہ کن انقلابی اقدام مجھے آپ کی وزارت عظمیٰ کے زمانہ میں کرنا پڑا ہے۔ جس وقت آپ کو یہ خط ملے گا، مارشل لاء نافذ ہو گیا ہو گا اور جنرل ایوب جنہیں میں نے مارشل لاء کا ناظم اعلیٰ مقرر کیا ہے، اپنے اختیارات سنبھال چکے ہوں گے۔

آپ کے لئے ذاتی طور پر میرے، دل میں بڑا احترام ہے اور آپ کی ذاتی خوشی اور فلاح کے لئے جو کچھ بھی ضروری ہوا، میں بے تامل کروں گا۔

آپ کا مخلص

سکندر مرزا

صدر مملکت کا ہنگامی فرمان

اعلامیہ میں جو ۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء کو صدر پاکستان نے جاری کیا۔

نمبر ایف ۱۸ر پریز ر ۵۸ ' ۲۵ر اکتوبر ۱۹۵۸ء گزٹ مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۵۸ء

حسب ذیل اعلان جو صدر نے ۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء کی رات کو ساڑھے دس بجے جاری کیا' عام اطلاع کے لئے شائع کیا جاتا ہے۔

پچھلے دو سال سے میں گہری تشویش کے ساتھ مشاہدہ کر رہا ہوں کہ اقتدار کے لئے بے تحاشہ رسہ کشی جاری ہے' بدعنوانیاں ہیں' سادہ 'نیک و محب وطن اور محنتی عوام سے بے شرمی کے ساتھ ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا ہے' شائستگی کا فقدان ہے اور اسلام کو سیاسی مقاصد کا آلہ کار بنایا جا رہا ہے۔ فقط چند قابل قدر لوگ اس سے مستثنٰی ہیں' لیکن ایسے لوگ چونکہ اقلیت میں ہیں اس لئے وہ ملک کے معاملات میں اثر انداز نہیں ہو سکے۔

ان مذموم حرکتوں کا نتیجہ پست ترین درجے کی آمریت کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اہل ہوس اور اہل غرض' عوام کو نقصان پہنچا کر ناجائز فائدہ حاصل کرتے رہے اور اپنی بدکرداریوں کی بدولت اور زیادہ دولت مند ہوتے گئے۔

میری مسلسل کوششوں کے باوجود غذائی مسئلے کو حل کرنے کی کوئی حقیقی کوشش نہیں کی گئی۔ خوراک ہماری زندگی اور موت کا مسئلہ بن گئی ہے' حالانکہ ہمارے ملک کو درحقیقت خوراک میں خود کفیل ہونا چاہئے تھا۔ زراعت اور انتظام اراضی کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا رہا' جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہمارے موجودہ نظام حکومت کے تحت کوئی سیاسی جماعت خوراک کی پیداوار بڑھانے کے لئے کوئی ٹھوس قدم اٹھانے کے قابل نہ ہو گی۔ دوسری طرف مشرقی پاکستان میں اسمگلر بڑے منظم طریقے سے غلے' ادویات اور دوسری ضروریات زندگی سرحد پار پہنچا رہے ہیں' اس بناء پر جو قلت پیدا ہوئی ہے اور قیمتوں میں اضافہ ہوا ہے وہ عام لوگوں کی مصیبت کا باعث بن گیا ہے۔ غلے کی درآمد کی وجہ سے گزشتہ چند برس سے ہماری بیرونی زرمبادلہ کی کمائی پر مستقل اور شدید بار پڑ رہا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ حکومت نہایت ضروری ترقیاتی منصوبوں میں تخفیف کرنے پر مجبور ہو گئی ہے۔

ہمارے کچھ سیاست داں چند دنوں سے خونی انقلاب کی باتیں کر رہے ہیں۔ ان میں سے بعض ہنگامہ پسند بیرونی ملکوں میں جا کر براہ راست ان سے اتحاد عمل کی پیشکش کرنے میں مضائقہ نہیں سمجھتے' جسے کھلی بغاوت ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔

چند روز پہلے مشرقی پاکستان اسمبلی میں جو شرمناک منظر دیکھنے میں آئے' ان سے سب آگاہ ہیں۔ مجھ سے کہا گیا کہ اس قسم کی باتیں غیر منقسم بنگال میں اکثر ہوتی رہی ہیں۔ یہ بات درست ہو یا نہ ہو' لیکن بہرصورت یہ کوئی مہذب طریق عمل نہیں ہے۔ اسپیکر کو زدو کوب کرنا' ڈپٹی اسپیکر کو قتل کرنا اور قومی پرچم کی توہین کرنا ملک کے وقار کو بڑھانے کی صورتیں نہیں ہیں۔

سیاسی جماعتوں کی ذہنیت اتنی پست ہو گئی ہے کہ مجھے اس بات کا کوئی بھروسا نہیں رہا کہ انتخابات ملک کے

موجودہ داخلی انتشار کو سدھار سکتے ہیں یا ان کے ذریعے ایک ایسی مضبوط اور مستحکم حکومت بنائی جا سکتی ہے' جو ان بیشمار پیچیدہ مسائل کو حل کر سکے جو ہمیں درپیش ہیں۔ آسمان سے نئے لوگ اتر کر نہ آئیں گے۔ وہی گروہ جس نے پاکستان کو تباہی کے کنارے پر لا کھڑا کیا ہے' انتخابات کو محض اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کرے گا۔ بلکہ یہ لوگ بڑے انتقامی جذبے کے ساتھ دوبارہ برسراقتدار آئیں گے' کیونکہ مجھے یقین ہے کہ انتخاب ذاتی' علاقائی اور فرقہ وارانہ بنیادوں پر لڑا جائے گا۔ جب وہ انتخاب میں کامیاب ہو کر آئیں گے تو انہی طریقوں کو استعمال کریں گے جنہوں نے جمہوریت کو ایک ڈھونگ' ایک المناک تماشا بنا کر رکھ دیا ہے' اور جو دراصل ہر طرف پھیلی ہوئی حرماں زدگی کی باعث ہیں۔ بدلتی ہوئی وفاداریوں اور کرسیوں کے لئے مچی ہوئی افراتفری کے پیش نظر مجھے اس امر کا یقین ہے کہ انتظامیہ خواہ کتنی بھی کوشش کرے انتخابات آزادانہ اور منصفانہ نہ ہوں گے۔ انتخابات ہماری مشکلات کو حل نہ کریں گے' اس کے برعکس زیادہ بددلی اور مشکلات پیدا کریں گے جو آخر ہمیں ایک خونریز انقلاب کی جانب لے جائیں گی۔ حال ہی میں کراچی کارپوریشن کے انتخابات ہوئے تھے۔ پورے حلقے سے صرف بیس فیصد ووٹ ڈالے گئے اور ان میں سے تقریباً پچاس فیصد ووٹ جعلی تھے۔

ہم ایک نئے یونٹ اور پرائیویٹ رضاکار تنظیموں کو برقرار رکھنے کے سلسلے میں سول نافرمانی کی دھمکیاں سن رہے ہیں۔ ان انتشار پسند رجحانات سے ان لوگوں کی حب الوطنی کی قلعی کھل جاتی ہے اور ظاہر ہو جاتا ہے کہ سیاست باز اور حالات سے ناجائز فائدہ اٹھانے والے اپنے اپنے تنگ دلانہ مقاصد کے حصول کے لئے کس حد تک بڑھ سکتے ہیں۔

ہماری خارجہ پالیسی پر غیر ذمہ دارانہ اور بلا سوچے سمجھے نکتہ چینی کی جاتی ہے۔ حب الوطنی کے نظریئے سے نہیں بلکہ محض ذاتی اغراض کے لئے اور وہی لوگ نکتہ چینی کرتے ہیں جو خود اس پالیسی کے ذمہ دار تھے۔

ہم تمام قوموں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنا چاہتے ہیں' لیکن سیاسی موقع پسند روس' متحدہ عرب جمہوریہ اور عوامی جمہوریہ چین کے ساتھ ہمارے تعلقات خراب کرنے اور غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بھارت کے خلاف بیشک وہ جنگ کے نعرے بلند کرتے ہیں' مگر یہ جانتے ہوئے کہ خود کہیں میدان جنگ کے آس پاس نہ ہوں گے۔ دنیا کے کسی ملک میں بھی سیاسی جماعتیں خارجہ پالیسی کے ساتھ اس طرح کا مذاق نہیں کرتیں جیسے کہ پاکستان میں کیا جاتا رہا۔ اس خلجان کو دور کرنے کے لئے میں واضح طور پر اعلان کرتا ہوں کہ ہم اس خارجہ پالیسی پر عمل کریں گے۔ جس کا ہمارا قومی مفاد اور جغرافیائی محل وقوع مطالبہ کرتا ہے۔ ہم اپنے بین الاقوامی معاہدات پر کاربند رہیں گے جو بلاشبہ ہم نے پاکستان کی سلامتی کی خاطر کئے ہیں' وعلیٰ ہذا القیاس ایک امن پسند قوم کی حیثیت سے ہم اس آفات زدہ دنیا سے جنگ کا خطرہ دور کرنے کے لئے اپنے مقدور بھر کوشش کرتے رہیں گے۔

گزشتہ تین برس سے میں جمہوری طریقوں سے دستور پر عمل درآمد کرانے کی پوری کوشش کر رہا ہوں۔ میں نے یکے بعد دیگرے کئی مخلوط حکومتوں کے قیام کے لئے کوشش کی' اس توقع میں کہ شاید نظم و نسق میں استواری

پیدا ہوسکے اور ملک کی حکومت اس طرح چلے کہ عوام کو فائدہ پہنچے۔ مجھے رسوا کرنے والوں نے بدنیتی سے ہمیشہ ان تبدیلیوں کو محلاتی سازشوں کا نام دیا۔ سارا الزام صدر کے سر تھوپنا ایک فیشن سا بن گیا ہے۔ کسی خوش طبع نے چند روز ہوئے کہا "اگر ملک میں بارش زیادہ آجائے تو یہ بھی صدر کا قصور ہے" ۔ اگر معاملہ صرف میرا ہی ہوتا تو میں ان ملامتوں کو برابر نظر انداز کئے جاتا اور ان کی مطلق پروانہ کرتا' لیکن ان غداروں اور ملک دشمن عناصر کا مقصد صدر مملکت پر حملہ کر کے پاکستان اور حکومت کا وقار گرانا تھا۔ وہ بڑی حد تک کامیاب ہیں اور اگر اس صورت حال کو برقرار رہنے دیا جائے تو وہ اپنے اصل مقصد میں بالاخر کامیاب ہو جائیں گے۔

داخلی صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ عوام کی اکثریت کا اعتیاد موجودہ طرز حکومت پر سے بالکل اٹھ گیا ہے اور وہ روز بروز اس کی بابت زیادہ ناامید ہوتے جا رہے ہیں۔ ان کو جس طرح جبرو استحصال کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اس کی بناء پر ان میں خطرناک حد تک تلخی پیدا ہو گئی ہے۔ سیاسی رہنماؤں نے ان کی خدمت کا حق ادا نہیں کیا' عوام نے ان پر جو اعتماد کیا تھا وہ اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت نہ کر سکے۔

آئین جو اپنی دشواریوں کے بعد ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کو نافذ کیا گیا تھا نا قابل عمل ہے۔ اس میں جماعتیں ہی جماعتیں ملتی ہیں جو بڑی خطرناک ہیں اور اگر اس کی خرابیوں کو دور نہ کیا گیا تو جلد ہی داخلی طور پر پاکستان کی جمعیت بکھر کر رہ جائے گی۔ ان حالات کو درست کرنے کی غرض سے پرامن انقلاب کے ذریعے ملک کو ہوشمندی کی طرف لے جانے کی ضرورت ہے' اس کے بعد میرا ارادہ یہ ہے کہ بعض محب وطن افراد کو جمع کروں تاکہ وہ سیاسی شعبے میں ہمارے مسائل کا جائزہ لے کر ایک ایسا موزوں آئین مرتب کریں جو مسلم عوام کے مزاج کے مطابق ہو۔ جب یہ تیار ہو جائے گا اسے مناسب وقت پر عوام سے استصواب رائے کے لئے پیش کیا جائے گا۔

کہا جاتا ہے کہ آئین ایک مقدس چیز ہے۔ لیکن آئین اور ہر دوسری چیز سے زیادہ مقدس ملک اور اس کے عوام کی خوش حالی اور بہبود ہے۔ سربراہ مملکت کی حیثیت سے خدا اور عوام کے روبرو میرا اولین فریضہ پاکستان کی سالمیت ہے۔ اسے غداروں اور سیاسی زمانہ سازوں کی بے دردی سے سخت خطرہ لاحق ہے' جن کی خود غرضی' ہوس اقتدار اور غیر محب وطن رویئے کو روکنا موجودہ نظام کے تحت قائم ہونے والی حکومت سے ممکن نہیں۔ نہ میں ملک کو تباہ کرنے کی کوشش کو ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھنا گوارا کر سکتا ہوں۔ میں بڑے گہرے تفکر اور اضطراب کے بعد اس افسوسناک نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر میں نے پاکستان کو مکمل تباہی سے بچانے کے لئے ایسے اقدام نہ کئے جو موجودہ حالات میں ناگزیر ہیں' تو میں اپنے فرض سے کوتاہی کروں گا۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ۔

(الف) .... ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کا آئین منسوخ کر دیا جائے۔

(ب) .... مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو فوری طور پر برطرف کیا جائے۔

(ج) .... قومی پارلیمینٹ اور صوبائی اسمبلیوں کو توڑ دیا جائے۔

(د) .... تمام سیاسی جماعتوں کو ختم کر دیا جائے۔

(و) .... جب تک متبادل انتظامات نہ ہوں پاکستان میں مارشل لاء نافذ رہے گا۔ میں جنرل محمد ایوب خان' کمانڈر انچیف پاکستان آرمی کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کرتا ہوں اور پاکستان کی تمام افواج کو ان کی کما

ن میں دیتا ہوں۔

پاکستان کی بہادر افواج سے مجھے یہ کہنا ہے کہ قیام پاکستان کے وقت سے میرا ان سے گہرا رابطہ رہا ہے، جس کے باعث میں ان کی وفاداری اور جذبہ حب الوطنی کا معترف اور مداح ہوں۔ میں ان پر بڑا بار ڈال رہا ہوں۔ مجھے اس کا پورا احساس ہے لیکن افواج کے افسر اور جوانو! تمہاری ہی خدمت پر اس بات کا دار و مدار ہے کہ پاکستان بحیثیت ایک آزاد قوم کے برقرار رہے۔ بلا خوف و خطر اور بلا رو رعایت اپنا فرض ادا کیجئے۔ خدا آپ کی مدد کرے۔

پاکستانی عوام سے میں ایک بھائی اور ہم وطن کی حیثیت سے مخاطب ہوں۔

موجودہ اقدام بڑے افسوس کے ساتھ کیا جا رہا ہے، لیکن یہ مجھے ملک کے مفاد اور عوام کی خاطر کرنا پڑا، ایسے عوام جن سے بہتر انسانوں کا تصور محال ہے۔ محبِ وطن اور قانون پسند لوگوں سے میں یہ کہوں گا کہ آپ آئندہ زیادہ آزاد اور خوشحال ہوں گے۔ سیاسی موقع پرستوں، اسمگلروں، چور بازاری اور ذخیرہ اندوزی کرنے والوں کے لئے برا وقت ہو گا اور ان کی سرگرمیوں کو سختی سے کچل دیا جائے گا۔ جہاں تک غداروں کا تعلق ہے، بہتر ہو گا کہ موقع پائیں تو ملک سے بھاگ جائیں۔

....

حکومت پاکستان کا اعلان نمبر ۷۷، ۹، ۵۸ مورخہ ۷ر اکتوبر ۱۹۵۸ء، غیر معمولی گزٹ مجریہ ۱۰ر اکتوبر ۱۹۵۸ء

(۱) .... ہر گاہ کہ میں قومی تقاضوں کے پیش نظر یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ پاکستان کی بین الاقوامی سرحدات کے اندر اختیارات حکومت سنبھال لوں، لہٰذا میں افواج پاکستان کے سپریم کمانڈر کی حیثیت میں حسب ذیل اعلان کرتا ہوں۔

(۲) .... مارشل لاء کے ضوابط اور احکام حسب سہولت شائع کئے جائیں گے۔ جو مارشل لاء کے تحت اس سزا کا مستحق ہو گا جو ان ضوابط میں مذکور ہے۔

(۳) .... ان ضوابط میں عام قوانین کے تحت کئے جانے والے جرموں کے لئے بھی خاص سزائیں مقرر کی جا سکتی ہیں۔

(۴) .... ان ضوابط کے تحت ان ضوابط اور احکام کی خلاف ورزی کرنے والوں، نیز عام قوانین کے تحت کئے جانے والے جرموں پر مقدمہ چلانے اور سزا دینے کے لئے خاص عدالتیں قائم کی جا سکتی ہیں۔

محمد ایوب خان۔ ایچ۔ پی، ایچ۔ جے، جنرل، سپریم کمانڈر و چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر پاکستان۔

پاکستان بری فوج کے پہلے مسلمان لیکن تیسرے کمانڈر انچیف اور پاکستان میں پہلے مکمل مارشل لاء نافذ کرنے والے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر فیلڈ مارشل، محمد ایوب خان

جنرل محمد ایوب خان، سپریم کمانڈر و ناظم اعلیٰ مارشل لاء نے ۸ر اکتوبر ۱۹۵۸ء کو بوقت ساتھ بجے شام، ریڈیو پاکستان سے قوم کے نام حسب ذیل پیغام نشر کیا۔

پاکستان کے عزیز شہریو۔ اسلام علیکم

میں آپ کے سامنے جن مسائل پر تقریر کر رہا ہوں، وہ اہم بھی ہیں اور بڑے سنجیدہ بھی۔ اس لئے ضروری ہے کہ آپ میری باتوں کو بہت توجہ سے سنیں اور خوب اچھی طرح سمجھ لیں تاکہ آپ تعمیر طریق پر عملدر آمد کر سکیں کیونکہ ہم سب کی بلکہ ہماری آئندہ نسلوں کی نجات صحیح عمل ہی میں ہے۔

آپ صدر پاکستان کا وہ اعلان سن چکے ہوں گے جس کے ذریعہ انہوں نے آئین منسوخ کر دیا ہے اور پورے پاکستان میں مارشل لاء نافذ کر دیا ہے۔ انہوں نے مجھے ناظم اعلیٰ مارشل لاء مقرر کیا ہے اور تمام سول مسلح طاقت اور پاکستان کی تمام مسلح فوجوں کو میری کمان میں دے دیا ہے۔ یہ سخت اور انتہائی قسم کی کارروائی ہے، جو بہت بادل ناخواستہ مگر پورے یقین کے بعد کی گئی ہے کہ اگر یہ نہ کی جاتی تو ملک کی مکمل تباہی اور خاتمہ کے سوا کچھ باقی نہ رہتا۔ اگر موجودہ انتشار انگیز حالات اور جاری رہنے دیئے جاتے تو تاریخ ہرگز ہمیں معاف نہ کرتی۔

سیاسی لیڈروں کی انتشار انگیزی

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، یہ انتشار انگیز حالات ان خود غرض لوگوں کے پیدا کئے ہوئے ہیں جنہوں نے سیاسی لیڈروں کے روپ میں ملک کو تباہ کیا یا ذاتی فائدوں کے لئے اس کا سودا کرنے کی کوشش کی۔ ان میں سے بعض نے اسے اپنا حق سمجھ کر کیا، کیونکہ ان کا یہ اعادہ ہے کہ پاکستان انہوں نے قائم کیا ہے اور بعض نے جو پاکستان کے تصور ہی کے خلاف تھے اعلانیہ طور پر اسے ختم کرنے کی بھی کوشش کی یا کم از کم اس کی مشکلات کو سنگین بنانے میں اپنا امکانی زور ضرور صرف کیا۔ ان کا مقصد خود غرضی یا ہوس اقتدار کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اس دوران کمزور اور کم حوصلہ حکومتیں انتہائی غفلت کوشی اور بزدلی کے ساتھ صرف تماشا دیکھتی رہیں اور انہوں نے حالات کو بگڑنے اور ابتر ہونے اور نظم وضبط کو یونہی تباہ ہونے دیا۔

سیاسی آدمیوں کی کشتی بازی

قائداعظم اور مسٹر لیاقت علی خان کی وفات کے بعد ہی سے سیاست دانوں نے آزادانہ قسم کی لڑائی شروع کر دی جس میں کسی داؤ پر پابندی نہیں ہوتی؟ انہوں نے محض اپنی حرص کو پورا کرنے اور اپنے گندے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے مفاد ملکی کا خیال کئے بغیر ایک دوسرے کے خلاف مسلسل اور سخت کشتم کشتا شروع کر دی۔ ان سیاست دانوں کی کمینگی، فریب، دھوکے اور پستی کی کوئی حد نہ رہی چونکہ ان کے پاس کوئی تعمیری چیز تو پیش کرنے کے لئے تھی نہیں، اس لئے انہوں نے ایک پاکستانی کو دوسرے پاکستانی سے لڑانے کے لئے صوبائی جذبات اور فرقہ وارانہ مذہبی و نسلی اختلافات کو ابھارا، انہیں کسی دوسرے کی ذات میں کوئی بھلائی نظر نہ آتی تھی۔ اقتدار اور حصول منفعت کی اس مجنونانہ دوڑ میں اگر کسی چیز کی اہمیت تھی تو صرف اپنے مفاد کی جہاں تک ان کا تعلق تھا اگر ملک اور قوم جہنم میں چلی جاتی تو ان کی بلا سے۔

جماعتی وفاداری۔ ایک مذاق!

چند قابل عزت مستثنیات کو چھوڑ کر ان اشخاص کا ضمیر بالکل مردہ ہو چکا تھا۔ اور اسمبلیوں میں ان کے بیشمار حامیوں کی ہر روز بدلنے والی جماعتی وفاداریوں کی وجہ سے وہ بے اثر ہو چکے تھے۔

ایک آدمی کے لئے اگر وہ صاحب ضمیر ہے تو وہ کام بہت مشکل ہیں۔ مذہب تبدیل کرنا اور جماعتی وفاداریوں کو بدلنا۔ لیکن اسمبلیوں میں ہمارے نام نہاد نمائندے بڑی آسانی کے ساتھ اپنی وفاداریوں کو تبدیل کرتے رہے اور ان کے ضمیر پر معمولی سا بھی اثر نہیں ہوا۔ یہ ہے وہ بنیاد جس پر پاکستان میں جمہوریت چلائی گئی ہے اور یہ سب کچھ اسلام کے مقدس نام پر ہوا ہے! اور اس دوران ہمارے مذہب اور ثقافت کے تمام اعلیٰ تصورات اور اقدار تباہ کئے جاتے رہے ہیں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں مکمل انتظامی، اقتصادی، سیاسی اور اخلاقی ابتری پھیل چکی ہے جسے ان نازک حالات میں برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ پاکستان یقیناً اس عیاشی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ پاکستان میں بیشمار اندرونی مسائل حل کے محتاج ہیں اور غیر ملکی خطروں سے بھی اپنی حفاظت کرنا ہے۔ جن کے حل کے بغیر ملک کی بنیادیں محفوظ مستحکم نہیں ہو سکتیں۔

ہمارے عوام فطری طور پر وطن پرست اور اچھے ہیں وہ رواداری برتتے ہیں اور صبر سے کام لیتے ہیں۔ اور مناسب قیادت میں زبردست بلندیوں تک پہنچ سکتے ہیں وہ ذہین بھی ہیں اور ان کی آنکھوں کے سامنے جو کچھ ہو رہا ہے اسے دیکھ سکتے ہیں وہ اپنے آپ کو مجبور پاتے تھے کیونکہ وہ ملک کے مسائل کو نازک تر بنانا نہیں چاہتے تھے یا غالباً یہ نہیں چاہتے تھے کہ فوج کے جذبات کو صدمہ پہنچائیں جن پر نظم اور قانون کی حفاظت کی آخری ذمہ داری ہے۔ اور جس نے اتنی وفاداری اور خلوص کے ساتھ ان کی خدمت کی ہے لیکن کچھ عرصے سے مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ ہمارے عوام فوج پر بھی اعتماد کھونے لگے ہیں کہ اس نے انہیں اس ظلم اور ذہنی و روحانی اذیت سے بالکل نہیں بچایا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ان غیر محتاط سیاست دانوں سے بری طرح بیزار ہیں جو ان کے عزیز ملک کو پارہ پارہ کرنے میں مصروف تھے۔ فوج کو بھی یہی احساس تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ لیکن ان اسباب کی بناء پر جن کی میں ابھی وضاحت کروں گا، فوج نے تحمل سے کام لیا۔

فوج کا رویہ

اس موقع پر میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ فوج کے رویہ اور طریقہ کار کے بارے میں ہم وطن بھائیوں اور بہنوں کو اپنے اعتماد میں لوں۔ قیام پاکستان کے بعد سے مسلح افواج کے ارکان ملک کے اندرونی مسائل اور بیرونی خطروں کو برابر دیکھتے رہے ہیں، ہم اپنے محدود وسائل سے بھی باخبر تھے ہم نے مقدس عہد کیا کہ صحیح معنوں میں ایک قومی فوج تیار کی جائے جو سیاست سے بالکل الگ رہے، جو بے لوث خدمت اور دیانتداری کا نمونہ ہو، عوام کی خدمت کے جذبہ سے سرشار ہو اور ملک کی موثر طور پر حفاظت کرنے کے قابل ہو۔ مزید برآں میں نے ہمیشہ عوام کو بتایا ہے کہ ہمارا اصل کام ملک کے لئے ایک سپر بننا ہے تاکہ اندرونی طور پر ملک صحتمند جمہوری نظام قائم کر سکے اور مستحکم مستقبل کے لئے راستہ ہموار کر سکے۔ ہم نے سیاست سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھا ہے۔

ممکن ہے کہ آپ کو نہ معلوم ہو کہ میں نے کئی موقعوں پر جناب غلام محمد مرحوم کی اس پیشکش کو قبول نہیں کیا تھا کہ فوج ملک کو اپنے انتظام میں لے لے۔ میں نے ایسا اس خیال کے تحت نہیں کیا تھا کہ میں جس مقام پر ہوں وہیں سے پاکستان کی بہتر خدمات انجام دے سکتا ہوں اور دل میں ایک حد تک یہ امید بھی تھی کہ کچھ سیاست دان وقت کے تقاضے کو پورا کرتے ہوئے ملک کو ایک بہتر مستقبل کی طرف لے جائیں گے لیکن واقعات نے امیدوں کو جھٹلا دیا اور ہم اب اس مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ ہمارے ملک کی جو بڑا صحتمند ہے بری طرح جگ ہنسائی ہو رہی ہے۔ یہ بات افسوسناک ہے مگر صحیح' اس لئے صورتحال کا مقابلہ کرنا ہے۔ حالات کو درست کرنے کے لئے طریقے ڈھونڈنے ہیں اور انشاءاللہ حالات راہ راست پر آجائیں گے۔

جمہوریت بحال کی جائے گی

میں صاف صاف اعلان کرتا ہوں کہ ہمارا آخری مقصد یہ ہے کہ جمہوریت کو بحال کیا جائے۔ لیکن اس قسم کی جمہوریت جس کو عوام سمجھ سکیں اور جس پر عمل بھی کیا جاسکے۔ وقت آنے پر آپ کی رائے بھی پوری آزادی کے ساتھ معلوم کی جائے گی۔ لیکن ایسا کب ہو گا اس کا جواب آنے والے واقعات ہی دے سکیں گے۔ اس دوران ہم کو ان خرابیوں کو دور کرنا اور ملک کو صحیح راستہ پر لانے کا کام کرنا ہے۔

بعض ایسے مسائل ہیں جن کو فوری ہی حل کرنا ہے اور بعض ایسے ہیں جو طویل المیعاد نوعیت کے ہیں۔ ہم ان کو حل کرنے اور خرابیوں کو دور کرنے کی حتیٰ الوسع کوشش کریں گے لیکن ان میں مجھ کو آپ کی طرف سے دلی تعاون اور تحمل کی ضرورت ہوگی۔ میں آپ سے یہ بھی کہوں گا کہ سخت محنت کریں اور اپنی تمام تر کوشش صرف کریں۔ یہ وہ دور ہے جب ہماری مملکت کو تعمیر کرنے کی ضرورت ہے اور یہ محض اس وقت ہو سکتا ہے جب جمہور پوری کوشش سے کام کریں۔ محض نعرے بازی محنت و کاوش کی جگہ نہیں لے سکتی۔

یاد رکھئے کہ بعض ایسی چیزیں ہیں جن کو درست کرنا ہماری دسترس میں ہو گا اور ہم انہیں درست بھی کر دیں گے لیکن بعض کا حل ہمارے قابو سے باہر ہو گا۔ ہم صرف یہ وعدہ کر سکتے ہیں کہ ان معاملات میں ہم اپنی انتہائی کوشش صرف کر دیں گے۔ اور نتیجہ خدائے تعالیٰ پر چھوڑ دیں گے۔ لہٰذا آپ ہمارے کام کو جانچتے وقت زندگی کی ان سنگین حقیقتوں کو ضرور اپنے ذہن میں رکھیں۔

سول اداروں سے کام لیا جائے گا

میری تجویز ہے کہ مارشل لاء پر عمل درآمد میں سول اداروں سے زیادہ تر کام لوں' اس معاملہ میں مسلح افواج سے جہاں تک ممکن ہو گا کم کام لیا جائے گا۔ زیادہ تر وہ اپنے اصل کام یعنی بیرونی خطرات سے دفاع مملکت کا فرض ادا کرتی رہیں گی۔ مارشل لاء کے ضوابط تیار کئے جائیں گے جن کے تحت سرکاری عہدیداروں میں عناد اور نا اہلی' ہر طرح کی رشوت یا بددیانتی' ذخیرہ اندوزی' اسمگلنگ یا چوربازاری اور کئی دوسری قسم کی سماج دشمن اور ملک دشمن سرگرمیوں سے متعلق معاملات پر موجودہ قوانین کو سخت کر دیا جائے گا۔ ان معاملات پر سختی کے ساتھ کارروائی کی جائے گی۔ بالفاظ دیگر ہر قسم کے بدکرداروں کی بدکرداریاں پوری قوت کے ساتھ ختم کر دی جائیں گی

تاکہ قانون کا احترام کرنے والے شہریوں کے لئے پاکستان کو محفوظ کیا جاسکے۔

سول اداروں سے خطاب

چونکہ مارشل لاء پر زیادہ تو سول اداروں کے ذریعہ عمل ہو گا اس لئے میں ان سے کہتا ہوں کہ اس کٹھن اور شاید ناخوشگوار فرض کو ایمانداری اور انصاف پسندی اور وفاداری کے ساتھ انجام دیں۔ انہیں اپنی کار گزاری دکھانے کا یہ بہترین موقع ہے اس پر عمل کیجئے اور اپنی اہلیت کا رہم کو دکھایئے' آپ کی خدمات شاندار روایات کی حامل ہیں ان روایات کو دوبارہ قائم کیجئے اور اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیجئے اور اس ام میں آپ کو مسلح افواج کی حمایت حاصل ہے۔ اس نازک وقت میں مسلح افواج کے لئے یہ زیادہ ضروری ہے کہ بیرونی حملہ کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہیں۔ لیکن وہ اس بات سے خوب واقف ہیں کہ اگر بیرونی حملہ کو کامیابی کے ساتھ روکنا ہے تو اندرونی استحکام بھی بہت ضروری ہے۔

مارشل لاء کے سلسلہ میں فرائض انجام دینے کے لئے ان میں سے ممکن ہے کہ بعض کو بلایا جائے وہ فرائض خواہ کچھ بھی ہوں مجھے امید ہے کہ وہ انہیں وفاداری اور اہلیت کے ساتھ اور بلا پس و پیش انجام دیں گے۔ ان کا رویہ ہر وقت صحیح منظم اور غیر جانبدار رہنا چاہئے۔ کسی بھی چیلنج کا خواہ وہ کتنا ہی دقت آمیز ہو' مقابلہ کرنے کی ان کی صلاحیت پر مجھے پورا اعتماد ہے۔

انتشار پسندوں' سیاسی قوم پرستوں' اسمگلروں' چور بازاری کرنے والوں' اور معاشرہ دشمن ذلیلوں سے بھی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ سپاہی اور عوام تمہاری صورت سے بیزار ہیں اس لئے عافیت چاہتے ہو تو اپنی زندگی بدل دو ورنہ سزا اور یقینی سزا ملے گی اور اب کسی صورت میں بھی ان کو چھوڑا نہیں جائے گا۔ ہم ان کو جلد از جلد پکڑنے کی کوشش کریں گے۔

عزیز شہریو! میں نے تفصیل کے ساتھ آپ کو صورتحال سے آگاہ کیا ہے تاکہ شک وشبہات دور ہوں اور آپ پر یہ بات واضح ہو جائے کہ یہ انتہائی اقدام آپ کے مفاد میں اور پاکستان کے مفاد میں کیا گیا ہے۔ پوری انکساری کے ساتھ ہم کو قادر مطلق کے سامنے یہ عہد کرنا چاہئے کہ وہ ایک بہتر مستقبل کی طرف ہماری رہنمائی کرے تاکہ اس آزمائشی دور سے نکل کر' ہم ایک مضبوط' مستحکم اور قوی و توانا قوم بن جائیں۔ آمین' پاکستان پائندہ باد۔

ضمیمہ

میجر جنرل اسکندر مرزا صدر پاکستان سے ۲۷ر اکتوبر ۱۹۵۷ء کو زبردستی جو استعفیٰ لیا گیا اس کا متن درج ذیل ہے اور اسکندر مرزا نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ ان سے سادہ کاغذ پر دستخط لئے گئے تھے۔

سکندر مرزا نے اپنے استعفے کا اعلان ان الفاظ میں کیا۔ "تین ہفتے ہوئے ہیں میں نے پاکستان میں مارشل لاء نافذ کیا اور جنرل محمد ایوب خان کو مسلح افواج کا سپریم کمانڈر اور مارشل لاء کا ناظم مقرر کیا۔ خدا کے فضل سے میرے اس اقدام کی جو میں نے اپنے محبوب ملک کے مفاد میں کیا تھا۔ ملک کے عوام نے اور بیرون ملک ہمارے دوستوں نے بے انتہا تعریف و تحسین کی۔ میں نے مارشل لاء کے نفاذ کے بعد جنرل ایوب خان اور ان کی انتظامیہ کو مزید ابتری کو روکنے اور بدنظمی اور انتشار کو ختم کر کے نظم و ضبط قائم کرنے میں پوری مدد دی۔ ہم نے ملک کے آئندہ نظم و ضبط کے لئے موثر ڈھانچہ قائم کرنے کی جو مساعی کیں اور گزشتہ تین ہفتوں میں ہمیں جو تجربہ حاصل ہوا اس کی بنیاد پر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ (۱) اس انتہائی اہم نوعیت کی مہم کی موثر تکمیل کے لئے دہرے کنٹرول سے زیادہ نقصان دہ کوئی چیز نہیں ہو سکتی اور (۲) ملک کے اندر اور باہر بہت سے لوگوں کے دلوں میں یہ تاثر موجود ہے کہ میں اور جنرل ایوب خان ہمیشہ باہم تعاون نہ کر سکیں گے۔ مجھے یہ شدید احساس ہے کہ اگر اس قسم کے تاثر کو باقی رہنے دیا گیا تو اس سے ہمارے مقصد کو انتہائی نقصان پہنچے گا۔ اس لئے میں نے الگ ہو جانے اور تمام اختیارات جنرل ایوب خان کو سپرد کر دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ میں جنرل ایوب خان اور ان کے ساتھیوں کی بہترین کامیابی کے لئے دعا مانگتا ہوں۔ پاکستان زندہ باد۔

اسکندر مرزا کے استعفے کے بعد مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح نے ۲۸ر اکتوبر ۱۹۵۸ء کو درج ذیل بیان اخبارات کو جاری کیا۔

میجر جنرل سکندر مرزا تین سال تک اس مملکت کے سربراہ رہے۔ اس عرصے میں وہ ملک کا کوئی مسئلہ حل نہ کر سکے اور ملک سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے خطرے کے کنارے تک پہنچ گیا۔ عوام کو بے بس تماشائیوں کی حیثیت دے دی گئی اور انہیں زبردست مشکلات اور ہر قسم کے سماجی عوارض کا نشانہ بنایا گیا۔ ایوب خان کے تحت ایک نئے دور کا آغاز ہوا ہے۔ پاکستان کی فوجوں نے انتظامی بحران اور کارروائیوں کا قلع قمع کر کے اور اعتماد تحفظ اور سماجی استحکام کا احساس پیدا کر کے بالآخر ملک کے کو پھر معمول پر لانے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ میرے دعا ہے کہ خدا ہماری افواج کو یہ مقصد حاصل کرنے کی فراست اور استقامت عطا فرمائے۔ (کتاب "مارشل لاء سے مارشل لاء تک" سے اقتباس)

ضمیمہ

چین کے وزیر اعظم چوائن لائی نے بھٹو سے ایک بار کہا تھا' "آپ اتنی تیزی سے کیوں آگے بڑھ رہے ہیں۔ اقتدار میں آنے کے دو ہی سال کے دوران زرعی اصلاحات "نیشنلائزیشن" جنرلوں کی برطرفی اور بدعنوان نوکر شاہی کی تطہیر۔ کیا عوام اتنی تیزی سے آپ کے ساتھ چلیں گے۔ میرے خیال میں آپ کو ذرا آہستہ چلنا چاہیئے۔

بھٹو نے جواب دیا۔ "مجھے نہیں معلوم کہ میرے پاس کتنا وقت ہے۔ اس لئے میں جلد از جلد عوام کی بھلائی اور ملک کے مستقبل کے لئے چند بنیادی اور بڑے کام نمٹا دینا چاہتا ہوں کیونکہ ہمارے جیسے تیسری دنیا کے ترقی پذیر ممالک میں فوج کا اقتدار پر قبضہ کرنے کا خطرہ ہر وقت منڈلاتا رہتا ہے۔ چوائن لائی نے میری بات سے اتفاق کیا اور کہا یقیناً آپ کو اس قسم کا خطرہ درپیش ہے" (مرحوم ذوالفقار علی بھٹو اور آنجہانی چوائن لائی کے درمیان ہونے والی اس گفتگو کا حوالہ یحییٰ بختیار نے ہفت روزہ معیار کراچی شمارہ ۲۲ تا ۲۹' ۱۹۷۹ء کو ایک انٹرویو کے دوران دیا)

ضمیمہ

۲۸ر اپریل ۱۹۷۷ء کو اخبارات میں مسلح افواج کے سربراہوں کا درج ذیل بیان شائع ہوا۔

راولپنڈی ۲۷ر اپریل (اپ پ/پ پ ا) جوائنٹ چیف آف اسٹاف کمیٹی کے چیئرمین اور بری' بحری اور فضائی افواج کے سربراہوں نے اعلان کیا ہے کہ مسلح افواج اپنی آئینی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے متحد ہیں۔ انہوں نے کہا کہ دفاعی افواج سمیت ہر محب وطن شہری نے گزشتہ چھ ہفتوں کے واقعات کو گہری تشویش سے دیکھا ہے۔ مسلح افواج کے کردار اور ذمہ داریوں کے بارے میں اگر کوئی غلط فہمی ہے تو وہ دور ہو جانی چاہیئے۔ انہوں نے کہا کہ نظریاتی مملکت کے اصولوں سے انحراف نہیں ہونے دیا جائے گا۔ آج راولپنڈی میں وزارت دفاع کے ایک ترجمان نے کہا کہ جوائنٹ چیف آف اسٹاف کمیٹی کے چیئرمین جنرل ایم شریف' چیف آف آرمی اسٹاف جنرل ضیاء الحق چیف آف نیول اسٹاف ایڈمرل محمد شریف اور چیف آف ایئر اسٹاف ایئر چیف مارشل ذوالفقار علی خان نے اس بات کی توثیق کی ہے کہ مسلح افواج حکومت کی جانب سے عائد ہونے والی اپنی آئینی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے متحد ہیں۔ ترجمان نے کہا کہ اگر رائے عامہ کے کسی طبقہ میں ملک کی مسلح افواج کے کردار اور فرائض و ذمہ داریوں کے بارے میں کوئی غلط فہمی ہو تو وہ دفاعی افواج کے عزم کی اس توثیق سے دور ہو جانی چاہیئے۔ وزارت دفاع کے ترجمان نے کہا کہ جوائنٹ چیفس آف اسٹاف کمیٹی کے چیئرمین اور تینوں افواج کے سربراہوں نے اپنے عہد کا اعادہ کرتے ہوئے کہا کہ دفاعی افواج سمیت پاکستان کے ہر محب وطن شہری نے گزشتہ چھ ہفتوں کے واقعات کو گہری تشویش اور دکھ کے ساتھ دیکھا ہے۔ فوجی ضابطہ کی مدد سے سپاہیوں' ملاحوں اور ایئرمینوں کو سیاسیات سے کوئی واسطہ رکھنے کی ممانعت ہے لیکن جب بیرونی جارحیت یا داخلی تخریب کاری کے باعث ملک کی سالمیت کو خطرہ لاحق ہو تو اس

کے تحفظ کے لئے افواج کو جو قوم کا ایک حصہ ہیں تیار رہنا ہوتا ہے۔ مسلح افواج کو بالخصوص ایسے وقت تیار و چوکس رہنا ہوتا ہے جب داخلی انتشار اور اس سے پیدا ہونے والے عدم استحکام کی حالت میں موقع پرست بیرونی عناصر کو فائدہ اٹھانے کی شہ ملتی ہو۔ ہم یہ بات قطعی طور پر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ پاکستانی فوج، بحریہ اور فضائیہ موجودہ قانونی حکومت کی حمایت میں اپنی آئینی ذمہ داریاں پوری کرنے اور ان کے افسروں اور جوانوں نے جان تک کی بازی لگا کر ملک کی آزادی کا دفاع کرنے کا جو عہد کیا ہے اسے پورا کرنے کے لئے مکمل طور پر متحد ہیں۔ بابائے قوم نے مملکت کو جو بنیادی اصول دیئے ہیں ہم ان پر قائم رہنے کے پختہ عزم کا اعادہ کرتے ہیں ہمیں اپنے مستقبل اپنے عمل میں اتحاد اور اپنی صفوں میں ڈسپلن پر پورا الیقین ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ ہم اس بات کو یقینی بنانے میں کامیاب ہوں گے کہ ہماری نظریاتی مملکت کے اصولوں کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے۔ اس مقدس فریضہ کی انجام دہی میں ہم زندگی کے ہر شعبہ اور تمام مکاتب فکر کے پاکستانیوں کی مدد اور تعاون کے خواستگار ہیں۔

افواج پاکستان کے ٹینک صدر پاکستان چوہدری فضل الٰہی کو سلامی دیتے ہوئے گزر رہے ہیں۔ صدر پاکستان کے برابر میں وزیر اعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کھڑے ہوئے ہیں ان کی پشت پر افواج پاکستان کے سربراہ بشمول جنرل ضیاء الحق موجود ہیں۔

ضمیمہ

مرحوم جناب ذوالفقار علی بھٹو نے ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کو قوم سے خطاب کا تھا۔ ان کی فی البدیھہ انگریزی تقریر کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے۔

میرے عزیز ہموطنوں! عزیز دوستو۔ عزیز طلباء۔ مزدورو۔ کسانو۔ نوجوانو۔ پاکستان کیلیے جدوجہد کرنے والو۔ مزدوری کرنے والو۔ محنت کشو اور دستکارو! مجھے آپ لوگوں سے یہ کہنا ہے کہ میں آپ کی خدمت میں بڑی تاخیر سے حاضر ہوا ہوں اور ایک ایسے لمحے میں حاضر ہوا ہوں جو پاکستان کی تاریخ میں فیصلہ کن ہے۔ ہم اس وقت اپنی قومی زندگی کی نہایت ہی نازک صورتحال سے دوچار ہیں جو بلاشبہ خطرناک صورتحال ہے۔ ہمیں چھوٹے چھوٹے منتشر ٹکڑوں کو پھر سے یکجا کرنا ہے اور ایک نیا پاکستان بنانا ہے.........ایک خوشحال اور ترقی پسند پاکستان۔ ایسا پاکستان جس میں کسی قسم کا استحصال نہ ہو۔ وہ پاکستان جو قائداعظم کے پیش نظر تھا۔ وہ پاکستان جس کی تعمیر کیلیے برصغیر کے مسلمانوں نے اپنی عزت و آبرو اور اپنی جانیں قربان کی تھیں۔ وہ پاکستان بنے اور ضرور بنے گا۔ یہ میرا ایمان ہے اور مجھے بھروسا ہے کہ عوام کے صبر و تحمل' مفاہمت اور تعاون سے ہم اس ملک کو ایک مضبوط تر اور عظیم تر مملکت بنانے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ مجھے اس کے بارے میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے۔ میں آپ سے اس لئے مخاطب ہوں کہ مجھے آپ کی مدد درکار ہے۔ آپ کا تعاون درکار ہے۔ میں کوئی جادوگر نہیں ہوں۔ میں خطا کا پتلا انسان ہوں۔ اور آپ کے تعاون کے بغیر میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یقین کیجئے بلا آپ کے تعاون کے میں کوئی بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ لیکن آپ کا تعاون اور حمایت حاصل ہو جانے پر میں ہمالیہ سے بھی بلند تر ہوں۔ اس لئے مجھے آپ کے اشتراک اور تعاون کی بے حد ضرورت ہے۔ میرے عزیز ہموطنو! مجھے کچھ مہلت دیجئے۔ میں اپنی بھرپور کوشش کروں گا۔ میں اپنے وطن واپس آتے ہی اس وقت سے اس وقت تک مسلسل مصروف رہا ہوں۔ اس لئے میں آج کی اہم تقریر کیلیے پہلے سے کوئی مسودہ تیار نہ کر سکا۔ میں نے یہی فیصلہ کیا کہ میں اپنی بات فی الفور آپ تک پہنچادوں۔ میں مختلف مسائل پر آپ سے باتیں کروں گا اور ہو سکتا ہے کہ ایک مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے مجھے پہلی بات کو پھر دہرانا پڑے۔ کیونکہ میرے سامنے اس وقت چند نکات ہی ہیں' باقی آتے رہیں گے۔ میں آپ کو ناحق زحمت نہیں دیا کروں گا اور بار بار ریڈیو ٹیلیویژن پر نہیں آیا کروں گا۔ میں اسی وقت آؤں گا جب اس کی ضرورت ہوگی اور اس کا اعلان بھی اچانک ہی کیا جائے گا۔ اگر کبھی کسی پروگرام کو منسوخ کیا جائے تو ایسا بھی ہو گا لیکن یقین رکھئے کہ میں ناحق آپ کو زحمت کبھی نہیں دوں گا۔ ایسا جبھی ہو گا جب مجھے کسی اہم فیصلے کے بارے میں آپ کی تائید اور تعاون کی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ میں بغیر آپ کی تائید کے کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔ میں کسی حالت میں بھی عوام کی رائے کو نظرانداز نہیں کروں گا۔ میں کسی حالت میں بھی آپ کی منظوری کے بغیر کسی قسم کا کوئی اقدام کبھی نہیں کروں گا۔ مجھے کبھی کبھی آپ سے ضرور مشورہ کرنا پڑے گا کیونکہ آنے والے دنوں میں ہمیں مسائل کا خاصا لمبا سلسلہ طے کرنا ہے اور میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ ایک ایک منٹ قیمتی ہے اور

اب تک وقت ہمارے مخالف ہی رہا ہے۔ جیساکہ میں نے پہلے عرض کیا تھا۔ آج کی یہ گفتگو تو صرف میرے اور آپ کے درمیان ہی ہے کسی اور سے نہیں ہے۔ میرے سامنے کوئی اور ہے بھی نہیں۔ لیکن سبھی ہیں کیونکہ سبھی پاکستان کے عوام ہیں۔ ہاں تو پہلی بات جو میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ کاش میں آج کے دن زندہ نہ ہوتا۔ یقین کیجئے میں جو کچھ کہہ رہا ہوں صحیح کہہ رہا ہوں۔ اس لئے نہیں کہ جو کام میرے سپرد کیا گیا ہے وہ بہت مشکل کام ہے بلکہ جو حالات رونما ہوئے اور جو صورت اختیار کرتے چلے گئے اور ان کے جو نتائج نکلے ان کی وجہ سے مجھے ہرگز معلوم نہیں تھا کہ مجھے وہ دن دیکھنا پڑے گا جب ہندوستان کے وزیر دفاع مسٹر جگ جیون رام وہ باتیں کہیں گے جو وہ آج کل کہہ رہے ہیں۔ لیکن مسٹر جگ جیون رام کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ انجام نہیں بلکہ آغاز ہے' دنیا کے نئے نظام کا آغاز۔ نئے حالات کا آغاز۔ انہیں ایک عارضی فوجی فتح پر زیادہ پھولنا نہیں چاہئے۔ برصغیر کی پوری تاریخ میں اس وقت سے لے کر جب مسلمانوں نے اس سرزمین پر قدم رکھا۔ محمد بن قاسم کے وقت سے لے کر اب تک کیا ہم نے کبھی ایسی مشکلات دیکھی تھیں؟ کیا کبھی ہم ایسے حالات سے دوچار ہوئے تھے جیسے کہ اب ہو رہے ہیں؟ لیکن اس برصغیر میں مسلمان ایک قابل فخر وراثت کے مالک ہیں۔ ہم نے خسارے بھی برداشت کئے ہیں بڑے بھاری خسارے برداشت کئے ہیں لیکن ان ناکامیوں سے فراغت حاصل کر کے' ان سے سبق لے کر ہم عوام کے تعاون سے ایک نئے عزم کے ساتھ پرامید ہو کر اپنے کام کا آغاز کریں گے۔

میرے عزیز دوستو۔ بہنو اور بھائیو! میں آپ سے صاف صاف کہنا چاہتا ہوں۔ کھلے دل سے کہنا چاہتا ہوں۔ میں کسی بدنیتی یا عناد سے نہیں کسی تلخی سے بھی نہیں کہہ رہا۔ ماضی تو خدا کے سپرد ہے مستقبل کا بھی مالک خدا ہی ہے۔ میں ایک اہم سی بات کہہ رہا ہوں۔ یہ بات بھی میں ایک فرد کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک پاکستانی کی حیثیت سے کہہ رہا ہوں جو ایک عظیم نصب العین پر یقین رکھتا ہے میں ناحق کی لفاظی بھی نہیں کروں گا۔ ایسی لفاظی سے ہمیں بہت سابقہ پڑ چکا ہے مجھے قوم نے ایسے نازک وقت میں طلب کیا جب کہ ہم اپنی تباہی کی اتھاہ گہرائیوں کے کنارے تک پہنچ چکے تھے' تاکہ میں یہاں آکر صدر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے قوم کی قیادت کروں۔ لیکن اس فرق کے ساتھ میں عوام کا منتخب نمائندہ ہوں میں کسی ذاتی لالچ کی وجہ سے عوام پر مسلط نہیں کیا گیا ہوں۔ میری آواز پاکستان کے عوام کی مستند آواز ہے۔ صرف اس عہدے کی وجہ سے نہیں بلکہ آپ کے اس فیصلے کی رو سے جس کی بنا پر آپ نے مجھے پچھلے قومی انتخابات میں منتخب کیا تھا۔ یہی نمایاں امتیاز ہے۔ میرے مخالفین کہتے ہیں کہ میں اقتدار کا بھوکا ہوں۔ میں اقتدار کا بھوکا ہوتا تو تاشقند میں ہی سمجھوتا کر لیتا اور پھر اپنے عوام کی طرف لوٹ کر نہ آتا۔ میں جمہوریت کی بحالی کیلئے ساڑھے پانچ سال تک جدوجہد کرتا رہا ہوں اور یہ کوئی معمولی جدوجہد نہیں تھی۔ میں نے جیلیں کاٹیں۔ میری پیٹھ پر اب تک لاٹھی چارج کی لاٹھیوں کے نشانات ہیں۔ میں آنسو گیس کا بھی نشانہ بنا اور اس کا بھی شکار ہوا اور مجھے جان سے مار ڈالنے کیلئے پانچ جانکاہ حملے بھی سہنا پڑے۔ لیکن میں ہر حالت میں اور ہمیشہ اپنے عوام کے ساتھ رہا۔ مجھے حکمران طبقے اور افسر شاہی سے اور ملک کی اہم شخصیتوں سے ہمیشہ الگ تھلگ رکھا گیا۔ اخبارات نے میرے خلاف طرح طرح کی غلط فہمیوں کو ہوا دی۔ میرے بیانات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا اور میرے اور میری پارٹی کے خلاف باقاعدہ مہم چلائی گئی محض اس لئے کہ ہم جمہوریت کی بحالی اور سماجی

انصاف کے قیام کیلئے جدّوجہد کر رہے تھے۔ مفاد پرست عناصر نے مجھ پر اپنے ترکش کا ہر ایک تیر چلایا۔ ہمیں کافر تک کہا گیا جو ایک مسلمان کی بد ترین توہین ہو سکتی ہے اور آج میں آپ سے صرف پاکستانی کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک مسلمان کی حیثیت سے بھی مخاطب ہوں۔ یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا ہے کہ ہم اصلاح چاہتے تھے۔ ہم حالات کو سدھارنا چاہتے تھے اور مٹھی بھر لوگوں کی اس ناپائیدار اور قابل نفرت ٹھیکیداری کو ختم کرنا چاہتے تھے جو عوام کی ترقی کی راہ میں روڑے اٹکاتی رہتی ہے اور دیکھ لیجئے آج ہم کس حد تک پہنچ چکے ہیں۔ آج اس کا نتیجہ خود ہی دیکھ لیجئے۔ کیا یہی نتیجہ حاصل کرنے کیلئے ہم کو جنگیں کرنی پڑیں تھیں؟ کیا حقیقت کو پا لینے کیلئے جو آج نہیں تو کل بہر حال ظاہر ہو کر رہتی ہمیں اس روسیاہی کا منہ دیکھنا پڑا؟

عزیز دوستو' اور عزیز ہموطنو! میں آج آپ سے آپ کے نمائندہ کی حیثیت سے گفتگو کر رہا ہوں اور آپ کو تہہ دل سے یقین دلاتا ہوں اور میرا آپ سے یہ وعدہ ہے کہ میں جمہوریت بحال کروں گا مجھے صدر اور چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کے حقوق دیئے گئے ہیں۔ میں مارشل لاء کو جب تک اس کی ضرورت ہے اس کے بعد ایک دن ایک منٹ ایک سیکنڈ کیلئے بھی گوارا نہیں کروں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ ہماری سوسائٹی شاداب اور خوشحال ہو اور قومی مسائل میں ہر کام میں پہل کرنے کا اختیار عوام کو حاصل ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ گھٹن ختم ہو اور عوام آزادی کا سانس لیں۔ مجھے احساس ہے کہ آمریت کے بوجھ تلے دبے رہنا اور ایسی خود غرض اور متلون حکومتوں کے تحت زندگی بسر کرنا کیا معنی رکھتا ہے جو بنیادی حقوق کے بارے میں بھی اپنے من مانے فیصلے کرتی رہیں۔ مہذب ملکوں کے انتظام اس طرح نہیں چلائے جاتے۔ تہذیب کا مطلب ہے سول قانون' عوامی ادارے اور جمہوریت۔ پاکستان کا ہر ادارہ یا تو تباہ کیا جا چکا ہے یا تباہی کے قریب پہنچایا جا چکا ہے اسی لئے آج ہماری یہ درگت بنی ہوئی ہے۔ ہمیں جمہوریت کو' اپنے عوامی اداروں کو اور عوام کے اعتماد اور ایک روشن مستقبل کی امیدوں کو از سرنو بیدار کرنا اور ترتیب دینا ہے۔ ہم کو ایسے حالات پیدا کرنے ہیں جن میں ایک آدمی بھی اٹھ کر مجھ سے یہ کہہ سکے۔ میں تمہیں نہیں مانتا۔ میں تمہیں پسند نہیں کرتا تم جہنم میں جاؤ۔ ہمیں ایک ایسی حکومت بنانی ہے جو عوام کے سامنے جواب دہ ہو۔ کیونکہ جوابدہی کے بغیر کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے یقین کیجئے کہ میں جمہوریت کو بحال کرنے' عوام کیلئے آئین بنانے اور ان کو قانون کا راج دینے کا پورا پورا ارادہ رکھتا ہوں۔ میں یہ کر کے رہوں گا اور ضرور کر کے رہوں گا۔ میں قوم کو کسی قسم کی اور کسی فرد کی ذاتی حرص و طمع کا شکار بنتے نہیں دیکھ سکتا۔ ہم اس کی کافی سزا بھگت چکے ہیں اور اب زیادہ برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن چونکہ ہم اس وقت نہایت ہی نازک مرحلے پر کھڑے ہیں اس لئے مجھے امید ہے کہ آپ مجھے اس منزل پر پہنچنے کیلئے مہلت دیں گے۔ میں ملکی مفاد کا نقصان کر کے' اس کو کسی طرح کا حرج واقع کر کے زیادہ وقت نہیں لوں گا۔ میں نے کچھ وعدے کر رکھے ہیں۔ یہ وعدے ضرور پورے کئے جائیں گے۔ ایک وعدہ جمہوریت کی بحالی کا ہے۔ اس لئے جمہوریت کو بحال کیا جائے گا اور قوم کو آئین بھی دیا جائے گا۔ میں صرف اسکیمیں بنا بنا کر پیش نہیں کیا کروں گا۔ ایسی کتنی اسکیمیں پہلے ناکام ہو چکی ہیں اور نہ ہر چار مہینے کے بعد ایک نئی اسکیم دینے کیلئے آپ سے خطاب کیا کروں گا۔ میں آپ سے صرف اسی وقت خطاب کروں گا جب اس کی ضرورت ہوگی۔

آج میری دلی ہمدردیاں ' سب دوستوں کی دلی ہمدردیاں اپنے مشرقی پاکستان کے عوام ' اپنے بھائیوں کے ساتھ ہیں۔ مشرقی پاکستان۔ پاکستان کا ناقابل تقسیم جزہے اسے کبھی بھی پاکستان سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

مشرقی پاکستان کے دلاور عوام نے پاکستان کے قیام میں زبردست حصہ لیا۔ ان کی مدد کے بغیر پاکستان کبھی قائم نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ ہمارے ملک کی اکثریت ہیں اور مجھے پورا پورا یقین ہے کہ وہ پاکستان میں شامل رہنا چاہتے ہیں۔ میں ان سے اپیل کرتا ہوں کہ ہمیں بھولیں نہیں بلکہ اگر ہم سے کچھ خطائیں ہوئی ہوں تو ہمیں معاف کر دیں میں اپنی دلیر مسلح افواج سے جنہوں نے مشرقی پاکستان میں داد شجاعت دی ' یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے دل آپ کے ساتھ دھڑک رہے ہیں۔ آپ جرات مند رہیں۔ جیسا کہ آپ ہمیشہ رہے ہیں اور ان وقتی تکلیفوں کا مردانہ وار مقابلہ کریں جب تک ہم آپ کی عزت و آبرو کو حاصل نہیں کر لیتے ہم ایک لحہ کیلئے بھی چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ آپ کی وابستگی ہم سے ہے۔ ان علاقوں میں آپ کی وابستگی ہے جہاں میری پارٹی کو بھاری اکثریت حاصل ہوئی۔ آپ ہم سے قریب ہوں یا چاہے کتنی دور ہوں آپ ان لوگوں سے بھی زیادہ قریب ہیں جو کہ اس وقت میرے نزدیک کھڑے ہیں۔ ہمت بلند رکھئے۔ ہمارے دل اور روح ہر وقت اور ہر لحظہ آپ کے ساتھ ہیں یہ صرف خالی الفاظ ہی نہیں ہیں۔ آپ لوگ بہادر ہیں۔ آپ دلیر اور جانباز ہیں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ خدارا یہ نہ سمجھئے کہ ہم آپ کو چھوڑ چکے ہیں۔ ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ ہمیشہ آپ کے ساتھ رہیں گے۔ اگر آپ ہارے تو ہم سب آپ کے ساتھ ہاریں گے۔ ہم سے جدا رہ کر اکیلے آپ کی ہار کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ میرے الفاظ یاد رکھئے اور اپنے دلوں میں نقش کر لیجئے کہ جو کچھ بھی ہمارے امکان میں ہے ' ہم اس سے ہرگز ہرگز دریغ نہیں کریں گے۔ میں نے بھی اپنے عہدے کا چارج لیا ہے۔ لیکن میں اس کی پوری کوشش کروں گا کہ حالات آبرومندانہ طریقے پر نارمل ہو جائیں۔ آپ کی عزت و توقیر پر حرف نہ آنے پائے۔ کیونکہ آپ کی بے آبروئی ہماری سب کی بے آبروئی ہے اور ہم جان توڑ کوشش کریں گے کہ اسے حاصل کرنے کیلئے ایک لحہ بھی ضائع نہ ہونے پائے۔ میں یہاں ان تدابیر کی اور تجویزوں کی وضاحت نہیں کرنا چاہتا کیونکہ اس سے غیروں کو کچھ اشارے مل جائیں گے۔ مشرقی پاکستان میں جن لوگوں نے پاکستان کے نظریئے کی حمایت کی ' ان سے مجھے یہی کہنا ہے کہ آپ ثابت قدم رہیں اور اس کیلئے بہادری کے ساتھ جدوجہد کرتے رہیں کیونکہ نظریہ پاکستان روز بروز قوی ہوتا جائے گا۔ بھارتیوں کے غاصبانہ تسلط کو شدت سے محسوس کیا جارہا ہے۔ آپ یقین کریں کہ نظریہ پاکستان ہی مسلم بنگال کی صحیح اور سچی ترجمانی کرتا ہے۔ مسلم بنگال ہمیشہ پاکستان کا حصہ رہا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ برصغیر میں ہندو کے تسلط کے زیر اثر مسلم بنگال اپنے کردار کو ہمیشہ برقرار رکھے گا اور ہم ہر قیمت پر مسلم بنگال کو پاکستان کا جز بنا کر رہنے دیں گے۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کے مابین تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے میں یہ ضرور کہوں گا کہ اس میں ہم سے کچھ غلطیاں ضرور سرزد ہوئی ہیں۔ یہ غلطیاں کیا تھیں اور کہاں اور کب واقع ہوئیں اور کون کون ان غلطیوں کا مرتکب ہوا ' میں اس موقع پر ان سب باتوں کی تفصیل بیان نہیں کر سکتا لیکن اگر غلطیاں ہوئی بھی ہیں تو ان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں یا اسے تباہ کر دیا جائے! میں بنگال کے لیڈروں اور عوام سے ملنے کیلئے مناسب موقع کی تلاش میں ہوں تاکہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان کوئی مفاہمت پیدا کی جا سکے ' یہ بلاشبہ بیرونی تسلط کے بغیر ہوئی

چاہئے۔ ہمیں یہ موقع ملنا چاہئے تاکہ ہم دو ایسے بھائیوں کی طرح باہمی مفاہمت پیدا کر لیں جو گزشتہ چوبیس سال سے اکٹھے رہ رہے ہیں اور اپنے مخصوص حالات میں یقیناً رہتی دنیا تک اکٹھے ہی رہیں گے لیکن اس کیلئے لازمی ہے کہ ہمیں آپس میں مفاہمت کیلئے گفت وشنید کا موقع ضرور دیا جائے۔ ایسی مفاہمت جو متحدہ پاکستان کی بنیاد پر ہو۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم اپنے آئندہ معاملات کے ہر ہر پہلو پر پوری طرح بنا مشروط غور وخوض کرنے کو تیار ہیں۔ صرف ایک شرط ہے وہ یہ کہ یہ گفت وشنید ایک پاکستان 'ایک متحدہ پاکستان کی بنیاد پر ہو' اس کے خاکے میں چاہے کتنی ہی لچک کیوں نہ ہو..... خاکے میں اس لچک کے باوجود میں پھر پاکستان کی وحدت پر زور دوں گا اور اس بات پر بھی زور دوں گا کہ مفاہمت مشرقی اور مغربی پاکستان کے لیڈروں اور عوام کے درمیان ہونی چاہئے۔ یہاں میں پھر واضح کر دوں کہ یہ مفاہمت بیرونی مداخلت اور بیرونی تسلط کی فضا میں نہیں ہو سکتی۔ جب تک ہندوستان کی فوجیں میرے ملک کے ایک حصے پر قابض ہیں' میں ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتا ہندوستانی فوجوں کو مشرقی پاکستان خالی کرنا پڑے گا تاکہ ہم آپس میں گفت وشنید کا سلسلہ شروع کر سکیں۔ یہ ہماری پہلی شرط ہے۔

ہندوستان کا دعویٰ ہے کہ وہ تسلط جمانے نہیں آیا بلکہ بنگال کو آزاد کرانے آیا ہے چنانچہ مسلم بنگال پر ہندوستان کا تسلط فوراً ختم ہو جانا چاہئے۔ دنیا کے ۱۰۴ ملکوں نے پاکستان کے موقف کی تائید کی ہے۔

میرے عزیز ہموطنو! آپ اس کا خیال دل میں ہرگز نہ لائیں کہ ہمیں کسی قسم کی شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے یا ہمیں فتح حاصل نہیں ہوئی ہے۔ ہمیں فتح حاصل ہوئی ہے اس لئے کہ سیاسی سطح پر فتح فوجی فتح سے عظیم تر ہوتی ہے۔ فوجی فتوحات آتی جاتی رہتی ہیں۔ سیاسی مصالحت بیرونی تسلط سے زیادہ پائیدار ثابت ہوتی ہے اس کی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ کبھی جرمن ماسکو کے دروازے تک پہنچ گئے تھے اور جاپانیوں نے منچوریا اور چین لے لیا تھا۔ دنیا کے ۱۰۴ ممالک کی تائید پاکستان کے حق میں بین الاقوامی رائے شماری کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ ایک طرح سے بین الاقوامی الیکشن تھا۔ ہندوستان ہمارے ۱۹۷۰ء کے الیکشن کی بات کرتا ہے۔ میں تو ۱۹۷۰ء کے الیکشن پر ہرگز نادم نہیں ہوں کیونکہ ان ہی انتخابات میں میری پارٹی ملک کے اس حصے میں فتحیاب ہوئی۔ ہندوستان مشرقی پاکستان میں ان انتخابات کا بہانہ بنا کر وہاں کے عوام کی رائے کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنا چاہتا ہے لیکن بین الاقوامی رائے پر کوئی توجہ نہیں دیتا۔ مشرقی پاکستان کے انتخابات کو ہندوستان نے ایک حیلہ بنا رکھا ہے وہ تارکین وطن کی آڑ میں میرے ملک پر حملہ آور ہوا ہے ہم نے یہ کبھی نہیں کہا کہ ہم اپنے باشندوں کو واپس لینا نہیں چاہتے۔ لیکن ہندوستان انہیں اپنی توپوں اور سنگینوں پر بٹھا کر واپس لانا چاہتا تھا وہ اسی طرح انہیں واپس لے کر بھی آیا۔ اور میں یہاں اپنے مشرقی پاکستانی بھائیوں سے یہ کہوں گا کہ یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے اور اندیشہ ہے کہ اس صورتحال میں اضافہ ہی ہوتا رہے گا۔ ہندوستان فوجی حکومت سے گفت وشنید کیلئے تیار نہیں تھا۔ ہندوستان کوئی فوجی تصفیہ بھی نہیں چاہتا تھا۔ وہ تو صرف سیاسی تصفیہ چاہتا تھا لیکن اس نے فوجی تصادم کا راستہ اختیار کیا۔ اگر ہم اندرون ملک فوجی تصفیہ کرنے میں ناکام رہے ہیں تو یہ بات بھی یقینی ہے کہ ہندوستان کبھی بھی اپنی حدود سے باہر فوجی تصفیہ حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان کو مشرقی پاکستان میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ اسے یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ پاکستان کے عوام اور برصغیر کے مسلمانوں میں عارضی فوجی فتح پر بددلی نہیں پھیلائی جا سکتی۔ ہندوستان کو محض اس

بناپر گھمنڈ نہیں کرنا چاہئے کہ اس نے اپنی کثیر فوجی طاقت سے مشرقی پاکستان پر قبضہ کر لیا ہے ہم اپنی حمیت اور ملکی سالمیت کیلئے ہمیشہ لڑتے رہیں گے۔ یہ ہماری پہلی لڑائی نہیں ہے۔

ہندوستان کے سامنے دو راستے ہیں یا تو وہ صداقت اور انصاف کے اصول مان لے یا پھر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ایک جری دشمن کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہو جائے کیونکہ پاکستان کے عوام کے عزم و استقلال اور ہمت کا سودا کسی قیمت پر نہیں کیا جاسکتا۔ چاہے عالمی حالات کچھ بھی ہوں۔ ہماری متحدہ پاکستان کیلئے جنگ جاری رہے گی۔

ہم مشرقی پاکستان کے مسلمان بنگالی بھائیوں کے ساتھ باعزت اور منصفانہ مصالحت کیلئے تیار ہیں۔ ایسی مصالحت کیلئے جس کی بنیاد ملک کے دونوں حصوں کے عوام کی خواہشات پر ہوں لیکن شرط وہی ہے کہ گفت و شنید آزادانہ طور پر ہمارے دونوں بازوؤں کے درمیان ہو۔

اب میں آئین کے بارے میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ ہمیں اپنے ملک کو قانون کا تحفظ دینا ہے۔ یہ دستور میرا نافذ کیا ہوا نہیں ہوگا۔ کیونکہ میں عوام کا منتخب نمائندہ ہوں، میں عوام کا خادم ہوں۔ میں پاکستان کے عوام کو جانتا ہوں۔ میں ان کے ساتھ رہتا ہوں۔ میں ان کے جذبات سے واقف ہوں۔ میں جانتا ہوں۔ ان کے دل میں کیا ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ میں کھوکھلے دعوے نہیں کر رہا ہوں۔

میرے عزیز دوستو، بھائیوں اور بہنو! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جو دستور میں پیش کروں گا وہ آپ کے تقاضوں اور آپ کی ضرورتوں کے عین مطابق ہوگا۔ یہ بہت جلد ہو جائے گا لیکن مجھے تھوڑی سی مہلت دیں تاکہ میں کچھ ابتدائی مسائل طے کر سکوں اور بیرونی صورتحال سے نپٹ سکوں۔ کیونکہ جواب دہی کے فقدان ہی نے ان پریشان کن حالات سے دوچار کیا ہے۔ ہم جنگ نہیں ہارے ہم ناکام نہیں ہوئے ہیں۔ ہمیں ناکام بنا دیا گیا ہے۔ پاکستان کے عوام اور پاکستان کے فوجیوں کیلئے ندامت کی ہرگز ہرگز کوئی بات نہیں ہے۔ ہمارے فوجی بڑی بہادری سے لڑے ہیں۔ ہمارے عوام بڑی دلیری سے لڑے ہیں۔ یہ نہیں کہ ہم میں جرات کی کمی تھی۔ ہم تو اپنے نظام کی خرابی کا شکار ہوئے ہیں۔ ہمارے فوجیوں اور عوام کو مشرقی پاکستان میں جو کچھ پیش آیا، ڈنکرک کا سانحہ بھی اس کے سامنے ہیچ ہے۔ مغربی ممالک کا پریس ہمارے خلاف ہے اور اب بھی ہمارے خلاف لکھ رہا ہے لیکن ہمیں اس کی پروا نہیں۔ صداقت کا بول بالا ہو کر رہے گا۔ صداقت یہ ہے کہ پاکستان کے سپاہی دنیا کے بہترین سپاہیوں میں سے ہیں۔ یہ صرف میری رائے نہیں، یہ ایک بہت بڑے برطانوی جرنیل کی رائے ہے جس نے یہ کہا کہ اس نے پاکستان کے فوجی سے بہتر یا دہ سپاہی کبھی نہیں دیکھے، کہیں نہیں دیکھے۔ ہمت نہ ہاریئے۔ میں اپنے مسلح فوج کے نوجوانوں، دوستوں اور جوانوں سے وعدہ کرتا ہوں کہ ہم ان کی عزت و ناموس کو بحال کر کے رہیں گے۔ ہم بدلہ لیں گے اور آپ خود دیکھ لیں گے کہ ہم نے اس عارضی سبکسری کے زخم کو کس طرح مندمل کیا ہے۔ یہ اسی صورت میں ہوگا کہ اگر ہندوستان انتقامی کارروائی سے باز نہ آیا اور حق و انصاف کے تقاضوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے پاکستان کے حقوق کی بحالی میں عدم تعاون کی راہ میں اسی طرح چلتا رہا۔ مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں ہے کہ ہماری قوم کو جھوٹ اور افواہ پردازی سے بہلایا پھسلایا جاتا رہا ہے۔ فریب کاری پوری قوم کا معمول بنی رہی ہے۔ ہمیں گمراہ کیا گیا ہے۔ میں اس ضمن میں مزید کچھ کہنا نہیں چاہتا لیکن وقت آنے پر میں آپ پر ساری حقیقت واضح کر دوں گا۔ اس وسیلے

سے بھی جس سے میں آپ سے مخاطب ہوں اور عوامی رابطے سے بھی' میں یہ ساری حقیقتیں آپ کے روبرو پیش کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میرے فیصلوں کی نوعیت کو ضرور سمجھیں گے۔ میں اقدام کرنے ہی والا ہوں۔ کیونکہ میں سیاسی خلا کو پر کرنا چاہتا ہوں اس سیاسی خلا کی وجہ سے ہمارے ملک کے بڑے حصے پر آج بیرونی تسلط ہے اور اسی بنا پر مشرقی پاکستان میں ہمیں ذلت آمیز طور پر ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا گیا اگر مشرقی پاکستان کے اندرونی حالات صحیح طور پر استوار کئے جاتے تو آج ہمیں یہ برا دن دیکھنا نہ پڑتا۔ اس سلسلے میں آپ یقین رکھئے کہ جب تک عنان حکومت میرے ہاتھ میں ہے میں بڑے بڑے اقدامات کروں گا۔ اقتصادی اور سماجی انصاف کے محاذ پر بھی جتنا جلد ممکن ہوا کارروائی شروع کر دوں گا تاکہ عام آدمی کا بوجھ ہلکا ہو اور معیشت میں توازن قائم ہو سکے۔ میں اس بات کا جلد از جلد بندوبست کروں گا کہ بددیانتی' اقربا پروری اور انتظامیہ کی بدنظمی کا سدباب کیا جائے۔ ایسی باتیں اس سے پہلے بھی بے پروائی سے کہی جاتی رہی ہیں۔ لیکن میں بددیانتی کے خاتمہ کیلئے سختی سے محاسبہ کروں گا۔ میں افسر شاہی کو خبردار کر دینا چاہتا ہوں کہ وہ اپنا فرض تندہی سے انجام دیں۔ میں چوبیس گھنٹے کام کر رہا ہوں اور میں یہ چاہوں گا کہ افسر شاہی بھی میری طرح دن میں چوبیس گھنٹے کام کرے۔ افسر شاہی کو ملمع سازی ختم کرنا پڑے گی۔ افسر شاہی کو اپنے رویہ میں تبدیلی لانا پڑے گی اور اسے قوم کا خادم بننا پڑے گا۔ میں بیورو کریسی کا مخالف نہیں ہوں۔ میں ایک ایسی بیورو کریسی چاہتا ہوں جو آزاد خیال ہو' فعال ہو' اور عوام کی خادم ہو۔ برطانوی روایات پر قائم کی ہوئی بیورو کریسی ہمیں نہیں چاہئے۔ میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ میں اچانک دوروں پر جایا کروں گا اور دفتروں کا معائنہ کیا کروں گا۔ آج رحیم یار خان' کل چترال' پرسوں میرپور خاص پھر لائل پور۔ میں کہیں بھی جا سکتا ہوں۔ میں یہ سب باتیں کسی مفاد کی بنا پر نہیں کر رہا۔ اگر ماضی میں کسی افسر نے میرے ساتھ کوئی بدسلوکی کی ہے یا قانون کے خلاف کوئی بھی کام کیا ہے' تو میں اسے بھلا چکا ہوں۔ آج سے ایک نئے باب کا اضافہ ہو رہا ہے۔

ملک کی فلاح بہبود کیلئے مجھے افسروں کا تعاون حاصل ہونا چاہئے۔ اس سلسلے میں میں پولیس کے بارے میں بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ پولیس ملامت کا نشانہ بنی رہی۔ اس میں کسی حد تک صداقت بھی ہے اور نہیں بھی۔ جہاں الزام غلط ہو وہاں پولیس کو سہولتیں مہیا کرنے کا مناسب بندوبست کیا جائے گا۔ مثلاً ان کے بچوں کی تعلیم' مکان اور دوسرے مسائل طے کئے جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ وسیع اختیارات اور سو روپے کے ساتھ ایک دیندار پولیس کہاں سے مل سکتی ہے اور ایسا کوئی پولیس مین کہاں دستیاب ہو سکتا ہے؟ ہم اس مسئلہ کی طرف مناسب وقتوں پر توجہ دیں گے۔ بیورو کریسی کی اصلاح بھی ہماری نظر میں ہے۔ ہم ان افسران کی عزت و تکریم کریں گے۔ جو ذہین اور ایماندار ہیں اور جو پاکستان کی خدمت کے جذبے سے سرشار ہیں۔ ہمیں ایسے بددیانت اور موقع پرست لوگوں کی ضرورت نہیں ہے جو قوم کا تانا بانا بکھیر دینا چاہتے ہیں۔

پولیس سے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جن عوامل نے آپ کو بددیانت بنایا ہے' ہم ان عوامل کا قلع قمع کر دیں گے لیکن آپ اپنے ظلم اور زیادتی کے رویہ سے بھی باز آجائیں۔ آپ کا فرض یہ ہے کہ ہر فرد کو قانون کا تحفظ ملے چاہے وہ کتنا ہی غریب کیوں نہ ہو۔ آپ عام آدمی کی عزت کریں۔ غریب کسان اور مزدور کو بہت ذلیل کیا گیا ہے۔ آج ساری قوم کی اس لئے تذلیل ہوئی ہے کہ پچھلے چوبیس سال میں عام آدمی کو ذلیل کیا گیا۔ میں اس تذلیل

کا فوراً خاتمہ کر دینا چاہتا ہوں۔ ہر فرد اپنی اپنی جگہ قابل احترام ہے۔ میں انصاف میں کسی کی کوئی سفارش نہیں مانوں گا۔ میرا کوئی عزیز یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں بھٹو کا رشتہ دار ہوں۔ میرا کوئی رشتہ دار نہیں ہے۔ میری کوئی فیملی نہیں ہے۔ پاکستان کے عوام میری فیملی ہیں۔ پاکستان کے عوام میرے بچے ہیں کوئی شخص میرے رشتہ داروں کے ذریعے مجھ تک سفارش نہیں پہنچا سکتا۔ میرے جاننے والوں اور میری پارٹی کے ذریعے بھی سفارش نہیں کی جا سکتی۔ میں یہ کبھی برداشت نہیں کروں گا کیونکہ میرا خاندان پاکستان کے سارے عوام ہیں۔ میرا چچازاد بھائی اپنی جگہ ایک حیثیت ضرور رکھتا ہے۔ وہ آکسفورڈ کا تعلیم یافتہ ہے' سمجھ دار ہے اور جیل بھی جا چکا ہے۔ چنانچہ اپنی صلاحیت کی بنا پر اسے عوام کی خدمت کا حق پہنچتا ہے مگر آپ یقین رکھئے کہ میری بیوی اور میرے بچے بھی یہ سمجھنے لگیں کہ وہ میرے عہدہ کا غلط فائدہ اٹھا سکتے ہیں تو یہ ان کی بھول ہوگی۔ ان کو بھی سب کی طرح اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہوگی۔ یہ بات سب کو ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ سفارش' بدعنوانی اور بدانتظامی کا قلع قمع کر دیا جائے گا اور اس کام کو سرانجام دینا ناممکن نہیں۔ میں عوام اور اپنی پارٹی سے یہ توقع کروں گا کہ وہ ان بدعنوانیوں کو ختم کرنے میں مجھ سے بھرپور تعاون کریں۔ مگر یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے معاشرتی اور معاشی نظام میں کچھ بنیادی تبدیلیاں فوراً عمل میں لائیں۔

ہم اپنے سماجی اور اقتصادی نظام کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ اس کیلئے کچھ وقت لگے گا۔ روم ایک دن میں نہیں بن گیا تھا مگر اس صورتحال سے کسی کو بلاوجہ ہراساں بھی نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ہمارا منشا عوام کی خدمت اور عوام کی بہبود ہے۔ ہم کسی کی جان کے درپے نہیں ہیں جو لوگ پاکستان کی ترقی میں مدد دے رہے ہیں' اس کیلئے کام کر رہے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ اپنی کوشش برابر جاری رکھیں ہم چاہتے ہیں کہ ملکی پیداوار بڑھے۔ میں کارخانوں کے دروازے کبھی بند نہیں کروں گا۔ میری یہ بھی کوشش ہوگی کہ بلاوجہ بیروزگاری پیدا نہ ہو۔ میں صنعت کاروں سے اپیل نہیں کروں گا بلکہ ان سے کہوں گا کہ وہ کارخانے کے دروازے مزدوروں پر کبھی بند نہ کریں۔ مزدوروں کو بے روزگار نہ کریں کیونکہ وہی ہمارے مالک ہیں' وہی کارخانوں کے مالک ہیں' میں مزدور طبقے سے صرف اتنا کہوں گا کہ وہ ذرا صبر تحمل سے کام لیں۔ ہم پوری کوشش کریں گے کہ ملک کے وسائل ملک کی دولت پیدا کرنے والوں کی تحویل میں دے دیئے جائیں۔ اس لئے ملک کی دولت پیدا کرنے والوں کو کسی قسم کا خوف و خطرہ نہیں ہونا چاہئے۔

ملک کے دستکاروں اور محنت کشوں سے بھی مجھے یہ کہنا ہے کہ آپ بے خطر ہو جائیں۔ آپ کا پاکستان آج سے وجود میں آ گیا ہے۔ ان لوگوں کیلئے اب کوئی اندیشہ کوئی خطرہ نہیں ہے جو محنت کرتے ہیں اور اپنا پسینہ بہا کر اپنی روزی کماتے ہیں اور یہ بات ہمارے سماج کے ہر طبقے پر صادق آتی ہے۔

میں کسانوں سے کہتا ہوں کہ آپ قوم کی ریڑھ کی ہڈی ہیں۔ اب کوئی زمیندار اور کوئی وڈیرا تمہاری زمینوں سے تمہیں بے دخل نہیں کر سکتا۔ تمہیں اپنے پورے پورے حقوق حاصل ہوں گے۔

میں زرعی اصلاحات چاہتا ہوں۔ مگر یہ زرعی اصلاحات دو مرحلوں میں ہوں گی۔ پہلے مرحلے پر بھی اور پھر دوسرے مرحلے پر بھی۔ دوسرے مرحلے پر اس وقت ہوں گی جب جمہوریت بحال ہو جائے گی۔ کیونکہ صرف عوام کے نمائندے ہی زرعی اصلاحات کی حدود کا تعین کرنے کے مجاز ہیں۔ مگر پہلے مرحلے میں وہ اصلاحات نافذ کروں گا

جو بے حد ضروری ہیں اور جن کے بارے میں کسی قسم کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ زرعی اصلاحات اپنی جگہ بہت اہم ہوں گی۔ ہر اس شخص کو سخت ترین سزا دی جائے گی جو ان زرعی اصلاحات کو چالاکی سے روکنے کی کوشش کرے گا۔ پہلے مرحلے میں زرعی اصلاحات کو حیلہ بازی سے روکنے کی کوئی تدبیر ہر گز نہیں چلنے دی جائے گی۔

میں مزدوروں کی بہبود کیلئے بھی اصلاحات چاہتا ہوں۔ کسانوں اور مزدوروں کی بہبود کیلئے یہ اصلاحات جلد آکر رہیں گی۔ مجھے کچھ مہلت دیجئے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ میں زمینداروں اور صنعتکاروں سے یہ بھی کہوں گا کہ اصلاحات سے ان پر کوئی قیامت نہیں ٹوٹے گی۔ اس طرح سے قیامتیں نہیں ٹوٹا کرتیں۔ ان کو یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ ان پر کوئی آسمان ٹوٹ پڑے گا۔ اس لئے ان کو اپنی پیداوار کی رفتار میں ہرگز کمی نہیں کرنی چاہئے۔ چاہے یہ پیداوار زراعت میں ہو یا صنعتی شعبے میں۔ اگر میری اصلاحات کو ناکام بنانے کیلئے زرعی اور صنعتی پیداوار کی رفتار میں کبھی کسی قسم کی کمی واقع ہوئی تو میں فی الفور ایسی ساری زمینیں اور ساری جائیدادوں کو عوام کے نام پر قومی ملکیت میں لے لوں گا۔ میں ان اصلاحات کے نفاذ میں سب متعلقین سے بھرپور تعاون کی توقع رکھتا ہوں جو ان اصلاحات کو ناکام بنانے کی کوشش کریں گے انہیں اپنے جرم کی بڑی بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی۔

دوسری بات جو میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ پاکستان کی دولت کو پاکستان کے باہر نہیں جانے دوں گا۔ پاکستان کی دولت' پاکستان کا روپیہ' پاکستان کا زر جو پاکستان کے لہو' اور پسینے سے پیدا کیا گیا ہے اسے جلد از جلد پاکستان میں واپس آنا چاہئے۔ میں پاکستان کی دولت کو ملک سے باہر جانے کے بارے میں احکامات جلد ہی جاری کرنے والا ہوں لیکن اگر پاکستانی دولت کو رضا کارانہ طور پر پاکستان میں واپس نہ لایا گیا تو جو کچھ بھی نتائج بھگتنے پڑیں گے اس کا الزام مجھے نہ دیا جائے۔ میں ان تمام لوگوں سے اپیل کرتا ہوں جو غریب پاکستان کے لہو کو پاکستان کے باہر لے گئے ہیں۔ اس لہو کو جلد از جلد پاکستان میں واپس لے آئیں کیونکہ میرے عوام کو اس لہو کی ضرورت ہے۔ پاکستان کی مسلح افواج کو اس لہو کی ضرورت ہے اس دولت کو واپس لایئے' اسے واپس لانا ہو گا ورنہ میں اس کے طریقے بھی جانتا ہوں۔ میں پاکستان کی سرحدوں کو بند کر دوں گا۔ میں کسی فرد کو پاکستان سے باہر جانے کی اجازت نہیں دوں گا۔ میں لوگوں کے خاندانوں کے خلاف کارروائی کروں گا جو ملک کی دولت کو ملک سے باہر لے گئے ہیں۔ میں ملک کی دولت کو باہر لے جانے پر سخت ترین سزائیں دوں گا۔ میں ایسے تمام لوگوں کو مہلت دیتا ہوں کہ رضا کارانہ طور پر' پاکستان کی دولت وطن میں واپس لے آئیں۔ اس کے لئے میں کوئی کمیشن یا کمیٹیاں قائم نہیں کروں گا جو تین تین مہینے چھ چھ مہینے تک چلتی رہتی ہیں۔ مجھے معلوم ہے کن کن لوگوں نے ملک سے باہر دولت جمع کر رکھی ہے۔ میں انہیں جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ اسے واپس بھی لا سکتے ہیں۔ اسے عزت کے ساتھ واپس لے آیئے۔ اپنی مسلح افواج کیلئے واپس لے آیئے۔ میری افواج کو اسلحہ چاہئے مجھے افواج کی آباد کاری کے کام بھی انجام دینے ہیں۔ ہماری افواج نے پاکستان کی سالمیت اور خود مختاری کیلئے جانیں نذر کر دی ہیں۔ اس لئے پاکستان کی دولت پاکستان ہی میں آنی چاہئے۔

میں اپنے عزیز طلبا سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ طلبا ہی نے مجھے اس اہم ذمہ داری کے مرتبہ تک پہنچایا ہے۔ ملک کے عوام نے بھی مجھے اس اہم اعزاز پر پہنچایا ہے۔ وہ بھی مجھے یہاں لائے ہیں لیکن اس کے اولین محرک میرے

طلباہی ہیں۔ جہاں تک میری یاد کام کرتی ہے ایشیا اور افریقہ کا کوئی بھی لیڈر جسے دوبارہ ذمہ داری کے عہدہ پر لایا گیا ہو ایسا نہیں ہوا جو کسی بڑی طاقت کا شکار نہ بنا ہو۔ میں بھی دو بڑی طاقتوں کی سازشوں کا شکار رہا ہوں لیکن مجھے پاکستان کے عوام ہی دوبارہ ذمہ داری کے عہدہ پر لائے ہیں۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں میں آپ کا ممنون ہوں میرے طلبا میرے بچے ہیں۔ میں نے طلبا کی جماعتوں سے کہہ دیا ہے کہ ہم آپ کی اندرونی سیاست میں کبھی دخل نہیں دیں گے۔ طلبا کی جماعتوں میں ہماری کوئی پارٹی نہیں ہے۔ ان کی جماعتوں میں ان کی جا ہے جو بھی پارٹی جیتے اور کامیابی حاصل کرے ان کا اپنا کام ہے۔ ہم ان کی جماعتوں میں کوئی سیاسی دخل اندازی نہیں کریں گے۔ ہم اپنے طلبا کی جماعتوں کو پھولتا پھلتا دیکھنا چاہتے ہیں۔ اپنے فیصلے وہ آپ خود کریں گے۔ وہ بیدار اور دانا ہیں۔ وہ مستقبل کے مالک ہیں۔ میں پاکستان کی ہر ایک یونیورسٹی میں جاؤں گا لیکن براہ کرم مجھے کچھ مہلت دیجئے کیونکہ مجھے بہت سی غلط فہمیاں بھی دور کرنی ہیں جو پریس اور دوسرے اثرات نے ملک میں پیدا کر دی تھیں۔ میں طلبہ کا ہمیشہ شکر گزار ہوں گا۔

میں تعلیمی نظام میں بھی بہت سی اصلاحات کروں گا۔ ایسی اصلاحات جو آپ کو اپنی تقدیر کا مالک بنا دیں گی۔ کیونکہ آپ کی تقدیر ہی اصل میں، پاکستان کا مقدر ہے۔ مجھے امید ہے آپ کا طرز عمل اور رد عمل بھی ایسا ہی رہے گا۔

صوبائی نظم ونسق کے بارے میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ صوبوں کا جہاں تک تعلق ہے مجھے غلط نہ سمجھا جائے لیکن میں صوبائی نظم ونسق میں کوئی خلا باقی نہیں رہنے دوں گا۔ تمام صوبوں میں سیاسی بیداری کی لہر پیدا کر دی جائے گی۔ لیکن اس کیلئے بھی مجھے مہلت درکار ہے۔

فی الحال میں ایک کابینہ بناؤں گا اور اس میں ایسے لوگوں کو شامل کروں گا جو اہم ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی لیاقت اور صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ کابینہ عارضی ہوگی۔ اس وقت تو سبھی انتظامات عارضی ہیں کیونکہ کوئی چیز بھی مستقل نہیں ہے، کیونکہ مستقل تو اسی وقت ہوگی جب عوام آئین کو، دستور کو منظور کر چکیں گے، جو عوام کا آئین ہوگا۔ پائیداری تو صرف عوام کی آواز کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ میں بھی اسی آواز کا ایک حصہ ہوں۔ اس وقت تک ہر ایک چیز عارضی رہے گی خود میری حیثیت بھی عارضی ہے اور جو کچھ انتظامات میں کر رہا ہوں یہ سب عارضی ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ مجھے کوئی شخص غلط نہ سمجھے اگر کسی شخص کو کسی خاص کام پر معمور کیا جائے چاہے انتظامیہ میں ہو، افسری میں ہو یا کسی اور شعبے میں۔ اس وقت قوم آج کل جن حالات سے گزر رہی ہے اس کے پیش نظر یہ ہماری قومی بقا کا مرحلہ ہے اس مرحلہ پر اس بات پر سنجیدگی کا اظہار کرنا، اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہونا چاہئے اگر کسی شخص کو ایک جگہ سے بدل کر کسی دوسری جگہ پر لگا دیا جائے تو اسے ہرگز ملال نہیں ہونا چاہئے یا کسی کی جگہ کسی اور کو لگا دیا جائے۔ کیونکہ ہم میں سے ہر شخص کو کسی دوسری جگہ جانا ہے۔ کیا میری جگہ دوسرا نہیں آئے گا؟ اور کیا ہم سب نے اپنی جگہ نہیں چھوڑی؟ ہم سب کو اپنی اپنی جگہ چھوڑ کر آخر کار چلے ہی جانا ہے۔ اس نظام میں ہر چیز عارضی ہے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی کائنات کو دوام حاصل ہے۔ مجھے غلط نہ سمجھئے میں کبھی انتقامی جذبے

کے تحت کوئی اقدامات نہیں کروں گا۔ اس غرض سے ردوبدل بھی کی جاتی ہے لہٰذا جس ردوبدل کی ضرورت پیش ہوگی وہ ضرور کی جائے گی۔ اس لئے مجھے امید ہے کہ اس ردوبدل کی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے سب لوگ قبول کرلیں گے۔ جس شخص پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے اسے بلاجھجک اسے قبول کرلینا ہوگا۔ کوئی بھی حجت قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ میں اس وقت کام کرنے والوں کی تلاش میں ہوں۔ چاہے ایسے لوگ ہوں جو مجھے ناپسند ہی کیوں نہ کرتے ہوں اور چاہے انہوں نے ماضی میں میرے متعلق اچھے خیالات کا اظہار نہ کیا ہو اور کبھی میرے خلاف بولتے بھی رہے ہوں۔ میں ان باتوں سے بلند اور بالا ہوں۔ میرے پیش نظر قومی مفادات ہیں اور میں لیاقت اور صلاحیت کا جویا ہوں۔ میں ملک کے اندرونی انتظام کیلئے لائق لوگوں کو چاہتا ہوں اور بیرون ملک میں بھی لائق لوگوں کو ہی بھیجنا چاہتا ہوں۔ میں لائق پاکستانیوں کو ذمہ داری کے مناصب دینا چاہتا ہوں۔ کسی سفارش اور اقربا نوازی کی بنا پر نہیں بلکہ محض ان کی ذاتی لیاقت کی بنا پر۔ میں لائق پاکستانیوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ میری مدد کریں۔ میں ایک فرد ہوں اور سارا کام میں تنہا نہیں کرسکتا۔ میں آپ سب سے کہتا ہوں کہ آپ آگے آئیں اور میری مدد کریں۔ اگر لائق لوگ میری مدد کریں گے تو ہم پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہلاسکتے ہیں اور دشمن سے مقابلہ کرسکتے ہیں۔ ہم تمام مشکلات پر قابو پاسکتے ہیں۔

اب میں افواج پاکستان کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ افواج پاکستان کو اچھی طرح معلوم ہے کہ میں ہمیشہ سے ان کا مداح اور حامی رہا ہوں۔ میں جب وزیر خارجہ تھا تو ہمیشہ میں نے ان کی حمایت کی اور افواج پاکستان کو مضبوط اور مستحکم بنانے کی پوری پوری کوشش بھی کی ہے۔ افواج پاکستان نے مادر وطن کا دفاع ہمیشہ ہی نہایت جرات مندی سے کیا ہے۔ میرے عزیز جوانوں، میرے عزیز افسرو میرے بھائیو! آپ سب نے میدان کارزار میں بہادری کے جوہر دکھائے ہیں آپ کو ہرگز کسی بات پر پریشان نہ ہونا چاہئے اور نہ کسی قسم کی ندامت محسوس کرنی چاہئے۔ آپ لوگ اصل میں ایک غلط نظام کے شکار ہوئے ہیں۔ ہم اس کو ٹھیک کرلیں گے۔ میں آپ کے ساتھ بلاواسطہ رابطہ رکھوں گا۔ میں تنہا ہر چیز کو نہیں دیکھ سکتا۔ مگر موجودہ صورتحال کے پیش نظر میں صدر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے عہدے بھی سنبھالوں گا اور اس کے ساتھ وزارت دفاع اور وزارت امور خارجہ کے محکمے بھی خود ہی سنبھالوں گا۔ ضرورت پڑنے پر دوسرے محکمے اوروں کے سپرد کردیئے جائیں گے تاکہ لوگ میری مدد کرسکیں۔ آپ کی جو بھی پریشانی ہوگی ہم اسے دور کرنے کی کوشش کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے۔ آج آپ کے دل بلند حوصلگی محسوس کررہے ہیں لیکن آپ کے ذہن بے چین ہیں۔ آپ سب انتقام لینا چاہتے ہیں۔ براہ کرم کچھ توقف کیجئے تاکہ ہم باہم مل کر اس کی کوئی راہ نکال لیں۔ ایسی راہ جو ہماری قومی عزت کو بحال کردے اور ایسی راہ جو آپ کیلئے اور ہم سب کیلئے باعث افتخار بھی ہو۔ ہماری اور آپ کی عزت و آبرو میں کوئی فرق نہیں ہے۔ پاکستان کی افواج اور پاکستان کے عوام ایک ہیں۔ دشواریاں اس لئے پیدا ہوئیں کہ افواج پاکستان اور عوام پاکستان کو الگ الگ بانٹ دیا گیا تھا۔ پاکستان کی افواج اصل میں پاکستان کے عوام ہی میں سے وجود میں آئی ہیں اور یہ عوام ہی ہوتے ہیں جو افواج کو تشکیل دیتے ہیں۔ ہم افواج پاکستان اور پاکستان کے عوام کے درمیان ہم آہنگی، ربط اور مفاہمت پیدا کریں گے۔ اس کیلئے بھی مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ آپ کی ہمدردیاں چاہئیں۔

اس سلسلے میں مجھے چند اقدامات کرنے ہیں جو بہت ضروری ہیں۔ یہ میں خوشی کے ساتھ نہیں بلکہ کسی حد تک غمگین اور بوجھل دل کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ مجھے چند اقدامات ابھی کرنے پڑے ہیں جس پر عملدر آمد فوراً شروع کر دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں یہ جنرل اپنے عہدوں سے ریٹائرڈ کر دیئے گئے ہیں۔ سابق صدر جنرل آغا محمد یحییٰ خان اب افواج پاکستان میں نہیں رہے اور جنرل عبدالحمید خان آج ریٹائرڈ ہو گئے۔ جنرل ایس جی ایم پیرزادہ بھی آج ریٹائرڈ ہو گئے اسی طرح آج جنرل عمر' جنرل خداداد خاں' جنرل کیانی اور جنرل مٹھا بھی ریٹائر ہو گئے۔ یہ سب جنرل عوام اور افواج پاکستان کی خواہشات کے مطابق ریٹائر کئے گئے ہیں۔ یہ میرا ذاتی فیصلہ ہرگز نہیں ہے۔ ان میں سے کئی کو میں جانتا تک نہیں اور بعض تو ایسے ہیں جن کو میں نے کبھی دیکھا تک نہیں۔ باہمی گفت وشنید اور صلاح مشورے کے بعد ہی ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ عوام اور افواج پاکستان کی یہی خواہش تھی اور میں عوام کا خادم ہوں۔ افواج پاکستان کے فیصلے اور جذبے کا احترام کرتا ہوں۔ آج سے یہ تمام جنرل ریٹائر ہو گئے ہیں اور یہ اپنے فرائض ادا نہیں کر سکتے۔ ان کو باعزت طور پر ریٹائر کر دیا گیا۔ ان کی جگہوں کو پر کرنے کے انتظامات کر دیئے گئے ہیں۔ یہ میرا پہلا فیصلہ ہے اور مجھے پختہ یقین ہے کہ یہ فیصلہ افواج پاکستان کے چھوٹے بڑے افسروں کے جذبات کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا گیا ہے۔ میں نے جنرل گل حسن سے کہا ہے کہ وہ پاکستانی افواج کے قائم مقام کمانڈر انچیف کا عہدہ سنبھال لیں۔ وہ جلد ہی کام شروع کر دیں گے۔ ان کو دن رات کام کرنا ہو گا۔ وہ ایک فوجی ہیں' پیشہ ور فوجی ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ کسی طرح سیاست میں ناحق ٹانگ اڑائیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جنرل حسن کو عوام اور میری افواج کی پوری پوری حمایت حاصل ہو گی۔

میں نے یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ میں عوام کے جذبات سے واقف ہوں۔ ان انتظامات سے کسی قسم کی غلط فہمی پیدا نہیں ہونی چاہئے۔ یہ انتظام عارضی طور پر کئے جا رہے ہیں۔ آگے چل کر مستقل اقدام کئے جائیں گے جبکہ ہمیں ان مسائل کو زیادہ گہرائی اور بات چیت کے ذریعے حل کرنے کا موقع ملے گا۔ میں نے یہ فیصلے اس لئے کئے ہیں کہ یہ بہت ضروری تھے۔ جنرل گل حسن لیفٹننٹ جنرل کے عہدے پر ہی کام کریں گے۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی کو غیر ضروری ترقی دے دی جائے۔ ہمارا ملک غریب ملک ہے اور ہم نہیں چاہتے کہ لوگ غیر ضروری طور پر مالدار ہو جائیں۔ ہم کو آج یہ دن دیکھنا پڑا ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہم پر عیش وعشرت چھا گئی تھی۔ ان ہی حالات کی بنا پر جنرل گل حسن کو لیفٹننٹ جنرل کی ہی جگہ کام کرنا ہو گا۔ ان کو اس بات کی توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ ان عارضی اقدامات کی وجہ سے ان کو جنرل کے عہدے پر ترقی دے دی جائے گی۔ مجھے امید ہے کہ لیفٹننٹ جنرل گل حسن کو بحیثیت کمانڈر انچیف افواج پاکستان' عوام اور حکومت کا پورا پورا اعتماد حاصل ہو گا۔ میں توقع کرتا ہوں کہ وہ بڑے بڑے کام بخیر وخوبی انجام دیں گے۔ ان کو افواج پاکستان کو نئے خطوط پر تشکیل کرنا ہے اور آزاد عوام کی افواج کی طور پر۔

میں آپ کو یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ میں نیشنل عوامی پارٹی پر سے پابندی ہٹا رہا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ اس سلسلے میں بدگمانیاں اور اختلاف رائے پیدا ہو سکتے ہیں۔ لیکن میں یہ بالکل نیک نیتی سے کر رہا ہوں۔ میں اس توقع پر کام کر رہا ہوں کہ ہم سب محب وطن ہیں' اپنے ملک کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے میں نیشنل عوامی پارٹی پر سے پابندی ہٹا رہا ہوں اور نیشنل عوامی پارٹی کے رہنماؤں سے درخواست کر رہا ہوں کہ وہ جلد سے جلد مجھ سے آکر

ملیں۔ اس سلسلے میں میں دوسری سیاسی پارٹیوں کے رہنماؤں کو بھی بلانے والا ہوں۔ میں کسی کا مخالف نہیں۔ آپ یقین رکھئے میں قومی مسئلے پر کبھی جانبدارانہ فیصلے نہیں کروں گا۔ یہ ساری باتیں اب ختم کی جا چکی ہیں۔ کسی سیاسی لیڈر اور سیاسی پارٹی کو یہ اندیشہ نہیں ہونا چاہئے کہ ہم ان سے کوئی جانبدارانہ رویہ اختیار کریں گے۔ میں سب سے صلاح مشورہ کروں گا اور مجھے امید ہے کہ ایسی گفت وشنید ضرور مفید ثابت ہوگی۔ اگر بلاوجہ کوئی شرارت کی گئی تو یہ بھی وہ جانتے ہیں کہ اس کا رد عمل نہایت شدید ہوگا۔

ہمیں اپنی خارجہ پالیسی کو بھی درست کرنا پڑے گا۔ اس کا دوبارہ جائزہ لیا جائے گا اور اسے از سر نو مرتب کرنا ہوگا۔ یہ قدرتی بات ہے کہ ہماری خارجہ پالیسی آزادانہ ہوگی جس کی غرض وغایت پاکستان کے وسیع تر مفادات ہوں گے۔ ہم دنیا کی تمام بڑی بڑی طاقتوں سے دوستانہ تعلقات کے خواہاں ہیں۔ ہماری خارجہ پالیسی مثبت اور تعمیری ہوگی۔

مشرقی پاکستان میں حال ہی میں جو ضمنی انتخابات ہوئے ہیں۔ وہ ناقابل عمل تھے اور عوام کیلئے نہایت شرمناک تھے۔ اس لئے میں مشرقی پاکستان کے ان ضمنی انتخابات کو کالعدم قرار دیتا ہوں۔ میں مشرقی پاکستان کے دو منتخب نمائندوں یعنی جناب نور الامین اور چکمہ قبیلے کے سردار سے ضروری صلاح مشورہ کروں گا۔ چکمہ چیف آج کل ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ فوراً پاکستان لوٹ آئیں تا کہ ان سے گفت وشنید ہو سکے۔ یہی دو مشرقی پاکستان کے ایسے رہنما ہیں جو ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں منتخب ہوئے تھے۔

آخر میں مجھے دو باتیں اور کہنی ہیں۔ ایک یہ کہ میں تہ دل سے عہد کرتا ہوں کہ میں پورے عزم وخلوص سے آپ کی خدمت انجام دوں گا۔ میں کام کرتا رہوں گا۔ چاہے اس طرح کام کرنے میں میری جان بھی چلی جائے۔ میں جانتا ہوں کہ پاکستان کے عوام کیا چاہتے ہیں۔ میں ان سے یہی امید رکھتا ہوں کیونکہ مجھے آپ پر پورا بھروسہ ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کے تعاون سے میں ہمالیہ سے بھی پرے دیکھ سکتا ہوں اور آپ کے تعاون کے بغیر میں کچھ بھی نہیں۔ مجھے بندوق یا سنگین سے زیر نہیں کیا جا سکتا۔ میں کبھی آپ کو دھوکہ نہیں دوں گا۔ میں کبھی آپ کو فریب نہیں دوں گا۔ میں عوام کے ساتھ ہوں۔ عوام میرے ساتھ ہیں۔ ہم ایک مضبوط تر اور شاندار مستقبل کی طرف بڑھ رہے ہیں کیونکہ اسلام پر ہمارا ایمان ہے' جو زمین پر خدا کا آخری اور سچا پیغام ہے۔ وہ اسلام' جس نے دنیا کو اخوت' مساوات اور بھائی چارہ کا پیغام دیا ہے۔ اسلامی سوشلزم کی بنیادیں اخوت' مساوات' رواداری اور سماجی بہبود پر ہی قائم ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ ہم فتح و کامرانی کی طرف بڑھتے جائیں گے۔

بھائیو اور بہنو! آپ اس حزن ملال کے لمحوں میں اپنا دل چھوٹا نہ کریں کمربستہ ہو جائیں۔ حالات کا جم کر مقابلہ کیجئے۔ حالات ہرچند نامساعد سہی لیکن ہمیں ان کا مقابلہ کرنا ہی ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ کامیابی ہماری ہوگی پاکستان ایک عظیم مقصد کیلئے وجود میں آیا ہے۔ اس کا ایک عظیم نصب العین ہے۔ یہ نصب العین لافانی ہے۔ یہ زندہ و پائندہ نصب العین ہے۔ آیئے ہم سب مل کر عہد کریں' صرف میرا ہی عہد نہیں بلکہ آپ سب کا عہد بھی اس میں شامل ہونا چاہئے۔ ہمیں بھرپور کوشش کرنی ہے کہ ہماری عارضی سبک سری کا داغ دھل جائے' چاہے یہ داغ ہم خود دھوئیں یا ہمارے بچے یا ہمارے بچوں کے بچے!.............................

پاکستان پائندہ باد

ضمیمہ

۱۹۷۷ء میں پاکستان قومی اتحاد کے ایجی ٹیشن کے دوران اصغر خان نے فوجوں کے نام ایک مکتوب تحریر کیا تھا' اس مکتوب کو وزارت دفاع کی طرف سے افواج کو بغاوت پر اکسانے کی ایک کوشش قرار دیا گیا اور وزارت داخلہ نے اصغر خان کے خلاف اس خط کی بنیاد پر کارروائی کرنے کے امکان کا اظہار کیا تھا۔ (وزارت دفاع اور داخلہ کے بیانات کے متن بھی موجود ہیں) اس خط کا پورا متن ذیل میں موجود ہے۔

"میں اپنے اس پیغام میں چیف آف اسٹاف اور افواج پاکستان کے افسروں سے مخاطب ہوں۔

"آپ پاکستان کی جغرافیائی سالمیت کا دفاع کرنے اور اپنے اور متعینہ افسر کے قانونی احکامات کی بجا آوری کے فرض پر مامور ہیں۔ قانونی اور غیر قانونی احکامات کے درمیان فرق کرنا بھی آپ میں سے ہر افسر کا فرض ہے اور یہی وہ وقت ہے جب آپ میں سے ہر ایک کو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر یہ دیکھنا ہے کہ فوج اس وقت جو کچھ کر رہی ہے کیا وہ ایک قانونی اقدام ہے اور اگر آپ کا ضمیر آپ کو یہ بتاتا ہے کہ ایسا نہیں ہے اور اس کے باوجود آپ ان کارروائیوں کا ساتھ دے رہے ہیں تو اس کے صریحاً یہی معنی متصور ہوں گے کہ آپ میں اخلاقی جرات کی کمی ہے جس کے نتیجے میں آپ اپنے ملک اور اپنے عوام کے خلاف ایک سنگین جرم کی غلطی کے مرتکب ہیں۔

"آپ اس وقت تک یہ یقیناً جان چکے ہوں گے کہ مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی ایک سازش کا نتیجہ تھی۔ جس میں موجودہ وزیر اعظم نے ایک "شاطرانہ" کردار ادا کیا تھا' آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ بلوچستان میں فوجی کارروائی کن حالات کا نتیجہ تھی؟ اور یہ اقدام کتنا غیر ضروری تھا' آپ کو شائد اس بات کی بھی آگہی ہو گی کہ سرحد میں دیر کے مقام پر بالکل غیر ضروری طور پر کس طرح فوج کو استعمال کیا گیا تھا' اگر قومی امور سے آپ کو ذرا سی بھی دلچسپی ہے کہ انتخابی مہم میں قوم نے موجودہ حکمرانوں کے خلاف کتنے بھرپور طریقے پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ عوام کی طرف سے حکومت کو مسترد کرنے کے باوجود انتخابات کے جو نتائج آئے ان سے آپ شدید حیرت اور استعجاب کا شکار بھی ہوئے ہوں گے کہ قومی اتحاد جسے اتنے بڑے پیمانے پر عوامی حمایت حاصل تھی پنجاب کی ۱۱۶ نشستوں میں سے صرف ۸ نشستیں حاصل کر سکی۔ آپ کو یقیناً یہ معلوم ہوا ہو گا کہ بہت سے لوگوں کو اپنے کاغذات نامزدگی تک داخل کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ یہ کیا عجب اتفاق ہے کہ وزیر اعظم اور چاروں صوبوں کے وزرائے اعلیٰ میں سے کسی کے خلاف بھی نامزدگی کے کاغذات داخل نہیں کرائے جا سکے۔ اور وہ جنہوں نے ایسا کرنے کی کوشش کی۔ انہیں پولیس کی حراست میں چند راتیں گزارنی پڑیں' ان میں سے ایک کا آج تک کوئی پتہ نہیں ہے"۔

"آپ میں سے وہ لوگ جو بہت معمولی طریقے سے ہی سہی' ۷ مارچ کے انتخابات میں اپنے فرائض ادا کر رہے تھے یہ بھی جانتے ہوں گے کس وحشیانہ طریقے سے دھاندلیوں کا سلسلہ روا رکھا گیا۔ قومی اتحاد کے امیدواروں

کے "بیلٹ پیپر" بکسوں سے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں نکال لئے گئے تھے۔ ۷ر مارچ کے انتخابات کے بعد ملک کی گلیوں اور کھیتوں میں پڑے پائے گئے' آپ نے ۱۰ر مارچ کو صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے دن جبکہ پی این اے نے انتخابات کا بائیکاٹ کر دیا تھا' ویران پولنگ اسٹیشنوں پر دھول اڑتی بھی دیکھی ہو گی۔ لیکن سرکاری ذرائع ابلاغ اس روز بھاری پیمانے پر پولنگ ہونے اور ساٹھ فیصد تک ووٹ ڈالے جانے کی داستان سنا رہے تھے۔ پھر یقیناً آپ نے اس تحریک کو بھی قدم بہ قدم آگے بڑھتے دیکھا ہو گا' بھٹو صاحب کے مستعفی ہونے اور ملک میں دوبارہ انتخابات کرانے کے لئے چلائی گئی تھی۔

"ہزاروں کی تعداد میں عورتیں' جنہوں نے اپنی بانہوں میں اپنے لخت جگر سمیٹ رکھے تھے جب شہر شہر' گلی گلی باہر نکلیں تو انہوں نے ایک ایسا منظر پیش کیا جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا۔ یہ وہ عورتیں تھیں جنہوں نے بھٹو صاحب کے دعوے کے مطابق انہیں ووٹ دیئے تھے۔ اس تحریک نے صرف چند ہی دنوں میں یہ ثابت کر دیا کہ انہیں (بھٹو صاحب) اور ان کی حکومت کو عوام نے قطعی طور مسترد کر دیا ہے۔ ہمارے سینکڑوں نوجوانوں نے سرزمین پاک پر اپنا جو لہو بہایا ہے' اور ہماری ماؤں اور بہنوں کے پٹنے کے مناظر نے آپ کے دلوں میں غم اور شرم کی ایک لہر ضرور پیدا کی ہو گی۔ کیا آپ نے کبھی یہ سوچنے کی زحمت کی ہے کہ لوگوں نے اپنے آپ کو ایک ایسے عذاب میں کیوں ڈالا ہے؟ مائیں اپنے بچوں کو بغل میں دبائے گولیوں کے سامنے سینہ سپر ہیں؟ والدین نے اپنے بچوں کو لاٹھی اور گولی کے سامنے کیوں سینہ تان کر کھڑے ہونے کی اجازت دے رکھی ہے' اس کی یقیناً یہی وجہ ہے کہ وہ یہ محسوس کرتے ہیں۔ کہ ان کے ساتھ دھوکہ اور فریب کیا گیا ہے' ان کے بنیادی حقوق اور آزادیوں کو ان کے حکمرانوں نے پاؤں تلے روند ڈالا ہے۔ وہ ہماری یہ بات سمجھ گئے ہیں کہ اس دستور کی جس کی آپ نے افواج پاکستان کے ایک افسر کی حیثیت سے حفاظت حلف اٹھایا ہے' خلاف ورزی کی گئی ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کے آرٹیکل ۲۱۸ (۳) میں کہا گیا ہے "الیکشن کمیشن" جسے انتخابات کرانے کے لئے تشکیل دیا گیا۔ اس کا یہ فرض ہو گا کہ وہ انتخابات کرائے انہیں منعقد کرائے اور ایسے انتظامات کرائے جو اسے بات کی ضمانت دیں کہ انتخابات دیانت دارانہ' منصفانہ' آزادانہ' اور قانون کے مطابق ہوئے ہیں اور جن سے بدعنوانیوں کی مکمل روک تھام ممکن ہو سکے"۔

"تو۔ میرے دوستوں یہ ایک منصفانہ اور آزادانہ طور پر منعقد ہونے والے انتخابات نہیں تھے۔ بھٹو صاحب نے دستور کی خلاف ورزی کی ہے اور وہ عوام کے خلاف ایک سنگین مجرمانہ غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اب یہ آپ کا فرض نہیں ہے کہ آپ ان کی (بھٹو صاحب) کی غیر قانونی حکومت کی حمایت کریں' نہ ہی آپ کو اس لئے طلب کیا جا سکتا ہے کہ آپ اپنے لوگوں کو ہلاک کر کے ان کی مدت اقتدار میں تھوڑا سا اور اضافہ کر دیں۔ (تاریخ) یہ نہیں لکھا جانا کہ چاہئے کہ پاکستان کی مسلح افواج ایک انحطاط پذیر پولیس فورس ہیں جو صرف اپنے غیر مسلح شہریوں کو ہلاک کرنے کے سوا اور کسی کام نہیں آ سکتیں۔ آپ کس طرح اس اقدام کی وضاحت کر سکتے ہیں کہ لاہور میں دوسرے دن ایک پرجوش شخص کو محض اس لئے گولی ماری گئی کہ وہ فوج کو فتح کا نشان "وی" دکھا رہا تھا۔ ہمیں اپنے نوجوانوں میں خوشامد اور چاپلوسی کے بجائے مہم جوئی اور اختلاف رائے کے جذبے کی حوصلہ افزائی کرنی

چاہئے لیکن یہ بدقسمت واقعہ ہماری فوج کے نام پر ایک ایسا دھبہ ہے۔ جسے مشکل ہی سے مٹایا جاسکے گا۔ اسی طرح کراچی میں ایک غیر مسلح ہجوم پر فوجی فائرنگ ناقابل معافی ہے۔

"آپ کیا اس بات کو محسوس نہیں کرتے کہ ہمارے افلاس زدہ اور ننگے بھوکے لوگ تاریخ کے پر آلام ۳۰ سالہ دور میں مسلح افواج کے لئے کس قدر گہری محبت اور جذبوں کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ آپ نے جب مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالے تو وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے تھے۔ وہ ہمیشہ آپ کی فتح و نصرت کی دعائیں کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ کاٹا ہے تاکہ بہتر طور پر آپ کا پیٹ بھرا جاسکے' ہمارے جنرل اور سینئر افسر وہ زندگی گزار سکیں جو امریکہ اور برطانیہ میں ان کے ہم عصروں کے خواب و خیال میں نہیں ہے میں بڑے دکھ اور کرب کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ ان کی وہ محبت اب ختم ہو گئی ہے۔ دعا کیجئے کہ وہ کہیں نفرت کا رنگ اختیار نہ کرلے۔ اگر ایسا ہوا تو یہ ہماری قوم کی تاریخ میں ایک ایسا المیہ ہو گا جسے ہم اپنی زندگی میں ختم نہ کر سکیں گے۔

"آپ کو جو وقار اور احترام حاصل ہے اس کے تحت آپ کی یہ ذمہ داری ہے کہ اپنا فریضہ انجام دیں ان آزمائشی حالات میں فرض کی پکار یہ ہے کہ آپ غیر قانونی احکامات پر آنکھیں بند کر کے فرمانبرداری کا مظاہرہ نہ کریں۔ قوموں کی زندگی میں ایسے مواقع آیا کرتے ہیں۔ جب کہ ہر شخص کو اپنے سے یہ پوچھنا پڑتا ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ صحیح ہے غلط۔ آپ کے لئے بھی وہ وقت اب آگیا ہے اس پکار کا پوری دیانتداری سے جواب دے کر ملک کو بچا لیجئے۔ خدا آپ کا حافظ ناصر ہو۔

(دستخط)

ایم اصغر خان

ایئر مارشل (ریٹائرڈ)

جناب اصغر خان کے مکتوب کے جواب میں۔

"وزارت دفاع کے ایک ترجمان نے کہا ہے کہ مسلم افواج کسی فرد کی وفادار نہیں ہیں۔ بلکہ ملک اور آئین کی وفادار ہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ پاکستان کا دفاع ملک کے اندر بھی ہوتا اور ملک کے باہر بھی' دشمن اندر بھی ہوتا ہے اور باہر بھی' اگر اندرونی طور پر ملک کو شکست ہو جائے تو کون باقی رہے گا مسلح افواج کا فرض ہے کہ جب بھی ان سے کہا جائے وہ سول انتظامیہ کی مدد کو پہنچیں۔ مجسٹریٹ بھی اسے سول انتظامیہ کی مدد کے لئے طلب کر سکتا ہے۔ جہاں تک وفاقی حکومت کا تعلق ہے آئین کے آرٹیکل ۲۴۵ میں دیئے گئے اختیارات کو استعمال میں لانے کے لئے آزاد ہے۔ یہ اس کا قانونی حق ہے اور یہ مسلح افواج کا فرض ہے کہ جب ان سے کہا جائے وہ پورے خلوص کے ساتھ لوگوں کی جان اور عزت و ناموس کی حفاظت کریں انہوں نے کراچی حیدر آباد اور لاہور میں یہی کیا ان تینوں شہروں میں انہوں نے امن سکون بحال کیا اور اس طرح سیاسی مذاکرات کے لئے ماحول پیدا کر دیا ہے۔ مخصوص مفادات ملک کو طوائف الملوکی کی طرف لے جا رہے تھے۔ اسے اس حالت سے نکالنے میں حصہ لینے پر ہر سپاہی کو فخر ہے

ان خدمات کو امن پسند شہریوں اور غریبوں اور مظلوم اور کچلے ہوئے لوگوں نے سراہا ہے۔ انتخابات کے بعد کی مدت میں یہی لوگ ناقابل بیان مصائب سے دوچار ہوئے تھے۔ اس طرح مسلح افواج نے عقل و ہوش کو واپس لانے کے لئے جو کردار ادا کیا ہے۔ جمہوریت پسند لوگ اس کے مداح ہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ ووٹ کو استعمال کرنا مسلح افواج سے تعلق رکھنے والے تمام لوگوں کا آئینی حق ہے۔ لیکن عملی سیاست میں حصہ لینے کا انہیں حق نہیں ہے۔ ریٹائرڈ ایئر مارشل اصغر خان کا پیغام مسلح افواج کی وفاداری میں رخنہ ڈالنے کے مترادف ہے۔ اور یہ بات اور بھی زیادہ حیرت انگیز ہے کہ فضائیہ کا سابق سربراہ مسلح افواج میں بغاوت کا پرچار کرے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ریٹائرڈ ایئر مارشل اصغر خان حسب سابق برطانوی فوج اور پاک فضائیہ میں تھے۔ اور جب وہ ۱۹۵۸ء میں آئین کی منسوخی میں شریک تھے تو ان کا ضمیر اور اخلاقی اقدار کہاں تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

چیف آف آرمی اسٹاف جنرل محمد ضیاء الحق نے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو مندرجہ ذیل اعلان جاری کیا۔

....

ہر گاہ میں جنرل ضیاء الحق چیف آف آرمی اسٹاف نے پورے پاکستان میں مارشل لاء کا اعلان کر دیا ہے اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا عہدہ سنبھال لیا ہے۔ میں مندرجہ ذیل حکم دیتا اور اعلان کرتا ہوں۔

ا.................. اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین معطل رہے گا۔

ب.................. وفاقی اسمبلی، سینٹ اور صوبائی اسمبلیاں توڑ دی گئی ہیں۔

ج.................. وزیر اعظم، وفاقی وزراء، وزرائے مملکت، وزیر اعظم کے مشیر، قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے اسپیکر، ڈپٹی اسپیکر، سینٹ کے چیئرمین، ڈپٹی چیئرمین، صوبائی گورنر، وزرائے اعلیٰ اور صوبائی وزراء کے عہدے ختم کر دیئے گئے ہیں۔

د.................. صدر پاکستان بدستور اپنے عہدہ پر کام کرتے رہیں گے۔

ہ.................. پورے پاکستان کا نظام مارشل لاء کے تحت چلایا جائے گا۔

....

جنرل محمد ضیاء الحق

پاکستان بری فوج کے اٹھویں سربراہ جو ملک کے طویل ترین مارشل لاء کے نفاذ کے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بھی رہے۔

۵جولائی ۱۹۷۷ء کو اقتدار سنبھالنے کے بعد پاکستان آرمی کے سربراہ جنرل محمد ضیاء الحق نے قوم سے خطاب کیا ان کی تقریر کا متن درج ذیل ہے۔

خواتین و حضرات! اسلام علیکم۔

میں آج اس عظیم ملک کی عظیم قوم سے خطاب کرنے کا اعزاز حاصل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ یہ تو آپ کو معلوم ہو ہی چکا ہو گا کہ جناب ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت ختم ہو چکی ہے اور اس کی جگہ

ایک عبوری حکومت قائم کی گئی ہے۔ یہ تبدیلی جو گزشتہ شب آدھی رات کو شروع ہوئی آج علی الصبح ختم ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ پرامن طور پر ختم ہوئی۔ یہ تمام کارروائی میرے حکم پر عمل میں لائی گئی۔
اس عرصے میں وزیراعظم اور ان کے اکثر رفقاء کو حفاظت میں لے لیا گیا ہے۔ اسی طرح قومی اتحاد کے قائدین کو بھی حفاظت میں لے لیا گیا ہے سوائے بیگم ولی خان کے۔

اس اقدام پر اب تک موصول ہونے والے تاثرات حسب توقع نہایت حوصلہ افزا ہیں۔ مختلف جگہوں سے مبارکباد کے پیغامات کی بھرمار لگ گئی ہے۔ میں اپنی قوم اور اپنی زندہ دل اور مومن افواج کا شکر گزار ہوں۔

یہاں یہ کہنا ضروری ہو گا کہ معدودے چند حضرات نے یہ خدشہ بھی ظاہر کیا ہے کہ کہیں یہ کارروائی کسی کے ایماء پر تو نہیں کی گئی ہے۔ کہیں جنرل ضیاء الحق کی سابق وزیراعظم سے کوئی خفیہ ملی بھگت تو نہیں ہے۔ اس کے متعلق یہ عرض کروں گا کہ حقائق کبھی چھپے نہیں رہتے۔ پچھلے چند ماہ کے تجربے سے اتنی زیادہ بدگمانی ہو گئی ہے کہ اچھے بھلے لوگ بھی شک و شبہ میں پھنس کر رہ گئے ہیں۔

آج صبح آپ نے خبروں میں سن لیا ہو گا کہ افواج پاکستان نے ملک کا نظم و نسق سنبھال لیا ہے۔ عساکر پاکستان کیلئے ملکی نظام سنبھالنا کوئی مستحسن اقدام نہیں کیونکہ افواج پاکستان دل سے چاہتی ہیں کہ ملک کی باگ ڈور عوام کے ہاتھوں میں رہے جو صحیح طور پر اس کے حقدار ہیں۔ عوام اپنا حق اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعے استعمال کرتے ہیں جس کیلئے ہر جمہوری ملک میں وقتاً فوقتاً انتخابات ہوتے رہتے ہیں۔

ہمارے عزیز ملک میں بھی گزشتہ ۷ مارچ کو انتخابات ہوئے جس کے نتائج کو ایک فریق نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ انتخابات میں دھاندلی کے الزام نے جلد ہی دوبارہ انتخابات کے مطالبہ کی شکل اختیار کر لی۔ اس مطالبے کو تسلیم کرنے کیلئے ایک تحریک چلائی گئی جس کے دوران یہ خیال آرائی بھی کی گئی کہ پاکستان میں جمہوریت نہیں چل سکتی۔ لیکن میں دلی طور پر سمجھتا ہوں کہ اس ملک کی بقا جمہوریت میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اشتعال انگیز حالات اور مختلف سیاسی دباؤ کے باوجود افواج پاکستان نے حالیہ ہنگاموں میں اقتدار سنبھالنے سے گریز کیا۔ افواج پاکستان کی یہی خواہش اور کوشش رہی کہ سیاسی بحران کا کوئی سیاسی حل تلاش کر لیا جائے۔ اسی مقصد کے پیش نظر افواج نے حکومت وقت پر کئی بار زور دیا کہ وہ جلد از جلد مذاکرات کے ذریعے اپنے سیاسی مخالفین سے کوئی تصفیہ کر لے۔ ان مذاکرات کیلئے وقت درکار تھا جو افواج پاکستان نے نظم و نسق برقرار رکھ کر مہیا کیا۔ بعض حلقوں میں فوج کے اس کردار پر نکتہ چینی بھی کی گئی، لیکن ہم نے یہ سب کچھ اس امید پر برداشت کیا کہ یہ وقتی چیز ہے۔ جب قوم جذباتی اور ہیجانی کیفیت سے نکلے گی تو پھر افواج پاکستان کے صحیح اور آئینی کردار کے متعلق تمام شکوک و شبہات دور ہو جائیں گے۔

میں نے ابھی آپ کے سامنے ملک کو درپیش صورت حال کا نقشہ پیش کیا ہے جس سے آپ پر واضح ہو گیا ہو گا کہ جب سیاستدان ملک کو بحران سے نکالنے میں ناکام رہیں تو افواج پاکستان کیلئے خاموش تماشائی بنے رہنا ایک ناقابل معافی جرم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فوج کو مجبوراً مداخلت کرنی پڑی ہے۔ یہ اقدام صرف ملک کو بچانے کی خاطر کیا گیا ہے۔

یہاں یہ واضح کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ مجھے فریقین میں آپس میں سمجھوتے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا۔ اس کی خاص وجہ آپس کی بے اعتمادی اور ایک دوسرے سے بد گمانی تھی۔ ان حالات میں اس بات کا اندیشہ تھا کہ اس صورت حال کی وجہ سے ملک ایک بار پھر افراتفری اور سنگین بحران کا شکار ہو جائے گا۔ یہ خطرہ مول لینا قوم کے مفاد میں ہر گز نہ تھا۔ چنانچہ یہ فوجی کارروائی عمل میں لانی پڑی۔

اب مسٹر بھٹو کی حکومت ختم ہو چکی ہے۔

سارے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا ہے۔

قومی اور صوبائی اسمبلیاں توڑ دی گئی ہیں۔

صوبائی گورنر اور وزیر ہٹا دیئے گئے ہیں۔

البتہ آئین منسوخ نہیں کیا گیا۔ اس کے بعض حصوں پر عمل درآمد روک دیا گیا ہے۔ اور اسی آئین کے تحت صدر مملکت فضل الٰہی چوہدری حسب سابق اپنی ذمہ داریاں جاری رکھنے پر رضامند ہو گئے ہیں جس کیلئے میں ان کا شکر گزار ہوں، وہ سربراہ مملکت کے فرائض انجام دیتے رہیں گے۔

اہم قومی مسائل کو حل کرنے میں ان کی مدد کیلئے ایک ملٹری کونسل کی تشکیل کی گئی ہے یہ کونسل چار افراد پر مشتمل ہو گی جس میں چیئرمین جائنٹ چیف آف اسٹاف اور بری، بحری، فضائی افواج کے چیف آف اسٹاف شامل ہونگے۔

میں چیف آف آرمی اسٹاف اور چیف ماشل لاء ایڈ منسٹریٹر کی ذمہ داریاں پوری کروں گا۔ حسب ضرورت مارشل لاء آرڈرز اور ریگولشینز جاری کئے جائیں گے۔

آج صبح میں چیف جسٹس آف پاکستان جناب یعقوب علی سے بھی ملا۔ میں ان کے مشورے اور قانونی رہنمائی کیلئے از حد مشکور ہوں۔

میں بالکل واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ نہ میرے کوئی سیاسی عزائم ہیں نہ فوج ہی اپنے سپاہیانہ پیشے سے اکھڑنا چاہتی ہے، مجھے صرف اس خلاء کو پر کرنے کیلئے آنا پڑا ہے جو سیاستدانوں نے پیدا کیا ہے اور میں نے یہ چیلنج صرف اسلام کے سپاہی کی حیثیت سے قبول کیا ہے۔ میرا واحد مقصد آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کروانا ہے جو اس سال اکتوبر میں منعقد ہوں گے۔ انتخابات مکمل ہوتے ہی میں اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کو سونپ دوں گا اور میں اس لائحہ عمل سے ہرگز انحراف نہیں کروں گا۔ آئندہ تین مہینوں میں میری ساری توجہ انتخابات پر مرکوز ہو گی اور میں چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کی حیثیت سے اپنے اختیارات کو دوسرے معاملات پر ضائع نہیں کرنا چاہتا۔

اس مرحلے پر یہ ذکر کرنا بے محل نہ ہو گا کہ ملک کی عدلیہ کیلئے میرے دل میں بہت احترام ہے۔ میری پوری کوشش ہو گی کہ جہاں تک ممکن ہو عدلیہ کے اختیارات محدود نہ ہوں۔ تاہم بعض ناگریز حالات میں خصوصی صورت حال سے نمٹنے کیلئے مارشل لاء آرڈر اور مارشلاء ریگولیشن جاری کرنا ضروری ہوں گے۔ جب بھی یہ آرڈر اور ریگولیشن جاری ہوں گے ان کو کسی اور عدالت میں چیلنج نہیں کیا جاسکے گا۔

نئے انتخابات کرانے کیلئے میں عنقریب ٹائم ٹیبل اور طریقہ کار کا اعلان کروں گا اور مجھے توقع ہے کہ تمام

سیاسی پارٹیاں اس کام میں مجھ سے تعاون کریں گی۔ حالیہ سیاسی محاذ آرائی سے ماحول میں خاصی کشیدگی پیدا ہو گئی تھی۔ اس لئے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کیلئے وقت دینا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ آج سے تاحکم ثانی ہر قسم کی سیاسی سرگرمی پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ انتخابات سے پہلے سیاسی سرگرمیاں بحال کر دی جائیں گی۔

میرے عزیز ہموطنو! میں نے اپنے دل کی بات کھول کر آپ کے سامنے بیان کر دی ہے۔ میں نے آپ کو اپنے عزائم کے بارے میں اعتماد میں لیا ہے۔ اب میں اس مشن کو حاصل کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ سے رہنمائی اور آپ سے مدد اور تعاون کا خواستگار ہوں۔ امید ہے کہ عدلیہ، انتظامیہ اور عام شہری میرے ساتھ تعاون کریں گے۔

میری یہ پوری کوشش ہوگی کہ مارشل لاء انتظامیہ نہ صرف سب سے انصاف اور برابری کا برتاؤ کرے بلکہ عوام کو اس بات کا احساس بھی ہو کہ، سول انتظامیہ کو اس سلسلے میں اہم کردار ادا کرنا ہے۔ لہٰذا میں یہ اعلان کر کے خوشی محسوس کرتا ہوں کہ میری درخواست پر ہر صوبے کے ہائی کورٹ کے چیف جسٹس نے قائم مقام گورنر بننا قبول کر لیا ہے۔ انتظامیہ میں بعض افسروں کو اگر اپنے مستقبل کے بارے میں خدشات ہیں تو میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ کسی کو بھی نا کردہ گناہوں کی سزا نہیں دی جائے گی۔ البتہ اگر کسی سرکاری ملازم نے اپنے فرائض میں کوتاہی برتی، جانبداری سے کام لیا یا ملک و قوم سے بے وفائی کی تو اس کو سخت سے سخت سزا ملے گی۔ اسی طرح اگر کسی شہری نے امن و امان میں خلل ڈالنے کی کوشش کی تو اس سے بھی سختی سے نپٹا جائے گا۔

بیرونی ممالک کے ساتھ تعلقات کے بارے میں، میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ سابقہ حکومت نے جن جن ملکوں کے ساتھ جو معاہدے، وعدے اور سمجھوتے کئے ہیں، میں ان کا پابند رہوں گا۔

آخر میں، میں بری، بحری اور فضائی افواج کے تمام افسروں اور جوانوں سے کہوں گا کہ وہ اپنے فرائض بجا لاتے وقت مکمل غیر جانب داری اور انصاف سے کام لیں گے اور کسی سے غیر ضروری رعایت نہیں برتیں گے۔ میں ان سے یہ بھی توقع رکھوں گا کہ ماضی میں اگر کسی نے ان کو لعن طعن کیا ہو تو اسلامی روایات کے مطابق معاف کر دیں اور اپنے فرائض ادا کرتے وقت اپنے اور اپنے پیشے کے وقار کو پیش نظر رکھیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں سے احسن طریقے سے عہدہ برآ ہوں گے۔ جس سے ان کے وقار اور مرتبے میں اور اضافہ ہو گا۔

چند ایک نکات کی تشریح ضروری سمجھتا ہوں

(۱) .... اولاً سول عدالتیں اپنے فرائض معمول کے مطابق انجام دیتی رہیں گی۔

(۲) .... ایف۔ ایس۔ ایف کی عنقریب تنظیم نو کی جائے گی۔

(۳) .... حال ہی میں سول انتظامیہ میں جو تبادلے کئے گئے ہیں ان کا جائزہ لیا جائے گا۔

(۴) .... عبوری حکومت کا ڈھانچہ اس طرح تشکیل دیا جائے گا۔

الف .... جناب فضل الٰہی چوہدری سربراہ مملکت ہوں گے۔

ب .... ملک کے اہم انتظامی امور ملٹری کونسل سرانجام دے گی جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔

ج .... انتظامیہ کا سربراہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ہو گا۔ سیکریٹری جنرل ڈیفنس جناب غلام اسحاق تمام

وفاقی محکموں میں رابطے کے ذمہ دار ہوں گے۔

د............وفاقی حکومت کے سیکریٹری اپنے اپنے محکمے کے سربراہ ہوں گے۔

ر.................ہر صوبے کی ہائی کورٹ کا چیف جسٹس اس صوبے کا قائم مقام گورنر ہو گا۔

ہ..............صوبے کی انتظامیہ کے سربراہ صوبے کے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ہوں گے اور صوبائی محکموں کے انچارج بدستور سیکریٹری رہیں گے۔

میری خواہش ہے کہ۔

الف..............انتظامیہ بلاخوف وخطر اپنے فرائض انجام دے۔

ب...............پولیس میں بے لوث خدمت کا جذبہ پیدا ہو۔

ج...............اخبارات آزادی صحافت کے علمبردار ہوں مگر ضابطہ اخلاق سے انحراف نہ کریں۔

د..............قوم میں ہوشمندی پیدا ہو۔

ر...............ہر شخص کی جان، مال اور عزت محفوظ ہو۔

و...............ملک میں امن وامان قائم رہے اور غنڈہ گردی کا خاتمہ ہو۔

ز.............درس گاہیں سیاسی اکھاڑے نہ بنیں۔

آپ کی اطلاع کیلئے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی سرحدیں محفوظ ہیں اور مسلح افواج اپنے فرائض انجام دے رہی ہیں اور سرحدیں نقل وحرکت کیلئے کھلی ہیں۔

آخر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حالیہ تحریک میں اسلام کا جو جذبہ دیکھنے میں آیا ہے وہ قابل تحسین ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ پاکستان جو اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا وہ اسلام کے نام پر ہی قائم رہے گا، جس کیلئے اسلامی نظام اشد ضروری ہے۔

پاکستان پائندہ باد

High Treason (1973 Constitution)

6.(1) Any person who abrogates or attempts or conspires to abrogate, subverts or attempts or conspires to subvert the Constitution by use of force or by other unconstitutional means shall be guilty of high treason.

(2) Any person aiding or abetting the acts mentioned in clause (1) shall likewise be guilty of high treason.

(3) * Majli-e-Shoora (Parliament) shall by law provide for the punishment of persons found guilty of high treason.

---

*On March 2, 1985, the words "Majlis-e-Shoora (Parliament)" were substituted by the revival of the constitution of 1973 order 1985: P.O.No: 14 of 1985.

Command of Armed Forces.

243. (1) The Federal Government shall have control and command of the Armed Forces.

[258-A] [(1A) Without prejudice to the generality of the foregoing provision, the Supreme Command of the Armed Forces shall vest in the President.]

(2) The President shall subject to law, have power:

(a) to raise and maintain the Military, Naval and Air Forces of Pakistan; and the Reserves of such Forces;

(b) to grant Commissions in such Forces; and

(c) to appoint [258] [in his discretion the Chariman, Joint Chiefs of Staff Committee,] the chief of the Army Staff, the Chief of the Naval Staff and the Chief of the Air Staff, and determine their salaries and allowances.

Oath of Armed Forces.

244. Every member of the Armed Forces shall make oath in the form set out in the Third Schedule (of the constitution).

Functions of Armed Forces.

245. [259][(1)] The Armed Forces shall under the directions of the Federal Government, defend Pakistan against external aggression or threat of war, and, subject to law, act in aid of civil power when called upon to do so.

(2) The validity of any direction issued by the Federal Government under clause (1) shall not be called in question in any court.

(3) A High Court shall not exercise any jurisdiction under Article

199 in relation to any area in which the Armed Forces of Pakistan are, for the time being, acting in aid of civil power in pursuance of Article 245:
Provided that this clause shall not be deemed to affect the jurisdiction of the High Court in respect of any proceeding pending immediately before the day on which the Armed Forces start acting in aid of civil power.
(4) Any proceeding in relation to an area referred to in clause (3) instituted on or after the day the Armed Forces start acting in aid of civil power and pending in any High Court shall remain suspended for the period during which the Armed Forces are so acting.]

258.Inserted by P.O.No. 14 of 1985, Art. 2 and Sch. item 49 (with effect from March 2, 1985).
258-A. Inserted, ibid, item 50
259.Re-numbered and added by the Constitution (Seventh Amendment) Act, 1977 (23 of 1977) section 4 (with effect from May 16, 1977).

Oath of MEMBERS OF THE ARMED FORCES under Sector Article 244 of 1973 Constitution.

(In the name of Allah, the most Beneficent, the most Merciful.)
"I, ________, do solemnly swear that I will bear ture faith and allegiance to Pakistan and uphold the Constitution of the Islamic Republic of Pakistan which embodies the will of the people, that I will not engage myself in any political activities whatsoever and that I will honestly and fiathfully serve Pakistan in the Pakistan Army (or Navy or Air Force) as required by and under the law. May Allah Almighty help and guide me (A 'meen)."

Quaid's Address to the Officers of the Staff College, Quetta: June 14, 1948

"I thank you, gentlemen, for the honour you have done me and Miss Fatima Jinnah by inviting us to meet you all. You along with other Forces of Pakistan, are the custodians of the life, property and honour of the people of Pakistan. The Defence Forces are the most vital of all Pakistan Services and correspondingly a very heavy responsibility and burden lies on your shoulders.

"I have no doubt in my mind, from what I have seen and from what I have gathered, that the spirit of the Army is splendid, the morale is very high, and what is very encouraging is that every officer and soldier, no matter what the race or community to which he belongs, is working as a true Pakistani.

"If you all continue in that spirit and work as comrades, as true Pakistanis, selflessly, Pakistan has nothing to fear.

One thing more. I am persuaded to say this because during my talks with one or two very high-ranking officers I discovered that they did not know the implications of the Oath taken by the troops of Pakistan. Of course, an oath is only a matter of form; what is more important is the true spirit and the heart.

"But it is an important form and I would like to take the opportunity of refreshing your memory by reading the prescribed oath to you:

"I solemnly affirm, in the presence of Almighty God, that I owe allegiance to the Constitution and the Dominion of Pakistan and that I will as in duty bound honestly and faithfully serve in the Dominion of Pakistn Forces and go within the terms of my enrolment wherever I may be ordered by air, land or sea and that I will observe and obey all commands of any officers set over me..."

"As I have said just now, the spirit is what really matters. I should like you to study the Constitution which is in force is in Pakisan at present and understand its true constitutional and legal implications when you say that you will be faithful to the Constitution of the Dominion.

"I want you to remember and if you have time enough you should study the Government of India Act, as adapted for use in Pakistan, which is our present Constitution, that the executive authority flows from the Head of the Government of Pakistan, who is the Governor-General and, therefore, any command or orders that may come to you cannot come without the sanction of the Executive Head. This is the legal position.

"Finally, gentlemen, let me thank you for the honour that you have done me by inviting me. I will be glad to meet the officers informally, as suggested by the General Officer Commanding in his speech, and such a meeting can be arranged at a time convenient to us both. I have every desire to keep in close contact with the officers and men of the Defence Forces and I hope that when I have little more time from the various problems that are facing us in Pakistan, which is for the moment is a state of national emergency, and when things settle down- and I hope it will be very soon- then I shall find more time to establish greater and greater contact with the Defence Forces".

Ayub's letter to Yahya

The following letter was sent on March 24, 1969, by Field Marshal Muhammad Ayub Khan to the Commander-in-Chief, Pakistan Army, Gen A.M. Yahya Khan.
President's House, Rawalpindi, 24th March 1969.

My dear General Yahya,

"It is with profound regret that I have come to the conclusion that all civil administration and constitutional authority in the country has become ineffective. If the situation continues to deteriorate at the present alarming rate, all economy life, indeed, civilised existence will become impossible.

"I am left with no option but to step aside and leave it to the Defence Forces of Pakistan which today represent the only effective and legal instrument, to take over full control of the affairs of this country. They are by the grace of God in a position to retrieve the situation and to save the country from utter chaos and total destruction. They alone can restore sanity and put the country back on the road to progress in a civil and constitutional manner.

"Restoration and maintenance of full democracy according to the fundamental principles of our faith and the needs of our people must remain our ultimate goal. In that lies the salvation of our people who are blessed with the highest qualities of dedication and vision and who are destined to play a glorious role in the world.

"It is most tragic that while we were well on our way to happy and prosperous future, we were plunged into an abyss of senseless agitation. Whatever name may have been used to glorify it, the time will show that this turmoil was deliberately created by well tutored and well backed elements. They made it impossible for the Government to maintain any symblance of law and order or to protect the civil liberties, life and property of the people.

"Every single instrument of administration and every medium of expression of saner public opinion was subjected to inhuman pressure. Dedicated but defenceless Government functionaries were subjected to ruthless public criticism or black mail. The result is that all social and ethical norms have been destroyed and instruments of Government have become inoperative and ineffective.

"The economic life of the country has all but collapsed. Workers and labourers and being incited and urged to commit act of lawlessness and brutality. While demands for higher wages, salaries and amenities are being extract under threat of violence. Production is going down. There has been serious fall in exports and I am afraid the country may soon find itself in the grip of serious inflation.

All this is the result of the reckless conduct of those who acting under the cover of a mass movement struck blow after blow the very roots of the country during the last few months. The pity is that a large number of innocent but gullible people became victims of their evil designs.

"I have served my people to the best of my ability under all circumstances. Mistakes there must have been but what has been achieved and accomplished is not negligible. There are some who would like to undo all that I have done and even that which was done by the Governments before me. But the most tragic and heart-rending thought is that there are elements at work which would like to undo even the what Quaid-i-Azam had done by the creation of Pakistan.

"I have exhausted all possible civil and constitutional means to the present crisis. I offered to meet all these regarded as the leaders of the people. Many came to a conference recently but only after I had fulfilled all their pre-conditions. Some declined to come for reasons best known to them. I asked these people to evolve an agreed formula.

They failed to do so inspite of days of deliberations. They finally agreed on two points and I accepted both of them.

"I then offered that the unagreed issues should all be referred to the representatives of the people after they had been elected on the basis of direct adult franchise. My argument was that the delegates in the conference who had

not been elected by the people could not arrogate to themselves the authority to decide all civil and constitutional issues including these on which even they are not agreed among themselves.

"I thought I would call the National Assembly to consider the two agreed points but it soon became obvious that this would be an exercise in futility. The members of the Assembly are no longer free agents and there is no likelihood of the agreed two points being faithfully adopted. Indeed, members are being threatened and compelled either to boycott the session or to move such amendments as would liquidate the Central Government, make the maintenance of the Armed Forces impossible, divide the economy of the country and break up Pakistan into little bits and pieces. Calling the Assembly in such chaotic conditions can only aggravate the situation. How can any one deliberate coolly and dispassionately on fundamental problems under threat of instant violence.

"It is beyond the capacity of the civil Government to deal with the present complex situation, and the Defence Forces must step in".

"It is your legal and constitutional responsibility to defend the country not only against external aggression but also to save it from internal disorder and chaos. The nation expects you to discharge this responsibility to preserve the security and integrity of the country and to restore normal social, economic and administrative life. Let peace and happiness be brought back to this anguished land of 120 million people.

"I beleive you have the capacity, patriotism, dedication and imagination to deal with the formidable problems facing the country. You are the leader of a force which enjoys the respect and admiration of the whole world. Your colleagues in the Pakistan Air Force and in the Pakistan Navy and men of honour and I know that you will always have their full support. Together the Armed Forces of Pakistan must save Pakistan from disintegration.

"I should be grateful if you would convey to every soldier, sailor and airman that I shall always be proud of having been associated with them as their Supreme Commander.

They must know that in this grave hour they have to act as the custodians of Pakistan. Their conduct and actions

must be inspired by the principles of Islam and by the conviction that they are serving the interests of their people.

"It has been a great honour to have served the valiant and inspired people of Pakistan for so long a period. May God guide them to move toward greater prosperity and glory.

"I must also record my great appreciation of your unswerving loyalty. I know that patriotism has been a constant sources of inspiration for you all your life. I pray for your success and for the welfare and happiness of my people. Khuda Hafiz.
Yours sincerely,
sd/-
M. A. Khan.

General A. M. Yayha-Khan, H. Pk, H. J., C-in-C, Army, General Headquarters, Rawalpindi.
(Courtsey: DAWN, March 26, 1969.)

Ayub Khan's Last Address to the Nation

Following is the English rendering of the text of the Field Marshal Muhammad Ayub Khan's broadcast on March 24, 1969.

"My dear countrymen, Assalam-o-Alaikum.

"This is the last time that I am addressing you as President of Pakistan. The situation in the country is fast deteriorating. The administrative institutions are being paralysed. Self-aggrandisement is the order of the day. The mobs are resorting to Gheraos at will, and get their demands accepted under duress. And no one has the courage to proclaim the truth.

"The persons who had come forward to serve the country have been intimidated into following the mobs. There is none among them who can challenge this frenzy. The economy of the country has been crippled, factories are closing down and production is dwindling every day.

"You can well appreciate the feelings which overwhelm me at this moment. The country which we nourished with our sweat and blood has been brought to a sad pass within a few months.

"I had once suggested to you that the national problems should be settled in the light of reason and not in the heat of emotions. You have seen that the fire of emotions once kindled has rendered every man helpless.

"I have endeavoured to serve you to the best of my ability. I firmly believe that the people of Pakistan are endowed with the blessings of an eternal faith and they have the capacity to overcome every difficulty. All that our people need is patience, discipline and unity.

"On Feb 21 I had announced that I would not contest the next elections. I had hoped that after this announcement people would restore peaceful atmosphere and would try to

find a suitable solution to the country's political problems in a dispassionate mood. I thought that personal hatred would vanish and once again we would devote ourselves to the progress of the country.

"Unfortunately, the conditions continued to deteriorate from bad to worse. You are aware of the result of the Round-Table Conference. After weeks of deliberations the representatives of various parties could agree only on two demands. And I accepted both of them. I had suggested that the issues over which there was no unanimity should be referred for a decision to the directly-elected representatives of the people.

"But this proposal was not acceptable to the political leaders. Every one of them was insisting for the immediate acceptance of their demands without even waiting for the election of the people's representatives.

"Some people suggested to me that if all these demands were accepted peace would be restored to the country. "I asked them 'In which country!' for the acceptance of these demands would have spelled the liquidation of Pakistan.

"I have always told you that Pakistan's salvation lay in a strong Centre. I accepted the parliamentary system because in this way also there was a possibility of preserving a strong Centre.

"But now it is being said that the country be divided into two parts. The Centre should be rendered ineffective and a powerless institution. The defence services should be crippled and the political entity of West Pakistan be done away with.

"It is impossible for me to preside over the destruction of our country.

"It grieves me to see that a great desire of my life could not be realized. It was my desire to establish the tradition that the political power should continue to be transferred in a constitutional manner.

"In the conditions prevailing in the country, it is not possible to convene the National Assembly – some members may not even dare to attend the Assembly session. And those who would come would not be able to express their real opinion because of fear. There is also the danger of the

National·Assembly becoming the scene of bloody conflicts.

"The integrity of the country takes precedence over everything else. The fundamental and basic Contitutional issues can only be settled in a peaceful atmosphere when people's representatives can deliberate over these calmly.

"Today such an atmosphere does not exist. As soon as conditions improve someone takes up the fire of mischief. It is also painful that people are bent upon destroying all that has been achieved in the last 10 years, or even during the previous regimes. There are some who would like to destroy the country established by the Quaid-i-Azam.

"It hurts me deeply to say that the situation now is no longer under the control of the Gvernment. All Government institutions have become victims of coercion, fear and intimidation.

"Every principle, restraint and way of civilized existence has been abandoned. Every problem of the country is being decided in the streets. Except for the Armed Forces there is no Constitutional and effective way to meet the situation.

"The whole nation demands that General Yahya Khan, the commander-in-chief of Pakistan Army, should fulfil his Constitutional responsibilities. The Pakistan Navy and the Air Force are with him and the entire nation has faith in their valour and patriotism. They should always keep in view the welfare of the people and their every action should be in conformity with the principles of Islam.

"The security of the country demands that no impediment be placed in the way of the defence forces and they should be enabled to carry out freely their legal duties. In view of this I have decided to relinquish today the office of the President.

"I am conscious of your sentiments, have faith in the Almighty and do not abandon hope. I am very grateful to you all that you not only conferred on me the honour of being the President of Pakistan for 10 years but also participated in the work of national reconstruction with courage and perseverance. Your achievements will be written in history in letters of gold.

"I also thank the Government servants who at difficult

پاکستانی بری فوج کے پہلے کمانڈر انچیف جنرل سر فرینک میسروی۔

پاکستانی بری فوج کے دوسرے کمانڈر انچیف جنرل سر ڈگلس گریسی۔

جنرل محمد موسیٰ خان، پاکستان بری فوج کے چوتھے سربراہ، ایوب خان کے جانشین

جنرل آغا محمد یحییٰ خان پاکستان بری فوج کے پانچویں سربراہ، جنہوں نے ایوب خان کی حکومت کو ختم کر کے ملک میں دوسرا مارشل لاء نافذ کیا اور ان کے ہی دور مارشل لاء میں دنیا کا سب سے بڑا اسلامی ملک دولخت ہوا۔

جنرل ٹکا خان پاکستان بری فوج کے ساتویں سربراہ۔

moments displayed courage and selflessly served the nation in every way.

"Some of my close associates have been subjected to bitter and uncalled for criticism. But unmindful of all this they worked day and night for the betterment of the country with humility and dedication. The Almighty will reward them.

"My dear countrymen, my parting request to you is to appreciate the delicate situation and assist your brethren in the defence forces in every conceivable manner to maintain law and order.

"Every soldier is your own brother. He is animated by love for the country and his heart and head are illuminated by the light of Islam.

"I pray to God for the speedy and complete establishment of harmony and peace so that we continue to march towards progress and prosperity along the path of democracy.

"Amin!
Khuda Hafiz. Pakistan Paindabad".
– APP (Courtsey: DAWN, March 26, 1969).

Text of Yahya's Broadcast

The following is the full text of the broadcast on the national hookup of Radio Pakistan by the Chief Matrial Law Administrator. General A.M. Yahya Khan on March 25, 1969.

"Fellow Pakistanis,

1: You have already heard Field Marshal Muhammad Ayub Khan's speech which was broadcast yesterday and by now you must also have read his letter of March 24 which is addressed to me and has been published in the Press. As is evident from this letter. Field Marshal Muhammad Ayub Khan took all possible steps, in the past few weeks, to come to some arrangement whereby a peaceful and constitutional transfer of power could take place. As we all know, his efforts did not meet with success. He, therefore, called upon me to carry out my prime duty of protecting this country from utter destruction.

2: As proclaimed earlier, I have imposed material law throughout Pakistan.

3: We, in the Armed Forces, had hoped that sanity would prevail and this extreme step would not be necessary, but the situation has deteriorated to such an extent that normal lawenforcing methods have become totally ineffective and have almost completely broken down. Serious damage of life and property has occurred and a state of panic has paralysed life in the nation. Production has gone down to a dangerously low level, and the economy generally has suffered an unprecedented setback. Strikes and violence have become a daily routine and the country has been driven to the edge of an abyss. The nation has to be pulled back to safety and normal conditions have to be restored without delay.

The Armed Forces could not remain idle spectators of this state of near anarchy. They have to do their duty and save the country from utter disaster. I have, therefore, taken this step.

4: My sole aim in imposing martial law is to protect life, liberty and property of the people and put the Administratin back on the rails. My first and foremost task as the Chief Martial Law Administrator, therefore, is to bring back sanity and ensure that the Administration resumes its normal functions to the satisfaction of the people. We have had enough of administrative laxity and chaos and I shall see to it that this is not repeated in any form or manner. Let every member of the Administration take a serious note of this warning.

5: Fellow countrymen, I wish to make it absolutely clear to you that I have no ambition other than the creation of conditions conducive to the establishment of a constitutional Government. It is my firm belief that a sound, clean and honest administration is a pre-requisite for sane and constructive political life and for the smooth transfer of power to the representatives of the people elected freely and impartially on the basis of adult franchise. It will be the task of these elected representatives to give the country a workable constitution and find a solution of all other political, economic and social problems that have been agitating the minds of the people.

I am, however, conscious of the genuine difficulties and pressing needs of various sections of our society, including the student community, the labour and our peasants. Let me assure you that my Administration will make every endeavour to resolve these difficulties.

6: A word about your brethren in the Armed Forces. You are well aware that they have always stood by the nation selflessly and gallantly. They have always responded to the call of duty with promptness and devotion. They have never regarded any sacrifice as too great to ensure and enhance the security and the glory of Pakistan.

The Armed Forces belong to the people; they have no political ambitons and will not prop up any individual or party. At the same time I wish to make it equally clear that we have every intention of completing the mission that we have embarked upon, to the nation's satisfaction.

7: We are passing through the most fateful period of our history. The recent events have dealt a serious blow to our national prestige and progress. The Matrial Law Administra-

tion cannot and will not tolerate agitational and destructive activities of any kind.

I urge every one of you to co-operate with my Administration in bringing the country back to sanity. Let every one, whatever his calling may be, return to his post and do his bit to repair the damage caused to the economy and well-being of Pakistan.

Pakistan paindabad".
– APP (Courtsey: DAWN, March 27, 1969).

۔ا۔

۔ب۔

۔پ۔

۔ت۔

۔ٹ۔

۔چ۔

۔ح۔

۔خ۔

-س-ش-

۔ص۔ض۔

۔ط۔ظ۔

۔ع غ۔

۔ف۔

ق

ک

پاکستان : جرنیل اور سیاست — انٹرویوز — علی حسن

پاکستان! جرنیل اور سیاست

پاکستان میں مارشل لاء بار بار کیوں نافذ کیا جاتا رہا ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا تفصیلی جواب ہر شہری جاننا چاہتا ہے۔ "پاکستان: جرنیل اور سیاست"---- افواج پاکستان کے سترہ چیدہ چیدہ جرنیلوں، ایئرمارشلوں کے انٹرویوز پر مشتمل کتاب ہے۔ تمام انٹرویو---- سوالات اور جوابات کی صورت میں---- اپنے اپنے وقت میں افواج پاکستان میں اہم مناصب پر فائز بااختیار اعلیٰ فوجی افسران سے تفصیلی گفتگو سے مرصع ہیں۔ فوج اور سیاست کے موضوع پر اردو زبان میں اول تو تصانیف بہت کم شائع ہوئی ہیں اور ایسی تو کوئی کتاب موجود ہی نہیں جس کے ذریعے سیاست کا طالب علم، سیاستدان اور ایک عام شہری، جرنیلوں کا ذہن براہ راست پڑھ سکے۔ پاکستان: جرنیل اور سیاست اسی سلسلے کی ایک کاوش ہے جسے ملک کے معروف صحافی علی حسن نے دو سال کے طویل عرصے کے دوران کراچی سے پشاور تک سفر کر کے ممتاز اور اہم ریٹائرڈ فوجی افسران سے کی گئی نشستوں میں طویل گفتگو کر کے قلمبند کیا ہے۔ یہ انٹرویوز طویل مکالمے ہیں ان میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کو کسی ایڈیٹنگ کے بغیر اسی لہجہ اور زبان میں پیش کیا جا رہا ہے تاکہ انٹرویو کیے جانے والے افراد کے مافی الضمیر کی بھرپور عکاسی ہو سکے۔

علی حسن - پاکستان کے صوبہ سندھ کے اہم شہر حیدرآباد میں گذشتہ بیس سال سے کل وقتی صحافت کر رہے ہیں۔ 17 اگست 1950ء کو حیدرآباد میں پیدا ہونے والے علی حسن نے جرنلزم اور پولٹیکل سائنس میں ایم اے کی ڈگریاں حاصل کرنے کے بعد 1971ء میں پاکستان پریس انٹرنیشنل (پی پی آئی) سے اپنے صحافتی کیریئر کا آغاز کیا۔ گذشتہ گیارہ سال سے کراچی کے معروف انگریزی روزنامہ "دی اسٹار" کے (ماسوائے کراچی) سندھ بھر کے نمائندہ ہیں۔ ساتھ ہی ملک کے ممتاز اور معتبر انگریزی میگزین "ہیرالڈ" کے لیے بھی باقاعدگی سے لکھتے ہیں۔ وہ روزنامہ مساوات اور روزنامہ لیڈر سے بھی منسلک رہے ہیں۔ جبکہ ایک زمانے میں سندھ کا مقبول ترین اردو روزنامہ "سفیر" انہی کی کاوش اور قابلیت کا نتیجہ تھا۔ انہوں نے سندھی زبان کے بے باک سیاسی ہفت روزہ "بیداری' کی ادارت اس دور میں کی جب سندھی اخبارات کی اکثریت 1979ء میں فوجی حکمرانوں کی تعریف اور توصیف میں مصروف تھی۔ علی حسن نے ملک کے ممتاز اور قابل مدیران کے ساتھ کام کرتے ہوئے بیشتر ہفت روزہ جرائد میں حیدرآباد سے سندھ کے بارے میں پُرمغز اور سیر حاصل تجزیاتی رپورٹیں تحریر کی ہیں۔ جرائد اور رسائل کے علاوہ وہ بی بی سی اور ریڈیو پاکستان سے بھی حالات اور واقعات کا تجزیہ اور تبصرہ کرتے رہے ہیں۔ اپنی پیشہ وارانہ سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ انہوں نے 1978ء میں صحافیوں کی جانب سے چلائی جانے والی تحریک میں بھرپور حصہ لیا اور 1990ء میں حیدرآباد پریس کلب کے صدر منتخب ہوئے۔

پڙهندڙ نَسُل . پَ نَ

The Reading Generation

1960 جي ڏهاڪي ۾عبدالله حسين " اُداس نسلين" نالي ڪتاب لکيو. 70 واري ڏهاڪي ۾ وري ماڻِڪَ "لُڙهندڙ نَسُل" نالي ڪتاب لکي پنهنجي دورَ جي عڪاسي ڪرڻ جي ڪوشش ڪئي. امداد حُسينيءَ وري 70 واري ڏهاڪي ۾ئي لکيو:

انڌي ماءُ ڄڻيندي آهي اونڌا سونڌا ٻارَ
ايندڙ نسل سَمورو هوندو گونگا ٻوڙا ٻارَ

هر دور جي نوجوانن کي اُداس، لُڙهندڙ، ڪَڙهندڙ، ڪُڙهندڙ، ٻَرندڙ، ڄُرندڙ، ڪِرَندڙ، اوسيئڙو ڪَندڙ، ياڙي، ڪاٺُو، ياجوڪَڙُ، ڪاوڙيل ۽ وِڙهندڙ نسلن سان منسوب ڪري سَگهجي ٿو، پَر اسان اِنهن سڀني وِچان "پڙهندڙ" نسل جا ڳولائو آهيون. ڪتابن کي ڪاڳر تان کڻي ڪمپيوٽر جي دنيا ۾ آڻڻ، ٻين لفظن ۾ برقي ڪتاب يعنيٰ e-books ناهي ورهائڻ جي وسيلي پڙهندڙ نسل کي وَڌڻ، ويجهَڻ ۽ هِڪَ ٻِئي کي ڳولي سَهڪاري تحريڪ جي رستي تي آڻِڻَ جي آسَ رکون ٿا.

پڙهندڙ نَسل (پَنَ) ڪا بہ تنظيمَ ناهي. اُنَ جو ڪو بہ صدر، عُهديدار يا پايو وِجهندڙ نہ آهي. جيڪڏهن ڪو بہ شخص اهڙي دعويٰ ڪري ٿو تہ پَڪَ ڄاڻو تہ اُهو ڪُوڙو آهي. نہ ئي وري پَنَ جي نالي ڪي پئسا گڏ ڪيا

ويندا. جيڪڏهن ڪو اهڙي ڪوشش ڪري ٿو ته پَڪَ ڄاڻو ته اُهو بِہ ڪُوڙو آهي.

جهڙيءَ طَرَح وڻن جا پَنَ ساوا، ڳاڙها، نيلا، پيلا يا ناسي هوندا آهن اَهڙيءَ طرح پَڙهندڙ نَسُل وارا پَنَ بہ مختَلِف آهن ۽ هوندا. اُهي ساڳِئي ئي وقت اُداس ۽ پڙهندڙ، بَرندڙ ۽ پڙهندڙ، سُست ۽ پڙهندڙ يا وِڙهندڙ ۽ پڙهندڙ بہ ٿي سگهن ٿا. بين لفظن ۾ پَنَ ڪا خُصوصيِ ۽ تالي لڳل ڪِلَب Exclusive Club نہ آهي.

ڪوشش اها هوندي تہ پَنَ جا سڀ ڪَم ڪار سَهڪاري ۽ رَضاڪار بنيادن تي ٿين، پر ممڪن آهي تہ ڪي ڪم اُجرتي بنيادن تي بہ ٿِين. اهڙي حالت ۾ پَنَ پاڻ هِڪَٻِئي جي مدد ڪَرڻ جي اُصولَ هيٺ ڏي وَٺُ ڪندا ۽ غيرتجارتي non-commercial رهندا. پَنَن پاران ڪتابن کي ڊِجيٽائِيز digitize ڪرڻ جي عَملَ مان ڪو بہ مالي فائدو يا نفعو حاصل ڪرڻ جي ڪوشش نہ ڪئي ويندي.

ڪتابن کي ڊِجيٽائِيز ڪرڻ کان پوءِ ٻيو اهم مرحلو وِرهائڻ distribution جو ٿيندو. اِهو ڪم ڪرڻ وارن مان جيڪڏهن ڪو پيسا ڪمائي سگهي ٿو تہ ڀلي ڪمائي، رُڳو پَنَن سان اُن جو ڪو بہ لاڳاپو نہ هوندو.

پَنَن کي ڪُليل اڪرن ۾ صلاح ڏجي ٿي تہ هو وَسَ پٽاندڙ وڏِ کان وَڏِ ڪتاب خريد ڪَري ڪتابن جي ليکڪَن، ڇپائيندڙن ۽ ڇاپيندڙن کي همٿائِن. پر ساڳِئي وقت عِلم حاصل ڪرڻ ۽ ڄاڻ کي ڦهلائڻ جي ڪوشش دوران ڪَنهن بہ رُڪاوٽَ کي نہ مڃن.

شيخ اَيازَ علمَ، ڄاڻ، سمجهہَ ۽ ڏاهپَ کي گيتَ، بيتَ، سِٽَ، پُڪارَ سان تَشبيهہ ڏيندي انهن سيني کي بَمن، گولين ۽ بارودَ جي مدِ مقابل بيهاريو آهي. اياز چوي ٿو تہ:

گيتَ بہِ ڄڻ گوريلا آهن، جي ويريءَ تي وار ڪَرن ٿا.

... ...

ڄڻ ڄڻ جاڙ وڏي تي جَڳَ ۾، هو ٻوليءَ جي آڙ ڇُپن ٿا؛
ريتيءَ تي راتاها ڪن ٿا، موتي مَنجهہِ پهاڙ ڇُپن ٿا؛

... ...

ڪالهہَ هُيا جي سُرخ گُلن جيئن، اڄڪلهہ نيلا پيلا آهن؛
گيتَ بہِ ڄڻ گوريلا آهن........

... ...

هي بيتُ اَٿي، هي بَم ـ گولو، جيڪي بہ ڪٽين، جيڪي بہ ڪٽين!
مون لاءِ ٻنهي ۾ فَرَقُ نہ آ، هي بيتُ بہ بَمَ جو ساٿي آ،
جنهن رِڻَ ۾ رات ڪَيا راڙا، تنهن هَڏَ ۽ چَمَ جو ساٿي آ ـ

اِن حسابَ سان اٽڃاٽائي کي پاڻَ تي اِهو سوچي مَڙهڻ تہ ”هاڻي ويڙهہ ۽ عمل جو دور آهي، اُن ڪري پڙهڻ تي وقت نہ وڃايو“ ناداني‌ءَ جي نشاني آهي.

پَنَ جو پڙهڻ عام ڪِتابي ڪيڙن وانگر رُڳو نِصابي ڪتابن تائين محدود نہ هوندو. رڳو نصابي ڪتابن ۾ پاڻ کي قيد ڪري ڇڏڻ سان سماج ۽ سماجي حالتن تان نظر ڪڄي ويندي ۽ نتيجي طور سماجي ۽ حڪومتي پاليسيون policies اٽڃاڻن ۽ نادانن جي هٿن ۾ رهنديون. پَنَ نِصابي ڪتابن سان گڏوگڏ ادبي، تاريخي، سياسي، سماجي، اقتصادي، سائنسي ۽ ٻين ڪتابن کي پڙهي سماجي حالتن کي بهتر بنائڻ جي ڪوشش ڪندا.

پڙهندڙ نَسُل جا پَنَ سيني کي **چوءِ چالاءِ ۽ کينئن** جهڙن سوالن کي هر بَيانَ تي لاڳو ڪرڻ جي ڪوٺَ ڏين ٿا ۽ انهن تي ويچار ڪرڻ سان گڏ جوابَ ڳولڻ کي پنهنجو حق، فرض ۽ اٽل گهرج unavoidable necessity سمجهندي ڪتابن کي پاڻ پڙهڻ ۽ وڌ کان وڌ ماڻهن تائين پهچائڻ جي ڪوشش جديد ترين طريقن وسيلي ڪرڻ جو ويچار رکن ٿا.

توهان بہ پڙهڻ، پڙهائڻ ۽ ڦهلائڻ جي اِن سهڪاري تحريڪ ۾ شامل ٿي سگهو ٿا. بَس پنهنجي اوسي پاسي ۾ ڏِسو، هر قسم جا ڳاڙها توڙي نيرا، ساوا توڙي پيلا پن ضرور نظر اچي ويندا.

وڻ وڻ کي مون ڀاڪِي پائي چيو تہ ”منهنجا ڀاءُ
پهتو منهنجي من ۾ تنهنجي پَنَ پَنَ جو پڙلاءُ“.
- اياز (ڪي جو ٻيجل ٻوليو)